

1973

جنتی کلمہ



مؤلفہ
خلاصہ الحکماء میرزا محمد شفیع شیرازی ثم الکفوی

مطبع منشی نواز کشتور لکھنؤ میں طبع ہوا

بسم اللہ ربہ المستعین

دیباچہ مباحثہ گلزار نسیم

گلزار نسیم کا ایک نیا ایڈیشن مشرک بکسٹ کے دیا گیا
ہوا تو قدر دانان سخن کو یہ خیال ضرور پیدا ہوا تھا کہ
یہ نیا اضافہ ہوا ہے کہ جس سے فن تنقید کو ترقی
دیباچہ سے اردو کی ادبی دنیا بہرہ مند ہوگی

ع

ن

و

و

اور جسکے متعلق اب تک اکثر مضامین اخباروں یا رسالوں میں نکل آتے ہیں۔ اس مجموعہ کے شائع کرنے سے ہماری یہ مراد نہیں ہو کہ اس مباحثہ کا جو غیر لطیف حصہ تھا اسکی یاد تازہ کر کے پڑنے زخم ہرے کھپے جائیں یا کسی خاص فریق کی تائید میں جو مضامین شائع ہوئے ہیں انکی اشاعت کچھ بجائے برعکس اسکے اس مجموعہ کے شائع کرنے سے ہماری اصل مراد یہ ہو کہ تحقیقات زبان کے متعلق جو مضامین شائع ہوئے ہیں۔
میں تنقید کا لطف پایا جاتا ہو یا جن میں ایسی طریقہ نامہ شوخی موجود ہو جو کہ بدز
لکے درجہ تک نہیں پہنچی ہو وہ ایک جگہ فراہم کر دیے جائیں اور زمانے کے

مضمون میں تقسیم ہو سکتا ہے۔ ایک حصہ ایسے مضامین

موجود ہے۔ اور جنکے پڑھنے سے زبان اور محاورے
میں نظر آئے۔

بن کاہر

بن اور

بن بلی

بن خون

بن قدر

بن

بن

کیے ہیں جنہیں ظریفانہ لطافت کے ساتھ جا بجا تنقید کا لطف بھی موجود ہے۔ اب رہے تیسری قسم کے مضامین جن میں قومی مذہبی اور ذاتی حملے نہایت فحش اور گندہ الفاظ میں کیے گئے ہیں اور جگہ ہر فقرہ کی بنیاد پر از لاجیثت عرفی کی نالاش ہو سکتی ہو ان کو اس مجموعہ میں جگہ نہیں دی گئی ہو بلکہ جو ظریفانہ مضامین شائع بھی کیے گئے ہیں ان میں بھی ایک مضمون میں ایسے ایک یا دو لفظ ایک موقع پر لکھنے سے چوڑ دیے گئے ہیں جو تہذیب مضمون نگار سی کے خلاف تھے۔ جہاں تک کہ اس جھگڑے کی تاریخ کا تعلق ہو وہ حضرت طیش بلگرامی کے تسلیم سے لکھے ہوئے اس مجموعہ میں درج ہو اور اسکے دھرانے کی بیان ضرورت نہیں۔ لیکن ہم اس مباحثہ کی مجموعی حیثیت پر مختصراً چند خیال ضرور ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔

اس علمی جنگ میں جناب شرار اور جناب چاک بست کے درمیان معرکہ و پیش تھا اب رہا یہ کہ ان دونوں پہلوانان سخن میں سے کس کو فتح ہوئی اور کس کو شکست ہوئی اس کا فیصلہ کرنا ہمارا کام نہیں۔ اس کا فیصلہ جناب احمد علی صاحب شوق منشی سجاد حسین صاحب حافظ خلیل حسن صاحب جلیل و جناب حسرت موہانی و حضرت طیش بلگرامی وغیرہ نے کر دیا ہے۔ ان حضرات کے مضامین کے پڑھنے سے یہ آئینہ ہو جاتا ہے کہ کون حق کی طرف ہو اور کون باطل کی طرف ہم صرف اس قدر لکھنا چاہتے ہیں کہ اس مباحثے کے دیکھنے سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہو کہ اُردو زبان میں فن تنقید ابھی تک بہت کچھ اصلاح طلب ہے۔ یعنی بیان علمی مباحثوں میں بھی قومی اور ذاتی جذبات جوش میں آجاتے ہیں جو بے مذاق سلیم کا خون ہو جائے فحش اور گندہ مضامین چھوڑ کر سنجیدہ مضامین کے پڑھنے سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہو کہ لکھنے والے کے دل میں مخفی علمی تحقیقات کا شوق موجود نہیں ہو بلکہ اور جذبات بھی موج زن ہیں۔ جو انصاف کی آنکھوں پر تعصب کا پردہ ڈالے ہوئے ہیں۔ اس بحث کی ابتدا مولانا شرار سے

ہوئی مولانا موصوف کی انشا پر دائمی اور علمی قابلیت محتاج بیان نہیں۔ لیکن ہم نہایت ادب سے یہ عرض کر سکتے کہ آپ کے مضامین سے اکثر مقام پر بیجا غیظ و غضب کا اظہار ہوتا ہے اور ایک آدمہ جبکہ قومی تعصب کی بھی بڑھتی ہو۔ مثلاً اتحاد مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء کے صفحہ ۸ پر مولانا موصوف اپنے احباب کے مضامین کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ ان مضامین پر ہمارے احباب اور اردو مذاق کے قدر دان ضرور توجہ کرین خاصہ مسلمان پہلک کی توجہ کی ضرورت ہے۔ ہلکو مولوی شرابیے بزرگ کے قلم سے ایسے الفاظ نکلتے دیکھ کر سخت تعجب ہو۔ برعکس اسکے انصاف ہمیں یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے کہ جناب چک بست کے قلم سے جو مضامین جناب شرر کے اعتراضات کے جواب میں شائع ہوئے ہیں۔ انہیں پوری شان تنقید قائم ہو۔ اور اپنے مخالفین کی شان میں ایک لفظ بھی ایسا استعمال نہیں کیا ہے جو مذاق سلیم کے پائے سے گرا ہوا ہو سنجیدہ مضامین کے علاوہ جو مضامین اودھ پنچ مین جنت کی ڈاک کے سلسلے میں آتش کے خطوط کے عنوان سے شائع ہوئے ہیں وہ بھی لوگ جناب چک بست کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ہلکو بھی ذاتی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ مضامین مذکور جناب چک بست کے لکھے ہوئے ہیں ان مضامین میں بھی مولوی شرر صاحب کی زبان دانی کا مضحکہ ضرور اڑایا گیا ہے۔ مگر کسی مقام پر قومی یا مذہبی تعصب کا شائبہ نہیں ہوتا ہو ہم جناب چک بست کے معین نہیں ہیں اور نہ ہلکو انکی رائے سے کلیتہً اتفاق ہے اور نہ ہم مولوی شرر صاحب کے تمام اعتراضات کو بجا سمجھتے ہیں۔ ہمارا مطلب صرف اس قدر ہے کہ مولوی شرر صاحب نے جو لباس اپنے خیالات کو اعتراضات کرتے وقت پہنایا ہے اس میں کافی شان تنقید موجود نہیں ہے۔ اور جناب چک بست کے انذار تحریر ایسا ہے جسکو فن تنقید کا ایک اچھا معیار خیال کرنا چاہیے۔ ہمارے اس بیان کی تائید وہ حضرات کریں گے جنہوں نے جناب چک بست کے وہ مضامین

اُر دوے مُٹلے اور اودھ پنچ مین پڑے۔ جو مولوی شرر صاحب کے اعتراضات کے جواب مین شائع ہوئے ہیں اور جن سے حضرت چک بست کی علمی قابلیت کا سکہ دلون پر جاری ہو گیا۔ علاوہ ان دو حضرات کے جن حضرات کے مضامین قابل امتیاز ہیں اُن مین منشی سجاد حسین صاحب و منشی احمد علی صاحب شوق و حسرت، ہوبانی صاحب اور ضامن کشتوری صاحب حضرت جلیل کے مضامین قومی اور مذہبی مقصد سے بالکل پاک ہیں۔ اور بیجا عیناد و غصب کے جذبات سے بری ہیں۔ خصوصاً احمد علی صاحب شوق کے مہلے فن تنقید کے اعلیٰ نمونے ہیں گو کہ جناب چک بست نے اپنے دیباچہ مین حضرت شوق کی فتویٰ مزاد شوق کے خلاف لکھا تھا لیکن آپ نے جناب چک بست کے اس خیال کو ذاتی حملہ نہ سمجھا اور گلزار نسیم کے متعلق اپنی رائے نہایت آزادی کے ساتھ ظاہر کر دی یہی شان تنقید ہو بعض حضرات کے مضامین معیار تنقید سے گرے ہوئے ہیں مثلاً نقاد کھنوی صاحب نے زمانہ مین جو مضمون اس بحث کے متعلق لکھا ہو اُس مین نسیم کو عرش پر پہنچا دیا ہو اور میر حسن کو کمین کا نہیں رکھا ہو دکن ریویو کے نقاد صاحب نے نسیم کے خلاف ایسے ایسے اعتراض گڑھے ہیں کہ سبحان اللہ نسیم کا شعر ہو چکی ہوئی پیٹ سے وہ دلیکیرہ آئینہ کی پشت پر تھی تصویر بہ نقاد صاحب (چکی ہوئی) کو چکی ہوئی پڑھتے ہیں اور جب شعر کے معنی سمجھ مین نہیں آتے ہیں تو نسیم پر اختصار پنجا کا اعتراض فرماتے ہیں یہی طرح ”خواہ نسیم“ نے تہذیب کے طغیوں کو نسیم کی بیجا تعریف مین سیاہ کیا ہو ظریفانہ مضامین خاص منشی سجاد حسین صاحب کے قلم سے اودھ پنچ مین شائع ہوئے ہیں انکو نہایت اعلیٰ درجہ کی ظرافت کا نمونہ سمجھنا چاہیئے۔ لیکن اودھ پنچ کے بعض نامہ نگاروں نے ایسے مضامین لکھے ہیں جن مین باوجود دیگر محاسن کے

مولوی شہر صاحب پر ذاتی حملے کیے گئے ہیں اور اس وجہ سے یہ مضامین اس مجموعہ میں داخل نہیں کیے گئے۔

عہ مثلاً ذیل کے قہاس ملاحظہ ہوں ذرا سنیے گا

پچھلے پھولے گی اب خاک بدایون + کہ اُسین کھا دُر سی کی پڑی ہو - وائند قلم توڑ دیے ہیں اور کیا کون زمینِ خرمین ہل جلو دیا - کیا روانی ہو - تسلیات کی تخم ریزی کرتا ہوں ایک اور شعر ملاحظہ ہو
 ۷ طہین کستی ہو بدر النسا سے + تجھے اپنی مجھے اپنی پڑی ہو + بندہ نواز کیا شوخ طبیعت پائی ہو - وائند دلف یاد آگئے کورنش عرض ہو دو قطعہ ملاحظہ ہوں -

قطعہ اول

اڈیٹر پنج کا ہے خان عالی فرات اُسکی گھٹی میں پڑی ہے
 وہ ہے شیر نستانِ نجات رقیب اس کا جُشَم لومڑی ہے

قطعہ ثانی

رفیق پنج ہے شوخ سخن سنج کہ جبکی دھوم عالم میں پڑی ہے
 جو اس کی نظم ہے سلکِ جواہر تو اس کی نظم موتی کی لڑی ہے

حضرت اعجاز ہے اعجاز کس زبان سے آپ کی تعریف کجائے - بس ان قلموں کی لطافت کا اندازہ یہ ہے کہ حاسد کا دل بچ کر رہ جائیگا - یہ آپ کی قدر افزائی ہے محبت ہو حاسد کیا اور اسکا دل کیا - اچھا لگے باتوں ایک شعر اور سنیے ۷ حل قائم رہے بدر النسا + یہ غم آٹھوں پہر چو نشتہ گھڑی ہو + اس شعر کی تعریف نامکن ہو - بانصاحب کی روح لوٹن کو تر ہو گئی ہو - وائند تنقید کا نام نہیں - اور مضمون ایسا (دگر انبار) حضرت آپ نے تو تعریف کے بلِ بازہ دیے ہیں کس زبان سے شکریہ ادا کروں ایک شعر ملاحظہ ہو اپنے رنگ میں فرد ہو ۷ پیام یاد گندمی پڑہ رہا ہو + طہین خندہ پیتانی گھڑی ہو وائند دماغ جھک گیا اس شعر سے سچی شاعری کی بُرائی ہو مگر خیالات کی پاکیزگی شرط ہو - آداب کا کنٹر

لیکن جیسے گندہ اور ناپاک اور فحش مضامین اپریل ۱۹۰۵ء اور مئی ۱۹۰۵ء کے پیام یار میں مولوی شرر صاحب کی تائید میں شائع ہوئے ہیں اور جنکے اقتباسات اس مجموعہ میں حضرت طیش بگرامی کے مضمون میں سرج میں انکا جواب چرکین کے دیوان میں بھی لکھوتا ہوں۔ اسی تلامذہ کا ایک دمر بڑی شعر ملاحظہ ہو۔ بڑا ہی خوش ہے پینک میں گندھی پھریری ناک میں الٹی اڑی ہو۔ بندہ نواز کیا صنعت رکھی ہو۔ ماخا ہوں استاد کہتا ہو رع پھریری ناک میں الٹی اڑی ہو۔ دیکھیے (دناک) کو لیٹے تو (کان) ہو جاتا ہو اور پھریری کو کان سے تعلق ہو وائندہ لذت تو میں بھی نہیں سمجھا تھا آب خالی سخن فہم ہی نہیں ہیں بلکہ معنی آفرین ہیں اچھا دو ایک شعر اور سنئے۔ خدا رکے حلیم تو ہے تیار بہ مگر بدر النسا سوکھی مٹری ہو۔ وائندہ اس شعر میں کیا بے تکلفی کوٹ کوٹ کر بھری ہو۔ اچھا ایک قطعہ اور عرض ہو۔

قطعہ

شکوہ پنج نے کیسا یہ چھوڑا کہ جس سے اک قیامت آپڑی ہے
ادھر بدالنسا ہے منہ پھولائے حلیم اس طرف روٹھی کھڑی ہے
کیا کہنا دوسرے شعر کی تعریف نامکن ہو۔ اس شعر کا لطف جیسا آسکتا ہو جب ذرا لطف بیان سے واقفیت ہو۔ تھوڑی سی زیادہ نہیں بیشک ایک اور شعر سنئے۔ نسیم صبح برساتی ہو دان پھل
جہاں بلاش آتش کی گڑی ہو۔ قسم ہے خاک و آتش و آب و باد کی اس شعر کا جواب نہیں ہو سکتا کیا لطافت ہو اور کیا پاکیزہ خیالی ہو غیر۔ تسلیات عرض ہو آخری شعر ملاحظہ ہو۔
شرر کہتا ہے میں چلنا گھرا ہوں + اگر چک بست ساون کی چھڑی ہو۔ وائندہ کیا برا بکے مصرعے
میں شعر کیا ہے شاعری کا سانچہ ہے۔ تسلیات۔ کورنش۔ آداب۔ سب ایک ہی مرتبہ عرض
ہیں۔ جبکہ آپ نے فرمایا یہ محض آپ کا حسن ظن ہے۔ اور قدردانی ہے۔ بھلا شرر کے دل سے
میرے اشعار کی داد لیجئے۔ الخیر مولانا خٹھر

منا مشکل ہو، کھو تجب ہو تو اس قدر کہ مولوی شرر نے ان مضامین کے خلاف لغو نفرین کرنے کے بدلے اپنا دامن انکی تعریف سے کیوں اکودہ کیا جیسا کہ حضرت طیش کے مضمون کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہو بہر حال باوجود حلو عیوب کے یہ بحث ایک یادگار بحث ہو اور جتنے نکتے بہت سے محاوروں اور اصلاحوں کے متعلق اس بحث میں حل ہو گئے وہ اردو زبان کی کسی علمی بحث میں حل نہیں ہوئے ہونگے اور نہ کسی علمی بحث میں ملک کے اتنے گرانمایہ سخن سخنوں نے حصہ لیا ہوگا۔

کورنش عرض ہے

کورنش عرض ہو بندہ نواز - فرج مبارک - شکر ہے خدا کا - کیئے آجکل کیا نفل رہتا ہے - حضور ایک غزل کہی ہے کہ مومن مرحوم کی روح وجد کرتی ہے - فرمائیے فرمائیے - تینے بندہ پرور مطلع ہے - مصیبت دیکھ کر بدر التاسی - حلین نے کہا مری خدا کی + اے سبحان اللہ کیا کہنا ہے فخر کیا ہے کسی کا بکار ہے تسلیات کی کھونٹی کتا ہوں -

دوسرا مطلع ملاحظہ ہو

ترقی بھی شرر نے کی تو کیا کی + گھٹا کی عقل اور داڑھی بڑا کی + واسطہ کیا برابر مصرعے ہیں - گندھی کا دل چاہے تو جبری بھر تو لے - قسم ہے پروردگار پاک کی کیا مصرع کہے ع گھٹا کی عقل اور داڑھی بڑا کی کیا ترقی اور تنزل کی تصویر کھینچی ہے فارسی کا استاد بھی کہ گیا ہے ع گوسالہ ما پیر شدو گواؤ نشد بخت ہے قدر افزائی ہے تیسرا مطلع ملاحظہ ہو -

رکے آتش تو ڈاک آئی صبا کی + تلافی پہنچنے کی بھی تو کیا کی + واسطہ شر کیا کہے - شاعری کی جبری کردی ہے - کورنش کا لغافہ کھو کتا ہوں - ایک اور شعر ملاحظہ ہو - جوٹنی مرغ سے مانگے ملی تھی + وہی اک ٹانگ گندھی کی چلا کی + آبا با کیا مسنی خیر شعر ہے - شر کی مرغ کی ایک ٹانگ اور گندھی کی تسکی تائید میں ہٹ دھرمی اور ہاتھ آگئی تھی کتنی رعایتیں ہیں کس کس کی تعریف کجا نے ادب کے پڑے ٹیکتا ہوں

ہم نے یہ کوشش کی ہو کہ گلزار نسیم کے خلاف اور موافق جس قدر سنجیدہ مضامین مولوی شرر صاحب اور جناب چک بست کی بحث کے سلسلہ میں شائع ہوئے ہیں وہ سب اس مجموعہ میں شائع کر دیے گئے ہیں اگر کوئی قابل اشاعت مضمون چھپنے سے رہ گیا ہو تو تاخیر میں اس سے ہمیں مطلع فرماویں دوسرے ایڈیشن میں وہ بھی شائع کر دیا جائے گا کیونکہ ہمارا مطلب یہ ہے۔

سنئے گا۔ ابھی اس راہ سے گندمی گیا ہو + کسے دینی کجی ہو نقش پاک + قسم ہو قدر و انان شر کے سر کی درختی کا کیا لفظ رکھ دیا ہے۔ مصرع پڑھا نہیں کہ انکے نقش پاکی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ یعنی لکھوے ہوئے پنچے کا نقش تو جگر گھٹتی ہو کر رہا تھا ہے اور ایڑی کا خدا حافظ ہے۔ تسلیمات عرض ہو دو سرا وزن ملاحظہ ہو۔
رہے کرسی کے خواندہ تک بھی احمق + عجب تاثیر ہے آب و ہوا کی۔ بارک اللہ کیا روز مرہ کی صفائی ہے
کیون نہ لکھنؤ کی زبان ہے حضور قدر افزا کی ہے جو ہو عطار اور گندمی کا فضلہ + اڈیرہ بنے قد شکی
بجا ارشاد ہوا حضرت یہ وہی مثل ہے چھوڑ کر لگائے جنبیلی کا تیل جناب کی سخن فنی ہو رہا ہو چل میں کرسی کا
خرابی ہے دایوں کے لٹاکی۔ کیا کرسی اور دایوں کا اتحاد دکھایا ہے اسکا نام شاعری ہے واللہ حاسد و نکی چولین
ٹوہیلی کر دی ہیں عجب کرسی کی مرغی میں ہے شامت + ہر ایک انداز نکل جاتا ہے فلکی + سبجان اللہ
و بحدہ کل غزل مرتع ہے کورنش عرض ہے۔ المنبر مولانا شرر۔

آداب بجالا تاہون

۱ ازاد و پنج مورخہ ۹۔ نوبر ۱۹۰۵ء جلد ۲۹۔

آداب بجالا تاہون مطلع عرض ہو رہا زلف جامان کی طرح ہے ٹانگ بل کھائی ہوئی +
آف تری گندمی جوانی جوش پر آئی ہوئی۔ قسم خدا کی کیا جوش ہو معلوم ہوتا ہے کہ بوتل کا گالگ اڑا جاتا ہو
تسلیمات عرض ہے اچھا اور سینے سے مستدرگرا گیا گندھی کہ گندھک ہو گیا + رنگ لانی ہے شرر کی آگ
بھڑکائی ہوئی + واللہ قلم توڑ دیے ہیں۔ مر سے مردک سا تھا گر (گندھی) سے (گندھک) آپ نے
بنایا کر دیکھئے رنگ نہ پاٹ جائے۔ کورنش عرض ہے یہ شرر اور گندھک کا اتحاد ملاحظہ ہوا اپنے سٹھ سے

کہ یہ مباحثہ ایک مکمل حیثیت میں ہمیشہ کے لیے یادگار رہے ہو کہ یہ سکر نہایت خوش ہوئی کہ جناب چک دست اور مولوی خضر صاحب میں اب کوئی ذاتی رنجش باقی نہیں رہی اور یقین ہو کہ جناب ششی سجاد حسین صاحب اور مولوی خضر صاحب میں بھی صفائی ہو جائے

را تم اللہ خلاصۃ الکلمات زائد شفیق شیرازی فم الکفوی عفا عنہ

ایسی تقریریں کہ کہیں بجا ہے مگر اتنا کہوں گا کہ اگر آتش زندہ ہوتے تو اس شعر کی داد دیتے خیر ایک اور شعر ملاحظہ ہو

دیکھنا انصاف اس پروردگار پاک کا + پردہ دہر کی (پردہ عصمت) سے رسوائی ہوئی۔ اعجاز ہے اعجاز

نعت قسم ہے سارے بے کیا روانی ہے اور کیا الگ رنگی دلگداز کی صادق القول چلن اس پر صدمت ہے آداب کا پردہ اٹھاتا ہوں حضور نے چلن اور عین کی بغیر غلی خوب پیدا کی ایک شعر اور سنئے

سہ نہیں سرنگون بدرالمناسبت خرمسار + اک پیام مار سے دو کوئی رسوائی ہوئی + آبا با با شعر کیا ہے ...

... بس آگے کیا کون تعریف نامکن ہے میں کیا اور میرا شعر کیا آج کا حسن سماعت و قدر دانی ہے

ہوئے کے دارِ ہی کے تنکے کی پھر بری ہویم + آجکل گندھی کے دل میں ہے یہ دُھن آئی ہوئی + قسم خدا کی اس کا نام جدت ہے۔ دیکھئے اس تنکے کی اوٹ میں کیا کیا کتنے ینان ہیں اور (دُھن)

یہی کیا خوب کیا کیا رعایتیں ہیں قدر افزائی ہے ناچیز اسے تبیں کچھ تھکا نہیں شخص شخص کی رعایت سے شکر کر لیتا ہوں سہ سبکی پرانی رو کر یہ عین نے کہا + لکھنؤ کی صبح مجھ کو شام رسوائی ہوئی + واٹھ

رفت آگئی اب ایسا شعر نہ پڑیے گا ورنہ بزم ماتم پیا ہو جائیگی اچھا دوسرا شعر ملاحظہ ہو۔

ہوش اُتر جائیگے گندھی کے شال بوے عطر + ہے اگر طبعِ جنابِ غادر گرائی ہوئی + کیا کہنا۔ جی ہاں

گندھی کیا اور اُسکی ہستی کیا۔ گو کہ باوجود پیرائے سالی کے عقل نہ آئی۔ عمر بھر تیل بچا کئے

بزمون کے کاگ نکالتے نکالتے۔ ایک ٹانگ پتہ کش ہو کر رہ گئی۔ اب بچپن میں فارسی پڑی تھی اس کا خیال آیا ہے مضمون نگار نے بن سیمات عرض ہے آخری شعر ملاحظہ ہو

ہے بیابانی کے تیکے پر چڑھی کا درخت + پھر اسی کی ایک گلہری رنگ ہے لائی ہوئی۔ اس شعر پر حاسد شر تو ضرور ہونگے مگر اس کا جواب نامکن ہے آداب بحال آتا ہوں

الخبر مولانا نثر

۷۔ جولائی ۱۹۷۰ء

از ادوہ پنچ مطبوعہ ۸۔ فروری ۱۹۶۴ء جلد ۳ نمبر ۶

۲۔ گلزار نسیم کے جھگڑے کی تاریخ (از طیش بلگرامی)

فاش میگویم و از گفشتہ خود دل شادم بندہ مستقم و از ہر دو جانب آزادم
جناب ادوہ پنچ صاحب - تسلیم ادوہ پنچ کے گزشتہ نمبر میں ایک تحریر میری نظر سے گذری جس میں اس امر کے متعلق بحث لکھی کہ گلزار نسیم کی بحث نے جو اس قدر طول کھینچا ہے تو اسکے لیے کون ذمہ دار ہے چونکہ میں نے بھی اس بحث کو دلچسپی کے ساتھ پڑھا ہے لہذا اسکے متعلق میں چند خیالات ظاہر کرنا چاہتا ہوں -

جناب میں دو ماہ پیشتر میرا خیال تھا کہ اس بحث نے جو اس قدر طول کھینچا ہے تو اسکے لیے صرف ادوہ پنچ ذمہ دار ہے۔ اور عبدالحکیم صاحب شرر بالکل معصوم ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ میں نے شروع سے اس بحث کے متعلق مضامین نہ دیکھے تھے محض دو چار ماہ سے میں ادوہ پنچ کے پڑھ لیا کرتا تھا اور چونکہ زیادہ تر مضامین ادوہ پنچ میں دیکھتا تھا لہذا میں خیال کرتا تھا کہ شرر بیچارے تو خاموش ہیں مگر ادوہ پنچ مسلسل انکے اعتراضات اور تصانیف کی دجیان اڑا رہا ہے۔ مگر حال میں میرا لکھنا جانے کا اتفاق ہوا تھا وہاں جا کر میں نے مختلف افواہیں سنیں۔ کوئی شرر کو لازم قرار دیتا ہے کوئی ادوہ پنچ کی زیادتی کی شکایت کرتا تھا۔ اس گٹھئی کے سلجھانے کے لیے میں نے وہ تمام مضامین جمع کیے جو کہ اس بحث سے متعلق شائع ہوئے تھے اور سلسلہ دار پڑھے۔ انکے پڑھنے سے مجھے یہ امر آئینہ ہو گیا کہ ادوہ پنچ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اور جبکہ حصہ اس بحث کا قابل الزام ہے اسکے لیے شرر صاحب ذمہ دار ہیں۔ چونکہ میں خیال کرتا ہوں کہ اکثر اصحاب میری طرح اس ادوہ پنچ میں

ہونگے کہ اس بحث کی ابتدا کیونکر ہوئی۔ اور اسکی خرابیوں کے لیے کون واقعی ذمہ دار ہے لہذا یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ناگوار بحث کی تاریخ کی نسبت چند سطور تحریر کیجائیں جن سے ہر شخص منصفانہ نتیجہ نکال سکے۔

بلج واپریل - دگلڈز مین شرر صاحب نے گلزار نسیم پر (ریویو) شائع کیا جس میں تین عنوان قائم کیے گئے تھے۔

(۱) گلزار نسیم آتش کی تصنیف ہو۔

(۲) گلزار نسیم کی زبان لکھنؤ کی مستند زبان نہیں ہو۔

(۳) گلزار نسیم کے چند قابل اعتراض شعر تنقید پیش کیے گئے تھے۔

۱۱۔ مئی ۱۹۵۰ء کے اودھ پنچ مین ایک مضمون ایڈیٹور بل مگلا جیمین یہ لکھا گیا تھا کہ جس حالت میں یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ گلزار نسیم آتش کی تصنیف ہے تو اسکی زبان پر اعتراض کرنا۔ گویا کہ لکھنؤ کے سراپا ناز شاعر آتش کی زبان پر اعتراض کرنا ہے۔ نیز یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ شرر کو اہل لکھنؤ کا وکیل بنکر اعتراضات شائع کرنے کا منصب نہیں حاصل ہے وہ اپنی ذاتی ذمہ داری پر ایسا کر سکتے تھے۔ علاوہ اسکے چند اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا تھا۔ مین نے اودھ پنچ کا مضمون دیکھا اس میں کوئی ایسی بات نہ تھی جو کہ مستند نظر آفت کے پایہ سے گری ہوئی ہو۔ اور دیگر حضرات یہ مضمون دیکھ کر اپنا اطمینان کر سکتے ہیں۔

اگر شرر صاحب کے فراج مین مصالحت پسندی کا جوہر ہوتا تو وہ یا اودھ پنچ کے مضمون کا باضابطہ جواب دیتے یا خاموش رہتے مگر انھوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا جس سے اوڈیٹر اودھ پنچ کی سراسر سبکی اور علمی توہین متصور تھی اور مین شرر صاحب کی اس نازیبا حرکت کو اصل بنائے فساد قرار دیتا ہوں۔ یعنی شرر صاحب نے ۱۴۔ جون ۱۹۵۰ء کے ریاض الاضواء مین ایک مضمون (بدھ) کے نام سے شائع کر لیا جس میں یہ لکھا تھا کہ ۱۱۔ مئی ۱۹۵۰ء اودھ پنچ مین جو مضمون شرر کے خلاف شائع ہوا ہے وہ منشی سجاد حسین کا لکھا ہوا نہیں ہے

بلکہ کسی اور شخص کا لکھا ہوا ہے (اور یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس مضمون کا انداز عبارت شرر کے انداز عبارت سے بالکل مشابہ ہے سرخوفزق نہیں) اور یہ لکھک اودھ پنچ کے اڈیٹوریل مضمون کا خوب خالہ اڑایا گیا تھا اور اس کے لکھنے والے کو فائر القفل وغیرہ کا خطاب دیا گیا تھا۔ مین پو پچھتا ہوں کہ اس سے بڑھکر اڈیٹر اودھ پنچ کی کیا ذلت ہو سکتی تھی کہ اس کے مضمون کے لیے لکھا جائے کہ کسی اور شخص کا لکھا ہوا ہے۔ شرر صاحب بھی لکھنے والے بہتے ہیں۔ شرر صاحب اُن سے دریافت کر سکتے تھے کہ آیا یہ آپ کا مضمون ہے کہ دراقم کا نام غلطی سے رہ گیا ہو۔ مگر شرر صاحب کا تو منشا ہی کچھ اور تھا۔ اسی سلسلہ میں اڈیٹر اودھ پنچ کی تردید میں ایک ہیودہ اوفش مضمون اپریل ۱۹۰۵ء کے پیام یار غالباً یہ نمبر پیام یار کا حسب معمول دو ایک ماہ بعد شائع ہوا ہو گا) مین پھر (دبر) کے نام سے اور شرر کی تائید میں شائع ہوا جس میں مختلف ہیودہ کلمات کے علاوہ یہ بھی لکھا گیا تھا کہ منشی سجاد حسین صاحب نے کچھ ایسی گھڑی جنم لیا ہے کہ ہندو مسلمانوں کا جب کوئی جھگڑا پیش ہوتا ہے تو وہ ہندوؤں کا ساتھ دیتے ہیں اور اسی اصول پر گلزار نسیم کی طرفداری کر رہے ہیں۔ یہ فقرہ بہت قابل لحاظ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتداء ہی مین شرر اور اُن کے طرفداروں نے اس علمی بحث کو ایک مذہبی جھگڑا بنانے کی کوشش کی مگر اودھ پنچ نے ان ہیودہ اوفش کلمات کو تو ناقابل لحاظ سمجھکر ترکیب کی جواب نہ دیا ۲۹ جون ۱۹۰۵ء کے شمارے

۷۰ مثلاً شرر کا اعتراض تھا کہ جانی کا لفظ سوائے مشوقہ کے اور وہ بھی خلوت کے وقت کسی دوسرے کی شان میں نہیں استعمال ہو سکتا۔ اڈیٹر اودھ پنچ نے اس اعتراض کی نسبت لکھا تھا کہ ابا جانی جو لکھنؤ کا عام محاورہ ہے اسکی ماہیت کیا ہو کیا مشوق کو ابا جانی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسکا جواب ان ہیودہ الفاظ میں دیا گیا تھا کہ آپ اپنی والدہ کو جانی کیلئے تو آپ کے والد آپ کو بتا دیں گے کہ (جانی) کا استعمال غلط ہے کہ صحیح ناظرین خود انصاف کر سکتے ہیں کہ اودھ پنچ کے پہلے مضمون کے خلاف ایسے ہیودہ مضامین شائع کیے گئے تھے ۱۲

اودھ پنچ میں ایک مضمون مولانا (بدراشر) کی خاک بزمی کے عنوان سے لکھا اور اسمین ان گستاخانہ حملوں کو ہنسکڑا لیا۔ یعنی یہ لکھا کہ شر نے ہمارے ساتھ بھی وہی ظلم کیا ہے جو ہندت دیا شنکر نسیم کے ساتھ کیا ہے یعنی ہمارے جیسے جی یہ لکھتے ہیں تکلف نہیں کیا کہ جو مضمون ۱۱۔ مئی کے پنچ میں اڈیوریل کالم میں شائع ہوا ہے وہ ہمارا نہیں ہے۔ بلکہ کسی نامہ نگار کا ہے۔ موت کے بعد تو خدا ہی حافظ ہے۔ ان مفرد نکتے علاوہ اکثر اعتراضات کے جواب الجواب بھی لکھے تھے۔ اودھ پنچ کے اس مضمون کے جواب میں ایک ہیودہ اور فحش مضمون پھر پیام یار میں شائع ہوا ہے جسکے فقرے کسی مذہب تحریر میں نقل نہیں ہو سکتے۔ اس مضمون میں منشی سجاد حسین صاحب کی شان میں متعدد گستاخانہ کلمے لکھے گئے تھے۔ ممکن ہے شر یہ عذر پیش کریں کہ چونکہ ان مضامین کے نیچے انکا نام نہیں لکھا تھا اسلئے وہ انکے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ شر قانوناً ان مضامین کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ مگر اخلاقاً وہ انکے ذمہ دار ضرور ہیں کیونکہ سب اہل لکھنؤ جانتے ہیں کہ مضمون شر کی مرضی سے شائع ہوتے تھے اور انکی تردید کرنے کے برعکس انھوں نے اتحاد میں انکے لکھنے والے کو (یعنی) (دبر) جو کہ اسم مرضی کے بدلے ان مضامین کے نیچے لکھا رہا تھا (دکرم) کا خطاب دیا (دیکھو اتحاد دیکم اگست ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۔ جب اس قسم کے ہیودہ اور فحش مضامین اودھ پنچ کے خلاف لکھے تو اسکے نامہ نگاروں نے بھی کروٹ لی اور جان صاحب کی ریختی۔ نکلی جسمیں شستہ طرافت کے پیرایہ میں شر کی دیہاتی زبان کا خاکہ اڑایا گیا تھا اسکے بعد ۲۔ جولائی ۱۹۰۵ء سے آتش کے مشہور خطوط کا سلسلہ شروع ہوا ان خطوط میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ شر کے اعتراضات وائے مضمون ہیں۔ کس قدر منطقی اور شین ہیں اور شر نے کیا کیا رنگ دیے ہیں آتش کے دو خط شائع ہوئے تھے کہ جناب منشی احمد علیہ صاحب شوق کا لاجواب مراسلہ ۳۔ اگست ۱۹۰۵ء کے اودھ پنچ میں شائع ہوا یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ منشی صاحب موصوف نے صاف صاف الفاظ میں لکھ دیا تھا کہ گلزار نسیم کی زبان لکھنؤ کی مستند زبان ہے

اور اگر کچھ غلطیاں نسیم کے کلام میں موجود ہیں تو ان سے کشتی عر کا کلام پاک مین ہے بچاؤ
 آپ نے نظری ظہوری وغیرہ کی غلطیاں تنسیلا پیش کر دی یقین منشی سجاد حسین صاحب نے
 اس مراسلہ کو تو قول فیصل قرار دیا۔ جسکے معنی یہ تھے کہ گویا بحث کا خاتمہ ہو گیا۔ اور واقعی
 یہ ہے۔ جناب منشی احمد علی صاحب شوق کے ایسے مشہور اور مستند شاعر کا قول فیصل ہر صورت
 قابل وقت تھا مگر شرر صاحب نے اپنی خفت پر جھلکار کچھ ایک ایسی نازیبا حرکت جس سے بحث
 تازہ ہو گئی اور جسکا خمیازہ اب وہ اٹھا رہے ہیں۔ یعنی ۳۔ اگست کو حضرت شوق کا مراسلہ
 شائع ہوا۔ یکم۔ اگست ۱۹۰۵ء کے اتحاد میں جو کہ ۹۔ اگست کو شائع ہوا تھا، شرر نے اڈیٹر
 اودھ پنچ کو (شہد) قرار دیا۔ اور اودھ پنچ کو بحیثیت مجموعی بدنام اور ذلیل کرنا چاہا اور
 یہ لکھا کہ اودھ پنچ نے اس بحث کو (گلزار نسیم کی بحث) بہت ناپاک اور گندے طریقے
 اٹھا لیا ہر منصف مزاج اس اودھ پنچ کے فائل اٹھا کر دیکھ سکتا ہے کہ یکم اگست میں
 جو مضامین اڈیٹر اودھ پنچ اور منشی احمد علی صاحب شوق کے منسلک ہیں۔ یا آتش کے خطوط
 شائع ہوئے ہیں انہیں۔ انہیں کس میں شہدین کا اظہار کیا گیا ہے اور کس میں پاک اور گندہ
 طریقہ بحث کا) اختیار کیا گیا ہے۔ کیا طریقہ اختیار کیا جاتا تو قابل معافی تھا۔ کیونکہ ریاض اللہ
 (بدر) و لے مضمون میں اور پیام یار کے گندے اور ناپاک آرمین بلاوجہ سخت و سست
 کہا گیا تھا۔ اصل یہ ہے کہ منشی سجاد حسین صاحب نے منشی احمد علی صاحب شوق کے مراسلہ کو
 قول فیصل مانکر بحث کو ختم کر دیا تھا۔ مگر شرر صاحب نے یہ دیکھ کر کہ حضرت شوق کے عقائد
 مراسلہ نے انکے اعتراضات کی وقت کھودی اپنی جھپٹانے کے لیے۔ دوسرے طریقے
 اختیار کیا یعنی اس تعلیمی مباحثہ کو مذہبی اور قومی جھگڑا بنانا چاہا۔

اور لوگوں کو اودھ پنچ کے خلاف یہ لکھ کر انکے متعصب کرنا چاہا کہ اودھ پنچ ایک ہندو شاعر
 کی طرفاری کر رہا ہے جیسا کہ پیام یار میں پیشتر ہی لکھا جا چکا تھا کہ منشی سجاد حسین صاحب نے
 ایسی جھڑپی جنم لیا ہے کہ جب ہندو مسلمانوں کا جھگڑا ہوتا ہے تو وہ ہندوؤں کا ساتھ دیتے ہیں

لہذا اس موقع پر بھی گلزار نسیم کے مؤدبین - نیز شرر کی تابعدارین اور نسیم مرحوم کی خدمت میں جو فحش ناپاک اور گندے مضامین مسلسل نکل سہے ہیں اور جنکی بدولت (اتحاد و دلدلار بند ہے) انھیں ناپاک مضامین کی نسبت حضرت شرر اپنے قلم مبارک سے اتحاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان مضامین پر ہمارے احباب اور اردو مذاق سخن کے قدر دان ضرور توجہ کریں خاصۃً مسلمان سبک کی توجہ کی ضرورت ہو (دیکھو اتحاد یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۸) ہم شرر اور انکے معاونین سے پوچھتے ہیں کہ اگر شرر نے اس علمی مباحثہ کو قومی یا مذہبی جھگڑا نہیں بتادیا ہے تو اس جگہ کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی (کہ خاصۃً مسلمان سبک کی توجہ کی ضرورت ہو) اب تو شرر صاف صاف گلزار نسیم کی بحث کو مذہبی اور قومی جھگڑا بتا رہے ہیں - مگر ہم دیکھتے ہیں کہ شروع ہی سے اتحاد پر وہ یہی مطلب تھا کہ گلزار نسیم کی بحث میں قومی و مذہبی تعصب سے کام لیا جائے - کیونکہ گلزار نسیم کے نئے ایڈیشن پر جب انھوں نے ریویو کیا تو ایسے الفاظ نسیم مرحوم کی شان میں استعمال کیے جن سے قومی و مذہبی تعصب کی توانائی تھی (کہیں نسیم کو درپردہ جاہل و بدقیس قرار دیا ہے - کہیں گلزار نسیم کی زبان کو لکھنؤ کی بازاری زبان سے بدتر کہا ہے - جن صاحب کو شک ہو وہ پریس و اپریل ۱۹۰۵ء کے دلدلار دیکھ کر میرے بیان کی تصدیق کر سکتے ہیں - اور سب سے زیادہ شرمناک حرکت شرر صاحب کی یہ ہے کہ انھوں نے نسیم کے جال چلن پر حملہ کیا ہے - یعنی آپ نے پریس کے دلدلار میں لکھا ہے کہ کوئی تعجب کی بات نہیں اگر آتش نے اس دلبستگی کی بنیاد پر جو انھیں نوعمر شاگرد (یعنی نسیم) سے تھی اس منشوی (گلزار نسیم) کو تقض طبع کے طور پر پرکھا ہو اور پھر بجائے اپنے اسی کی طرف منسوب کر دیا ہو (دلدلار پریس ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۴) جب یہ اعتراض کیا گیا کہ آخر آتش کو نسیم کے ساتھ کیا دلبستگی تھی تو اسکا جواب ریاض الاخبار کے (دبر) والے مضمون میں یوں دیا گیا - کہ مولانا شرر نے ... خود تو یہ فیصلہ کیا ہے کہ اسی گلزار نسیم کو کیا عجب آتش نے تقض طبع کے لیے کہا ہو اور غلطیان دیکھ کے (نوعمر خبیث و شاکر دیکھ کر) منسوب کر دیا ہو

(دیکھو ریاض الاخبار ۶ جون ۱۹۰۵ء صفحہ ۵) اسکے بعد مئی ۱۹۰۵ء کے پیام یارین) جو حسب معمول دیر سے شائع ہوا تھا (مولانا شرر کے اس وعدے کی یوں تشریح کی گئی کہ (آتش . . . نے پنڈت جی (نسیم کو بنایا تھا . . . کیونکہ کشمیری حسن نے وہاں تو سن شدی سن تو سندھ کا مضمون پورا کر رکھا تھا خالی بنانے کے بے مثنوی کی وضع میں کچھ غلط سلاطین شعر کہ دیے تھے پنڈت جی) (نسیم نے خوشی میں ان کے اسے شائع کر دیا اور یہ نہ سمجھے کہ میں استاد کا شاگرد نہیں مسخرا ہوں) بجائے اسکے کہ شران نئے اور بہبودہ مضامین کی ظاہر تردید کرتے انھوں نے (اتحاد میں اس شخص کی بہت تعریف کی جس کا نام ان مضامین کے نیچے لکھ دیا جاتا تھا۔ یعنی (دبر) کی۔ چنانچہ انھیں مضامین کی نسبت شرر صاحب فرماتے ہیں کہ اعتراضوں کے جواب میں اودھ پنچ کے صفحوں پر کچھ لکھا گیا ہے وہ خود بتائے دیتا ہے کہ ان اعتراضات کے اٹھانے کی کوشش کہانتک کامیاب ہوتی ہے۔ اگر کسی صاحب کے دل میں کچھ شبہ رہ گیا ہو تو اس کا فیصلہ . . . جناب بدر نے کر دیا ہے دیکھو اتحاد یکم جولائی ۱۹۰۵ء صفحہ ۳۴) شرر صاحب ہر ایک سے کہتے پھرتے ہیں کہ مسٹر چک بست نے۔ گلزار نسیم کے نئے ایڈیشن کے دیباچہ میں نسیم کو اکثر شعراے لکھنؤ پر ترجیح دی ہے اور قومی جوش سے کام لیا ہے اس لیے دلگداز میں نسیم کی خبر لے گئی۔ اگر یہ مان لیا جاوے کہ چک بست نے واقعی اور شعراے لکھنؤ کے ساتھ نا انصافی کی ہے تو اسکے ذمہ دار چک بست ہیں نہ کہ نسیم۔ اگر شرر کو اعتراض کرنا تھا تو وہ چک بست کے دیباچہ پر اعتراض کرتے۔ بقول حضرت جلیل دہتم (دبیرہ صفحہ ۱) یہ کہانہ انصاف ہے کہ چک بست کے مقدمہ کے جواب میں گلزار نسیم کے بھول روئے جاتے ہیں بلکہ نسیم محرم کی شان میں بخش گلے استمال کیے جلتے ہیں اس سے بڑھ کر بدتمیزی اور بد اخلاقی کیا ہو سکتی ہو میں نے خود چک بست کا دیباچہ پڑھا ہے مجھے خود مسٹر چک بست کے اکثر خیالات سے اتفاق نہیں ہو۔ مثلاً یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ

نسیم کی غزلین رند و صبا کی غزلوں کے پایہ کی ہیں۔ مگر اسکے معنی یہ نہیں ہیں کہ میں نسیم مرحوم کی شان میں فحش کا استعمال کرنے پر آمادہ ہو جاؤں یا چک بست کو گالیاں دینے لگوں ہر شخص ایک خیال کی پرستش نہیں کر سکتا۔ دیکھا تو یہ جاتا ہے کہ خیالات کا انہماک کس صورت سے کیا جاتا ہے۔ چک بست کی رائے سے اتفاق ہو کہ ہو مگر کوئی یہ نہیں کہ سکتا کہ چک بست نے رند و صبا کی توہین کی ہے درعکس اسکے رند و صبا و نسیم کا موازنہ نہایت تہذیب و متانت کے ساتھ کیا گیا ہے امانت مرحوم کی شاعری کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے بہت صحیح کہا گیا ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اور اگر بغرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ چک بست نے آتش و تلخ و رند و صبا کی توہین کی ہو تو اس سے یہ نتیجہ کیونکر نکلتا ہے کہ چک بست کو جواب دینے کے بدلے نسیم مرحوم کی شان میں بیہودہ الفاظ استعمال کیے جائیں۔ اور مگر اگر نسیم ربے تکے عزیز محض اہل امید پر جڑے جائیں کہ مسلمان تو سب اعتراضات تسلیم ہی کر لیں گے اور اگر کوئی انصاف پسند مسلمان ان اعتراضات کی تردید کرے تو اُسے گالیاں دی جائیں۔ جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ تین چار ماہ سے برابر جناب اڈیٹر صاحب اودھ پنچ و جناب منشی احمد شوق۔ پروفیسر شہباز حضرت صبا دہلوی جناب مٹے آغا صاحب ہوش لکھنوی مولوی ممتاز حسین صاحب عثمانی۔ جنیر اڈیٹر الحکم وغیرہ کی شان میں فحش اور بیہودہ مضامین نکل رہے ہیں۔ اور اسی قسم کے مضامین کی نسبت شرر صاحب لکھتے ہیں کہ مسلمان بے لک کی توجہ کی خاص ضرورت ہے۔

اصل یہ ہے کہ اس وقت تو شرر صاحب نے متعصبانہ حائقو عکلی معذرت کے لیے (بہانہ بسیار میں سے) یہ بہانہ ڈھونڈ لیا ہے کہ چونکہ چک بست نے نسیم کی تعریف کی تھی اور منکر رند و صبا کا مد مقابل ٹھہرایا تھا لہذا بحیثیت ایک مسلمان کے میرا فرض یہ تھا کہ نسیم کی دو جہان اڑا دوں مگر جو لوگ شرر صاحب سے واقف ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اس قسم کی ہنگامہ آرائیاں آپ کی عادت میں داخل ہیں۔ جب شرر صاحب نے منصور موہنا، لکھکر

ہندو مسلمانوں میں۔ آتش تعصب قتل فرمائی۔ تو اسوقت کو نسا دیا جا چہ لکھا گیا تھا۔ یا جب
 (سکینہ بنت حسین) پر آپ نے ایک بیودہ مضمون لکھ کر شیعہ و سنون میں ہنگامہ اڑائی کرادی
 اور خود بھی حیدر آباد میں سخت سخت اٹھائی تو اسوقت کس نے آپ کو چھیڑا تھا میں کہتا ہوں
 کہ جو شخص اپنے مذہب کی ایک مقدس خاتون کی شان میں بیودہ اور گستاخانہ کلمے لکھنے میں
 تکلف کرے اسکے لیے غیر مذہب کے کسی شاعر کی توہین کرنا کیا بات ہے۔ اس لیے جب آپ
 حیات (مصنف آزاد دہلوی) شائع ہوئی تو اسکا خیر مقدم دئی گھنٹوں کے اساتذہ نے نہایت کشادہ
 پیشانی سے کیا۔ کیونکہ یہ سب جانتے تھے کہ جو کچھ حالات شعراے لکھنؤ دئی کے اس کتاب میں
 قلمبند کیے گئے ہیں وہ دس برس اگر اور نہ لکھے جاتے تو کسی کو یاد بھی نہ رہتے۔ مگر شر صاحب
 اپنے اُردو لیکچر والے مضمون میں محمد حسین صاحب آزاد مصنف آب حیات کو بھی تعصب کا لازم
 ٹھہرایا اور یہ لکھا کہ آزاد نے دہلی کے تو بہت سے شعرا کا ذکر کیا مگر لکھنؤ کے صرف دو ہی شاعر درخشا
 و ناسخ) تذکرے کے لیے منتخب کیے اور رند و صبا و جلیل و رشک وغیرہ کو چھوڑ دیا جو کہ اکثر
 باتوں سے آتش و ناسخ سے بڑھ کر تھے اس مضمون کا صرف یہ مطلب تھا کہ دہلی اور لکھنؤ کا
 ایرانی معرکہ آرائیوں کا زخم تازہ ہو جائے ورنہ جس شخص کو اردو تاریخ سے کچھ بھی واقفیت ہے
 وہ جانتا ہے کہ محمد حسین آزاد نے اپنا تذکرہ پانچویں دور پر ختم کر دیا ہے اور چونکہ لکھنؤ میں آتش و
 ناسخ و دبیر و انیس اس پانچویں دور کے باکمال شعرا تھے۔ لہذا انکا ذکر کیا ہے رند و صبا و رشک
 وغیرہ چھٹے دور کے شعرا تھے۔ جبکا ذکر پانچویں دور میں نہیں ہو سکتا تھا۔ لہذا انکا ذکر نہ کرنا
 محمد حسین آزاد کے تعصب کا ثبوت نہیں خیال کیا جا سکتا تھا۔ ان شالوں کے پیش کرنے سے
 یہ غرض ہے کہ شر صاحب نے اپنی قدیم عادت کے مطابق دگر از نسیم کے متعلق یہ ہنگامہ
 برپا کیا تھا اور یہ سمجھتے تھے کہ سب اہل اسلام اس علمی تعصب میں میرے شریک رہیں گے
 مگر اڈیٹر صاحب اودھ پنچ و منشی احمد علی صاحب شوق کے دندان شکن مضامین نے
 شر صاحب کے حواس گم کر دیے۔ گو کہ مسٹر چک بست نے منشی احمد علی صاحب شوق کے

خلاف لکھا تھا مگر منشی صاحب کی عالی ظرفی اور بلند نظری نے یہ نہ گوارا کیا کہ چک بست کو خواہ مخواہ گالیان دینے لگیں یا گلزار نسیم کو پامال کرنا شروع کر دیں بلکہ برعکس اسکے آپ نے جو حق بات تھی وہ لکھدی شرر یا درکھیں کہ اسلام کا نام ایسی ہی انصاف پسندی سے روشن ہوتا ہے جسکا ظہور جناب شوق سے ہوا ہے۔ نہ کہ یہودہ ہٹ دھرمی سے خیر کچھ ہو شرر صاحب اپنی ان حرکتوں کی بدولت کئی مرتبہ خفت اٹھا چکے ہیں مگر اس مرتبہ انھیں اودھ پنچ سے سابقہ پڑا ہے جسکا مارا پانی نہیں مانگتا۔ حضرت شررا اکثر مضامین میں یہ بھی شائع کراتے ہیں کہ مکمل اساتذہ حال اور تمام اخبار اور سالہ میری طرف ہیں اور میرے اعتراضات تسلیم کرتے ہیں مگر یہ محض غلط ہے آج تک ایک مستند شخص نے بھی شرر کی تائید میں ایک حرف انہیں لکھا اور نہ کسی باوقعت اخبار یا رسالہ نے انکی تائید کی ہے اس بحث کے متعلق جو قابل لحاظ مضامین نکلتے ہیں ان سے اقتباس درج ذیل میں جناب منشی احمد علی صاحب شوق تحریر فرماتے ہیں۔

(الف) میں تو یہی کہوں گا کہ یہ مثنوی نسیم مرحوم ہی کی ہے اسکے خلاف صرف قصہ اور کہانیوں سے کوئی دلیل اس بات پر نہیں قائم ہو سکتی کہ یہ مثنوی کسی اور کی ہے اگر گلزار نسیم حضرت نسیم کی نہیں ہے تو گلستان شیخ سعدی کی نہیں ہو۔ اور جسے نظامی کا نہیں ہے اس کے لئے بھی حضرت نسیم کی جانب سے جنت قصہ تصنیف ہو سکتے ہیں۔

(ب) نسیم مرحوم لکھتے رہنے والے تھے اہل زبان تھے جب باہر والے لکھتے ہیں کہ زبان دان ہو سکتے ہیں تو وہ شخص جسے لکھتے ہیں پیدا ہو کر بین آنکھیں کھولی ہوں یہیں زبان کھولی ہو اسکا فصیح البیان ہونا کیا تعجب کی بات ہے۔

(ج) نسیم مرحوم سے اگر کہیں چوک ہوئی ہو تو اس سے انکی فصاحت اور شاعری پر حرف نہیں آ سکتا۔ مثل ہے کہ شمسوار ہی گرتا ہے۔ اس سے میری غرض ہے کہ شاعر ہی سے خطا ممکن ہے۔ نہ کہ اس سے جو شعر ہی نہ کہے آپ شعراے فارس کے دیوانوں کو

ملاحظہ فرمائیے کتنے شعرا ایسے ملیں گے جنہوں نے الف کے دھونکے میں عین کو تقطیع سے لڑا دیا تو کیا اس سے انکی اُستادی اور فصاحت بیانی مٹ گئی تو یہ البتہ اس قدر ہم کہیں گے کہ دھوکا ہوا۔ خطبے انسانی کی مثالیں میں پیش کرتا ہوں شاید میرے اُن دوستوں کی جو نسیم مرحوم پر نکتہ چینی فرما رہے ہیں ان مثالوں سے تسکین ہو جائے اس موقع پر جناب شوق نے مختصرم اکاشی کلیم اتمیل اصفہانی تھوڑی وغیرہ کی غلطیاں دکھلائی ہیں۔ مضمون شوق مطبوعہ ۱۹۰۵ء۔ اگست ۴۔ دوسرے مضمون میں جناب شوق فرماتے ہیں میں اپنے معزز دوست حضرت چک بست سے رشک کروں تو درست ہے۔ غالباً میرے معزز دوست بابو جوالا پڑشا صاحب برق کو یہ بات یاد ہو کہ میں نے قیام لکھنؤ کے زمانہ میں ایک بار قصد کیا تھا کہ نسیم مرحوم کی لائف لکھوں اور اسکا ذکر بھی کیا تھا مجھے زمانہ کی گردش نے لکھنؤ سے دور پھینک دیا اور حضرت چک بست میرے دل کی تناکو اڑا لیگئے۔ خیر تناکو گل گئی وہ میرے قلم سے نہیں حضرت چک بست کے قلم سے سہی نسیم کی لائف لکھکر اگر حضرت چک بست نے اردو کی شاعری اور زبان پر احسان کیا ہے تو انکا شکر گزاری ہونا مناسب ہے تاکہ جو صلے بڑھیں اور لائف سے مرؤن کے نام زندہ ہوں۔ آخر میں اور حضرت شرب مرئے کو آئے ہیں اگر میں زندگی میں یہ خیال کروں کہ مرئے کے بعد مجھے لوگ گالیوں سے یاد کریں گے۔ تو کس قدر میری روح کو زندگی میں تکلیف ہو (مضمون شوق مطبوعہ ۱۴۔ اگست ۱۹۰۵ء اور دھچ)۔

حضرت حسرت موہانی اڈیر اردو سے سنے تحریر فرماتے ہیں۔

(۱) (گلزار نسیم) کی تصنیف کو طریقہ آتش کے ساتھ منسوب کرنا خطا ہے بلکہ ہمارے نزدیک اس قسم کی بے بنیاد روایتوں کو حقیقت صحیح سمجھنا اپنے تئیں۔ مذاق صحیح سے بیگانہ ثابت کرنا ہے۔

(۲) گلزار نسیم کی زبان بیشک لکھنؤ کی زبان ہے اگرچہ اس میں بعض غلطیاں موجود ہیں

لیکن ساتھی اسکے ان چند غلطیوں کی بنا پر یہ کتنا غایت درجہ کی کوتاہ نظری ہو۔ کہ نسیم کی زبان لکھنؤ کی زبان نہیں ہو۔ یا یہ کہ ان غلطیوں نے (گلزار نسیم) کو متا دیا۔
 (س) حضرت شرر کے اعتراضوں میں سے اکثر اعتراضات موجودہ زبان کے لحاظ سے صحیح ہیں اور غالباً سٹرچک بست کا مضمون (جواب) دیکھنے سے پہلے بست سے لوگوں کا یہ خیال ہو گا کہ انکا کوئی جواب ہو ہی نہیں سکتا لیکن سٹرچک بست نے جس محنت اور قابل تعریف لکھائش کے ساتھ اساتذہ کے اشعار سے مثالیں اور سندیں بہم پہنچائی ہیں اسکی داد ملنے کے لیے تو بھی دینا پڑیگی اور اگر انصاف سے کام لیا جائے تو اکثر غلطیوں کے الزام سے نسیم کو مجبوراً بری کرنا پڑیگا (دو سے ستر) بابت ماہ اگست ۱۹۰۵ء و دسمبر حضرت جلیل دہتم دم بدہ (آصفی) تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا حالی کے مقدمہ کا جواب یوں دیا گیا تھا کہ انکی زبان و بیان اور دیوان کی دھیان اٹا دیکھی تھیں بیان مقدمہ (چک بست) کے جواب میں گلزار نسیم کے پھول روندے جاتے ہیں۔

اگر مثنوی میر حسن دہلی کے لیے سرمایہ فخر ہے تو گلزار نسیم لکھنؤ کے لیے وجہ ناز ہو اور یہ کچھ آج کی تصنیف نہیں اس پر کئی دو رگزر چکے ہیں اور ہر دور میں دونوں مقبول رہیں۔ اب اگر اہل دہلی سحر البیان کی بُرائی کریں یا اہل لکھنؤ گلزار نسیم کی بچو فرمائیں تو یہ کہا جائیگا کہ اپنے عیوب آپ کھولتے ہیں اغلاط سے پاک کوئی تصنیف نہیں ہو سکتی۔ کہا جاتا ہو کہ گلزار نسیم میں بہت زیادہ نقصانات ہیں ممکن ہے کہ ایسا ہو۔ اور ممکن ہے کہ مثنوی میر حسن میں بھی ایسے قدر نقصانات ہوں۔ مگر اسوقت ان مضامین کی تنقید کی حاجت نہیں ہے۔ اور نہ ان سے انکی مقبولیت کو کچھ ضرر پہنچ سکتا ہے۔ (گلزار نسیم) کے متعلق طرح طرح کے مباحث در پیش ہیں۔ گلزار نسیم میں شاعری کیسی ہو۔

زبان لکھنؤ کی ہو یا نہیں۔ نسیم کا شعرا میں کیا رتبہ ہے حقیقت اتنی ہو کہ مثنوی گلزار نسیم لکھنؤ کے ایک کلمہ مشق قادر سخن کی تصنیف ہے۔ آتش نے کسی ہو یا کسی نے

ہم کو اس سے بحث نہیں۔ جناب مولوی عبدالحلیم شرر سے انہی کی ابتدا ہوئی کہ انہوں نے گلزار نسیم پر ریویو فرمایا اور نقائص کو جن چین کر دکھایا انکی بحث بڑی قابلیت کے ساتھ ہے۔۔۔ مگر ستر چک بست نے جو جواب کہ اردو سے منہلی میں دیا ہے وہ بھی دیکھنے کا ہے خصوصاً سند کے اشعار ہم پونچائے ہیں انکی تلاش حیرت انگیز ہے۔ سب اعتراضات کا بجانا جس طرح و شواہد سے ایک جواب کا با جواب ہونا بھی مشکل ہے۔ دبدہ آصفی مطبوعہ ۴۔ رجب المرجب ۱۳۸۵ھ ہجری نقاد لکھنؤی زمانہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ گلزار نسیم اس قبیل کی ایک نظم ہے کہ جسے جتنی مرتبہ اور جتنے غور سے پڑھیے ایک نیا لطف ملتا ہے۔ اور جب ذہن اس کے دقائق اور نزاکت فن تک پہنچتا ہے تو ایک وجدانی کیفیت طاری ہوتی ہے درحقیقت اس میں ایسے نازک استعارہ اور بلند خیالی کے نمونے موجود ہیں جو اردو شاعری کی انتہائے ترقی کا پتہ دیتے ہیں اور مجموعی حیثیت سے اس میں اعلیٰ شاعری کے اتنے ارکان جمع ہو گئے ہیں جو دوسری مثنویوں میں بلکہ اردو کی کل تصانیف میں کبیر کے حکم رکھتے ہیں (زمانہ ۷۔ جون ۱۹۰۵ء اخبار قفل رقم طراز ہے۔ اس بے لطف جھگڑے کی ابتداء شر صاحب نے کی ہے۔ نہیں معلوم کہ انکو کیا ضرورت داعی ہوئی تھی کہ نسیم ایسے شاعر کا جنہی شاعری اپنا نقش جا چکی ہے آج یہ اعتراضات تذکرہ کیے جائیں۔ جبکہ حضرت حافظ فرما گئے ہیں۔

بہستان نوید سرودے فرست بہ یاران رفته و رودے فرست
نسیم۔ آج نہیں۔ انکی مثنوی زیر تصنیف یا ابتداء زیر طبع نہیں ہو۔ بہار شمار
اعتراضات سے وہ کیا اصلاح ہو جو منظور تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔ (قفل مطبوعہ۔ نومبر ۱۹۰۵ء)
حکیم برہم صاحب لکھتے ہیں کہ جو اعتراضات شرر نے کیے ہیں گو موجود زمانے میں انکا حرف
حرف صبیح ہو۔ مگر جس زمانے میں نسیم نے اسوقت کی زبان اور طرز کلام اور تصویق کو
دیکھتے ہوئے ہم نسیم کی کوئی خطا نہیں دیکھتے۔ ریاض الاخبار مطبوعہ ۱۹ جولائی ۱۹۰۵ء

ان اخبار و ن اور رسالوں کے علاوہ رسالہ زندہ دل اودھ اخبار تفریح وغیرہ نے شرر صاحب کی نفی کا خاکہ اُڑایا ہے۔ اب ہم اس مضمون کے آخر میں شرر صاحب سے اور انکی معاونین سے چند سوالات پوچھتے ہیں اور ناظرین پر انکا انصاف چھوڑتے ہیں (۱) اودھ پنچ مین جو پہلا مضمون (۱۱- سئی ۹۰۵) گلزارِ نسیم سے متعلق نکالا تھا اس پر ایسا بیودہ اور درپردہ جملہ (در) والے مضمون مین (مطبوعہ ۱۴ جون ۱۹۰۵ء) راضی لکھا گیا۔ اور واقعی یہ بنائے فساد ہے کہ نہیں۔ اور نیز اودھ پنچ کے اس مضمون کے جواب مین پیامِ باریمن فحش اور گندہ مضمون اسلیے شائع کیا گیا۔

(۲) یکم اگست تک جو مضامین اڈیٹر اودھ پنچ کے حکم سے گلزارِ نسیم کے متعلق نکلے تھے ان مین کوئی حرف یا جملہ ایسا تھا جسکے لیے یکم اگست کے اتحاد مین اڈیٹر صاحب موصوف کو مشہدے کا خطاب دیا گیا۔ آیا یہ شرر کی زیادتی ہے کہ نہیں اور وہ سرزنش کے مستحق تھے کہ نہیں۔

(۳) سٹر چاک بست کے قلم سے کون جملہ بدتمیزی کا کھلا ہے کہ لکے خلاف فحش اور گندے مضامین شائع ہو رہے ہیں۔

(۴) اگر شرر اس علمی جھگڑے کو مذہبی جھگڑا بنا نا چاہتے ہیں تو گلزارِ نسیم کے خلاف جو فحش مضامین نکل رہے ہیں انکی نسبت انھوں نے یہ جملہ کیوں لکھا کہ انپر مسلمان سکا کی توجہ کی خاصۃ ضرورت ہے۔ اور اودھ پنچ کے پہلے ہی مضمون (مطبوعہ ۱۱- سئی ۹۰۵) نے اس کے جواب مین یہ کیوں لکھا گیا کہ منشی سجاد حسین نے کچھ ایسی گھڑی جنم لیا ہے کہ جب ہندو مسلمانوں کا جھگڑا درمیش ہوتا ہے تو وہ ہندو نکا ساتھ دیتے ہیں۔

(۵) ان سب حرکاتِ نازیبا کے بعد آیا شرر اس بات کے مستوجب تھے کہ نہیں۔ کہ نامہ نگاران اودھ پنچ کافی طور سے انکی خبر لین والا آئندہ وہ ایسے ناشائستہ افعال سے باز

(۶) شرر جو بار بار اس قسم کے فقرے شائع کرتے ہیں کہ انکے اعتراضات سب اساتذہ حال نے تسلیم کر لیے ہیں تو یہ محض بے بنیاد دعوے ہیں کہ نہیں۔

(۷) آخر میں یہ سوال ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ اودھ پنچ اور مشرچک بست نے شرر کے ساتھ زیادتی کی تو یہ کمالی شرافت اور تہذیب ہے کہ نسیم مرحوم کی شان میں غش اور گندے مضامین برابر شائع کیے جائیں۔

(۸) کسی مرتے ہوئے بزرگ کی توہین کرنا انتہا درجہ کا کینہ بن ظاہر کرتا ہے کہ نہیں راقم بعطیش بلگرامی۔

اودھ پنچ کے گوکہ ایسے بے نیک مضامین کا چھاپنا اودھ پنچ کی وضع کے خلاف ہے۔ مگر چونکہ اکثر احباب کی سفارش کے ساتھ یہ مضمون آیا، لہذا شائع کیا جاتا ہے۔ جو لوگ ابتداء سے اس بحث کا رنگ دیکھ رہے ہیں انکے لیے اس مضمون کی ضرورت نہیں۔

بیشک جو ناواقف حضرات تھوٹے عرصہ سے اس بحث میں دلچسپی لینے لگے ہیں وہ اس مضمون کے پڑھنے سے ان مخالفوں کے جال میں پھسنے سے محفوظ رہیں گے جو شرر نے پھیلا رکھا ہے۔ حضرت طیش نے شرر کی انہیں گستاخوں اور بدعنوانوں کا ذکر کیا ہے جو اخباروں میں اٹات حاصل کرنے کی وجہ سے طشت از بام ہو گئی ہیں۔ نہ ابتداء سے جو نازیبا و ناشائستہ حرکت

شرر سے ثابت ہوے ہیں برابر بوجھے ہیں جو اودھ پنچ کی نسبت کے خطوط کے ذریعہ سے مشہور کی گئی ہیں انہیں سے اکثر کا تحریری ثبوت موجود ہے اور انکا خیال کر کے کچھ شرر کی نسبت ابھی تک لکھا گیا ہے وہ کافی نہیں ہے۔

دیباچہ گلزار نسیم

(از پندت برج نرائن چک بت)

پندت دیاشکر صاحب کول تخلص نسیم اللہ مین پیدا ہوئے تھے آپ کے والد بزرگوار کا نام پندت گنگا پرشاد کول تھا۔ لکھنؤ آپ کا وطن تھا۔ بزرگوں سے سنا جاتا ہے کہ وجاہت جسکے لئے عموماً اہل نقطہ مشہور ہیں آپ کا حصہ نہ تھی پستہ قامت گندی رنگ سیہ چشم اور چہرے بدن کے آدمی تھے۔ سلسلہ معاش یہ تھا کہ شاہی فوج میں کیل تھے جیسا کہ اُس زمانہ کا دستور تھا۔ اردو فارسی کی تعلیم عالم صغریٰ مین پائی۔ شعرے اردو و فارسی کا کلام نظر سے گذر تاربا۔ خلقی طبیعت داری اور ذہانت نے شاعری کا شوق دلایا غرض کہ بین برس کی عمر مین شرو سخن کا خاصہ اچھا مذاق پیدا کر لیا خواجہ حیدر علی آتش کی گرمی سخن اور آتش بیانی نے ایسا فریفتہ کیا کہ انکی شاکرد سی اختیار کی۔ شروع مین غزل گوئی کا شوق رہا۔ لیکن جودل کا ولولہ تھا وہ غزل مین نہ نکل سکا جدت طبع نے کہا

بقدر شوق نہیں اپنے تنگناے غزل کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیان کے لیے مگر وسعت کہاں ہے اردو شاعری کی کائنات کیا۔ غزل۔ قصیدہ۔ رباعی یا مثنوی۔ یہ حسن کی مثنوی سحر البیان کا اُس زمانہ مین ہر طرف چرچا تھا اصناف سخن مین مثنوی کا رنگ ایسا پسند آیا کہ خود بھی اس کو جہ مین قدم رکھنے کی کوشش کی۔ مناسب طبع نے آئین کہا۔ غرض کہ گل بگاولی کا قصہ جو کہ نثر مین تھا اسکو نظم کے سانچے مین ڈھالہ پھینک دیں برس کی عمر مین یہ مثنوی تیار ہوئی۔ چونکہ کلمائے مضامین سے پُر بختی لہذا نام گلزار نسیم رکھا

واقعی اس گلزار کا کما کھنا تھا عین پناہ تھا جسکو خونِ جلوسے وہ باغ تھا۔ لیکن جو وقت یہ مثنوی تیار ہوئی اسکا حجم بہت زیادہ تھا۔ جب آتش کے پاس اصلاح کے لیے لے گئے تو انھوں نے کہا۔ ارے بھی اتنی بڑی مثنوی کون پڑھے گا۔ یا تم پڑھو گے کہ تم نے تصنیف کی ہو یا میں اصلاح کے خیال سے ایک مرتبہ دیکھ جاؤں گا۔ اوستاد کی بات دل پر اثر کر گئی۔ مثنوی کی نظر ثانی کی جتنی بھرتی کے شعر تھے نکال ڈالے بلکہ جو مطلب چار شعروں میں ادا ہوتا تھا اسکو اختصار کے ساتھ ایک ہی شعر میں ادا کیا اس صورت پر گلزار نسیم کو خوش و غاشاک سے پاک کیا اور آتش کے پاس لے گئے۔ اُستاد نے شاگرد کی محنت پر آفرین کہی اور اصلاح کا قلم اٹھایا۔ لیکن اکثر اصلاحیں نسیم نے نہ مانیں اور اشعار کو اپنی اصلی حالت پر رہنے دیا مثلاً مثنوی کا ایک شعر تھا۔ قلیان پیے مشکبو و معوان دہار + ہڑے چکھے پان کے مزیدار۔ آتش نے اس شعر کا دوسرا مصرعہ اس طرح بدلنا چاہا عین ہڑے چکھے بہت مزیدار + لیکن نسیم کو یہ اصلاح پسند نہ آئی اور مصرعہ کی تبدیلی مناسب نہ سمجھی غرض کہ آتش کی نظر ثانی کے بعد یہ مثنوی ایک مشاعرے میں بڑھی گئی جس میں کہ لکھنؤ کے تمام سربراہوں و شعراء جمع تھے بعد ازاں طبع ہوئی شائع ہوتے ہی ہاتھوں اعدا ہک گئی زمانہ نے پورے پورے قدر کی۔ ابھی تک مثنوی کے رنگ میں کیاتائی کا سہرا میر حسن کے سر تھا۔ اب گلزار نسیم کے بھی جا بجا چرچے ہونے لگے۔ جواہر نغم کے پرکھنے والے سمجھ گئے کہ مثنوی کیا کسی ہے موتی پروے ہیں۔ نسیم کو بھی شہرت عام کا فلت نصیب ہوا اور بقائے دوام کے دربار میں میر حسن کے برابر کرسی ملی اور واقعی حق یہ ہو کہ جب تک اردو شاعری کا مذاق قائم ہے اسوقت تک گلزار نسیم کی شادابی میں فرق نہیں آسکتا۔ مگر آفسک کہ نسیم کے ساتھ عمر نے وفائے کی۔ گلزار نسیم کو طبع ہونے کے ایک برس گزر چکا کہ باغ جوانی پر اوسن ٹپکئی

ملکہ یہ واقعہ حکیم میر رضا حسین صاحب ہنساک زبانی معلوم ہوا۔ یہ بزرگ آتش کے شاگرد رشید اور میر فزیر علی صاحب داماد اور شاگرد تھے۔ یہ ان محدومے چند بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے بڑے اُستادوں کی تعین کھی جن اور جنگی وضع کے بزرگوں نے اب تک لکھنؤ میں اردو شاعری کا نام زندہ ہو۔ میں پارسا لکھتا ہوں کہ غنائی ع کیا خوب اچھی مکانہ اندازہ ہے

ہیضہ کی بیماری نے دفعۃً خاتمہ کر دیا۔ اپنے شر کے آپ ہی مصداق ہوئے۔
روح روان و جسم کی صورت میں کیا کون جھونکا ہوا کاغذ ادھر آیا ادھر گیا
ست سالہ عین تجنیۃ تیس سال کی عمر میں وفات پائی سخن شناس جانتے ہیں کہ نسیم نے
گوکہ میر حسن کے مقابلہ پر مثنوی کہی۔ لیکن بالکل دوسرے رنگ میں کہی۔ کوئی نسیم کو میر حسن
خرم کا خوشہ چین نہیں کہہ سکتا۔ اگر وہ اپنے رنگ میں فردین تو یہ اپنے طرز میں بیکتا ہیں۔ اگر
اکلام کی سادگی اور بے تکلفی کا لطف اٹھانا ہو تو میر حسن کی مثنوی دیکھو اگر بار یک مثنوی اور سننے
آفرینی کا رنگ پسند ہے تو گلزار نسیم کی سیر کو دیکھو فراق یار میں صدمہ گزرنے کا مضمون ایک ہی
ہے۔ دونوں استادوں کی طبیعت اس مضمون پر برابر لڑی ہو۔ مگر دونوں کے انداز سخن پر
خیال کرو۔

میر حسن

| | |
|-----------------------------|------------------------------|
| روانی سی ہر سمت بھرنے لگی | دشوائی میں جا جا کے گرنے لگی |
| ٹھہرنے لگا جان میں اضطراب | لگی دیکھنے وحشت آلودہ خواب |
| خفا زندگانی سے ہونے لگی | بہانے سے جا ملے رونے لگی |
| جہان بٹھٹھنا بھرنے لگا اُسے | عجبت میں دیزات گھٹنا اُسے |
| کسی نے اگر بات کی بات کی | پہ دن کی جو پوچھی کسی رات کی |
| کہا اگر کسی نے کہ کچھ کھائے | کہا خیر بہتر ہے منگوائے |
| جو بانی بلانا تو پسینا اُسے | غرض غیر کے ہاتھ جینا اُسے |

نسیم

| | |
|---------------------------|-----------------------------|
| سنان وہ دم بخود تھی رہتی | چپہ کہتی تو ضبط سے تھی کہتی |
| کرتی تھی جو بھوک پیاس میں | آنسو پیتی تھی کھا کے تسنیں |
| جاسے جو زندگی کے تھی تنگ | کپڑوں کے عوض بدلتی تھی رنگ |

یکچند جو گزرے بے خود و خواب زائل ہوئی انکی طاقت و تاب
صورت میں خیال رہ گئی وہ ہیئت میں مثال رہ گئی وہ
آنے لگے بیٹھے بٹھے چکر فانوس خیال بس گیا گھر
دونوں نے اپنے اپنے رنگ میں حق بخوڑی ادا کیا ہے میر حسن کے اشعار کا بیانتہ
پن اور سادہ پن دل میں عجیب کیفیت پیدا کرتا ہے۔ شب بھران بقراری کی تصویر
آنکھوں کے سامنے پھر جاتے ہیں۔ نسیم کے اشعار ایک دوسری ہی حالت پیدا کرتے
ہیں۔ الفاظ کی شوکت۔ بندش کی چستی۔ اشعاروں کی نزاکت۔ تشبیہوں کی پختگی سے
مصنف کا زور طبیعت معلوم ہوتا ہے۔ نازک خیالی اور بلند پروازی اس عالم کا اشارہ
کرتی ہے جہاں ہونے والے ہمارے طائر خیال کے پر جلتے ہیں۔ غرض کہ اگر صورت حال

بیان میر حسن پر ختم ہے تو کلام کا منی خیز ہونا نسیم پر۔ میر حسن کہتے ہیں ۵
سب اعضا بدن کے موافق درست ہر ایک کام میں اپنے جالاک و چبت
قد و قاست آفت کا مکر اقسام قیامت کرے جسکو جھک کر سلام
نسیم اسی مضمون کو لینے رنگ میں ادا کرتے ہیں ۵
دن دن لے ہو گیا قیامت بوٹا سی بڑھی وہ سرو قامت
جلجی تو زمین میں سرو گرستے بائیں کرتی تو پھول جھڑنے
یا حسن تعمیر کا مضمون دونوں نے اپنے اپنے طرز پر نظم کیا ہے۔

میر حسن

عمارت کی خوبی درون کی وہ شان گلے حسین زربفت کے سائبان
چکین اور پردے بندھے زرنگار درون پر کھڑی دست بستہ بہاد

نسیم

گول اُسے ستون تھے ساعدِ حور چلن مژگانِ چشمِ ثور

دکھانا تھا وہ مکان جادو محراب سے در سے چشم و ابرو
شاہزادے کے غائب ہو جانے پر میر حسن نے بس امداد کو گنگی پریشانی کا حال اس صورت پر

نظم کیا ہے

کھنٹی آنکھ جو ایک کی وان کہیں جو دیکھا تو دان شاہزادہ نہیں
کوئی دیکھ یہ حال رونے لگی کوئی غم سے جی ا بنا کھونے لگی
کوئی بلبلاتی سی پھسرنے لگی کوئی صدف کھا کھائے گرنے لگی
کوئی سر پہ رکھ ہاتھ د لگی ہو گئی بیٹھ ماتم کی تصویر ہو

ہوا گم وہ یوسف بڑی بھر یہ دھوم کیا خادانِ محفل نے ہجوم
کہا شنے وان کا بچھ دو پتا عزیز و جہان سے وہ یوسف گیا
گئیں وہ شہ کو لب بام پر دکھایا کہ سونا تھا بان سیمبر
جو دیکھی جگہ وہ جہان سے گیا کما اے بیٹا تو یان سے گیا
میرے نوجوان اب کہہ جلیے پیر نظر تو نے مجھ پر نہ کی بے نظیر
عجب بحر غم میں ڈبو یا مجھے غرض جان سے تو نے کھو یا مجھے
چول کے غائب ہو جانے پر کاؤلی کے اضطراب کی تصویر نسیم نے اپنے رنگ میں یون

کھینچی ہے

دیکھا تو وہ کل ہوا ہوا ہے کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے
گھبرائی کہہ ہین کہہ ہر گیا گل تجھ جلائی کہہ کون دیکھا جل
ہے ہے مرا چول لے گیا کون ہے ہے بچے غار سے گیا کون
ہاتھ اس پہ اگر پڑا نہیں ہے بو ہو کے تو گل اڑا نہیں ہے
زکس تو دکھا کہہ ہر گیا گل سوسن تو بتا کہہ ہر گیا گل

سنبل مرا تازیانہ لانا شمشاد اینجمن سولی پر چڑھانا
 نظر این خواصین صورت بید ایک ایک سے پونچھنے لگی بھید

بولی وہ بکاؤلی کہ افسوس غفلت سے یہ بھول پر پرپی اوس
 آنکھوں سے عزیز گل مرا تھا بستلی وہی چشم حوض کا تھا
 نام اُس کا صبا نہ لیتی تھی مین اس گل کو ہوانہ دیتی تھی مین
 گلچین کا جو ہاے باقہ ٹوٹا غنچہ کے بھی منہ سے کچھ نہ پھوٹا
 اور خار پڑا نہ تیرا جنگل مشکین کس لین نہ توئے سنبل
 او باد صبا ہوا نہ بستلا خوشبو ہی سُنکھا پتا نہ بستلا
 بلبل تو چمک اگر خبر ہے گل تو ہی نہک بتا کہ مرے

میر حسن کے اشعار کا اثر بکلی کی طرح دل میں دوڑ جاتا ہے جو حالت وہ بیان کرتا ہے
 اُسکے تصویر آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتا ہے۔ نسیم کے اشعار زبان کی پاکیزگی اور ترکیب
 الفاظ کی چستی کے لحاظ سے تاثیر کا طلسم بنے ہوئے ہیں ایک کی زیرنت حسن صورت سے
 ہے دوسرے کی شان لطف معنی سے قائم ہے۔ میر حسن سخن آفرین ہیں نسیم معنی آفرین ہیں
 میر حسن محاورہ اور روزمرہ کے بادشاہ ہیں استعارہ و تشبیہ نسیم کا حصہ ہے۔ مگر اتنا
 کہنا نا انصافی نہیں کہ جو سوز و گداز میر حسن کے کلام میں ہو وہ نسیم کے کلام میں نہیں ہے
 اور حقیقت یہ ہے کہ جو درد و غموں کا شعراے دہلی کے کلام میں پایا جاتا ہو وہ اہل لکھنؤ کے
 کلام میں نہیں پایا جاتا مگر با اینہم جیسا کہ پیشتر عرض کیا گیا ہے۔ نسیم کی مثنوی اپنے رنگ میں
 لا جواب ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب اس کے آثار شہرت نے پر پرواز نکالے تو یہ کسی کے خیرین کے
 خوشہ چین نہ خیال کیے گئے بلکہ خود صاحب طرز کہلائے۔

گلزار نسیم

رتنا سب

گلزار نسیم کا ایک خاص جوہر جو کہ نسیم کا حصہ ہے تناسب لفظی ہو تناسب لفظی کی صفت

ہمیشہ اردو شاعروں کے پسند خاطر رہی ہو لیکن کسی نے اسکو اس درجہ کمال پر نہیں پہنچایا جیسا کہ گلزار نسیم میں ہم دیکھتے ہیں چند اشعار مثلاً لکھے جاتے ہیں :-

پر دم سے نہ دایہ نے نکالا — پتلی سانگہ رکھ کے پالا
ایک مرغ ہوا اسیر صیاد — داناعت طائر چین زاد
پالا تو مفارقت ہے انجام — داناہے تو مجھ سے لے میرے ظلم
بخون ہوا اگر تو قصد لیجئے — سایہ ہو تو دوڑ دھوپ کیجئے
سو داہے میری بکا ولی کو — ہے چاہ بشر کی با ولی کو
سختی سہی یا کڑی اٹھائی — اُفتاد حق جو پڑی اٹھائی

اس رنگ کے اشعار گلزار نسیم میں کثرت سے ملین گے۔ واقعی اس رنگ کو خوب بنایا ہے اور طرہ یہ کہ نہایت خوبصورتی کے ساتھ تناسب لفظی کی صفت کا لطف یہ ہے کہ کسی مقام پر نہ معلوم ہو کہ فلاں لفظ خواہ مخواہ شعر میں ایسے بھر دیا گیا ہے کہ دوسرے لفظ سے تناسب رکھتا ہے اور یہ لطف گلزار نسیم میں ہو مثلاً کیا خوب مصرع ہو ع سایہ ہو تو دوڑ دھوپ کیجئے اس مصرع میں سایہ دھوپ کے ساتھ عجیب کیفیت دکھایا ہے لیکن دونوں لفظ اس خوبصورتی سے آئے ہیں کہ بالکل ایک دوسرے سے جوے بھی ہیں اور الگ بھی حالانکہ ایک کی رونق دوسرے کی وجہ سے دو بالا ہے لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا ہے کہ سایہ کا لفظ خواہ مخواہ دھوپ کے لیے لایا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس صفت کا خوبی کے ساتھ سامنا آسان نہیں ہے یہ راہ بڑی کھن ہے قدم قدم پر ٹھوکرین کھانے کا اندیشہ ہے مثلاً امانت کے تناسب لفظی کا شوق جنوں کے درجہ تک پہنچ گیا ہے۔ لیکن چونکہ زبان پر قدرت کاملہ حاصل نہیں ہے اور طبیعت میں شمشگلی کا جو ہر نہیں لہذا جو شعر اس رنگ میں لکھا ہے اسے پڑھ کر ہنسی آتی ہے۔ فرماتے ہیں :-

پانی نہ آبرو پہ پھرے ہر جس مال موتی ملین تو دانت نہ اپنے نکالئے

ایک اور شعر اسی رنگ میں ہے ۔
 قبر پر میری لگا یا نسیم کا اُس نے دخت بعد مرنے کے میری توقیر آدھی رہ گئی
 سبحان اللہ کیا تناسب الفاظ ہو ۔ نسیم حکیم اور نسیم ملا سُنتے تھے اس شعر کا مصنف نسیم شاعر
 ایک صاحب نے گلزار نسیم کا جواب کہا ہے اور چونکہ تناسب لفظی گلزار نسیم کا خاص جوہر ہے
 لہذا انھوں نے بھی اس رنگ کے شعر کہے ہیں ۔ مگر لطافت سخن قائم نہ رکھ سکے ۔ ایک شعر
 انکا بھی تمثیلاً لکھا جاتا ہے ۔

پاجی ہن شریفے سب اُجر جائیں بیزی ہوے ہر کپڑے پڑ جائیں
 اپنے نزدیک ان صاحب نے یہ شعر نسیم کے ذیل کے شعر کا جواب کہا ہے ۔
 سنبھل مرا تا زیانہ لانا شمشاد اسے سولی پر چڑھانا ۔

لیکن سخن شناس جانتے ہیں دونوں شعروں میں اندھیرے اُجالے کا فرق ہو خلیل کا بھی
 ایک شعر اس رنگ میں یاد آگیا ہو ۔
 وہ فمع رو پتنگ اڑاتا ہے شاید آج کچھ پیچ بڑ گیا ہے جو آنے میں ڈھیل کی

یارند کہتے ہیں ۔
 میلانا چاند گنج میں سورج گمن کا آج تم کس لئے نہ غیرت شمس و قمر گئے
 قلق بھی غلسم الفت میں کہتے ہیں ع قندلب پی رہے تھے گواہ گزبان ۔ ان شعر
 تمثیلاً پیش نظر کرنے سے یہ مراد ہے کہ تناسب الفاظ کا لطافت کے ساتھ نباہنا آگ امر
 دشوار ہے نسیم کو اس رنگ میں بدھٹلے حاصل ہے الفاظ کے اُلٹ پھیر سے وہ کام لیا ہے
 کہ کلام کی رونق دو بالا ہو گئی ہے ۔ آتش کا شعراں کی شاعری پر صادق آتا ہو ۔
 بندش الفاظ جڑنے سے گونکے کم نہیں شاعری بھی کام ہو آتش مرتضیٰ ساز کا
 اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا مناسب ہے کہ اگر جگہ نسیم سے بھی تناسب الفاظ کے ساتھ
 لطافت سخن قائم نہیں رہ سکی ہے مثلاً کہتے ہیں ۔

(گلزار نسیم کی نوشتیں)

ان مختصرون نے جب دیاتول بولی وہ بکاؤلی کہ معقول
 بانی کے جو بلبلوں میں تھا گل ہو نچا لب حوض سے نہ چٹکل
 لیکن اس قسم کے اشعار کل مثنوی میں دو فیصدی سے زیادہ نہ ملین گے لہذا قابل معافی ہیں۔
 اختصار جیسا کہ پیشتر لکھا گیا ہے اس مثنوی کا عجیب جوہر ہے واقعی دریا کو کونہ میں بند کیا ہے
 کل مثنوی میں ایک شعر بھرتی کا شکل سے ملے گا۔ بعض مقامات پر طول طویل منہا میں کو چند
 شعرون میں اس خوبصورتی سے ادا کر دیے کہ کسی قسم کی کوتاہی کا شبہ نہ بن ہو سکتا مثلاً صحرا
 طاسم کی داستان میں مندرجہ ذیل دو شعر کتنے بڑے ہیں اور کس قدر اختصار سے پُر ہیں ۵

طوطا بن کہ شجر پہ جا کر پھل کھا کہ بشیر کار و پ با کر
 سب سے پھل گو نہ پھال لکڑی اُس پیر سے لیکے راہ بکڑی
 یا ایک مقام پر تین چار داستانوں کا خلاصہ کس خوبی سے نظم کیا ہے ۵

وہ جبل وہ باروہ غلامی وہ گھات وہ جیتنا ت ای
 وہ دسترس اور وہ پائے زمی وہ بکسی اور وہ دشت گردی
 وہ دیو کی جھوک اور وہ تقریر وہ حلوے کی چاٹ اور وہ تحریر
 وہ سعی وہ دیو نی کی صحبت محمودا کی وہ آدمیت
 تجویز کی وہ سرنگ کی راہ اور موش دوا نیان وہ دلخواہ
 وہ سیر چین وہ پھول لینا وہ غزم وطن وہ داغ دینا
 وہ کور کے حق میں خضر ہونا وہ غولوں سے ملے پھول کھونا
 وہ بال کو آگ پر دکھانا وعدے پہ وہ دیو نی کا آنا
 وہ تڑپت گلشن نگارین وہ دعوت بادشاہ وہ ملکین
 گدرا تھا جو کچھ بیان کیا سب پنہان تھا جو کچھ عیان کیا سب

لایا اکثر جگہ دو تین شعر کا مطلب ایک شعر میں ادا کر دیا ہے ۵

تیور کے وہین وہ بار بردوش بھٹا تو گرا اگر بتو ہوش

مفلں زردار امیر قلاش نوکرتا جب فقیر خوش باش

اقرار میں عقی جو جیسیائی شرمائی لجائی سکرائی

پوچھا کہ سب کہا کہ قسمت پوچھا کہ طلب کہا قناعت

میر حسن کی فتویٰ میں معاملہ برعکس ہے اُس میں ہر مضمون کو ضرورت سے زیادہ طول دیا ہے اور یہی اس فتویٰ کا بہت بڑا عیب ہے علاوہ برین نسیم کے کلام میں وہ بختگی اور ترکیب میں وہ متانت ہے کہ اکثر اشعار کی بندش نمد میں فضی کا دبہ یاد دلاتی ہے واقعی کیا رشوکت

کلام ہے

پر جس سخن سدا ہے باقی دریا نہیں کار بند ساقی

مرغان ہوا تھے ہوش راہی نقش کف پاتھے ریگ ماہی

سایہ کو پستانہ تھا شجر کا عنقا تھا نام جا نور کا

جاگی مرغِ حسد کے غل سے اُٹھی بکرت سی فرش گل سے

پانچون سرخیبہ وفا تھے باطلِ خُص صفا تھے

لے آئندہ دارِ خود نائی دے سُرمدہ چشم آشنائی

اک شب تمی کہ خال روئے بنت
یا مردم دیدہ قیامت

خورشید بصر گن سے جھوٹا
خیرات کے در کا قفل ڈوٹا

انسان سے جھکی پر ہی کی گردن
کانٹے سے رُکا ہوا کا دامن
نسیم نے عموماً مضامین کو تشبیہ و استعارہ کے پیرایہ میں ادا کیا ہے اور نہایت لطافت
ساتھ مثلاً ذیل کے دو اشعار تشبیہ کامل کا نمونہ ہیں ۵

آنے لگے بیٹھے بیٹھے چکر
فانوسِ خیال بن گیا گھر

محرم جو ہٹی تھی اُس قمر کی
بہ جون پہ سے چاندنی تھی سر کی

لیکن اکثر مقامات پر طبیعت نے تکلف کا پردہ اٹھا دیا ہے اور سادگی سے کام لیا ہے ایسے
اشعار جو میں وہ لا جواب ہیں اور ضرب المثل ہو گئے ہیں۔ مثلاً ۵
کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر پہ چڑھ گئے

غم راہ نہیں کہ ساتھ دیجے
دُکھ بوجھ نہیں کہ بانٹ لیجے

سمجھانے سے غما ہیں سروکار
اب مان نہ مان تو ہے غما

ہوتا ہو وہی خدا جو چاہے
غما ہے جس طرح بنا ہے

(بہ تشبیہات کامل)

پانی تر خاک گو روان ہے نو شعلہ کی سوے آسمان ہے

انسان و پری کا سامنا کیا مٹھی مین ہوا کا تھا منا کیا

آتا ہو تو ہاتھ سے ندی بجے جاتا ہو تو اُس کا غم نیکنجے

درویش روان رہے تو بہتر آب دریا ہے تو بہتر
نسیم کی زبان بھی نہایت سلیس و پاکیزہ ہے اور اسے کلموں کی نکالی زبان سمجھنا چاہیے ورنہ
کیا خوب کہا ہے۔

لبٹی بھتی جو زلف کروٹوں مین بل کھا گئی تھی کمر لٹوں مین

نور آگیا چشم آرزو مین آیا ہجر آب رفته جو مین

گل ہوں تو کوئی جن بتاؤں غربت زدہ کیا وطن بتاؤں

بیجا تو مکے کا جانور ہوں گرنج کیا تو مشت پر ہوں

اس نام کے اس لقب کے صدقے اس نام کے اس طلب کے صدقے

کیون منہ پہ شفق خوشی سے چھولی کبیشام وصال راہ بھولی

ٹٹھ پیر کے ایک ہسکرائی آنکھ ایک نے ایک کو دکھائی
 جتوں کو ملا کے رہ گئی ایک ہو ٹھوکان کو ہلا کے رہ گئی ایک
 کیا رنگ زمانے نے دکھائے گل لینے گئے تھے داغ لائے
 راتوں کو جو گنتی تھی ستائے دن گنتے تھے خوشی کے ماتے
 گلزار نسیم کی زبان میں اور کج کی زبان میں کچھ فرق نہیں جو صرف اثر بخوار سب جو کہ نسیم کے
 وقت میں لگتے تھے اب متروک ہو گئے ہیں مثلاً نسیم کہتے ہیں سہ
 بل مانے کی ہوئی جو دیری سجان اور شان تیری
 اب (دیری) متروک ہے دیر جو زیادہ فصیح ہے رائج ہے اب ایک شعر ہے
 ٹٹھری یہ غرض کہ آج کی رات فیروز شہ آگے چھڑے بات
 اب یوں کہیں گے فیروز شہ کے آگے چھڑے بات غرض کہ کتاب لفظی کے ساتھ اختصار
 چٹکتی کلام - جستی بندش - شوکت الفاظ - پاکیزگی زبان اس مثنوی کے خاص جوہر ہیں۔
 اور استعاروں اور تشبیہوں سے جو نیا کاری کی ہے اس نے اور حسن دو بالا کر دیا ہے اس
 مثنوی کے مقبول ہونے کا راز یہی ہے کہ باوجود اس اختصار کے یہ اتنے خاص کا مجموعہ ہے
 اور حق یہ ہے کہ زمانے نے جیسی اسکی قدر کی اس پر ہر مصنف کو ناز ہو سکتا ہے پسند عام کے
 ساتھ قبول خاص کا شرف گلزار نسیم کو حاصل ہے نقادان سخن کا سراج اور اردو زبان کا مستند
 مورخ محمد حسین آزاد لکھتا ہے ”پنڈت دیاشکر صاحب نسیم نے گلزار نسیم لکھی اور بہت خوب
 لکھی اسکی عام و خاص سب میں شہرت ہے اس کے نکتے اور باریکیوں کو سمجھیں یا نہ سمجھیں مگر
 سب لیتے ہیں اور پڑھتے ہیں جتنی سمجھ میں آتی ہو اسی پر خوش ہوتے ہیں اور روئے جاتے
 ہیں ہمارے ملک سخن میں سیکڑوں مثنویاں لکھی گئیں مگر ان میں فقط دو نسخے

(گلزار نسیم پر آزاد کی مثنوی)

ایسے نکلے جنہوں نے طبیعت کی موافقت سے قول علم کی سذبائی ایک ”سحر البیان دوسری
گلزار نسیم“ رآب حیات، مگر طبلۂ کارنگ مختلف ہے جہاں مصنف مزاجوں نے گلزار نسیم کی
قدردانی سے آبیاری کی وہاں اکثر نگاہوں میں اس باغ کی شادابی کا نانا بکر کھٹکی۔ ان حضرات
نے اپنی اپنی ہمت کے موافق نسیم کی شہرت پر خاک ڈالنے کی فکر کی ہو۔ چنانچہ اب تک اکثر لوگ
کہتے ہیں کہ آتش نے یہ مثنوی لکھ کر نسیم کو دیدی تھی۔ لیکن سیری راے میں اس دعوے
بے دلیل پر حین مجہین ہونا بیکار ہو ایک معنی میں یہ بیان قدردانانہ نسیم کے لیے باعث
فخر ہے اس سے بڑھ کر نسیم کی شاعری کی تعریف کیا ہو سکتی ہو کہ اسکا کلام آتش ایسے زبردست
اُستاد کی طرف منسوب کیا جائے حالانکہ سخن شناس جانتے ہیں کہ جس رنگ میں گلزار نسیم کہی
گئی ہے اس رنگ میں آتش نے اپنی زندگی میں ایک شعر نہیں کہا۔

ایک تذکرہ نویس صاحب فرماتے ہیں کہ نسیم مشرف باسلام تھے اسکا جواب مجھے نہیں آتا
خیر یہ تو پرنے زمانے کے لوگوں کی طباعی ہے۔ اس زمانے میں مولانا حالی نے گلزار نسیم کو اپنے
اشتب قلم سے پامال کرنا چاہا ہے آپ فرماتے ہیں کہ مثنوی لکھنے والے کا سب سے مقدم فرض
یہ ہے کہ بیتوں اور مصرعوں کی ترتیب ایسی سنجیدہ ہو کہ ہر مصرع دوسرے مصرع سے اور ہر
بیت دوسری بیت سے چسپان ہوتی چلی جائے مصنف گلزار نسیم نے اسکا لحاظ نہیں کھا ہو
گلزار نسیم میں دو شعر اس صورت پر ہیں ۷

خوش ہوتے تھے طفل مجہین سے ثابت یہ ہوا ستارہ بین سے

پیارا یہ وہ ہو کہ دیکھ اسی کو بھر دیکھ نہ سیکھے گا کسی کو

جو مطلب کہ مصنف ادا کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ لوگ تو اس طفل مجہین کو دیکھ کر خوش
ہوتے تھے مگر نجومیوں نے بادشاہ سے یہ کہا کہ لڑکا بکو پیارا تو ہے مگر یہ ایسا پیارا ہو
کہ اسکو دیکھ کر بھر کسی کو نہ دیکھ سکے گا کیونکہ اسکو دیکھ کر بنیائی جاتی رہیگی۔ ظاہر ہے کہ
ان دونوں بیتوں میں جب تک کئی لفظ بڑھے اور جب تک کئی لفظ بے نہ جائیں تب تک یہ

(۱) آتش نسیم کو مثنوی لکھ دی تھی (۲) نسیم حسان تھے (۳) مولانا حالی نے حرف گہری ایسا اعتراض

یہ مطلب جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے ان بیوتوں سے سیدھی طرح نہیں نکل سکتا اور پہلا مصرعہ مصرع سے اور دوسرا مصرع تیسرے مصرع سے چسپان نہیں ہو سکتا (مقدمہ دیوان حالی صفحہ ۹۵ اسطر ۲-۱۶) اسکے جواب میں صرف اس قدر لکھنا کافی ہے کہ اگر مولانا حالی گلزار نسیم کا کوئی صحیح نسخہ ملاحظہ فرماتے تو مولانا موصوف کو اس اعتراض کی تکلیف نہ گوارا کرنی پڑتی آج کل گلزار نسیم کے بیشتر نسخے شائع ہوئے ہیں جنہیں سیکڑوں جگہ کاتب کی اصلاحیں ہوتی ہیں۔ اور تو اور اکثر اشعار ان نسخوں سے غائب ہیں اور جو ہیں انکی ترتیب میں غلطی ہو چنانچہ یہ دو شعر بھی جو مولانا حالی کی طبع گرامی کے بار خاطر ہوئے صحیح نسخہ میں اس صورت پر ہیں

خوش ہوتے ہی طفل مہ جبین سے ثابت یہ ہوا ستارہ بین سے
پیارا یہ وہ ہے کہ دیکھ اس کو بھر دیکھ نہ سکھئے گا کسی کو

اب مطلب صاف ہوا اور مصرعوں میں کامل ربط ہو یعنی طفل مہ جبین سے خوش ہوتے ہی ستارہ بین سے ثابت ہوا کہ یہ لڑکا پیارا تو ہے مگر اس کو دیکھ کر پھر کسی کو نہ دیکھ سکھئے گا۔

اس یہ نسخہ کیا بضرور ہے لیکن لکھنؤ میں پڑنے بڑے بڑے پاس بت ملے گا اس نسخہ کی شناخت ہے کہ اسکے آخر میں بی کی عبارت درج ہو۔ پندت و دانشکہ تخلص بہ نسیم کہ در فن شاعری کما ہے ہم رسانیدہ اند۔۔۔۔۔ تصنیف الملوک و بکاؤلی از نثر و نظم آورده و مجلہ گلزار نسیم موسوم ساخته بودند۔۔۔۔۔ در بیت اسطوانات لکھنؤ محلہ محمد نگر متصل اکبری دروازہ در مطبع حبیبی سیدی سدی بر حسن رضوی ولد میر حسین عرف میر کمال رحیم و منظور بہ تصحیح و مقابلہ مصنف حلیہ مطبع پوشیدہ اس نسخہ میں مصنف کی طبع زاد تاریخ طبع منوئی بھی درج ہے جو کہ آج کل کے نسخوں میں نہیں ملتی یہ نسخہ اصل اسی پڑنے نسخہ کی نقل ہے گو اس لئے نسخہ میں بھی اکثر چھاپہ کی غلطیاں موجود ہیں مگر بہت کم ۱۲

| | |
|-------------------------|------------------------|
| سے خاق کردگار شکر | شکر اشکر اہزار شکر |
| کین جملہ زابتد اخبر داد | شخ تسلیم چنین شروداد |
| در عہد خلافت شہنشاہ | امجد علی شاہ خداداد |
| سید حسن آنکہ طبع پاکش | چون مطبع ادست خوب دلکش |
| از سحر رضا شنیدہ بشنود | در مطبع خویش طبع فرمود |

دوسرے اعتراض ملاحظہ ہو نسیم کا شعر ہے ۵

نور آنکھ کا کہتے ہیں پسر کو جشک حتیٰ نصیب اس پدر کو

مولانا حالی فرماتے ہیں کہ بیٹا باپ کی آنکھ کا نور ہوتا ہے مگر یہ بیٹا باپ کی آنکھوں کے لئے طلعت محتاسب جب تک دوسرے مصرع کے الفاظ نہ بدلے جائیں کلام مربوط نہیں ہو سکتا (مقدمہ دیوان حالی صفحہ ۱۶) میں اس اعتراض کی تہ کو بالکل نہیں پہنچا مگر یہ شعر کسی صورت پر بے ربط نہیں نظر آتا جو مضمون مولانا حالی نے نثر میں بیان کیا ہے وہی نظم کے پیرایہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔ نسیم کے اس شعر پر اعتراض کرنا ہوا ہے لڑکا ہے۔

تیسرا اعتراض مولانا حالی کا یہ ہے کہ نسیم کا ذیل کا شعر اصلاح طلب ہو ۵

آتا ہت آشکار گاہ سے شاہ نظر ارہ کیا پدر نے ناگاہ

آپ فرماتے ہیں کہ اس شعر کے دونوں مصرع مربوط نہیں ہیں کیونکہ ظاہر الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ (شاہ) اور شخص ہے اور پدر اور شخص ہے حالانکہ پدر اور شاہ سے ایک ہی شخص مراد ہے (مقدمہ دیوان حالی صفحہ ۱۹۶ - سطر ۴ - ۱) (اس اعتراض کی نسبت صرف اس قدر

عوض کرنا کافی ہے کہ اصل شعر اس صورت پر ہے۔ ۵

آتا ہت آشکار گاہ سے شاہ نظر ارہ کیا پسر کا ناگاہ

ابھی لکھنؤ میں ایسے بزرگ موجود ہیں جنکو قریب قریب کل مثنوی حقائق ہے۔ اُنکی زبان سے یہ شعر اسی صورت پر سنا گیا نسیم نے بکا دلی کے اضطراب کے بیان میں چند شعر کہے ہیں ۵

کرتی حتیٰ جو بیوک بیاں بس میں آسٹویتی حتیٰ کھا کے قسمین
جامہ سے جو زندگی کے حتیٰ تنگ کپڑوں کے عوض بدلتی حتیٰ رنگ
پچند جو گزرے بے خور و خواب زائل ہوئی اسکی طاقت و تاب

چون زور طبع نیک پوشید بمسار بج طبع کوشید
گلزار نسیم شد جو مسوع گل گفت کہ تازہ گشت مطبوع

(دوسرا اعتراض)

(تیسرا اعتراض)

صورت میں خیال رہ گئی وہ ہیئت میں مثال رہ گئی وہ

مولانا حالی فرماتے ہیں کہ ان اشعار میں تیسرے شعر کے سوا باقی تین شعروں کا مطلب کچھ نہیں معلوم ہوتا اور غالباً ہر مصنف نے کوئی مطلب رکھا بھی نہیں ہو مصنف کو تو فقط یہ لطیفہ بیان کرنا مقصود ہے کہ کھانے کی جگہ قسمیں کھاتی تھیں پینے کی جگہ آنسو پیتی تھیں اور کپڑوں کے عوض رنگ بدلتی تھیں (مقدمہ دیوان حالی صفحہ ۲۱۵ سطر ۲-۹) —

نچھکوا فسوس سے کننا پڑتا ہے کہ مولانا حالی کا ان اشعار کو بمعنی قرار دینا اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ مولانا موصوف اصول شاعری سے بیخبر ہیں۔ نازک خیالی اور بلند پروازی جو کہ اعلیٰ درجہ کی شاعری کے جوہر ہیں ان اشعار میں موجود ہیں۔ پھر انکو بے معنی کہنا بے معنی قرار دینا وجہ یہ ہو کہ مولانا حالی مغربی شاعری کی پیروی کی فکر میں انگریزی نظموں کے ترجمے پڑھتے ہیں اور چونکہ غیر زبان میں ترجمہ ہونے سے ان نظموں کی نازک خیالی اور بلند پروازی کے جوہر منتشر ہو جاتے ہیں اور استعاروں اور تشبیہوں کی پیچیدگی ان قالمین بہتین لہذا آپ خیال کرتے ہیں کہ مغربی شاعری کا اصول یہ ہے کہ عبارت سادہ نظم کر دی جائے اور اس خیال کے موافق اردو کے جن اشعار میں آپ نازک خیالی اور باریک بینی کی وجہ سے کسی قسم کی پیچیدگی پاتے ہیں اُسکو بے معنی اور سہل قرار دیتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ محض عبارت سادہ نظم کرنا شاعری نہیں ہے۔ شاعری کی عام تعریف یہ ہے کہ شعر سے زیادہ دلکش اور پُر نثار ہو۔ شعر کا انداز یہ ہے کہ جو مضمون بیان کیا جائے وہ نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے اور الفاظ کی بندش ایسی ہو کہ ان سے ایک خاص معنی صاف طور پر پیدا ہوں برخلاف اس کے شاعری میں یہ اصول مد نظر ہوتا ہے کہ جو مضمون باندھا جائے اختصار کے ساتھ باندھا جائے اور محض ایک حالت کا اشارہ کر کے ترکیب الفاظ ایسی ہو کہ اس حالت کی نسبت مختلف نکتے پڑھنے والے کی آنکھوں کے سامنے گذر جائیں۔ اگر اس اصول کو پیش نظر رکھ کر اشعار مرقومہ بالا کی وقت کا اندازہ کیا جائے تو وہ بے معنی نہ نظر آئیں گے۔ بلکہ ایک کوزہ

(مولانا حالی کی اصول شاعری سے بیخبری)

ذہن پوش کی کیفیت نمایان کرینگے۔ مثلاً پہلے شعر کے معنی یہ ہیں کہ اس کے دل پر فراق یا کاصدہ
ایسا تھا کہ کھانے پینے کی اسکو مطلق فکر نہ تھی اگر کوئی شخص اس قسم کا ذکر بھی کرتا تھا تو مثال
دیتی تھی میں دن رات ضبط کر رہی تھی اگر کوئی کھانے پینے پر اصرار
کرتا تھا تو قسمیں کھاتی تھی کہ میں نہ کھاؤں گی۔ یہ ظاہر ہے کہ نثر میں یہ مضمون اس فصاحت
ساتھ وہ لطف نہیں دیتا جو لطف کہ نظم میں اختصار کے ساتھ پیدا کرتا ہے۔ اس طرح دوسرے
شعر کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تنگ تھی اپنی آسائش کا اسکو مطلق خیال
نہیں رہتا تھا یہاں تک کہ کپڑے بھی نہیں بدلتی تھی بیشک طرح طرح کے صدمے جو اس کے
دل پر گذرتے تھے تو اس کے جہرہ پر ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا چوتھا شعر بھی شاعری کی
تصویر ہے اس میں مصنف نے اپنی قوت خیال کا کمال دکھایا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسی
نخیف و زار ہو گئی تھی کہ اسکی شکل دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ بس اک تصور خیالی، و بروہو
جسمین کہ نہ دم ہے نہ تاب و توان اسکی عجیب ہیئت ہو گئی تھی بس اک سکتے کا عالم طاری
تھا عالم اجسام کے رہنے والوں کی اس میں کوئی بات باقی نہیں رہی تھی وہ اپنی اگلی ہستی کا
محض اک شبہ ہو کر رہ گئی تھی۔ ان اعترافات کو دیکھ کر انیس مرحوم کا ایک قطعہ یاد آتا ہے
مرہ یہ طرفہ کہ مضمون تو دستیاب نہیں مقابلہ یہ چڑھاتے ہیں آستینوں کو
غلط یہ لفظ و بندش تھی وہ مضمون ہنر عجیب ملا ہے یہ عیب بیون کو

لیکن ان نکتہ چیتوں سے نسیم کی شہرت میں فرق نہیں آسکتا جتنا کہ اردو شاعری کا مذاق
قائم ہے اور طینتوں میں جو ہر شناسی کی قابلیت باقی ہے گلزار نسیم کی تلمذ کی قدر و انان سخن کے
دماغ کو فرحت بخشی رہی گی۔ ہاں جن لوگوں کے دماغ میں تعصب کی ہوا بھری ہو وہ اس
گلزار میں پھول ہٹا کر لٹائے چکا کرینگے صرف اکثر احباب کے اصرار نے مجھکو مجبور کیا اور نہیں ان

سے مولانا حالی کے اعترافات کی نسبت صرف میری ہی یہ رے نہیں میرے ایک دوست اور مولانا شبلی سے گلزار نسیم کی
نسبت کچھ غلطو کمات ہوئی تھی۔ مولانا شبلی نے اپنی ایک تحریر میں صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ گلزار نسیم کی تنقید میں مولانا
حالی نے سخت برہمی اور نا انصافی سے کام لیا ہے۔ ۱۲

(گلزار نسیم)

(دوسرے شعر کا معنی)

(چوتھا شعر کا معنی)

اعترافات کا ذکر بھی کرنا۔ کیونکہ ایسے بے بنیاد اعترافوں کو زمانہ خود فنا کر دیتا ہوا نکی تردید کرنا فعل عبث ہو۔

علامہ فتویٰ کے نسیم کا غزلوں کا چھوٹا سا دیوان بھی ہو لیکن نام تمام بہت سی غزلیں جو تلف ہو گئیں انکا نام و نشان بھی اس دیوان میں نہیں ملتا۔ سن سیدہ حضرات سے معلوم ہوا کہ چند غزلیں اکثر احباب نے اپنی تصنیف کی اس دیوان میں کھدی ہیں یہ مفت کر دم اشتیاق والا مضمون ہے۔ مگر یہ غزلیں صافاً بنسیم کے کلام سے الگ معلوم ہوتی ہیں۔ چونکہ نسیم کی وفات کے بہت روز بعد یہ دیوان شائع ہوا لہذا ان لوگوں کو اس دست اندازی کا موقع ملا۔ بہر حال جو ذخیرہ اشعار کا نسیم کے زوہط طبیعت کا یادگار چودہ واقعی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھے جانے کے قابل ہے۔ اکثر مقامات طبیعت کی بلند پروازی اور معنی آفرینی قیامت کرتی ہے مثلاً

| | |
|---|---|
| بجز کو غریبان نقش پاتے پھ نہیں آسکے | یہیں تک ہر مسافر نے پتا پایا ہے منزل کا |
| نسیم اپنے ہی اعمالوں سے گردشِ ہر زمانہ کی | روان کشتی پہ آتا ہے نظر ہر نخل ساحل کا |
| ای مریع دل تو شاخ نشین سے گر پڑا | سیفِ آتش بیان بلند ہے پر واز بہت ہے |
| تھے محو زلف دیدہ تردل بھی آ بھنسا | بھلی کو کیا خبر تھی کہ پانی میں شست ہے |
| گریہی ہے اس گلستان کی ہوا | شاخ گل اک روز چھونیکا کھائیں گی |
| جان نکل جائیگی تن سے ای نسیم | گل کو بوے گل ہوا ابتلائیگی |
| طریق شعر و سخن میں اگر نہیں عجز | قلم کی طرح سے ہر اک شکستہ پا چلتا |
| ذرہ کا بھی چکے گا سارو | قلم جو زمین و آسمان ہے |

معنی روشن جو ہو تو سوسے بتر ایک شعر مطلع خورشید کافی ہے بے دیوان صبح
اس میں شک نہیں کہ نسیم کا کلام آتش و ناسخ و ذوق و غالب کے کلام کا ہم بدلہ نہیں
یہ لوگ آسمان سخن کے تارے ہیں انکے برابر کسی کو عروج نہیں حاصل ہوا۔ لیکن غزل گوئی کے
اسی طرح میں نسیم زرد و صبا وغیرہ سے پیچھے نہیں ہیں تیون استادوں کی ہم طرح غزلوں کے انتخاب

رج ذیل ہیں۔ جن غزلوں میں ایک ہی مضمون کے شعر ہیں وہ بھی پہلو بہ پہلو لکھ دیے گئے ہیں۔ سخن شناس نگاہ انصاف سے دیکھیں۔

| | | |
|------|---|--------------------------------------|
| نسیم | صبا کشو کی خاک ہو ہر اک مقام پر | ساقی لندھا شرب کو مستوں کے نام پر |
| صبا | لائی ہو بھگو وشت دل اس مقام پر | بہنے کی جا ہی قیس کے سواے خام پر |
| رند | پڑتی ہو آنکھ جب میری دنیاؤ جام پر | سوسو درود پڑھتا ہوں ساقی کے نام پر |
| نسیم | دل سے ہر دم میں آواز بکاتی ہو | بند کا نون کو بھی گریہ کی صدا آتی ہے |
| رند | تیرہ و بار دھوان دھار کھٹا آتی ہے | میکشو افسل می ہوش دبا آتی ہے |
| نسیم | گل ہوا کوئی چلے سحری او بلبل | لاٹھ طق ہوئی بتوں سے صبا آتی ہے |
| رند | جاننا غامہ خار سے کیا آتی ہے | لڑکھڑاتی ہوئی جو باد صبا آتی ہے |
| نسیم | چھو لیا دھیرے کہ سے دامان صبا تو نے کیا | غیر گل گل کیوں سٹی میں ہوا آتی ہے |
| رند | یہ بتا کوچہ کا اس جو کے سن کچھ قاصر | لون میں چلتی ہو جنت کی ہوا آتی ہے |
| نسیم | خیم نہ بہت کر نو و عرض ہو جائیے | مشعل ساغر اور کے کام آئے |
| رند | دھوپ دنگی اوس شب کی کھائیے | استان یاد پر مر جائیے |
| نسیم | اب آہو چشم ہن آہو نہیں | ہم سے وحشت کی نہ بجے آئے |
| رند | مجھ سے بیہودہ نہ گرمی کیجیے | ٹھنڈے ٹھنڈے آپ گھر کو جائیے |
| نسیم | ابر رحمت سنتے ہیں نام آپ کا | حاکمادون پر کرم فرمائیے |
| رند | دن کو تو تشریف تم لاتے ہو روز | شب کو بھی اک دن کرم فرمائیے |
| نسیم | جو ہر تنج گلہ کھل جائے گا | مٹھ نہ میرے زخم کا کھلوائیے |
| رند | کچھ کروں گا میں بھی اب غم میں غم | چپکے سے مٹھ نہ اب کھلوائیے |
| نسیم | لائے اُس بت کو التجا کر کے | کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے |
| رند | کیا ملا عرض دعا کر کے | بات بھی کھوئی التجا کر کے |

الامم المتحدة

نسیم
صبا
نسیم
صبا
نسیم
صبا
نسیم
صبا
نسیم
صبا
نسیم
صبا
نسیم
صبا
نسیم
صبا
نسیم
صبا
نسیم
صبا
نسیم
صبا
نسیم
صبا
نسیم
صبا

جب ہو چکی شراب تو میں ست مر گیا
واعظ نے مین خسرو ڈرنے سے ڈر گیا
روح روان جسم کی حالت میں کیا کمون
مشعل جباب بحر جهان میں نہ دم بیا
گذرا جمال سے میں تو کما سن کے یار نے
اچھا ہوا جو گئے وحدت پرست ہم
ہو رنج عشق میرے لیے میں باغ رنج
دل ہو غداے رنج جل رہے غداے رنج
باتنگی کنار تھی یا اب فشاں قبر
آدم سے باغ خلد چھٹا ہم سے کوئے یار
ہم شیشہ شکستہ ہیں تم کیف موج و
صلح ازل مری سٹی خراب کی
زاروں سے ڈریے بھولے زربخز نور پر
اک عمر سے وظیفہ ہو صاحب کے نام کا
ابلی برس جنوں جور بازور و شور پر
دنیا تمام بازی شطرنج باز ہے
کسی کے دل سے نہ یارب کوئی خراب ہے
تھارے دور میں گر خاک پر خراب کرے
کون میں اپنی جو افتاد بنم ساتی میں
بغیر بار ہوئی بنم سے ع و بالا
منت دلا کیسی نہ اصلاً تھا یہ

صبا اُفتادگی سے خال سر اپنا اٹھائے
 نسیم جاہ اپنی ماننا نہیں وہ بے یقین اگر
 صبا اُس بت کو اعتبار کسی بات کا نہیں
 نسیم فراق دیدہ ہوں میں وصل یا رہتی ہو
 ۱۱ ہوا تو کہتی ہے صاف آبد بہار چمن
 ۱۱ جنون و عقل کے قصے سے چھوٹے بعد فنا
 ۱۱ بتوں کے قہر سے ہلکو مقام یاس نہیں
 صبا نہ جیب کا ہے نہ دامن کا آ رہتی ہو
 ۱۱ خدا کی واسطے کلمہ بتوں کا بڑھ واعظ
 ۱۱ ہزار حیف اسے بھی فلک مٹا دیگا
 ۱۱ پھنسا نیک مجھے دشتِ جنوں کے کانٹوں میں
 نسیم کیوں خفا و شک جو رہتا ہے
 ۱۱ جس کو دیکھو وہ اس زمانہ میں
 ۱۱ خاکساری وہ ہے کہ ذرّوں پر
 صبا بندہ اب با صبور ہوتا ہے
 ۱۱ پر تو رخ سے اٹکا جیبِ قبا
 ۱۱ اے صبا جب بہا رہتی ہو
 اس موقع پر یہ لکھنا غیر مناسب نہیں کہ گویہ آتش کے شاگرد تھے لیکن آتش کی گرمی
 سخن انکے کلام میں نہیں باقی جاتی انکی مشکل پسند طبیعت نے ناخ کارنگ پسند کیا مگر
 باوجود اس تضاد کے جو کہ اس رنگ کا خاص جوہر ہے نسیم کا کلام بالکل بے نمک نہیں ہے
 طبیعت میں ایک خدا داد کیفیت ہے جو کلام کو مزید اربنا دیتی ہو۔

طبیعت کا رنگ

شاعری کا رنگ تو دیکھ چکا طبیعت کا رنگ ملاحظہ ہوتا جا تا رہے کہ نئے طریق و نئے نسخہ آویختہ تیری
 ذہن و ذکاوت طبع کا عجب عالم تھا حاضر جوابی تیغ زبان کا جو ہر تھی انھیں صفات خاص نے
 انکا وقار ہر شعر امین قائم کیا۔ اگر یہ جوہر نہ ہوتے تو کون پر چھنا اس زمانے میں لکھنؤ کل
 ہندوستان کی تہذیب و تربیت کا مرکز بنا ہوا تھا۔ گو کہ اردو شاعری کے زوال کا زمانہ قریب
 آچکا تھا۔ لیکن جیسے چراغ کی روشنی بچنے کے بیشتر تیز ہو جاتی ہو اسی طرح اس زمانے شعرو
 سخن کا ایسا عروج دیکھا کہ باید و شاید۔ آتش و ناسخ کی جادو کا طبیعتیں اپنا زور دکھا دی
 تھیں آتیس و تیرفن مرثیہ گوئی کو عرش پر پہنچا رہے تھے خواجہ وزیر صاحب دند و حلیل
 وغیرہ کی نوجوان اور شوخ طبیعتیں ایک طرٹ قیامت برپا کر رہی تھیں۔ اس زمانہ میں کیا
 ہندو شاعر کے لئے شعرا کے زمرہ میں اپنا وقار قائم کرنا آسان کام نہ تھا۔ لیکن نسیم نے
 اپنے گہمائے مضامین کا سب کو ہزار جان سے شیدا بنا لیا۔ ایسے ایسے معرکہ جیتے کہ ہلکا
 بیٹھ گئی ایک مشاعرہ میں نسیم نے مطلع پڑھا۔

ست دلا کیسی نہ اصلا اٹھائیے مر جائیے نہ نارسیما اٹھائیے
 آتش بھی اس شاعرے میں موجود تھے انھوں نے نسیم کی بہت تعریف کی اور کہا کہ میرا
 مطلع اس کے آگے گروے مطلع آتش۔

دانش کی تعریف

جان بخش لب کے عشق میں ایذا اٹھائیے بہار ہو کے نازسیما اٹھائیے
 خصوصاً نسیم کی حاضر جوابی اور موزونی طبع کے سب قائل تھے ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کہیں
 مشاعرہ کی صحبت تھی یہ بھی وہاں موجود تھے قبل مشاعرہ شروع ہونے کے شیخ ناسخ نے
 ایک مرتبہ انکی طرف غائب ہو کر کہا کہ بیٹت ہی ایک مصرع کہا ہے دوسرا مصرع
 نہیں سوچتا کہ پورا شعر ہو جائے۔ انھوں نے جواب دیا فرمائیے ناسخ نے مصرع پڑھا
 ع شیخ نے مسجد بنا سہا بنجامہ کیا۔ انکے منہ سے یہ مصرع نکلنے کی دیر تھی کہ بیان دوسرا
 مصرع تیار تھا ع تب تو اک صورت بھی تھی اب صاف دیر لہ گیا۔ اس مصرع کا سننا تھا

ناسخ سے معرکہ

(انسداد شخص سے سرکاری)

کہ حاضرین جلسہ ہنرک اٹھے اور ہر طرف سے نعرے تحسین و آفرین بلند ہوئے شیخ نلک نے
شاعری کی آڑ میں مذہبی چوٹ کی ہٹی۔ لیکن نسیم نے ٹھنڈا کر دیا۔ اسپرٹ ایک شخص نے
مشاعرہ میں ایک شعر پڑھا جسکا دوسرا مطلع یہ تھا: جانب ظلمات ہرگز آفتاب آتا نہیں
یہلا مصرع کچھ اہل ساقا نسیم کے منہ سے بسیا ختمہ نکل گیا کہ دوسرا مصرع تو غیب ہی لیکن یہلا مصرع
ٹھیک نہیں وہ صاحب بھی کچھ جلتے تھے لکھنے کا ننگ بہ بات پہنچی ہٹی کہ جھٹلا کر بولے کہ
اچھا اس سے بہتر مصرع کہہ دیجیے۔ یہاں تو مضامین ہر وقت ہاتھ باندھے سانسے کھڑے
رہتے تھے اسی وقت مصرع موزون کر کے سنا دیا: سحرہ دل کی نرمین جام شرب آتا نہیں
جانب ظلمات ہرگز آفتاب آتا نہیں نسیم کی مشاعرہ میں دیا کہ بیٹھ گئی وہ بیچارہ دلیل ہو گیا
ایک روز آتش کے یہاں شاگردوں کا جھگڑا تھا رند صبا۔ خلیل۔ وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے
نسیم بھی موجود تھے۔ صبح کا ٹھہانا دقت پر سات کا موسم منہ پر تہا ہوا۔ عجیب کیفیت تھی موسم
سے کچھ ایسی طبعیتیں مست ہوئیں کہ شاگردوں نے آتش سے فرمائش کی کہ استاد اس وقت ایک
غزل کہہ لیں گے کہ آتش کا دل مجھسا تھا لیکن طبع۔۔۔

موزون کرنے شروع کر دیے، اور کہا۔

وہن پرہن آئے

وہ اسی سمت

الان ایشا

مین

کہ

کہ

کہ

کہ

کہ

کہ

کہ

گل و لالہ وار غوان کیسے کیسے

کوئی جاننا ہو کسی کو خبر ہے کہ پردہ بین کون اے صنم جلوہ گر ہے
کہیں کچھ خیال اور کہیں کچھ نظر ہے دل و دیدہ اہل عالم میں گھر ہے
تھارے لئے ہیں مکان کیسے کیسے

اسی طرح چودہ بندرہ شعر کی غزل پر مصرع لگائے ہیں - آتش کے شاگردوں میں
صبا سے انے بہت بار نہ تھا انکے مرنے پر صبا نے ایک شعر کہا جو کہ واقعی مرد دل کی تصویر ہو
اٹھ گئے ہیں نسیم جہد نے اس صبا وہ ہولے باغ نہیں

لیکن زندہ سے چشمک تھی چنانچہ ایک شاعرہ میں نسیم نے زندگی ایک مشہور غزل پر خمسہ پڑھا جس کا
مطلع یہ تھا

وصل انسان کو پر زاروں کا ہو ہو دشوار فائدہ کچھ نہیں تم مفت میں کیوں ہوتے ہو غبار
لینے کہتے تو ہوئے تلو نسیم اب ناچار عشق کو ترک کرو یا نہ کرو ہو غمت
کہ کہ او مدہم ہیں تھیں زندہ سچھاتے جاتے

کہتے تو ہوئے تلو نسیم اب ناچار - کہ زندہ نے
نسیم کے فزلج میں بھی بالکین

سے تلوار چھین
گئی ہوئی ہوئی ہوئی

م نہیں

اور

کی

بھی

ا

(صبا سے پارانہ)

(نور سے چشمک)

رند کے چوٹ کھائے ہوئے دل پر یہ طعن کثیر نصیحت گراں گزری اور اس شعر کہ باعث ہوئی۔ علاوہ برین اسی غزل میں رند کا ایک شعر ہے ۵
راستہ روک کے کہ لونگا جو کہنا ہو مجھے کیا ملو گنہ کبھی راہ میں آتے جاتے
نسیم نے ایک صحت میں اس شعر کا دوسرا مصرع پڑھا تو مذاقاً (ملو گے) تائید کے
ساتھ پڑھا ہے ۵

راستہ روک کے کہ لونگا جو کہنا ہے مجھے کیا ملو گی نہ کبھی راہ میں آتے جاتے
اس پر بڑا مقصد پڑا اور اس شعر کو لوگ اسی صورت پر پڑھنے لگے۔ اُڑتے اُڑتے یہ خبر
رند کے کانوں تک بھی پہنچی حریفوں نے اصل واقعہ پر اپنی طرف سے اور حاشیہ چڑھا
غرض کہ رند کے دل میں اس واقعہ کی وجہ سے بھی ایک کاوش موجود تھی یہ بھی انکے لئے
نسیم سے بگڑنے کی وجہ ہوئی۔ ایک موقع پر رند نے ایک شعر پڑھا ۵
کیا ملا عرض مدعا کر کے کیا بات بھی کھوئی التجا کرتا ہے

نسیم نے ہلکا مصرع یوں بدل کر پڑھا ۵
شعر بہتر ہو گیا اور لوگ بھی جو بیٹھے تھے انھوں نے بھی نسیم ہی کی ایسی کہی۔ یہاں بھی
رند کو ناگوار گذرا۔ نسیم کی جو وقت شعراے کشتو کے زمرہ میں تھی اسکا اندازہ مندرجہ
ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ ایک مرتبہ دہلی سے تین مصرعے انتھاماً کشتو بھیجے گئے کہ شاعر
کشتو ان پر مصرعہ لگا کہ مجھیں تینوں مصرعہ ملاحظہ ہوں۔

(۱) ناتوان ہوں کفن بھی جو ہلکا (۲) اس لیے قبر میں رکھا انھیں زنجیریت

(۳) من میر دم بکعبہ و دل میر و بدیر۔

اب اہل کشتو کی یہ کوشش ہوئی کہ ایسے مصرعہ کھمکے بھیجے جائیں کہ دہلی والوں کو
بھی یہاں کی شاعری کا قائل ہونا پڑے۔ اگر مصرعے سست ہوئے تو کر رہی ہو جائیگی
غرض کہ تین مخصوص کو جو ہر طرح اس کام کے لیے موندن خیال کیے گئے ایک ایک

(نسیم کے ہاں کشتو کی شاعری)

لگانے کا کام پیر دھوا پہلا مصرعہ جناح کو دیا گیا دوسرا آتش کو اور تیسرا نسیم کو گوکہ اُس وقت اور جسے بڑے شاعر موجود تھے مگر آتش و آتش کے ساتھ لکھنؤ کی آبر و قائم رکھنے کا شرف نسیم ہی کو حاصل ہوا۔ تینوں استادوں نے جی توڑ کر مصرع لگائے ہیں۔

جناح کا مصرع ہے۔ ڈال دے سایہ اپنے آنجل کا۔ ناہان ہوں کفن بھی ہو ہلکا (آتش کا مصرع ہے۔ حشر میں حشر نہ رہا کرین یہ دوانے۔ اسیلے قبر میں رکھا اغنین نجر سمیت) نسیم کا مصرع بھی لا جواب ہو۔ دارم ز دین و کفر ہر کیف دم دوسرے۔ من سیر دم لمبید و دل میر و دہر (نسیم کے مزاج میں آزادی اور بیباکی کو ٹکٹ کر بھری تھی کبھی دنیا کے مال و دولت کی تمنا نہ کی گوکہ بہت اہل کشمیر اس زمانہ میں عہدائے جلیلہ پر ممتاز تھے اور دربار شاہی میں ان لوگوں کی رسائی تھی ان حضرات نے کئی مرتبہ نسیم سے خواہش ظاہر کی کہ وہ انکو دربار شاہی تک پہنچائیں اور انکے منصب و جاگیر کی فکر کریں۔ مگر شہنشاہ سخن نے دوائے توکم کو طویل و عظیم کر دیا جس سے وہ بھی شان و شوکت کی طرف رخ نہ کیا۔ اور یہ کیا اکثر اہل کمال اس رنگ کی طبیعت رکھتے ہیں انیس مرحوم فرماتے ہیں ۵

پیر شاہوں کے نہیں جانتے عزیزانہ کے
میر بہان۔ لکھتے ہیں سب ہم وہان قدیم صغیر
ایک مرتبہ امجد علی شاہ کے سامنے ایک طوائف نے نسیم کی وہ لا جواب غزل گائی جس کا مطلع
تھا۔ جب نہ جیتو جی رہے کام آگلی
کیا یہ دنیا عاقبت بختا نیگی
بہت اس مصرع غزل کا قطع گایا۔ جان بیکل خانگی تن سے اسی نسیم ہر گل کو بوسے گل ہوا بتلا نیگی
اس سخن شناس بادشاہ نے کہا کہ کیا یہ غزل اسی نسیم کی ہو جو گلزار نسیم کا مصنف ہو۔ اس نے کہا
ان میں یہ سننا تھا کہ ارشاد ہوا کہ اس سخنور کا کمال کو دربار شاہی میں جانہ کہ۔ حریفوں نے کہا کہ حضور نسیم کا تو انتقال ہو گیا
تھا جانے وہ کیا وقت تھا اور یہ شخص کلمہ کیسی بانٹنے کا مصلحتاً اور میر بہان سے نکلی اور حریفانہ از قضا کے ترش
سے تیر کا جسے کہ عورتی ہی ہر صدمہ نسیم کا خاتمہ کر دیا۔ مرنے کے دو تین گھنٹے پیشتر یہ شعر کہا تھا ۵
ہو پچی نہ راحت ہم سے کیوں بلکہ اذیت کو شرم ہے
جان پڑی تب بار چشم تھمرے و بل و دوش ہے

از د لگد از بابت ماہ ماہ ۱۹۰۵ء نمبر ۳ جلد ۹۔

۲۔ گلزار نسیم پر ریویو

(از مولوی عبدالحسین شریف)

ہمارے ہم شہر بلکہ ہم خطہ روشن خیال نوجوان پنڈت برج نرائن چک بست نے گلزار نسیم کا ایک نیا ایڈیشن بڑی لیاقت و قابلیت کے ساتھ شائع کیا ہے اور شاید پنڈت یاشنکر نسیم مرحوم کی ایک خوش نصیبی یہ بھی ہو کہ انھیں کی فتویٰ پہلی اردو نظم ہے جو اس خوبی کے ساتھ ایڈٹ کر کے شائع کی گئی اور ایسے لائق و باذوق نوجوان کے ہاتھ سے ایڈٹ ہوئی۔ پنڈت برج نرائن صاحب وکیل اپنے ذوق انشا پر داری اپنے حسن عبارت اور اپنے شائستہ مذاق کی حیثیت سے ملک میں ایک ممتاز درجہ حاصل کرتے جاتے ہیں اور انکی یہ کوشش اگر جاری رہی تو کسی وقت میں وہ ملک کے سر پایہ نماذ انشا پر دازوں میں ہونگے۔

اپنا جو ہر طبع دکھانے کے لیے انھوں نے جس مفتوی کو منتخب کیا ہے وہ بھی علاوہ اسکے کہ قومی تعلقات کے لحاظ سے نوجوان ایڈٹ کرنے والے پر بہت براحق رکھتی تھی اردو کی ایک عجیب و غریب معرکہ آرا نظم ہے اگر اسکے محاسن کے لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ ان نظم میں ہے کہ اردو شاعری کو اپنی اس صدی و دو صدی کی عمر میں شاید وہی چار نصیب ہوئی ہوگی۔ لیکن اسکے ساتھ ہی اسکے معائب پر نظر ڈالی جائے تو اس سے زیادہ عیوب کسی اردو نظم میں نہیں ہیں۔ پہلے اعلیٰ اور مقبول عام اردو مفتوی میر حسن کی

مثنوی ہے۔ حسین اور اسین باعتبار مذاق شاعری و خوبی زبان کے کوئی نسبت نہیں ہو۔ مگر اُسکے مقابلہ میں ہمیشہ سکا نام لیا گیا۔ اور اُن دو شعرا کے کلام کا موازنہ کیا گیا جن کا مذاق ایک دوسرے کی ضد واقع ہوا ہے گلزار نسیم کو جو مقبولیت عام حاصل ہوئی حیرت انگیز ہے۔ لیکن اگر اُسکی خوب سونکا اندازہ کیا جائے تو یہ بے انتہا شہرت بھی اُسکے مرتبے سے کم ہے۔ اُردو ہی نہیں اکثر زبانوں میں اس پائے کی نظمیں کم ملین گی لیکن اُسکے ساتھ یہ بھی کنا پڑتا ہے کہ ایسے عیونے بھری ہوئی نظم بھی کوئی نہیں۔ جسوقت اُسکے محاسن پر نظر ڈالی جائے تو اس قدر لطف آتا ہے کہ مجبور ہو کے تسلیم کر لینا پڑتا ہے۔ کہ اس سے اچھی نظم نہیں ہو سکتی۔ اور جسوقت اُسکی غلطی کی طرف توجہ کیجئے تو خیال گذرتا ہے کہ شاید اور کسی شاعر کے کلام میں اتنی غلطیاں نہ ہوں گی جتنی کہ نسیم لکھنوی مرحوم کے کلام میں ہیں۔ اُردو کے شعرا کا خاصہ ہے کہ وہ زیادہ تر لفظی بحثوں میں پڑے رہتے ہیں اور جس کسی کے کلام میں ایک غلطی بھی نکل آتی ہے اُسکا کلام بالکل مٹ جاتا ہے۔ اور ساری شاعرانہ خوبیاں اُس ایک لفظی لغزش پر قربان کر دی جاتی ہیں۔ لیکن ایسی شاعری کی دنیا میں۔ نسیم لکھنوی کی مثنوی کا باوجود بہت سی غلطیوں کے جھلکا اور مقبول ہو جانا قابل حیرت چیز ہے۔ یہی امر اس بات کی شہادت ہے کہ گلزار نسیم کی خوبیاں کس پائے ہیں کہ بہت سی لغزشوں کے ہونے پر بھی ایسے مذاق والوں میں عام پسند ہو گئی جو ہمیشہ لفظی چھوٹ شاعری کا اعلیٰ جوہر سمجھتے رہے۔

مسٹر چک بست نے مثنوی کو تصحیح کر کے اور سب سے پہلے ایڈیشن کے مطابق کر کے شائع کیا ہے اور آخرین پبڈٹ دیا شکر نسیم کے دیوان کا کچھ انتخاب بھی چھاپ دیا ہو۔ مگر قابل غور ۱۳ صفحوں کا وہ دیباچہ ہے جو شائع کرنے والے کی لیاقت و قابلیت کو ظاہر کرتا ہے اُسکے ابتدائی تین صفحوں میں مصنف گلزار نسیم کے حالات زندگی ہیں اور چونکہ کہنے والے مصنف مرحوم کے ہم قوم ہیں لہذا میں باور کر لینا چاہیے کہ جو کچھ لکھا ہے صحیح ہو گا۔

گلزار نسیم کی تصنیف کے حالات میں مسٹر چک بست نے لکھا ہے جسوقت یہ مثنوی

تیار ہوئی اسکا جگم زیادہ مقاب آتش کے پاس اصلاح کے لیے لیکے تو اُنھوں نے کہا
 ارے جی! اتنی بڑی مثنوی کون پڑھے گا۔ یا تم پڑھو گے کہ تنے تصنیف کی ہو۔ یا میں
 اصلاح کے خیال سے ایک مرتبہ دیکھ جاؤں گا۔ استاد کامل کی بات دل پر اثر کر گئی مثنوی کی
 نظر ثانی کی جتنے بھرتی کے شعر تھے نکال ڈالے۔ مگر معتبر ذرائع سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ
 یہ ہے کہ انتخاب و اختصار کا یہ آخری عمل اور تصرف خواجہ آتش کے قلم سے ہوا۔ مثنوی
 اشرف علی اشرف مرحوم جو نسیم دہلوی کے شاگرد تھے اور اُس سے پہلے دور کے یادگار و نثرین
 تھے اس واقعہ کو خود دیکھنے سے بیان کرتے تھے بلکہ اُنکا بیان تھا کہ پنڈت دیاشنکر کی لکھی ہوئی
 اصل مثنوی کے بہت سے اوراق بھی میں نے اپنی آنکھ سے دیکھے تھے جو بیت ہی عام مذاق کے تھے
 اور ایسے تھے کہ سوا ایک مبتدعی شخص کے کسی کہنہ مشق شاعر کی جانب نہیں منسوب
 کیے جاسکتے، اسی بیان کی تصدیق میر وزیر علی صاحب نے بھی ہمارے بعض بزرگوں کے سامنے
 کی تھی۔ اور اسی کی بدولت یہ خبر مشہور ہو گئی کہ یہ مثنوی اصل میں آتش کی ہو۔ اُنھوں نے پنڈت
 دیاشنکر کو لکھ کے دیدی، جسکی بنیاد پر جو دھوئیں صفحہ میں مسٹر چک بست نے پہلے تو اس
 شہرت کی بدولت مصنف کو اعلیٰ ناموری کا تاج پہنایا ہے اور پھر لکھا ہے سخن شناس جانتے
 ہیں کہ جس رنگ میں گلزار نسیم کہی گئی ہو اس رنگ میں آتش نے اپنی زندگی میں ایک شعر نہیں
 کہا۔ مگر مجھے قجب ہے کہ مصنف کے دیوان کا جو انتخاب مسٹر چک بست نے اسی مثنوی کے
 آخر میں چھاپا ہے اُس میں بھی اس رنگ کا کوئی شعر نہیں ہو۔ ہمارے روشن خیال دوست نے
 اس بات کا لحاظ نہیں کیا کہ غزل اور چڑ ہے اور مثنوی اور چیز۔ انسان کی طبیعت جو رنگ غزل میں
 دکھاتی ہے۔ ضرور نہیں کہ مثنوی میں بھی وہی رنگ دکھائے۔ آتش وہ شخص تھے جو غزل کے
 سوا کسی اور صنف سخن میں کہنا اپنی شان شاعری سے ادے نہ خیال کرتے تھے۔ اگر انکی کوئی
 اور مثنوی موجود ہوتی تو بیشک مقابلہ کیا جاسکتا تھا کہ جو رنگ اُس مثنوی میں تھا اس میں کیوں
 نہیں ہے لیکن دیوان کے رنگ کو پیش کر کے مثنوی کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا اس بات کا

ثبوت دیتا ہے کہ مشربک بہت کم ہو سکتا ہے کہ شاعرانہ مذاق ہر صنف سخن میں جدا گانہ رنگ دکھایا کرتا ہے کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اگر آتش نے اس دہشتگی کی بنیاد پر جو انھیں نو عمر شاعر کو ان سے جتنی اسی کی تحریک سے یا اس کی مشق اولیٰ کی کچھ کے اس مثنوی کو تفہیم طبع کے طور پر لکھا ہو۔ پھر اس میں متذکرہ مثنوی دیکھ کے اسے بجائے اپنے اسی کی طرف مشرب کر دیا ہو۔

جن دنوں یہ مثنوی لکھی گئی ہو ان دنوں شاعری کا یہ رنگ تھا کہ غالب حاسن پر غالب خیال کیے جاتے تھے۔ اور شعر کو کلام میں خوبیاں پیدا کرنے سے زیادہ فکر اس بات کی ہوتی تھی کہ کلام مشرب سے پاک ہو۔ لہذا یہ خیال اس بات کا پورا محرک ہو سکتا تھا کہ آتش اس مثنوی کو کہیں اپنے کم سن شاگرد کو دیرین مصنف کا مختصر لائحہ کو ختم کرتے ہی مشربک بہت سے مثنوی جیسے اور گلزار نسیم کا موازنہ شروع کر دیا ہے اس کے تعلق سے کچھ نہیں کہنا ہے۔ یا ان اتنا ضرور کہوں گا کہ موازنہ سے یہ نتیجہ نہ برکت تھی کہ گلزار نسیم پر بلا لحاظ کسی اور نظم کے ایک مفصل اور مفصل درویں لکھا جاتا۔ اور ہر قسم کی خوبیاں اس میں سے نکال کے دکھائی جاتیں اس کام کو مشربک بہت سے کیا ہے مگر بہت ہی ناقص اور ناتمام درجہ تک۔

مشربک بہت سے اس خیال کی میں تائید کرتا ہوں کہ اس مثنوی کا یہ صنف کسی کی غرض کا خوشہ نہیں بلکہ بدعت صاحب غرض ہے۔ اس کے مقابل درویں لکھانے کا سبب نفس کی کثرت شروع کی ہو اس میں نہ تو یہ نسیم کہنے کی کا اعلیٰ امکان دیکھا جاتا ہے۔ رہا یہ نفسی کا خیال حجاب میں اسے سن کیلئے خواہ عیب کیلئے۔ بعض شعرا سے لکھنویں مرض کے درجے تک ہو چکا ہوا تھا۔ ہے کہ اس ضمن میں بتلا ہو کہ بعض اوقات وہ جادہ اعتدال سے گزر گئے ہوں۔ مشربک بہت سے اساتذہ جلیل۔ زرد۔ اور ظفر۔ کا ایک ایک شعر یا مصرع نقل کر کے سب کی شاعری میں دقت لگایا ہے۔ چنانچہ امانت کی نسبت لکھے ہیں۔ سبب لفظی کا شوق جنوں کے درجہ تک پہنچ گیا ہے لیکن جو کہ زبان پر قدرت کا طرہ حاصل نہیں ہے اور طبیعت میں ہشتگی کا جو اثر ہے لہذا جو شعر کہا ہے اس رنگ میں کہا ہے اسے بڑھ کر ہنسی آتی ہے

مگر دیگر شعرا کے حال پر صرف اتنی ہی مہربانی کی ہے کہ تناسب الفاظ کا لطافت کے ساتھ نبھانا ایک امر دشوار ہے اور آخر میں جب دیکھا کہ ایسے ہی مہیوب اشعار گلزار نسیم میں بھی موجود ہیں تو تسلیم کر لیا۔ کہ اکثر نسیم سے بھی تناسب الفاظ کے ساتھ لطافت سخن قائم نہیں ہو سکتی، پھر جب دیکھا کہ اس اقرار کے گناہ سے اوپر کا دعویٰ بالکل منسوخ ہوا جاتا ہے تو اس دشواری پر یہ لکھ کے ٹالا کہ اس قسم کے اشعار کل مثنوی میں دو فیصدی سے زیادہ نہیں ملین گے لہذا قابل معافی ہیں، مگر ہمارے دوست کو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ جن شعرا کو انھوں نے ملزم ٹھہرایا ہے ان کے کلام میں بھی ایسے مہیوب اشعار فیصدی دو سے زیادہ نہ نکلیں گے اور کوئی تعجب نہیں کہ اتنے بھی نہ نکل سکیں سچ یہ ہے کہ امانت نے تناسب الفاظ کی فکر میں اپنے نہیں بدنام تو بہت کیا۔ مگر اس صفت کے پیچھے بڑے ٹھوکرین بہت کھائیں تو کامیاب بھی سب سے زیادہ وہی ہوئے۔

گلزار نسیم کے اختصار۔ اس کی ترکیبوں کی پختگی تشبیہات کا دل کلام کی سادگی و روانی اور پاکیزگی زبان کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہے بہت صحیح ہے بلکہ اس سے بڑھ کے ہے۔ ہم لکھتے تو اس سے کچھ زیادہ ہی لکھتے اس لئے کہ ہم ہمیشہ سے گلزار نسیم کے بہت بڑے معترف ہیں مگر افسوس اس بات کا ہے کہ اسکے دوسرے طرح یعنی مثنوی گلزار نسیم کے عیوب کی طرف سے مسٹر چک بست نے بالکل چشم پوشی کی ہے اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ اس ایڈیشن میں گلزار نسیم ایک منصفانہ (ریویو) کیا جاتا اس لئے کہ جس قدر یہ مثنوی ایک عمدہ (ریویو) کی محتاج تھی اور دو کی اور کوئی نظم نہیں۔ مگر افسوس کہ (ریویو) نویسی میں ہمارے بیان یا تو مروت و دوستی کے جذبات ظاہر کیے جاتے ہیں یا بغض و عناد کے۔ اور اگر معاصرین سے واسطہ نہ تو ہمارے ریویو نگار قوم پرستی کرتے ہیں اور اپنی قوم و گروہ میں ہی پسپا کرنے کی ایسی ہوس ہوتی ہے کہ نہ اظہار بالکل ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتے ہیں اس مرض سے انگلستان کے ریویو نگار بھی پاک نہیں ہیں۔ مگر زمانے کی مساعدت سے مغرب والے اپنی اس ہوس میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور ہم اپنی وقعت

اور کم کر دیتے ہیں۔ وجہ یہ کہ وہ ان ایک ہی قوم ہے اور سب کے جذبات یکساں ہیں بخلاف اسکے یہاں باہمی اختلاف ہو لہذا ایک گروہ کسی شخص کو زبردست ہیر و بنا کے بٹھاتا ہے تو دوسرا گروہ اسکے گرانے کی کوشش کرتا ہو اور اسی سبب سے ہم کو ریویو لکھنے میں حیفہ را اعتدال اور منصف نراجمی سے کام لینے کی ضرورت ہے اہل یورپ کو نہیں ہے۔ واقعی یہ افسوس کی بات ہے کہ اس ریویو میں نسیم کے مقابل میں لکھنؤ کے بعض مشہور و معروف اور مستند شعرا کے مٹانے کی کوشش کی گئی ہے اور محض ان غیر معتبر کما نیوں کی بنیاد پر جس سے یہاں کے تمام شعراے حال نا آشنا ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ کسی خاص حلقہ میں شہرت رکھتی ہوں مگر محققین کے نزدیک بالکل بے بنیاد ہیں اور اتنی وقعت ہرگز نہیں رکھتیں کہ تحریر میں لائی جائیں اس سلسلے کو ہم نے ابھی ختم نہیں کیا ہے دنگداز کے آئندہ نمبر میں ہم اصل مثنوی گلزار نسیم ایک (دریویو) لکھیں گے جسکے لئے اس نمبر کے صفحات کافی نہیں ہیں ہم گلزار نسیم کے محاسن کو نہیں بتائیں گے اسلئے کہ وہ سب کے نزدیک مسلم ہیں اور ان کے حیطہ تحریر میں لانے کے لئے ضرور ہے کہ ایک ضخیم کتاب لکھی جائے ہم صرف ان اشعار کو درج کرینگے جن پر عام اہل سخن معترض ہیں اور جنکا اس وقت تک جواب نہیں دیا گیا ہے گلزار نسیم میں ایسے اشعار بہت ہیں جنکی بنا پر صرف یہی نہیں کہا جاتا کہ نسیم کی زبان میں غلطیاں ہیں بلکہ یہ بھی دعویٰ کیا جاتا ہو کہ پنڈت دیانند نسیم زبان پر اتنی حکومت نہیں رکھتے کہ ہر ایسے مضمون کو جو خیال میں آئے ادا کرتے جائیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ مشرچک بست بجائے مولوی حاکمی کے اعتراضات کا جواب دینے کے ان ہیوب کے مٹانے کی کوشش کرتے۔

دنگداز بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۰۷ء نمبر ۹ جلد ۹

مشرچک بست نے تمس اعلمامو لٹنا حالی کا جواب دینے کے لئے خاص اہتمام

کیا ہے اور اس بحث کو مکرر پھیر دیا ہے جو پیشتر اودھ پنچ میں چھپ چکی تھی ہمارے مہربان کو حالی کو جواب دینے سے پہلے ان اعتراضوں کے اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے تھی جو خود اساتذہ

لکھنؤ کی جانب سے وارد کیے جا رہے ہیں۔ باہر والوں کو یقین کا مل ہے کہ گلزار نسیم کی زبان خاص لکھنؤ کی زبان ہو جسکے باعث سارے ہندوستان میں لکھنؤ کی زبان کا نہایت ہی غلط اندازہ کیا جاتا ہے۔ دہلی والے گلزار نسیم پر اعتراض کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اعتراض عام اہل لکھنؤ اور لکھنؤ کی مستند زبان پر ہے اسلئے ضرورت بھی ہو کہ عام پبلک پر ظاہر کر دیا جائے کہ گلزار نسیم میں اہل لکھنؤ کے نزدیک صد با غلطیاں ہیں اور اس مثنوی کی زبان اہل لکھنؤ کی زبان نہیں ہے۔ میرا مقصد اعتراض کرنا نہیں ہے بلکہ صرف دو مقصد ہیں۔

(۱) یہ کہ عام غلط فہمی دور ہو کہ گلزار نسیم کی زبان لکھنؤ کی مسلم و مستند زبان ہے۔
(۲) یہ کہ جبک بست کی توجہ اس جانب مائل کی جائے کہ ان شبہات سے جو اس مثنوی کی نسبت اکثر اہل لکھنؤ اور عام شعراے اردو کو ہیں وہ واقف ہو کے اُنکو دوسرے مثنوی کی کوویا ہی پاک و بے عیب ثابت کر دکھائیں جیسا کہ میرے نزدیک اسے ہونا چاہیئے لہذا اب میں مثنوی کے اشعار نقل کر کے لوگوں کے شبہات و اعتراضات کو پیش کیئے دیتا ہوں۔
مشرح جبک بست کو اختیار ہے چاہیں اُنھیں تسلیم کریں یا اُنکی تردید فرمائیں۔ گلزار نسیم ایسی مثنوی ہے کہ ان اعتراضوں اور شبہوں نے اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچ سکتا نہ اسکی خوبیاں کم ہو سکتی ہیں اور نہ اسکی شہرت مٹ سکتی ہے۔ اسلئے کہ وہ باوجود ان غلطیوں کے اعلیٰ درجہ کی اور بے مثل اور بے نظیر مثنوی ہے مگر ان اتنا ضرور ہو گا کہ لوگ دھوکے سے بچ جائیں گے اور ان غلطیوں سے محفوظ رہیں گے جو دکھائی جاتی ہیں۔

بعض اشعار کا مطلب ہی نہیں سمجھ میں آتا ممکن ہے کہ میری ہی فہم کا قصور ہو۔ ایسی صورت میں جن صاحبوں کی فہم رسائی کرتی ہو وہ مجھے سمجھا دیں۔
صداؤ لکھنؤ کی دیکھ کر سپر کی
بنیائی کے چہرے پر نظر کی + بنیائی کے چہرے پر نظر کرنے سے کیا مراد ہے
اک بلی جو چھٹی چوہے کو بھانپ نیوے نے بھگا دیا دکھا سانپ
سانپ کو نیولا مار ڈالا کرتا ہے۔ مگر یہ دکھا سانپ کیا۔ آخر نیوے نے داری کا تماشہ کیا

سُن کے قیدی کے زارِ نالے - زنجیر کے پنج سے نکالے + ماما کہ زنجیر کے ایسے پنج نکال ڈالے، مگر اس سے یہ مطلب کیونکر نکلا کہ بکاؤلی کے پانوں میں سے زنجیر نکال لی؟ سچ یہ ہے کہ یہ شعریں ہیں سُن کے قیدی کے زارِ نالے + زنجیر کے پنج سے نکالے + زارِ نالے چاہتے غلط ہو مگر مصنف نے اُس سے رونے دھونے کے معنی لئے ہیں اور دوسرے مصرع میں وہی ترکیب رکھی ہے جو اُس کے کلام میں عام ہے - یعنی زنجیر کے پنج سے نکالے - بجائے زنجیر کے پنج سے اُسے نکالا وہ ان پچاسی چھٹی ہے اُسکو غم کی + یان سانس نہیں ہے ایک دم کی + ایک دم کی سانس نہ ہونا، اس محاورے کے معنی مجھے نہیں معلوم -

بعض جگہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے کسی مضمون کے ادا کرنے کی کوشش کی ہے مگر ضروری الفاظ کے چھوڑ دینے سے مطلب خط ہو گیا ہے اور کامیابی نہیں ہوئی یا کچھ اور مطلب ہو گیا ہے یا ناگہجین کا امتحان لے + پوچھا کہ نگین جو لے کہاں لے + جب تک کہ کسی خاص نگین کو دکھائے یہ نہ کہا جائے کہ اس نگین کو لے تو کہاں لے اس وقت تک اس عالم کی کوئی معنی نہیں ہو سکتے - رُکنا ہوا اُس پر سی کا مشکل + یہ دل لگی اب لگائے گی دل + پہلے مصرع کے ذریعے سے مصنف نے تو یہ مضمون ادا کرنا چاہا ہے کہ اُس پر سی (روح افزا) کے ٹھہر جانے سے دشواریاں پیش آئیں مگر زبان پر قدرت نہ ہونے سے مطلب یہ ہو گیا کہ اُس کا ٹھہرنا مشکل تھا یعنی ٹھہر نہ سکی - شہزادے نے ایک دن پھر اگر + شادی کو کہا حیا اُٹھا کر + پردہ حیا اُٹھا کر، کی جگہ صرف ”حیا اُٹھا کر“ موزون تو کر دیا گیا ہے مگر معنی کچھ نہیں رہے جو دُختر جو پسند نہ لقا ہے - صرف ترکیب کی خرابی نے مطلب خط کر دیا - کہنا یہ تھا کہ نہ لقا دُختر جو پسند ہے - بہت سے اشعار میں لفظی غلطیاں ہیں یا تو لفظ کے حرکات غلط ہو گئے ہیں یا ان کے معنی غلط لئے گئے ہیں یا بے محل اُنکا استعمال ہو گیا ہے یا اُن میں تذکیر و تانیث کی یا اور کسی قسم کی غلطی ہو رہے ہو لاکہ کچھ ن گامین یہ انسان“ یا ”برٹے پکھیاں کے فریاد + میرے خیال میں اس نسخہ و آتش کے زمانے سے لیکے اس وقت تک پکھٹوں گا اور پکھٹے کی جگہ

”دھچکھوٹکا اور پچھلے غیر فصیح ہی انہیں بلکہ غلط ہے دوسرے مصرع میں صرف بیڑے کا کافی تھا
 پاؤں کے بیڑے محاورے میں اچھا انہیں۔ مسٹر چیک بست نے آتش کی جو اصلاح نقل کی ہے
 اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ استاد نے یہ دونوں غلطیاں نکال دی تھیں مگر نسیم نے بلا لحاظ
 اسکے کہ اسی غلطی کو انکا اعتراف کرتے اپنا وہی ناقص مصرع قائم رکھا۔ خیر انکی خوشی۔ مگر زبان
 یہ کہ ذمہ دار لکھنؤ قرار دیا جاتا ہے یہ کھاتے ہی حُل کا ڈھنگ پایا + اور وہ باج بھی جب حُل
 ان دونوں مصرعوں میں حُل کی جگہ حُل نظم کر دیا گیا ہے جو قطعاً غلط ہے بادل سادہ بحر کائنات
 بجلی سی لہر سے تھا ہم آغوش + قطع نظر اسکے کہ پہلا مصرع بہت بھونڈا ہے ”لہر“ کی جگہ ”د لہر“
 لینے ہائے متحرک کے ساتھ موزون کر دیا گیا ہے جو اردو میں غلط ہے جو جالی تو سب اسکے جوڑ کی تھیں
 اندر کے اکھاڑے کی برسی تھیں۔ اس میں دو برسی کی جگہ دو بریاں چاہیے جو نہایت
 ذلیل قسم کی غلطی معلوم ہوتی ہے خوش لہجہ بہت بکاؤلی تھی + گاتی اور ناچتی برسی تھی + اول
 مصرع میں خوش گلو یا خوش آواز کی جگہ غلطی سے دو خوش لہجہ کا لفظ استعمال ہو گیا اور دوسرے
 مصرع میں دو برسی کا لفظ سراسر غلط اور بہت ہی بُرا ہے۔ یا تو بڑی ناچنے گانے والی ہے
 یا یون کنا چاہیے کہ دو خوب گاتی ناچتی تھی، یہ ناچتی گاتی برسی کیا بیان دو برسی کا
 لفظ صرف اس سبب سے بگڑا گیا کہ مسٹر چیک بست نے بے سمجھتہ صرف فرمایا ہے۔ نامی پر یس
 لکھنؤ کی جیسی ہوئی مثنوی میں اس شعر کا آخری مصرع یوں ہے۔ گاتی اور ناچتی برسی تھی۔
 یعنی برسی گانے اور ناچنے والی تھی۔ گو اُس پر بھی یہ اعتراض ہوتا کہ دو گائیں کی جگہ دو گاتی
 اور ناچنے والی کی جگہ دو ناچتی غلط ہو۔ مگر شعر کے معنی پیدا ہو جاتے اور ایسا ممل نہ رہتا
 جیسا کہ اسے مسٹر چیک بست نے بنا دیا ہے دو چنگل اور چنگال کا لفظ تین جگہ استعمال ہو رہا ہے
 اور تینوں جگہ بے موقع اور غلط ہے پہونچا لب حوض سے نہ چنگل یعنی اچھا نہیں پہونچا لب حوض سے نہ
 اُس نے دو چنگال بیان اگر یہ کہا جائے کہ پرہون کی طرح برسی کے پیچھے بھی تھے تو شاید صحیح
 ہو جائے۔ پیاسے یہ نہیں خالی چنگال بیان تاج الملوک اپنے مہندسی لگے ہاتھوں کو

”دو خانہ جنگال“ کہتا ہے لکھنؤ کی تو یہ زبان نہیں ہو مان نیرنگ نسیم باغ کشمیر ہو تو اور بات ہے
 ”بجاء وہ ہوا کما کہ جاجا۔ کیسی رانی کمان کا راجا۔ ہر ہم ہوا کی جگہ پر دو بجاء ہو اکنا میرے
 خیال میں بہت ہی مبتذل بازار سی زبان ہو اور بازار بھی لکھنؤ نہیں کہیں اور کا ہے
 جھنجھلا کے ڈرا کے غل چاکے۔ سمجھا کے بچھا کے دست پا کے + اردو میں دسترس پانا
 کر سکتے ہیں مگر دست پانا قابو پانا کی جگہ پر ہرگز نہیں جائز ہے۔

اردو میں جانی کا لفظ سوا مشوقہ کے اور کسی کی شان میں اور وہ بھی خلوت کے سوا
 دیگر موقعوں پر استعمال کرنا بد تیزی ہی نہیں غلطی ہو مگر گلزار نسیم میں تاج الملوک اپنی مشوقہ
 نہیں بلکہ صوح افزا سے پہلی ہی ملاقات میں کہتا ہے کہ ”وہ جی بھجانے جانی“ اور وہ جواب
 دیتی ہے ”تجہ پاس تو اک عصابے جانی“ اس آخر الذکر مصرع میں ”تجہ پاس“ کا لفظ بھی
 ”تیرے پاس“ کے محل پر معلوم نہیں کمان کی زبان ہے نہ نکلا جیسے ہی مٹھ کے باہر +
 پتھر اگنی چشم حلقہ در + حلقہ در فارسی میں لکڑی کو کہتے ہیں اور یہاں جب ہی معنی درست
 ہو سکتے ہیں کہ حلقہ در سے دروانے کا پورا چوکھٹا مراد لیا جائے اگر صرف چشم در کہا گیا ہوتا
 تو یہ خرابی نہ پیدا ہوتی۔ اک دن پنجر اڑا کے لائی + حسن آرا کو وہ گل بھائی + یہ تدبیر
 بتائی کہ کیونکر یہ آدمی قمری بنایا گیا ہے۔ اردو میں صرف مادی مشینوں کی نسبت گل کا
 لفظ مستعمل ہے طلسم جادو اور عمل وغیرہ کی نسبت اسکا استعمال ہرگز جائز نہیں کہا جا سکتا ہے
 دن بھر تو وہ فاخہ پڑھاتی + شب کو گسے آدمی بناتی + طوطا پڑھایا جاتا ہو۔ مینا پڑھائی
 جاتی ہے۔ فاخہ کا پڑھایا جانا بالکل نئی بات ہے۔ سو چا تو نہ تھا اصلاح اُلجھنا
 دانائی تھی بات کا سمجھنا۔ دو دانائی تھی کہ کتنا برا اور بھونڈا معلوم ہوتا ہے۔ رعایت لفظی کے
 التزام کو دور کرنے کے بعد بھی سٹرک بست نے تسلیم کر لیا ہے مگر فرماتے ہیں کہ اوروں سے
 کم ہے۔ شاید ایسا ہی ہوا اس لیے کہ ہم اسکا موازنہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ مگر انسا
 جانتے ہیں کہ اس رعایت کے شوق نے نسیم لکھنؤی کے کلام میں بہت سے بد نما عیوب ہی

نہیں پیدا کیے بلکہ بعض موقعوں پر انھیں ابتذال اور فحش گوئی پر بھی آمادہ کر دیا ہے
 اور اغا تو چلے تنگ سے وہ + چھوٹے قید فرنگ سے وہ، تنگ کے چلنے سے انسان کی
 چال کو کیا علاقہ مگر صرف اسوجہ سے کہ بندوق بھی چلا کرتی ہے اسے موزوں کر دیا گیا ہے
 وہ پور بی کر کے جو گیا بھیس + جھگڑنے کی راہ سے چلا دیس + اور سب راستے چھوڑ کے
 تاج الملوک جھگڑنے کی راہ سے صرف ایسے بھیجا گیا ہے کہ مصنف گلزار نسیم کو اس لفظ کی ضرورت
 تھی سے نقش اُسکو ہوا کہ بس وہی ہے + ان سادوں سے کندہ کب ہوئی ہے + رعایت نے
 کیا کیا خرابیاں پیدا کی ہیں (۱) اُسکے دل پر نقش ہوا - نہیں بندھ سکتا تھا - مگر نقش
 کے لفظ کی ضرورت تھی دو نقش اُسکو ہوا، گو بے معنی ہے مگر لکھ دیا گیا ہے (۲) اصل تو
 سادہ مزاج سادہ لوح دوسے، دو سادے آدمی، اور سادے لوگ بھی سیسی مگر محض
 دو سادوں، کا لفظ تو ٹھیک نہیں معلوم ہوتا - مگر اسکے بعد - (کندہ کب ہوئی ہے) تو فحش
 بازار سی اور انتہا درجے کا ابتذال ہے ۷ دیوؤں نے اُدھر محل بنایا + کشتی سے وہ دخت زکولایا
 مطلب تو یہ ہے کہ محل کے بنتے ہی وہ کشتی سے اپنی مشوقہ عورتوں کو لایا اور بغیر خیال کیے
 دخت زکدہ دیا - اور یہ یاد ہی نہ رہا کہ دخت زرشراب کو کتنے ہیں - اسکے معنی شاید یہ کہ
 جا کین کہ محل کے بنے ہی جام شراب کا دور چلنے لگا - مگر سیاق کلام بتا رہا ہے کہ مصنف کا مقصد
 یہ نہیں ہو کیونکہ اسکے بعد ہے ۷ حالہ اُسکی مادر پیر + مجودہ سے ہوئی بنگلیگر + اگر دخت زک
 آنا مجودہ کا آنا نہیں تھا تو پھر حالہ اُس سے کیونکر ملی کیونکہ وہ تو کشتی میں ہے اور ابھی نہیں آئی
 وہ گندم جو نما تھی بالی، ملاحظہ ہو کہ رعایت لفظی نے مضمون کی کہاٹنی خراب کی ہے! اب
 اس سے بھی زیادہ شرمناک اور فحش رعایت لفظی دیکھئے ۷ حوض اُسکی ہوئی یہ دیکھتے ہی
 فوارہ تو گم خزانہ باقی + بھلا فحش اور ابتذال کی کوئی حد ہے ۷ باہم زن و مرمنے کیا سیل
 و زیا سے ملا وہ قطرہ زن سیل + یہاں سیل کے معنی ہی کچھ نہیں باقی رہے ۷
 غربت میں وطن کی دمن سائی + اُس فیل کو یاد ہند آئی + فیل سے تشبیہ صرف ہند کی

ضرورت سے دیکھی ہو۔ مگر کس قدر برا معلوم ہوتا ہے۔ خواہش جو بلاے جان ہوئی وہ ہلکا ہو یا یہ گراں ہوئی وہ + خیر بکاؤلی تو آدمی پتھر کی ہو گئی تھی اس لئے گراں ہوئی مگر ایسی حالت میں تاج الملوک صاحب کیونکر ہلکے ہوے۔

بہت سے شعروں میں افعال کا استعمال ایسی ہی طرح ہوا ہے کہ جو نہ لکھنؤ والوں کے نزدیک جائز ہے اور نہ دہلی والوں کے نزدیک اس قسم کے افعال عموماً حیدر آباد دکن والوں کی زبان میں مگر فساد مان بھی چھوڑ جاتے ہیں ۷۷ خانم کے نگین بتائے ہوتے ۷۷ بجائے خانم کے نگین اٹھوٹا بتائے ہوتے دیا، خانم کے نگین کو بتایا ہوتا ۷۷ حیلہ کر کے چھپائی کچھنڈ ۷۷ بجائے اُسکے چھپایا۔ ۷۷ ”وانہ لباس سے نکالی ۷۷ بجائے اُسکو نکالا ۷۷ بھڑکا بی جھلکا مادر اُسکی ۷۷ کمنا یہ چلبے کہ بھڑکا یا اُسکی اور جھلکے کو ۷۷ چھینے سے جلی ہوئی جلائی ۷۷ بجائے جلی ہوئی کو جلا یا۔ ۷۷

اُس شب کو بفل میں آکے جاگا + پر دوسری شب وہ جا کے جاگا + مطلب یہ کہ اس رات (تاج الملوک) جب وہ آئی تب جاگا۔ مگر دوسری رات کو جب وہ جا چکی تب جاگا۔ دائیں دیکھا نظر نہ آئی + بائیں دیکھا کہیں نہ پائی + یعنی کہیں نہ پایا یہ جگے ہوئی وہ فتنہ سید ۷۷ یعنی اُسکے جانے کے بعد وہ بیدار ہوئی۔ (بیدار کیا وہ ماہ پیکر) یعنی اُس ماہ پیکر کو بیدار کیا۔ روح افزا سے بکاؤلی کو + اُفت تھی روکے دلگی کو + بجائے روکا ۷۷ ٹھہر بولی بہن بنائی اُس کو ۷۷ بجائے بنایا اُسکو۔ وہ جالی کہا یہ پردہ پوشی + گندم کے بہانے جو فروشی۔ بجائے ”وہ جالی توہر یا اُسکے جانے کے بعد کہا۔ شتر گربہ کے غیب سے بھی شنوی پاک نہیں ہے ۷۷ ۷۷ بنے بائیں یہ خطا تمھاری + فرمائیے کیا سزا تمھاری + افسوس معلوم ہوتا ہے کہ اس نقصان نے کیسے اچھے شعر کو مٹا دیا دو ایک جگہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا سے چھینے میں غلطی ہو گئی اور وہ اب تک چلی آتی ہے۔ مسٹر چاک بست نے ان غلطیوں کی طرف بھی توجہ نہیں کی ۷۷

رہر کو دیا بہ لطف و اکرام + آتے آرام جاتے پیغام + صاف ظاہر ہے کہ پیغام کی جگہ صل میں دو انعام ۷۷ کا لفظ ہو گا ۷۷ دیکھا تو تمام دشت گلزار + دائیں بائیں دورستہ بازار

اسمین میں سمجھتا ہوں دور ستہ کی جگہ (دو دوستہ) ہو گا اس ایڈیشن میں جو اس اہام سے شائع کیا گیا ہے اسی فروگزاشتیں ہرگز قابل معافی نہیں مگر خرابی تو یہ ہے کہ اصلاح درکنار اس ایڈیشن میں جہاں کہیں تصرف کیا گیا ہے اور کسی قسم کی تصحیح کی کوشش کی گئی ہے وہاں بجائے بنانے کے شعر غارت کر دیا گیا ہے۔

مشرچک بست صاحب نے اس نئے ایڈیشن کو خود مصنف صاحب کے اصلی ایڈیشن کے مطابق درست کر کے شائع کیا ہے میں نے اس کا اندازہ کرنے کے لئے مطبع نامی کھنڈے آخر ۱۹۰۳ء کی چھپی ہوئی فتویٰ گلزار نسیم نگوائی اور اس سے مقابلہ کر کے دیکھا امید تو یہ تھی کہ انکی اس کوشش سے بہت سی فروگزاشتوں کا جواب مل جائیگا اور جو اعتراضات وارد ہوتے تھے دور ہو جائیں گے۔ مگر حالت یہ نظر آئی کہ غلطیاں پیشتر سے بتائی جاتی تھیں انکا مٹنا تو درکنار ہمارے دوست نے بہت سی اور نئی غلطیاں پیدا کر دیں۔ چنانچہ ان تصرفات کی حالت بھی ملاحظہ ہو۔ گلزار کی سیر فرب جانی + برسوں سے نہیں تو گھر چھائی اسکے پہلے مصرع میں تصرف کر کے گلزار کی سیر کیا خوش آئی۔ بنایا گیا ہوا اہل زبان سے پوچھیے کہ اس اصلاح سے شعر بنایا بگڑا سکا کہ جو دیکھتی جمیلہ + روشن ہو چلیغ نور فیتل اسمین + روشن ہو کی جگہ روشن تھے بنادیا گیا اور اسکا خیال نہیں کیا گیا کہ جو غرض پہلے مصرع میں ہو وہی دوسرے میں بھی رہنا چاہیئے علاوہ برین میان فعل واحد ہی محاورہ میں تصحیح دو دل جو ہوں چاہئے پر راضی + یہ جان لے کیا کرے گا قاضی + اسمین (چاہئے بہ) میں تو سمجھتا ہوں کہ اس اصلاح نے شعر کی مٹی خراب کر دی (جانبین) کے ساتھ جب تک کوئی اور حرف ربط نہ ملایا جائے مطلب ہی نہیں مکمل سکتا (جانبین سے دل راضی ہوں) جانبین کے دل راضی ہوں (خالی جانبین تو کوئی چیز نہیں ہے) (بولی وہ جمیلہ بحر کرون کیا) کی جگہ کہہ کر دیا گیا، بنادیا گیا ہے جس سے اصل مصرع کی فصاحت بے تکلفی و سادگی جاتی رہی ہے ایک ایک سے رات بھر نہ چھوٹا + پوچھتے ہی جگ انکا ٹوٹا +

مشر جبک بست نے دوسرے مصرع کو (پو پھٹنے جگ انھون کا ٹوٹا) بنا دیا ہے
ایسی تصحیح کر کے کیا چارے درست ہمیں باور کرانا چاہتے ہیں کہ اس مثنوی میں جتنی غلطیاں
ہمیں نظر آتی ہیں اصلی ایڈیشن میں ان سے بھی زیادہ تھیں ؟ تو یہ کہنا چاہیے کہ بازاری
پریس نے مثنوی کو بگاڑا نہیں بلکہ بنا دیا ہے شبنم کے سوا چلنے والا + عقادیری کون آنے والا
اسکی تصحیح یہ کی گئی ہے کہ (اد پر کا عقاد کون آنے والا + دونوں کافرق ان لوگوں سے پو پھٹے
جتنی زبان کو ترکی دھوئی ہوئی سمجھی جاتی ہے + عقادلغ پر مقدار اسکو چینی تھی ہمیشہ دختر اسکو
اسکی تصحیح یہ کی گئی ہے کہ (جنتی تھی ہمیشہ دختر اس کو) شاید مشربک بست نے یہ خیال فرمایا
ہے کہ (جنتی تھی اسکو) کے معنی یہ ہیں کہ (وہ لڑکی جنا کرتی تھی) جو اصل مثنوی کا مقصود ہے
مگر اس اصلاح سے تو اب صاف یہ معنی پیدا ہو گئے کہ ہمیشہ دختر اسکو جنا کرتی تھی ۔
قاصد نے جو رخ پری دکھایا + دھیان اسکو بکاؤلی کا آیا + اس میں اصلاح دی گئی ہے کہ
(دُخ پری) کے تو یہ معنی ہیں (پریا چہرہ) وہ چہرہ جو پری تھا) یعنی خوبصورت تھا
اضافت کے ساتھ (دُخ پری) کہنے پر معنی ہوئے کہ (پری کا چہرہ) اس لیے کہ اضافت تو مصیفی
نہیں ہو سکتی۔ وہ جب ہوگی جب دُخ پری وش) کہا جائے فارسی میں (پری) کے معنی
(خوبصورت) کے نہیں آئے ہیں۔ اب سُنئے کہ یہ قاصد میں پری تھی اور اُس نے اپنا چہرہ دکھایا
تھا لہذا (پری کا چہرہ) کہنے کا محل نہیں بلکہ (پری سا) چہرہ کہنے کا محل ہے فرض کیجئے کہ
کوئی پری کسی کے سامنے آئے تو آپ کہیں گے کہ (پری نے اپنا چہرہ دکھایا) یا یہ کہیں گے
کہ (پری سا) چہرہ دکھایا یہ ہرگز نہیں کہیں گے کہ (پری کا چہرہ دکھایا۔ اور (پری سا چہرہ)
اُسی صورت میں سمجھا جائیگا جب (دُخ پری) بغیر اضافت کے کہا جائے غرض اس اصلاح میں
بھی نا سمجھی سے مثنوی پر ظلم ہوا ہے۔ قسمت سے مفر ہے اب مامن + پتھر کے تلے دبا ہے دہن
اصلاح میں مفر کا لفظ مفر بنا دیا گیا ہے۔ مفر کے معنی بھلنے کی جگہ اور جائے پناہ ہیں۔
اور مفر کے معنی جائے قرار ہیں۔ یہ محل اس بات کے کہنے کا ہو کہ قسمت سے بھاگ کے بھی

کمین پناہ نہیں مل سکتی اور یہی اہل زبان کے محاورے میں بھی ہو۔ مگر خدا جانے کس مصلحت سے
 یہ لفظ اصلاح دیکر مقرر بنایا گیا۔ وہ سب محرفانہ گوئی، ممتا ہی بہ چاندنی سی سوئی۔
 اصلاح یہ دیکھی ہو کہ (چاندنی میں سوئی) کہاں (چاندنی سی) جس میں مصنف ایک نہایت ہی
 چڑچڑی تفسیر دیتا ہے اور مشوقہ کو خود چاندنی قرار دیتا ہے۔ اور کہاں (چاندنی میں) جو بالکل
 معمولی اور بے مزہ بات ہو گئی ہے صیاد فی لائی چانس کر صید + کرسی بہ جملے نقش امید +
 (صیاد نے) کو بدل کے (صیاد بھٹی) بنایا گیا ہے۔ افسوس کہ (صیاد فی) کتنا بے تکلف اور
 سیار لفظ تھا۔ مگر اپنی اپنی سمجھ ہے اور اپنا اپنا خیال ہے چلے گا تو ساتھ ہن بلا عذر۔ رہے گا
 تو بندگی میں کیا عذر + اس میں یہ اصلاح ہوئی ہو کہ (ساتھ میں) بنادیا (ساتھ میں) میں کس قدر
 بسیاختہ میں اور کیسی صحیح و بے تکلف زبان بھٹی اور (ساتھ میں) نے اس بے تکلفی کو خال میں مانے
 کے بعد شعر کو کیسا غارت کر دیا ہے جاتے تھے اُدھر سے دو جواری + ایک ایک کی کر رہا تھا خواری
 (جاتے تھے) کی جگہ (چلتے تھے) بنایا گیا ہے۔ افسوس ان اصلاحوں سے مثنوی کو بہت بڑے
 اور گہرے زخم لگے ہیں۔ گو ان کے علاوہ اس مثنوی میں اور بھی بہت سے شبہات ہیں مگر اسی قدر
 لغزشوں کا ظاہر کر دینا کافی سمجھتا ہوں اور ان کے پیش کرنے کے بعد معذرت خواہ ہو کے رخصت ہوتا
 ہوں بعض حضرات کو یقیناً یہ تحریر ناگوار گذرے گی اور میں بھی خدا سے چاہتا ہوں کہ انھیں
 سخت ناگوار گذرے۔ کیونکہ ایسی صورت میں شاید وہ زیادہ جوش سے جواب لکھیں گے
 اور اُکا جوش ممکن ہے کہ ان شبہات کو میرے دل سے مٹا دے جس سے بڑھ کے مجھے کسی بات
 میں خوشی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مجھے اس خیال سے نہایت ہی تکلیف ہوتی ہو کہ (افسوس
 گلزار نسیم غلطیوں سے پاک نہیں ہے)۔

ازہ نگار نسیم، جلد ۹، باب ۱، جولائی ۱۹۷۵ء

۵۔ گلزار نسیم پر ریویو

(از مولوی عبدالملک صاحب شدر)

جو اعتراضات ہم نے پیشتر کئے تھے وہ ایک خاص جماعت کو نہایت ناگوار گذرے اور بجائے اسکے کہ تہذیب و شائستگی سے جواب دیا جائے یا کوئی عینی قابل لحاظ جواب دیا جاسکتا ہو۔ بے عنوانی اور بد تنیدی سے بحث ہونے لگی۔ ہم ایڈیٹر صاحب ریاض الاخبار کے شکر گذار ہیں جنھوں نے ہماری تحریر کو غور و انصاف کی نظر سے دیکھا اور صاف کہہ دیا کہ اعتراض صحیح اور کسی کے اٹھائے نہیں اٹھ سکتے ہمارے خیال میں انکا فیصلہ کافی ہے اسلئے کہ شاعری کی دنیا میں اور کسی خبر کو وہ وقت و اشتہاد نہیں نصیب ہو جہاں نہیں حاصل ہو اور اعتراضوں کے تسلیم کرنے کے ساتھ اگلے اس ارشاد کی نسبت کہ (جو اعتراضات شہر کرنے کیے ہیں گو موجود زمانے میں انکا حرف صحیح ہے مگر جس زمانے میں نسیم تھے۔ اسوقت کی زبان اور طرز کلام اور تصرفات کو دیکھتے ہوئے ہم نسیم کی کوئی خطا نہیں دیکھتے نہ ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ نسیم کو اتنا زمانہ نہیں گذرا کہ انکی طرف سے ایسی عذر داری جائز بھی جائے زہر عشق۔ بہار عشق اور طلسم اُفت انھیں کے زمانے کی بات ہے یہی کہنویاں ہیں۔ اور قدیر۔ رند۔ حبیب اور قلیل وغیرہ کا جو دور تھا اسکے آخری شخص نسیم ہیں غزل سرائی میں آجکل کے شعرا کی قریب قریب وہی زبان ہے جو ان اساتذہ کامل فن کی تھی ایسے تصرفات اور ایسی لغزشیں اگر اس زمانے میں جائز تھیں تو ضرور تھا کہ انکے معاصروں اور دیگر شاگردانِ نامح و آتش کے کلام میں بھی بانی جاتیں حالانکہ ان سب کا کلام ان عرصے

پاک ہے پھر نسیم کو جو ان غلطیوں میں مغرور ہیں کیونکر معذور رکھا جاسکتا ہے۔ اتنا عرض کرنے کے بعد ہم اپنے وعدے کے موافق نسیم کی کچھ اور غلطیاں سخن فہموئے سانسے پیش کرتے ہیں۔

(جس گل کی ہوا لگی تھی لائی) (دشوق تھا) یا (ہوس تھی) کے محل پر (ہوا لگی تھی) غلط محاورہ ہے (لازم ہے گل اپنے ہاتھ رکھے) (اپنے ہاتھ میں رکھے) ہونا چاہئے تھا۔ اس محل پر لفظ (میں) کو حذف کر دینا جائز ہے (پالا اپنے ہاتھ رہا) بولیں گے مگر یہ نہ کہیں گے کہ (گل اپنے ہاتھ رکھا) (معروض کیا کہ باشندہ شاہ) (معروض کیا) غلطاً عرض کیا چاہیئے۔ اس میں محاورہ ہی نہیں غلط ہے بلکہ نحو صرف کی جاہلانہ غلطی ہے (دیکھ آج بکھرے دہل نہ ہووے) (ڈرنہ ہووے) کی جگہ (دہل نہ ہووے) خدا جانے کہاں کی زبان ہو۔ اہل لکھنؤ تو نہ بولتے تھے اور نہ بولتے ہیں (قاصد سے کلام لطف بولا) (کلام بولنا) شاید آجکل صاحب لوگوں کے بنگلوں کے آس پاس سیر اور غلٹانامہ لوگوں کی زبان سے نسیم نے واقعی بڑی ترقی کی تھی کہ پچاس ساٹھ برس کی زبان بھی بول کے دکھا دی دہوش اسکے ہوا ہوس کے تو (یہ کہے تو) فارسی کے (گہوئی) کا ترجمہ ہو لوگ اسے اردو کے ابتدائی دور میں بیشک لکھ جاتے تھے۔ اس لئے کہ اس وقت تک فارسی و ہندی محاوروں نے مل جل کے اچھا مزاج نہیں کیا تھا چنانچہ مثنوی میر حسن میں بھی جا بجا موجود ہے۔ مگر ناسخ و آتش کے وقت سے یہ الفاظ متروک ہیں۔ اور نسیم کے لیے اہلکاموزوں کو ناہر گزبانہ نہیں تھا۔ (مشہور ہے ضد انس و جانی) ممکن نہیں کہ (ضد انس و جانی) کی جگہ پر (ضد انس و جانی) جاہل کے سوا کسی پڑھے لکھے کی زبان سے نکلے (مشاق کو خوش خبر سنائی) جس اصول سے (انس و جانی) میں حرف یا بڑا گیا تھا اسی اصول کے مطابق (خوش خبری) میں گھٹایا گیا ہے۔ بھلا کوئی بھی (خوش خبری) کی جگہ (خوش خبر) کہہ سکتا شاید کہا جائے گا کہ (خوش خبر) (خبر خوش) کی ترکیب مقلوب ہو مگر یہ اردو میں اس سے بدتر ہے۔

جہاں شب عروسی کی صبح کو تاج الملوک اور بکاؤلی کی حالت دکھائی ہو فرمایا ہے ۵
وان جوڑا جست تنگ بدلا + یان جوڑے کے منہ کا رنگ بدلا + دوسرے مصرع میں
(جوڑے) سے مراد بکاؤلی ہے اس میں اگر (جوڑے) کے عوض (مادہ) کا لفظ استعمال
کیا جاتا تو میں خیال کرتا ہوں کہ زیادہ فصیح ہوتا (دیکھا تو وہ دونوں کرتے تھے خواب)
(خواب کروں) فارسی کا محاورہ ہے اردو میں سونے کے محل پر (خواب کرنا) کہنا غلط ہے
اور اگر ہمیں کسی صاحب کو عذر ہو تو نسخہ وائٹس کے زمانے سے اس وقت تک کسی مستند
شخص کے کلام سے ثبوت پیش کریں (اُس نقش مراد کو جگایا) یعنی بکاؤلی کو۔ مگر جب اُسے
نقش قرار دیا تھا تو فعل بھی اُسکے مناسب لائے۔ حالانکہ جگایا صرف جادو جاتا ہو نقش
نہیں جگایا جاتا (وہ نقش و فاعل میں بائی) چاہیے تو یوں تھا کہ (اُس نقش و فاعل میں بائی)
لیکن خیر اگر خلاف محاورہ زبان اختیار کی تھی تو تذکر و تائیت کا لحاظ رکھتے بکاؤلی کو قرار تو دیا
(نقش) اور پھر اُسکے ساتھ فرماتے ہیں۔ (پائی) زبان کو یہ کس قدر ناگوار گزرتا ہے۔

بکاؤلی راجہ اندر کی محفل میں جل جانے کے بعد پھر زندہ ہوئی اور ناچنے کو کھڑی ہوئی
تو چونکہ کثافت سے پاک و صاف ہو گئی تھی لہذا اسکی تعریف کرنے میں (شعلے سے زیادہ پاک امان
بھلا یہ پاک دامانی کا کون سا عمل تھا) کہنا چاہتے تھے (پاک و صاف) اور کہنے لگے پاک امان
یہ کتنا معمولی صرف شاعرانہ ہے (معمول سے نرم میں ہوسے جمع) (حسب معمول یا) (بامعول
کے موافق) کی جگہ (معمول سے) نسیم کی اُن فصاحتوں سے ہے جسے سارا لکھنؤ محسوس ہے
اس سے زیادہ خوبی رعایت ملاحظہ ہو فرماتے ہیں (جام اُس نے بھرا کہا پیالے)
سُجان اشد (بیالے) کیا خوب! رعایت تو اچھی ہے مگر یہ بکاؤلی ہے ہا تاج الملوک کے
گھر جن کوئی گنوار نہ پڑ گئی ہے ۵ کف میں نکین کباب لیکر + چہر کا نمک اُن جراثیموں پر
کیون صاحب اگر بادچھانہ سے خاص اس ضرورت کے لئے نمک منگوایا تھا تو کباب کیون
ہاتھ میں لیئے؟ کیا یہ بھی کوئی ٹوٹکا تھا۔؟ اور اگر انھیں کبابوں کا نمک تھا تو پھر کا کیونکر۔

(پہونچا رسنم میں سمان پر) اگر سمان (یہاں) (وقت) کے معنوں میں ہو تو خلاف
محاورہ ہے۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ جس وقت سمان بندھا ہوا تھا پہونچا تو یہ خیال ان الفاظ
میں ادا کرنا کہ (سمان پر پہونچا) بالکل ہی غلط محاورہ ہو ے
دی آنکھ جو شہ نے رونمائی + چشمک سے نہ بھائیوں کو بھائی + کیا چیز نہ بھائی (بادشاہ کا
رونمائی میں آنکھ دینا) تو پھر (بھایا) چاہیے۔ مگر نسیم کو یہاں تو بھائیوں کی رعایت سے
(بھائی) کا لفظ چاہیے تھا مطلب چاہے خط ہو جائے کوئی مضائقہ نہیں۔
اُسندہ انشاء اللہ اور اعتراضات بھی پیش کیے جائیں گے۔

از اردو سے پہلے جلد ۵ ابواب اولیٰ ششم نمبر ۶ مرتبہ سید فضل حسین صاحب حسرت سوانی بی۔ اے۔

۶۔ گلزار نسیم

(جواب اعتراضات شری)

(الہ پنڈت برج نرائن صاحب یکبت)

اُلجھ پڑوں کئی امن سے مین وہ خانین وہ بچوں ہوں جو کسی کے گلے کا بارہن
گذشتہ تاریخ اور اپریل کے دگلزار میں میرے عنایت فرما عبدالحلیم صاحب تشریح کے دو مضمون
گلزار نسیم کے متعلق شائع ہوئے ہیں جو کہ قدر انان نسیم کے یہ کیس قدر خوش ثابت ہو سکے
حال میں گلزار نسیم کا ایک نیا ایڈیشن شائع ہوا ہے جسے ترتیب دینے کی خدمت میں نے اپنے ذمہ
لی جی۔ یہ اس نئے ایڈیشن کی اشاعت ہو جسے حضرت تشریح کی روشنی طبع کو اشتعالک
دی ہو حضرت موصوف نے جو کچھ گلزار نسیم کی نسبت تحریر فرمایا ہوا اسکا مناسب جواب خاموشی پر
کیونکہ جیسا کہ ذیل کی تحریر سے ثابت ہوگا آپ کے مضامین خود زبان حال سے آپ کے دلائل
کی تردید کرتے ہیں لیکن ان مضامین سے ناواقفان سخن کے دلیں اکثر غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں
اس خیال نے مجھ کو ذیل کی چند سطریں لکھنے پر مجبور کیا ہے

منظور ہے گزارش احوال واقعی اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے
حضرت شری نے اپنے پہلے مضمون کی تمہید میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر اس مثنوی گلزار نسیم
محاسن کے لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ ان نظموں میں جو جیسی کہ اردو شاعری کو اپنی اسی کی
عمر میں وہی چار نصیب ہوئی ہو مگر لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے سائب پر نظر ڈالی جائے تو

اس سے زیادہ عیوب کسی اردو نظم میں نہیں ہیں۔ یا اسی سلسلہ میں آپ پھر تحریر فرماتے ہیں کہ جو بوقت اسکے محاسن پر نظر ڈالی جائے تو اس قدر لطف آتا ہے کہ مجبور ہو کر تسلیم کر لینا پڑتا ہے کہ اس سے بھی نظم نہیں ہو سکتی اور جو بوقت اسکی غلطیوں کی طرف توجہ کجائے تو خیال گذرتا ہے کہ شاید کسی شاعر کے کلام میں اتنی غلطیاں نہ ہوں گی کہ نسیم لکھنوی مرحوم کے کلام میں ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت شرنے ان الفاظ کے پردے میں کیا سنی پوشیدہ رکھے ہیں ظاہر طور پر جو سنی ان الفاظ سے پیدا ہوتے ہیں وہ اصولاً قابل اعتراض نظر آتے ہیں مگر جس نظم کی نسبت یہ کہا جائے کہ محاسن کے اعتبار سے اسکا شمار ان نظموں میں ہو کہ جیسے اردو شاعری کی دو ہی چادر نصیب ہوئی ہوگی اسی نظم کی نسبت یہ کیونکر یقین کیا جاسکتا ہے کہ اس میں اس قدر غلطیاں ہیں جنکا پتا کسی اردو شاعر کے کلام میں نہ ملتا ہو۔ مگر چونکہ اصل واقعات سے اس دعویٰ کی تردید ہوتی ہے۔ لہذا میں اسکے متعلق اصول کی بحث کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتا حضرت شرنے اپنے دوسرے مضمون میں گلزار نسیم کے جن اشعار پر اعتراض کیا ہے انکی تعداد چالیس پچاس سے زیادہ نہیں ہے۔ گلزار نسیم میں تقریباً دیرھ ہزار اشعار ہیں اب اگر بعض محال یہ مان لیا جائے کہ حضرت شرنے سب اعتراض کیا ہیں اس حالت میں بھی گلزار نسیم میں تین یا چار فیصدی اشعار قابل اعتراض ثابت ہونگے۔ چونکہ حضرت شرنے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ آپ کو علاوہ ان اعتراضات کے اس مثنوی میں اور بھی بہت سے شبہات ہیں اسلئے یہ بھی فرض کر لیا جاتا ہے کہ جبکہ اعتراضات حضرت شرنے تحریر فرمائے ہیں وہ حضرت کے مشتہرہ نمونہ از خروار ہیں اور اصل میں حضرت شران اعتراضات کے چوتھے اعتراضات پیش کر سکتے ہیں اس حساب سے بھی گلزار نسیم میں بارہ یا تیرہ فیصدی سے زیادہ اشعار قابل اعتراض نہ نکلیں گے۔ لہذا جو بوقت حضرت شرنے یہ فرماتے ہیں کہ گلزار نسیم سے زیادہ عیوب کسی اردو نظم میں نہیں ہیں تو کیا حضرت موصوف کا یہ مطلب ہے کہ کسی اردو شاعر کے کلام میں بارہ فیصدی یا تیرہ فیصدی شعر بھی قابل اعتراض نہ نکلیں گے میں اسکا انصاف سخن شناسوں کی اس پر چھوڑتا ہوں۔ کیونکہ جس شخص کی

نظر سے دس پانچ اردو شعرا کا کلام بھی گزرا ہو گا وہ اس امر کا فیصلہ نہایت آسانی سے کر لیا کہ حضرت شرر کے اس دعویٰ کی تائید واقعات سے کس حد تک ہوتی ہو یوں تو کہنے کو جس کا جو جی چاہے کہ سکتا ہے۔ میر حسن ہی کی مثنوی کی نسبت ایک بزرگ کا قول ہے دبدر میر کی مثنوی نہیں کہی گویا ساندے کا تیل بیچتے ہیں۔ بھلا اسکو شعر کیونکر کیئے سائے لوگ دہائی کے لکھنؤ کے زندی سے لیکر دم تک پڑھتے ہیں سہ چلی وان نے اٹھائی ہوئی کڑے سے کٹے کو بجائی توئی (آب حیات مصنفہ محمد حسین صاحب آرکانی ظاہر ہے ان بزرگوں نے کچھ سمجھ ہی کے یہ فرمایا ہو گا جس طرح ان بزرگوں اور میر حسن کی مثنوی کے مقبول ہونے پر حیرت ہو۔ اسطرح حضرت شرفرائے ہیں کہ (گلزار نسیم کو مقبولیت عام حاصل ہوئی ہو حیرت انگیز ہے) ان دونوں بزرگوں کا جواب فصیح شیراز کئی سو برس پیشتر دیگیا ہے ع قبول خاطر و لطف سخن خدا داد است۔ بان اس موقع پر میں اس قدر عرض کروں گا کہ گلزار نسیم کی شہرت کا ایک بہت بڑا راز یہ بھی ہے کہ اس میں محاسن کے مقابلے میں معائب بہت ہی کم ہیں یا برابر ہونے کے ہیں اور اردو زبان میں بہت کم نظمیں ہیں جو اس صورت میں اسکا مقابلہ کر سکتی ہیں۔

حضرت شرر کی مضمون کے اس تہیدی حصے کے انداز تحریر سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ حضرت موصوف بنڈت دیا شنکر نسیم ہی کو گلزار نسیم کا مصنف تسلیم کر لیتے ہیں اور جیسا کہ دکھلایا جائیگا اس مضمون کے آخری حصہ میں بھی شرر نے یہی عقیدہ ظاہر کیا ہے لیکن مضمون کے دوسری حصے میں آئے اس پر لے حصے کو کہ گلزار نسیم آتش کی کہی ہوئی ہے اس پر وہ میں تازہ کیا ہے کہ گلزار نسیم کا بہترین حصہ آتش کے زور فکر کا نتیجہ ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ مستبر ذرائع سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انتخاب و اختصار کا (یہ) آخری عمل و تصرف خواجہ آتش کے قلم سے ہوا۔ منشی اشرف علی اشرف مرحوم۔ جو نسیم دہلوی کے شاگرد تھے اور اس سے پہلے دور کے یادگاروں میں تھے۔ اس واقعہ کو خود دھج سے بیان کرتے تھے بلکہ ان کا بیان تھا

کہ ہندت و یا شکر کی لکھی ہوئی اصل مثنوی کے بہت سے اوراق بھی مین نے اپنی آنکھ سے دیکھے تھے جو بہت ہی عام مذاق کے تھے اور ایسے تھے کہ سوا ایک مبتدی شخص کے کسی کہ نہ مشق شاعر کی جانب نہیں منسوب کیے جاسکتے۔ اس بیان کی تصدیق میر وزیر علی صاحب نے بھی اہماتے بعض ہندگون کے سامنے کی تھی۔ قبل اسکے کہ حضرت شرر کے اس بیان کی نسبت کچھ عرض کروں اتنا ضرور کہوں گا کہ مثنوی اشرف علی مرحوم کی اس زبانی شہادت سے مجھ کو عبدالغفور خان نساخ کی شہادت زیادہ پُر زور معلوم ہوئی ہو جنھوں نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ نسیم لکھنوی اشرف بہ اسلام تھے۔ حضرت نساخ بھی آخری دور کے یادگاروں میں تھے اور بقول غالب شیخ ناسخ تو محض طرز کے ناسخ تھے وہ بعینہ سبائے نساخ تھے لہذا اگر اُن کی شہادت پر اعتبار کیا جائے اور انھیں کی تائید میں لائل پیش کیے جائیں تو گلزار نسیم کا نقاد اُن کا مثنوی نجات پاسکتا ہے جو حضرت اشرف کی زبانی شہادت کی بیرونی کرتے میں پیدا ہو سکتی ہیں مثلاً مخالف کہہ سکتا ہے کہ یہ امر کہانیک قابل اعتبار ہے کہ حضرت اشرف نے گلزار نسیم کا مسودہ دیکھا تھا کیونکہ مبتدی شعرا کا یہ عام دستور ہے کہ جب تک استاد سے اصلاح نہیں لیتے وہ اپنی ایک معمولی غزل بھی لکھ کر نہیں دکھاتے اس حالت میں نسیم مرحوم نے اپنی مثنوی کا مسودہ کسی شخص کو دکھانے کی جرأت کیونکر کی جس میں کہ باوجود آتش کی زبردست اصلاح کے اس قدر محاب موجود ہیں کہ اسکے دیکھنے سے یہ خیال گزرتا ہے کہ شاید کسی اور شاعر کے کلام میں اتنی غلطیاں نہ ہونگی جتنی کہ نسیم لکھنوی مرحوم کے کلام میں ہیں علاوہ اسکے یہ بھی سب جانتے ہیں کہ نسیم دہلوی سے اور شعراء لکھنؤ سے عموماً مر کر آرا بیان ہوا کرتی تھیں اور یہ بھی سنا ہے کہ نسیم لکھنوی اور نسیم دہلوی سے خصوصاً چوٹ چلا کرتی تھی ان باتوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر عقل سلیم اس امر کو قبول نہیں کرتی کہ نسیم لکھنوی نے اپنی مثنوی کا مسودہ نسیم دہلوی کے ایک شاگرد کو دکھایا ہو۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اشرف علی اشرف مرحوم نے گلزار نسیم کا مسودہ دیکھا بھی تب بھی یہ امر غور طلب ہے کہ ان کی رائے نسیم لکھنوی کے کلام کی نسبت کس قدر منصفانہ ہو سکتی ہو کہ اگر وہ شاعر و کایہ عام دستور تھا ہے

کہ وہ اپنے اُستاد کو بچا فروغ دینا اپنا ایمان سمجھتے ہیں اور اپنے اُستاد کے مقابل کے شعر کو مٹا کر اپنا ایمان نہیں تو اپنا فرض ضرور سمجھتے ہیں۔ آتش و ناسخ اور انیس دہیر کے شاعر دونوں کی محرک انبیا کی ضرب المثل ہو گئی ہیں۔ اس صورت میں اگر اشرف مرحوم نے گلزار نسیم کے مسودہ کو عام مذاق کا بتلا کر حق شاگردی ادا کیا ہو تو اُس زمانہ کی روش کے لحاظ سے بہت بجا کیا ان باتوں سے قطع نظر کہ اشرف مرحوم کی تنقید کے نسبت یہ سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ خدا جلنے حضرت اشرف مرحوم سے کیا مراد دلی ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت اشرف کے مذاق شاعری کا معیار غیر معمولی طور سے بلند ہو اور گلزار نسیم کا مسودہ اس خاص معیار کے لحاظ سے (عام مذاق) کا خیال کیا گیا ہو۔ اور کون جانتا ہے کہ اگر گلزار نسیم کی موجودہ حالت کی نسبت اشرف سے رہے پوچھی جاتی تو وہ اب بھی اسکو عام مذاق کا نہ بتلاتے غرض کہ جیسا کہ پیشتر عرض کیا گیا ہے حضرت اشرف مرحوم کی زبانی شہادت ایسی محل ہے کہ ہمیں سیکڑوں شاخسانے پیدا ہو سکتے ہیں عبدالغفور خان نسلخ کی تحریری شہادت اس سے زیادہ صاف اور زیادہ قابل اعتبار ہے۔ مجھ کو اس سلسلے میں ایک اور روایت یاد آئی جو کہ ان دونوں روایتوں سے زیادہ دلچسپ ہے لکھنؤ کے ایک بزرگ اور کہنہ مشق شاعر جو کہ اس آخری دور کے یادگاروں میں تھے اور امانتہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ میر غنایت فرما پنڈت بشن زائیں صاحب در سے یہ روایت بیان کرتے تھے کہ گلزار نسیم صل میں حضرت پردانہ کی تصنیف ہے۔ حضرت پردانہ آتش کے معاصر تھے آتش کو پردانہ کی یہ تصنیف کسی طرح ہاتھ لگ گئی انھوں نے ہسلج وغیرہ دیکر نسیم سے ایک مشاعرے میں پڑھوادی ان بزرگوں نے بھی غالباً یہ روایت معتبر ذرائع سے سنی تھی یہ مختلف روایتیں سنکر میرے دل میں یہ خیال گذر تا ہے کہ گلزار نسیم میں باوجود اس قدر عیوب کے جس سے (زیادہ عیوب کسی اُردو نظم میں نہیں ہیں یہ عجبہ تاثیر ہے کہ اسکو کوئی آتش کی طرف اصاف طور پر منسوب کرتا ہے کوئی ایسی روایت دہلی زبان سے بیان کرتا ہے۔ کوئی اس کو حضرت پردانہ کی پرواز فکر کا نتیجہ سمجھتا ہے۔

بتاتا ہے کوئی اسی مثنوی کی بدولت نسیم لکھنؤی کو اسلام کی دولت سے مالا مال کیے دیتا ہے
غرض کہ گلزار نسیم میں کتنے ہی عیب کیون نہوں مگر اسکے مصنف کے فوٹج کا یہ طرفہ اثر ہے کہ
سب سے پہلے غافل از آشیان انداختہ۔ پھر سوچتا ہوں کہ ممکن ہو کہ ان روایتوں کے
گھر وندے محبت کی بنا پر قائم ہوں۔ ان روایتوں کے لکھنے والوں کا یا بیان کر کے والوں کا
یہ منشاء ہو کہ پنڈت دیاندر نسیم کا نام ایسی مثنوی کے ساتھ نہ وابستہ رہے (جس سے نیا
عیوب کسی اور دو نظم میں نہیں ہیں) اور جس سے لازمی طور پر نسیم جو ہم کی بدنامی مقصور ہے
بیشک مجلو تعجب ہے تو اس قدر کہ مجلو جو کچھ اس مثنوی کی تصنیف و تالیف کے مطابق معلوم ہوا
کہ وہ ان روایتوں کے خلاف معلوم ہوا۔ حکیم رضا حسین صاحب سہام جو میر وزیر علی صاحب
داماد تھے اور شاگرد بھی تھے انکی خدمت میں مجھے برسوں نیاز حاصل رہا اور بہت مرتبہ
گلزار نسیم کا ذکر بھی آیا انھوں نے مجھ سے کبھی یہ نہ کہا کہ گلزار نسیم میں آخری تصرف و خصال کا
عمل خواجہ آتش کے قلم سے ہوا تھا یا آتش نے تغن طبع کے طور پر یہ مثنوی لکھ کر نسیم کو
دید ہی تھی بلکہ وہ کہتے تھے کہ میر وزیر علی صاحب ہمیشہ ایسی روایتوں کی تردید فرماتے تھے اور کہتے تھے
کہ گلزار نسیم خاص پنڈت دیاندر نسیم کی تصنیف ہے بیشک حسب دستور ہمیں کہیں کہیں نقل کی
اصلاحیں موجود ہیں اور میر وزیر علی صاحب پر کیا منحصر ہے تمام سخن شناس اور انصاف پسند
اہل اسلام کو اس سے انکار نہیں کہ گلزار نسیم میر ہی کی تصنیف ہے بقول اڈیٹر ادودھ پنچ کے
لکھنؤ کے جھنگر خانو کے سوا اب یہ روایت کہیں نہیں سنی جاتی کہ گلزار نسیم آتش کی تصنیف
کی ہوئی مثنوی ہے چنانچہ یہ باتیں ملحوظ خاطر رکھ کر میں نے اس روایت کی نسبت صرف
اس قدر لکھ دینا کافی سمجھا تھا کہ سخن شناس جانتے ہیں کہ جس رنگ میں گلزار نسیم لکھی گئی ہو
آتش نے اپنی زندگی میں اس رنگ میں ایک شعر نہیں کہا۔ اس دلیل کی تردید میں حضرت
شرر تحریر فرماتے ہیں کہ غزل اور چہرہ ہے اور مثنوی اور چہرہ۔ انسان کی طبیعت جو رنگ غزل میں
لوکھاتی ہو ضرور نہیں کہ وہی رنگ مثنوی میں بھی دکھائے۔ . . . دیوان آتش کے دیوان

رنگ کو پیش کہ مثنوی کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ مشرک بے کس
اسکی خبر ہی نہیں کہ شاعرانہ مذاق ہر صنف سخن میں جدا گانہ رنگ دکھایا کرتا ہے کوئی
تعجب کی بات نہیں اگر آتش نے اس دلہنگی کی بنیاد پر جو انہیں نوعمر شاگردوں سے ہتی دس
دلہنگی کی وجہ آپ نے نہ بتلائی، اسکی تحریک سے یا اسکی شوق اولین دیکھ کے اس مثنوی کو
تفنن طبع کے طور پر کہا ہو پھر اس میں متعدد لغزشیں دیکھ کے اسے بجائے اپنے اسی کی طرف
منسوب کر دیا ہو۔ مجھ کو افسوس ہے کہ حضرت شاعرانہ مذاق کی زنگارنگی کی نسبت
جو سبق مجھے دیا ہے میں اسکو قبول نہیں کر سکتا اور میں کیا جو شخص اصول شاعری سے کچھ بھی
واقفیت رکھتا ہے وہ میرے ہی خیال کی تائید کرے گا یہ یاد رہے کہ شاعر کی طبیعت کا
قدرتی رنگ ایک ہی ہوتا ہے یہی رنگ مختلف پیرایوں میں اپنا جلوہ دکھاتا ہے یہ لے بدلتے
رہتے ہیں شاعر کا کلام ایک آئینہ ہے جس میں اسکی نورانی طبیعت کا عکس پڑتا ہے آئینہ کی ساخت
میں تبدیلیاں واقع ہو سکتی ہیں مگر عکس کی ہیئت نہیں بدلتی۔ غزل ہو یا مثنوی ہو یا مسدس
ہر پیرایہ میں شاعر کی طبیعت کا قدرتی رنگ نظر آتا ہے۔ مثلاً جس شاعر کی طبیعت میں روانی
اور آم ہے وہ ہر صنف سخن میں مذاق بنا ہے گا اگر اسے مزاج میں آود کو دخل ہے تو اسکی غزل ہو
یا مثنوی یا مسدس سب میں اسی مذاق کا پتا لے گا۔ میر کی غزلوں میں جو سوز و گداز ہے وہی
انکی مثنویوں میں موجود ہے۔ داغ کی غزلوں میں جو شوخی اور بیباکی کا رنگ ہو وہی اسکی مثنوی
فریاد داغ کا رنگ خاص ہے یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ کسی شاعر کی مثنوی اس پائے کی ہو جیسی کہ
اسکی غزلیں ہیں لیکن دونوں میں (مذاق سخن) کا رنگ ایک ہی ہو گا مثلاً فریاد داغ کا پایہ
داغ کی تصانیف میں ادنیٰ ہے لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ فریاد داغ کا مذاق شاعرانہ کل داغ
سے جدا گانہ ہے اب سمجھنا چاہیے کہ آتش کی طبیعت کا رنگ خاص کیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ حضرت
شیر کو بھی اس سے انکار نہ ہو گا کہ آتش کی طبیعت کا رنگ خاص آم ہے۔ اسکی زبان سے شعر
اس طرح نکلتا ہے۔ جیسے کمان سے تیر۔ برعکس اس کے گلزار نسیم میں ہر شعر شروع سے آخر تک

اور دے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ جس طرح سنگ تراش پتھر و نکو تراش کربت تیار کرتے ہیں اس طرح نسیم نے اپنے نیشہ فکر کی مدد سے مضامین کے گل بوٹے تراشے ہیں گلزار نسیم کی نیت ہے چاہے یہ رنگ برا ہو یا اچھا۔ مگر اس سے انکی طبیعت کو خاص مناسبت ہے چنانچہ یہی رنگ انکی غزلوں کے گلمائے مضامین سے بھی شبنم کی طرح ٹپکتا ہے مجکو سخت حیرت کہ حضرت شرر کے قلم سے ذیل کے الفاظ کس طرح نکلے کہ (تجربہ ہے کہ مصنف (یعنی نسیم) کے دیوان کا انتخاب جو اس مثنوی (گلزار نسیم) کے آخرین چھاپہ آئین بھی اس رنگ (یعنی گلزار نسیم کے رنگ) کا کوئی شعر نہیں ہے اس موقع پر میں چند شعرا انتخاب دیوان نسیم سے تنقیداً لکھے دیتا ہوں سخن شناس خود فیصلہ کر لیں گے کہ حضرت شرر کا بیان مندرجہ بالا کس قدر درست ہے۔

اشعار

جب ہو چکی شراب تو میں مکت مرگیا
شوریدگی سے میری بہا تک وہ تنگ تھو
بوے گل غنچے سے کہتی ہے نسیم
چمن میں دھر کے آکر میں کیا نہال ہوا
کہانی کھ کے سلاتے تھے یار کو سوا ب
کو چہ جانان کی ملتی تھی نہ راہ
بلبل کے نگھ پہ اڑنے لگی ہیں ہولیاں
جسد او ماہ تو گھر سے نکلا
مسنی روشن جو ہون تو سو سے بتر ایک شعر
جب بے دودل غل پھر کون ہے
گر یہی ہے اس گلستان کی ہوا
داغ سودا ایک دن دیکھا ہوا

نیشہ کے خالی ہوتے ہی پیمانہ بھر گیا
روٹھا جو میں تو خیر منائی کہ شر گیا
بات نکلی منہ سے افسانہ جلا
برنگ سبزہ بیگانہ پائمال ہوا
فسانہ عمر ہوئی خواب وہ خیال ہوا
بند کین آنکھیں تو رستہ کھل گیا
صیاد کو بت اکہین او باغیان ہوا
شکر ہے جانہ کہ دھر سے نکلا
مطلع خورشید کافی ہے بے دیوان صبح
بٹھ جاؤ خود حیا اٹھ جائیگی
شلخ گل ایک روز جھونکا کھائیگی
فصل اس گل کی شگوفہ لائیگی

کچھ تو ہو گا بحر میں انجام کار
صدی رنگوں نے مانا دل ملا
خاکساروں سے جو رکھے گلاب
صبر رخصت ہو تو جانے دیجئے
دل میں جو دکھلایئے تاثیر عشق
گل ہوا کوئی چرخِ سحری اور بلبل
جسکو دکھو وہ اس زلمے میں
خاکساری وہ ہے کہ ذروں پر
بیقراری کچھ نہ کچھ ٹھہر سکی
درد سر کی کس کے ماتھے جاگی
او فلک بدلی تری ہو جائیگی
بیقراری آئے تو ٹھہریے
ٹھنڈی سانسوں ہی انھیں گائیے
ماٹھ لیتی ہوئی پونے صبا آتی ہے
اپنے نزدیک دور ہوتا ہے
روز باران نور ہوتا ہے

اس رنگ کے نوے فیصدی اشعار نسیم کے دیوان میں مل سکتے ہیں ان اشعار میں بھی وہی ترکیب کی جستی وہی تناسب لفظی وہی آورد کارنگ جو کہ مثنوی کا رنگ خاص آتش کا مذاق شاعرانہ اس رنگ سے اعلیٰ تر ہے لیکن اس سے بالکل جدا گانہ ہے۔ اگر وہ تفنن طبع کی طور پر کوئی مثنوی کہتے تو یہ ممکن تھا کہ وہ مثنوی اس پائے کی نہوتی جیسے انکی غزلیں ہیں۔ لیکن اُس مثنوی میں انکی رنگ طبیعت کا ضرور پتا ملتا علاوہ اسکے یہ کہنا کہ شاعر نے گلزار نسیم کو محض تفنن طبع کے طور پر تصنیف کیا ہے کشف قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ تو ویسا ہی ہے جیسا کہ آج کل کوئی شخص کہے کہ جاپان روس سے (تفنن طبع) کے طور پر لہو راجہ قطع نظر ان سب باتوں کے ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے جو کہ کسی قدر غور طلب ہو یعنی حضرت شہر نے اس مضمون کے ایک حصے میں قویہ ثابت کرنا چاہے کہ گلزار نسیم میں محض انتخاب و اختصار کا آخری عمل و تصرف خواجہ آتش کے قلم سے ہوا لیکن آپ ہی صاف الفاظ میں یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ کوئی توجہ کی بات نہیں اگر آتش نے اس مثنوی کو تفنن طبع کے طور پر لکھا ہو پھر اس میں متعدد توجہ دیکھ کے اسے بجائے اپنے نسیم کی طرف منسوب کر دیا ہو یہ دونوں دعویٰ ایک دوسرے سے بالکل جدا گانہ ہیں چونکہ حضرت شہر کے اس مضمون کا رنگ خاص یہی ہو کہ ایک دعویٰ

تردید دوسرے دعویٰ سے کھلے لہذا اسکی نسبت زیادہ لکھنا فضول ہے حضرت شرکایہ
منقولہ صحیح ہو یا نہ ہو کہ (شاعرانہ مذاق ہر صنف سخن میں جداگانہ رنگ دکھاتا ہے) مگر اسقدر ضرور
صحیح ہے کہ حضرت موصوف کو مذاق تنقید بر صنف پر نیا رنگ دکھاتا ہے۔

دیباچہ میں تناسب لفظی کی بحث کے سلسلہ میں میں نے اس بات پر زور دیا تھا کہ صنعت
مذکور کا لطافت کے ساتھ بنا ہونا اک امر دشوا ہے۔ اور یہ دکھانے کے لیے کہ کس صورت پر سب
لفظی بجائے حسن کے عیب ہو جاتا ہے میں نے مثال کے طور پر آمانت۔ رند۔ خلیل۔ قلق۔
وغیرہ کا ایک ایک شعر یا مصرع لکھ دیا تھا اس سلسلے میں گلزار نسیم کے بھی دو ایک شعر لکھ دیے تھے
اس بنا پر حضرت شرر تحریر فرماتے ہیں کہ مسٹر جب بست نے آمانت۔ رند۔ اور قلق کا ایک
ایک شعر یا مصرع نقل کر کے سب کی شاعری میں دھبہ لگایا ہے۔ مجھ کو افسوس سے کنا پڑا ہے
کہ میں اس الزام بجا کا مستحق نہ تھا صرف ونحو کی کتابوں میں یا کتب عروض میں اکثر غلطیوں کی تشریح
کے لیے بڑے بڑے اساتذہ کے شعر لکھے ہوئے ملین گے ان اشعار کے پیش کرنے سے
لکھنے والے پر یہ الزام نہیں کیا جاسکتا کہ اُس کا منشاء یہ تھا کہ ان اُستادوں کی شاعری میں ہتبہ
لگایا جائے آخر کسی کے کلام سے مثال دینا پڑ گئی۔ لہذا ایک صنعت خاص کا ذکر کرتے ہوئے
اگر میں نے رند و خلیل و قلق وغیرہ کے کلام سے ایک ایک مصرع یا شعر نقل کر دیا تو میری مراد
اس سے یہ نہ تھی کہ میں انکی شاعری کو بحیثیت مجموعی قابلِ نفرین قرار دوں اگر ان مثالوں کے
پیش کرنے سے کوئی منی پیدا ہو سکتے ہیں تو وہ یہ تھے کہ جہانک تناسب لفظی کی صنعت کا قلع
ہے رند و خلیل و قلق وغیرہ نسیم کا مقابلہ نہیں کر سکتے اگر حضرت شرر ذرا بھی غور و فکر سے کام
لیتے تو میرے سرفت کا الزام نہ دھرتے

جو بشنوی سخن اہل دل گو کہ خطاست سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست
بیشک آمانت کے لئے میں نے صاف الفاظ میں یہ لکھ دیا تھا کہ ان حضرت کے لئے تناسیب
لفظی کا شوق جنوں کے درجہ تک پہنچ گیا ہے حضرت شرر کا یہ خیال نہیں ہے آپ کے نزدیک

گلزار نسیم کی طرح آمانت کے کلام میں بھی ایسے معیوب و اشعار جن میں تناسب لفظی کے ساتھ لطافت سخن نہ قائم رہی ہو دو فیصدی سے زیادہ نہ نکلیں گے اور حضرت موصوف کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ تناسب لفظی کے بنانے میں آمانت ہی سب سے زیادہ کامیاب بھی ہوے ہیں میں حضرت شعر کی اس تنقید کی نسبت زیادہ عرض کرنا نہیں چاہتا جس شخص نے آمانت کا کلام ایک سرسری نظر سے بھی دیکھا ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ حضرت شعر نے آمانت کی مدحت سرائی میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ ایک شاعرانہ مبالغے سے زیادہ وقت نہیں لکھتا چند اشعار آمانت کے درج ذیل ہیں سخن شناس تفنن طبع کے طور پر ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ آمانت نے تناسب لفظی کی صنعت کو کیا حراج دی ہے

| | |
|--|---|
| چھو لون جو کا پنور میں وہ زلف حلقہ دار | پھانسی کا کھم چھوٹے ہی کو تو الٹے |
| دُر دُر کرے صدف کو جو وہ گوہر مراد | موتی ہر ایک انات خوشی سے نکالے |
| سولخ و ر کے بند کرو چھوڑو جھانکنا | روزن تمھاری شرم میں رخ نہ ڈالے |
| کھلاتا ہے ہوا اُس شعلہ رو کو برف خانے کی | رقیب روسیہ کو فکر ہے نقشہ جانے کی |
| ملائی اس نے شہنا سے جو دہن اپنے ترانے کی | نڈارت سے بُری نوبت ہوئی نفا خانے کی |
| یہ گیسو کو اس کے سانپ بچن کہتی ہوشانے کو | میری طبع رسا کرتی ہے باتیں مار کھانے کی |
| خط بہت بڑھ گیا ہے بنواؤ | گلشن جس ہے کہ جگل ہے |
| طار دِل کو میرے صدف کر | بت بے پیر آج منگل ہے |
| عاشق زلف کیوں نہ سر ٹکرائے | مانگ دار اس پر ہی کی تگل ہے |
| نظم کرتا ہوں خط سبز کا و صف | مُرغ مضمون جو ہو وہ ہر بل ہے |
| اسے کہتے ہیں تکلف اسے نازک طبعی | گھاس کے تھان پر اس شوخ نے گھوڑا بڑھا |
| بند انگلیا کا کم و بیش جو پایا اس نے | ہنس کے خیاط کو چڑیا کا بنایا اس نے |
| میں تر داناں آمانت کا مشکور ہوں گا اگر وہ آمانت کے دیوان میں دو فیصدی شعر بھی ایسے | |

۱۱

نکا لدین جمنین تناسب لفظی کے ساتھ لطافت سخن بھی قائم رہی ہو یوں دعویٰ بے دلیل کرنا تو بہت آسان ہے۔ حضرت شرر نے جھگڑا سبات کا بھی لازم ٹھہرایا ہے کہ مین نے جو نسیم کے معر کے لکھے ہیں اُنکے پردہ مین لکھنؤ کے بعض مشہور و معروف و مستند شعرا کے مٹانے کی کوشش کی ہے۔ مین نے جو کچھ لکھا ہے وہ اُن بزرگوں کی شہادت پر لکھا ہے جو نسیم کے ساتھ مشاعر و نغمین شریک تھے اور جگہ کے سامنے یہ معر کے پیش آئے۔ اگر حضرت شرر کو اس مین شک ہو تو یہ اُنکا حسن ظن ہے اور چونکہ اس بحث سے اور نفس مضمون سے زیادہ تعلق نہیں لہذا مین اسکی نسبت زیادہ عرض کرنا نہیں چاہتا۔

حضرت شرر نے مجھ غریب پر یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ بجائے مولوی حالی کے اعتراضات کا جواب دینے کے میرا فرض یہ تھا کہ گلزار نسیم کے اُن عیوب کے مٹانے کی کوشش کرتا جن پر عام اہل سخن مترض ہیں اور جن کا اسوقت تک جواب نہیں دیا گیا ہے۔ اس اعتراض کی نسبت مین یہ عرض کروں گا کہ مولانا حالی کے اعتراضات چاہے واجب ہوں یا غیر واجب اُنھوں نے اُنکو نقادان سخن کے سامنے تحریری حیثیت مین پیش کیا ہے لہذا اعتراضات مذکور سے ہر شخص پورے طور سے واقف ہو سکتا ہے چنانچہ وہ اعتراضات میری نظر سے بھی گزرے اور جو کچھ میری سمجھ مین آیا مین نے انکی نسبت لکھا ہے علاوہ ان اعتراضات کے اور ایسے اعتراضات گلزار نسیم پر میری نظر سے نہیں گذرے جو کسی مستند شخص کی طرف سے پیش کیے گئے ہوں۔ جو اعتراضات حضرت شرر نے اساتذہ لکھنؤ کا وکیل بنکر پیش کیے ہیں انکی نسبت مین صرف اس قدر لکھنا کافی سمجھتا ہوں کہ ان اعتراضات سے اساتذہ لکھنؤ کا دامن آلودہ کرنا سخت سیرجی ہے۔ میرے خیال مین کوئی لکھنؤ کے رہنے والے جسکو شعر و سخن کا مذاق ہے اور جس نے گلزار نسیم کے علاوہ اور شعراء اُردو کا کلام بھی پڑھا ہے اسکے قلم سے ایسے اعتراضات مکل ہی نہیں سکتے ہیں چنانچہ انھیں اعتراضات کے متعلق ۱۱۔ مئی کے اودھ پنچ مین لکھنؤ کے مستند اور مسلم الثبوت زبان دان منشی سجاد حسین صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے خیال

اساتذہ لکھنؤ کی اس سے بڑھ کر ذلت نہیں ہو سکتی کہ انکی جانب یہ اعتراض (یعنی حضرت شرر کے اعتراض) منسوب کیے جاویں جسے فارسی محاوروں سے عموماً اور لکھنؤ کی زبان اور شاعری سے خصوصاً عدم واقفیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اگر حضرت شرر خود غور سے کام لیں تو وہ یہ دیکھ سکتے ہیں کہ اساتذہ لکھنؤ کی جانب یہ اعتراض منسوب کرنا کہ نسیم نے دجیا اٹھا کر خلاف محاورہ نظم کیا ہے (برہہ جیا اٹھا کر) چاہیے ایسا فعل ہے کہ جس کے جرات کا تو ضرور اظہار ہوتا ہے گرد و راندیشی کا نہیں یا یہ کہنا کہ (تجہ پاس) کہنا کی زبان ہے اور پھر کہنا کہ یہ اعتراض اساتذہ لکھنؤ کی جانب سے ہو لکھنؤ کو بدنام کرنا ہے۔ مجھ کو خود اکثر اساتذہ لکھنؤ کی خدمت میں باریابی حاصل ہے۔ میں نے انکی زبان سے کبھی ایسے اعتراضات نہیں سنے اب رہے ان حضرات کے اعتراضات جو گلزار نسیم پر اعتراض کرنا تو اب سمجھتے ہیں۔ وہ اکثر میرے گوش گزار ہوتے رہے۔ مگر انکے جواب میں میں کسی فارسی استاد کا یہ شعر دل ہی دل میں پڑھ لیا کرتا ہوں یہ بسیار زخمیاست کہ خاک است تمہیں پوئنتوان بہ شتر دخت مانی یہ راؤ لیسے اعتراضات کا کسی سنجیدہ تحریر میں اگر کرنا حاققت ہے اور ایسی حاققت ہے کہ جسکی کبھی انتہا نہیں ہو سکتی۔ اسی خیال سے میں نے محض مولانا حالی کے اعتراضات کا ذکر کرنے پر قناعت کی اب چونکہ حضرت شرر نے اپنے رسالہ میں چند اعتراضات پیش کیے ہیں انکی نسبت آگے چلا کر جو کچھ میری سمجھ میں آئیگا لکھوں گا۔

اس مضمون کے آخری حصے میں حضرت شرر فرماتے ہیں کہ دگلزار نسیم میں ایسے اشعار بہت ہیں جنکی بنا پر صرف یہی نہیں کہا جاتا کہ نسیم کی زبان میں غلطیاں ہیں بلکہ یہ بھی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ پندت دیاشکر نسیم زبان پر اتنی حکومت نہیں رکھتے کہ ہر ایسے مضمون کو جو خیال میں آئے ادا کر جائیں۔ اس سلسلے میں حضرت موصوف فرماتے ہیں کہ احکام مقصد گلزار نسیم پر اعتراضات پیش کرنے سے یہ ہے کہ عام پبلک پر ظاہر کر دیا جائے کہ گلزار نسیم میں اہل لکھنؤ کے نزدیک صد با غلطیاں ہیں اور اس مضمون کی زبان اہل لکھنؤ کی زبان نہیں ہو۔ اس اعلانی

نسبت دو امور دریافت طلب ہیں اولاً یہ کہ یہ اعلان حضرت شہر کے پہلے مضمون کے اس حصے کی تردید کرتا ہے جس میں آپ نے اس امر کا اقرار کر لیا ہے کہ گلزارِ نسیم کی زبان لکھنؤ کی مستند زبان ہے۔ یعنی میرے دیباچے پر اسے زنی کرتے ہوئے حضرت شہر تحریر فرماتے ہیں کہ گلزارِ نسیم کے اختصار اس کی ترکیبوں کی پختگی کلام کی روانی اور سادگی اور پاکیزگی زبان کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہے بہت صحیح ہے بلکہ اس سے بڑھ کے ہے (دو لکھڑا بابت پانچ ۱۹۵۷ء) اس سے صاف ظاہر ہے کہ پاکیزگی زبان کی نسبت جو کچھ میں نے لکھا ہے اس سے حضرت شہر کو پورا اتفاق ہے بلکہ آپ لکھتے تو اس سے کچھ زیادہ ہی لکھتے۔ اب یہ دیکھنا چاہیے کہ پاکیزگی زبان کی نسبت میں نے کیا لکھا ہے۔ دیباچے کے بارے میں مہفے کے ماسشیہ پر پاکیزگی زبان کی مٹھی قائم رکھنے کے گلزارِ نسیم کی زبان کے متعلق صاف الفاظ میں میں نے یہ لکھا ہے کہ نسیم کی زبان بھی نہایت سلیس و پاکیزہ ہے اور اسے لکھنؤ کی نگہ سالی زبان سمجھنا چاہیے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت شہر نے پیشتر نسیم کی زبان دانی کو کیوں تسلیم کیا اور پھر اپنے ہی بیان کی تردید اس زور سے کیوں کی۔ دوسرا سوال اس بیان کی نسبت یہ پیدا ہوتا ہے کہ پیشتر حضرت شہر اپنا عقیدہ یہ ظاہر کر چکے ہیں کہ گلزارِ نسیم کے اصل مسودے کے ورق نہایت ہی عام مذاق کے تھے اور جو کچھ محاسن اس مثنوی میں پیدا ہوئے وہ اس سبب سے ہوئے کہ انتخاب و اختصار کا آخری عمل و تصرف خواجہ آتش کے قلم سے ہوا۔ یا یہ کہ حضرت شہر کے دوسرے عقیدے کے مطابق آتش نے یہ مثنوی خود تصنیف طبع کے طور پر کہی اور پھر اس کے اشعار میں متعدد لغزشیں چھیکر نسیم کو دیدی گویا نسیم سے اور اس کی تصنیف و تالیف سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں عقل سلیم یہ کیونکر قبول کر سکتی ہے کہ گلزارِ نسیم کی زبان اہل لکھنؤ کی مستند زبان نہیں ہے یہ ظاہر ہے کہ چاہے خواجہ آتش نے اس مثنوی کی اصلاح میں آخری انتخاب و تصرف کی زحمت اپنے سر لی یا حضرت شہر کے دوسرے عقیدے کے رو سے آتش نے خود یہ مثنوی (تصنیف طبع) کے طور پر کہی اور پھر نسیم کو دیدی ان دونوں صورتوں میں اس مثنوی کے

ترتیب دینے میں آتش نے اس قدر غور و فکر سے ضرور کام لیا کہ کہیں ایسے محاسن پیدا ہو گئے جنکی وجہ سے حضرت شہر بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ باعتبار خوبصورتی گلزار نسیم کے مقابل کی دو چار نظمیں نکلیں گی۔ اس حالت میں گلزار نسیم میں ایسے شعر کہاں سے آگے جنکی نسبت آج حضرت شہر تک کو یہ کہنے کی جرات ہوتی ہے کہ انکی زبان نہایت ہی مبتذل اور بازاری زبان ہے اور بار بار بھی کہیں اور کا لکھنؤ کا نہیں۔ یہ ممکن تھا کہ آتش کے کلام کے مقابلہ میں یہ شہر بھی ہلکی ہوتی مگر جہاں تک زبان کا تعلق ہے یہ ضرور مستند خیال کیجاتی۔ آتش کی بہت سی غزلیں ہیں جن میں ایک شعر بھی قابل تعریف نہیں ہے یا بہت سے شعر ملے ہیں۔ ان غزلوں کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ آتش نے انھیں محض تفنن طبع کے طور پر تصنیف کیا ہو گا یعنی زیادہ غور و فکر سے کام نہ لیا ہو گا مگر بائیم یہ مہل شعر بھی زبان کی بحث میں اسی وثوق کے ساتھ سند کے طور پر پیش کیے جاسکتے ہیں جیسے کہ آتش کے اعلیٰ سے اعلیٰ شعر۔ ان اشعار میں شاعری کے اوج ہر نہون لیکن انکی زبان کی نسبت یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مبتذل بازاری زبان ہے اور بازاری زبان بھی کہیں اور کی لکھنؤ کی نہیں۔ مثلاً اگر یہ بحث درمیش ہو کہ آیا (حلال کرنا) لکھنؤ کا محاورہ ہے کہ نہیں تو آتش کا ذیل کا شعر لہذا سند کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے کہ

آتی جو عید قربان خنجر کو لال کرتے دہنے کے بدلے فریب عاشق حلال کرتے

اس شعر میں چاہے اور صد با عیوب ہوں مگر اسکی زبان مستند ہے کیونکہ یہ شعر آتش کا ہے افسوس ہے کہ حضرت شہر نے اس پہلو پر غور نہیں کیا کہ کوشش قویہ ثابت کرنے کی کر رہے ہیں کہ گلزار نسیم میں نسیم کا کلام بے نام ہے یا برابر ہونے کے ہے اور جو کچھ اسکو فروغ حاصل ہے وہ اس سے ہے کہ یاقوت اس پر کش کی زبردست اصلاح ہے یا آتش نے خود اسے (تفنن طبع) کے طور پر تصنیف کیا ہے اور پھر یہ اعلان بھی شائع کرتے ہیں کہ گلزار نسیم کی زبان لکھنؤ کی مستند زبان نہیں ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آتش نے نہ اسکی اصلاح میں غور و فکر سے کام لیا ہے اور نہ وہ اسکے مصنف ہو سکتے ہیں۔ حضرت شہر کی اس تنقید پر ”ماچھی سرکیم“ و ”نبوہ ماچھی سرکیم“

مثل صادق آتی ہے۔ کیا حیرت کا مقام ہے کہ حضرت شرر کا طائر خیال ایک شاخ پر بیٹھا ہی نہیں شروع سے آخر تک کل مضمون متضاد بیانات سے پُر ہے جنکی وجہ سے حضرت موصوف کے دلائل کا سلسلہ تاریک و غلبوت سے زیادہ مضبوط نہیں نظر آتا جسوقت آپ کا خیال گلزار نسیم کے محاسن کی طرف جاتا ہے تو یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس مثنوی کا بہترین حصہ آتش کے زور قلم کا نتیجہ ہے اور اپنے دعوے کی تقویت کے لئے نقادان سخن کے دربار میں اُن کو کوئی شہادت پیش کرتے ہیں کہ جو موت کی میٹھی نیند سوس رہے ہیں اور جنگوا سبات کی مطلق خبر نہیں کہ آج انکی نسبت کیا کہا جا رہا ہے جب حضرت شرر کو گلزار نسیم میں محاسب تلاش کی نیک فکر ہوتی ہو تو اسوقت آپ یہ فرض کر لیتے ہیں کہ یہ نسیم کی تصنیف ہے اور اس لئے اسکی زبان لکھنؤ کی مستند زبان نہیں ہے اس سے صرف ایک ہی منطقی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ چالیس پچاس شعر جو حضرت شرر کے نزدیک قابل اعتراض ہیں وہ نسیم کے ہیں باقی ڈیڑھ ہزار شعر آتش کے ہیں اصل یہ ہے کہ اکثر حضرات کا خیال یہ ہے کہ چونکہ پنڈت دیانند شرر نسیم ہندو تھے لہذا ان کی زبان مستند نہیں ہے گو کہ حضرت شرر نے کسی مصلحت سے اس خیال کو جلاباب خفا میں رکھا ہے مگر آپ کے اعلان کے پردہ میں اسکی جہلک صاف نظر آتی ہے مگر اس خیال کے لوگوں کو اس امر پر غور کر لینا چاہیے کہ نسیم کے وقت کا لکھنؤ وہ لکھنؤ تھا کہ جسکا ذرہ ذرہ تہذیب و ترتیب کے نور سے مہرور تھا بقول امیر احمد صاحب بی۔ اے۔ کے اُس زمانے میں لکھنؤ میں شاعری اور سخن منجی کا وہ دریا بہ موج جوش زن تھا اور زبان دانی اور مضمون آفرینی کا یہ شہر ایسا مہرور ہوا تھا کہ اسکی دلکش سیر کا ہون اس کے دلچسپ منظرون اور اس کے دلفریب میلون ٹھیلون کی بہار دیکھنا بھی انسان کو تہذیب سکھانے اور شاعر بنانے کے لئے کافی تھا اور پھر نسیم کی ایک خاص حالت تھی۔ ایک تو وہ خود ہی قدرتی طور پر غیر معمولی طور سے ذہین اور طبع عیش شخص تھے۔ دوسرے انکا تمام وقت آتش و صبا وغیرہ ایسے زبان و انون کی صحبت میں صرف ہوتا تھا جنکی زبان آج تک محاورہ اردو کی دستور العمل سمجھی جاتی ہے

قطع نظر اس کے یہ سب جانتے ہیں کہ گلزار نسیم آتش کی اصلاح کے بعد انکی زندگی میں شائع ہوئی اس صورت میں یہ کہنا کہ جو کہ گلزار نسیم کا مصنف ہندو تھا اس لئے اسکی زبان لکھنؤ کی مستند زبان نہیں ہوا انصاف کی آنکھوں میں خاک ڈالنا ہو۔ جس شاعرے میں یہ مثنوی رات بھر پڑھی گئی وہ مشاعرہ آتش ہی کے نام سے کیا گیا تھا لہذا امین شہر کے تمام سربراہ اور وہ شعرا جمع تھے۔ اکثر بزرگ اب بھی زندہ ہیں جو اس شاعرے میں شریک تھے کیا ایسا مشاعرہ کرنے سے آتش کی مراد یہ تھی کہ سخن سنان لکھنؤ کے سامنے اپنے شاگرد سے ایسی مثنوی پڑھو کہ اپنی ہنسی کر انہیں حسین اس قدر غلطیان ہیں کہ شاید کسی اردو نظم میں نہ ہوگی اور حسین ایسے شعر موجود ہیں (جسکی زبان لکھنؤ کی بازار سی زبان بھی نہیں ہو) یہی وجہ ہے کہ لکھنؤ کے اراک خیال اور مصنف مزاج اہل سلام گلزار نسیم کی زبان کو لکھنؤ کی ٹکسالی زبان سمجھتے ہیں۔ حضرت شہر سے جو اعلان شائع کیا ہے کہ گلزار نسیم کی زبان لکھنؤ کی مستند زبان نہیں ہو وہ کسی قدر سے شائع ہوا ہے کیونکہ اس اعلان کی اشاعت کے قبل اساتذہ لکھنؤ اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ گلزار نسیم کی زبان لکھنؤ کی ٹکسالی زبان ہو۔ لکھنؤ کے مشہور و معروف شاعر منشی امیر احمد صاحب دینانی نے امیر اللغات میں زبان و محاورہ کی بحث میں گلزار نسیم کے سیکڑوں شعر سند کے طور پر پیش کیے ہیں اب اس سے بڑھ کر گلزار نسیم کی زبان کے مستند ہونے کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے ظاہر ہے کہ انت میں اسی شاعر کا کلام سند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جسکی زبان مستند سمجھی جاتی ہو میر خیال ہے کہ حضرت شہر امیر حرم کو ان (عام اساتذہ لکھنؤ) کے زمرے سے خارج نہ سمجھتے ہونگے جہاں تک ان کے آپ نے یہ اعلان شائع کیا ہے کہ (گلزار نسیم کی زبان لکھنؤ کی مستند زبان نہیں ہے) علاوہ امیر حرم کے لکھنؤ کے رائے نادان شہر دار اور مسلم الثبوت زبان دان منشی سجاد حسین صاحب نے حضرت شہر کے اعلان مذکور کی نسبت جو کچھ ۱۱۔ مئی کے اوپر پنج میں لکھا ہے وہ شائقین سخن کی نظر سے گذر ہی ہو گا۔ اصل یہ ہے کہ گلزار نسیم کی زبان کو غیر مستند ثابت کرنے کا زمانہ گزر گیا اب تو سکے سیکڑوں شعر زبان اردو کا حصہ ہو گئے ہیں اور زبان دان اسکی زبان کو مستند تسلیم کر چکے ہیں

اب اگر کسی کا دل چاہے تو وہ یہ خیال کر کے اپنا دل خوش کرے کہ یہ مثنوی نسیم کی کسی ہوئی نہیں اور اگر قلم میں زور ہو تو اس دعویٰ کی تائید میں لاکھ بھی پیش کرے اور میرے خیال میں قدر امان نسیم کو ایسے مضامین سے ناخوش نہیں ہونا چاہیے میں تو یہ مان لینے کو تیار ہوں کہ نسیم لکھنوی کا اس عالم ایجاد میں وجود ہی نہیں ہوا تھا (بہت دیا شکر نسیم) محض اک اہم فرضی ہے یہ مثنوی کسی بندہ خدا کی تصنیف ہے جسے اسکو اس فرضی نام سے شائع کر دیا اب یہ بندہ خدا چاہے آتش ہو یا پروانہ یا مٹھنی (اگر مٹھی سجاد حسین اویسرودھ پنج کے مستثنائی کی روایت صحیح ہو) یا کوئی اور شخص ہو جو مشرف باسلام تھا بھلو تو مثنوی گلزار نسیم سے مطلب ہو نہ کہ اس کے مصنف کے مذہب سے ہاں اگر (گلزار نسیم) میں لفظ نسیم لکھتا ہو تو اسکو (قلم گل بکاولی) منظم کہو مگر خدا کے لئے اسکو جو ہر وہ نیر تو خاک نہ ڈالو۔

خاص اعتراضات کے متعلق کچھ تحریر کرنے سے پیشتر یہ لکھ دینا مناسب ہے کہ اس مضمون میں نھین شعر کے کلام سے مثالیں دی گئی ہیں جنکے اشعار ایر اللغات اور بہار ہند میں بھی زبان اور محاورے کی بحث میں سند کے طور پر پیش کیے گئے ہیں حضرت شرر نے گلزار نسیم کے اکثر اشعار کو بے معنی قرار دیا ہے۔ ایسے اشعار سلسلہ وار لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ صا د آنکھوں کی دیکھ کر سیر کی بنیائی کے چہرے پر نظر کی اعتراض ہے کہ بنیائی کے چہرے پر نظر کرنے سے کیا مراد ہے (چہرے پر نظر کرنا) شاہجہاں کی اصلاح ہے (چہرہ) نام کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ اور یہ ایسے کہ جس شخص کا نام دفتر میں لکھا جاتا تھا اسی کے ساتھ اس کا خط و خال بھی لکھ لیا جاتا تھا (نظر کرنا) دوسری اصلاح ہو اگر کسی شخص کا نام دفتر سے کاٹ دیا جاتا تھا تو اصطلاحاً یہ کہا جاتا تھا کہ اس کے چہرے پر نظر کر دیکھی۔ آج۔ ع۔ (بنیائی کے چہرے پر نظر کی) کے معنی صاف ہیں یعنی (بنیائی کا چہرہ کاٹ دیا گیا) جسکا

۲۔ آتش نازع تھا۔ زہد۔ واجد علی شاہ (اختر) آئیس۔ جانتھ صاحب۔ نواب دلازخو۔ محمد حسین آزاد۔ آب حیات وغیرہ مصلح حضرت شرر کو یہ کتاب ہو گا صاحب ایر اللغات کی طرح کوفہ بہار ہند سے بھی بہت دیا شکر نسیم کے اشعار کے طور پر پیش کیے ہیں ۱۲

مطلب سادہ الفاظ میں یہ ہوا کہ (ہینائی کو کھو دیا) نسیم کے علاوہ مختلف شعراے اردو نے

اس اصطلاح کو نظم کیا ہے - خواجہ وزیرؒ

رنگس یہ نظر کیجئے دو بار کہ وہ کٹ جائے ہو جائے نظر ثانی میں اس کی نظری آنکھ
قلم نے چہرے حسیوں کے لوح پر لکھ کر آتش کھریوں کو کیا خط و خال سے واقف
پھر آئے رنگ رفتہ جو رنج و عجب نہیں ” اکثر ہے چہرہ نظری صفا ہو گیا
ہر طرف غم کر دیا دکھلا کے اسے صاف چشم صبا چہرہ عشاق کو حکم بحالی ہو گیا
غیاث اللغات صفحہ ۸۲ پر نظری - انجہ بدان نظر کنند و منظور نبود - لفظ نظر براے بطلان
باشد این اصطلاح اہل و فرائست و مجھ کو حیرت ہے کہ حضرت شہر نے ایک عام اصطلاح سے
کیون ایسی بھری ظاہر کی اور گلزار نسیم کی لا جواب فرد کو کیون نظری بنا دیا -

۷ اک بلی جو جھپٹی جو ہے کو بھانپ نیوے کو بھگا و یاد کھا سانپ
اعترض ہے کہ سانپ کو نیولا مار ڈالتا ہے - مگر یہ دکھا سانپ کیا - آخر نیوے نے داری کا
تکاشا کیون دکھایا - اگر بغرض محال یہ اعراض تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی گلزار نسیم کا مصنف
اسکا ذمہ دار نہیں ہو سکتا نسیم نے گل بکا ولی کا وہ قصہ نظم کر دیا ہے کہ بیشتر نثر میں موجود تھا
اگر یہ اعراض ہے تو اس غریب پر جسے قصے کے واقعات کو ترتیب دیا ہے نسیم نے تو شریع
میں کھ دیا ہے ۷

۸ ہر چہ نہ سنا گیا ہے اس کو اردو کی زبان میں سخیلو

وہ شریعتا د نظم دون میں اس سے کو دو آتشہ کروں میں

لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو حضرت شہر کا یہ اعراض کسی حالت میں جائز نہیں ہے کیونکہ
اس شعر کے بعد دوسرے شعر کا پہلا مصرع ع دیکھا تو یہ ہے شکون زلا - اس بات کا
اشارہ کرتا ہے کہ مصنف قصہ نے اس واقعہ کو خود (زلا) یعنی حیرت انگیز مانا ہے - یعنی وہ
خود تسلیم کرتا ہے کہ (نیوے کا سانپ دکھانا) خلاف واقعات ہے - پس اس حالت میں

سیاق کلام کو نظر انداز کر کے درمیان سے اک شعر چن لینا اور اُس پر اعتراض کرنا اُمین تنقید کے خلاف ہے اور لفظی شعبہ پر دوازی کو زیادہ وقت نہیں رکھتا۔

۳۷ سُن کے قیدی کے زار نالے زنجیر کے بیچ سے نکالے
اعتراض ہے کہ دمانا کہ زنجیر کے ایسے بیچ نکال ڈالے۔ مگر اس سے یہ مطلب کیونکر
اٹھا کہ بکا ولی کے باؤن مین سے زنجیر نکال لی۔ سچ ہے یہ شعریون ہے
سُن کے قیدی کے زار نالے زنجیر کے بیچ سے نکالے

د زار نالے چاہے غلط ہو مگر مصنف نے اس سے رونے دھونے کے معنی لئے ہیں
ایسے معروف کے بدلے یا بے بھول یا اسکے برعکس لکھ دینا کا بتو نکلی عام غلطی ہے۔ چنانچہ
یہ شعر طبی کا تب کی تیغ اصلاح کا زخمی ہے۔ واقعی اصل شعریون ہو

سُن کے قیدی کے زار نالی زنجیر کے بیچ سے نکالی
چونکہ اس حالت میں حضرت شرر دبی زبان سے فرماتے ہیں کہ (زار نالی چاہے غلط ہو)
اس نے حضرت موصوف کے اطمینان کے لئے ذیل کی مثالیں غالباً کافی ہونگی۔
درد و الم میں سب جاتے ہیں و زو شب یان میر دن اشک ریزیاں ہیں شب زارنا لیاں
فقرہ۔ میر تقی میر اور خواجہ میر درد نے زار نالی افسردہ ولی . . . کے مضامین

خوب ادا کیا (آب حیات مصنفہ آزاد
۳۸ وان بچا نس چھی ہو اسکو غم کی یان سانس نہیں ہے ایک دم کی
اعتراض ہے کہ (ایک دم کی سانس نہوا) ایسا محاورہ ہے کہ جسکے کوئی معنی نہیں مھلکو
اس اعتراض کے معنی سمجھ میں نہیں آتے اس مصرع (یان سانس نہیں ہے ایک دم کی)
کے معنی خیرہ آفتاب کی طرح روشن ہیں اگر کسی کی سمجھ میں نہ آئیں تو یہ نسیم کا گناہ نہیں۔ غالباً
حضرت شرر نے اس مصرع میں (دم) سے لچی (دانس) مراد لی ہے اس صورت میں
واقعی یان سانس نہیں ہے ایک سانس کی اسکے کچھ معنی نہیں ہوئے۔ لیکن (دم) یہاں

(لمحے یا لمحے) کے منون میں استعمال ہوا ہے۔ نسیم کا یہ مطلب ہو کہ (یاں ایک لمحہ کی سانس نہیں باقی ہے۔ یعنی موت کا وقت قریب ہے ممکن ہے حضرت شریکین کہ (دوم) سے لمحہ کے معنی لینا کہاں کی زبان ہے (اسی لئے اشعار ذیل سننا درج ہیں آتش سے

سوا سے رنج کچھ حاصل نہیں ہوا اس لئے میں غنیمت جان جو آرام تو نے کوئی دم پایا
ایک دم فرصت نہیں بھگو تو نکلی یاد سے ناسخ کہتے ہیں زائد خدا کی یاد ہر دم چاہیے
شہ جاہ گلچین کا امتحان ہے پوچھنا کہ نگین جو لے کہاں لے
اعترض ہے کہ (جب تک کسی خاص نگین کو دکھا کے یہ نہ کہا جائے کہ اس نگین کو لے تو کہاں
اس وقت تک اس عام سوال کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے اس مقام پر بھی حضرت شرر نے سیاق
کلام پر غور نہیں کیا ورنہ آپ کو اس اعتراض کی تکلیف گوارا نہ کرنی پڑتی۔ بکا ولی نے (دفعہ کے
بھیس میں) عذرا یہ سوال ایک مبہم طریقے پر پیش کیا تھا اسکا مطلب یہ تھا کہ اگر ان چاروں
شہزادوں میں سے کوئی اسکا گلچین ہوگا تو وہ اسکی انگوٹھی ہی اپنے پاس لھٹا ہوگا۔ لہذا اگر
کہ اسکی زبان سے نکل جائے کہ اگر نگین لینا ہو تو بکا ولی کی انگوٹھی کا نگین لے اگر ایسا نہوا یعنی ان
چاروں شہزادوں میں کوئی اسکا گلچین نہوا تو اس عام سوال کا ایک عام جواب بھی مل جائیگا کہ نگین
خریدے تو فلان شہر میں خریدے چنانچہ ایسا ہی ہوا ہے

بتلانے لگے وہ چاروں نادان کوئی میں اور کوئی بد نشان
اس جواب سے بکا ولی نے یہ نتیجہ نکالا کہ ان میں سے اسکا گلچین کوئی نہیں ہو۔ کیونکہ
جانا کہ جو گل یہ لائے ہوتے خاتم کے نگین تباہ ہوتے
۷۔ رُکنا ہوا اس پر سی کا مشکل یہ دل الکی اب لکے کی دل

اعترض ہے کہ (مصنف تو یہ مضمون ادا کرنا چاہتا تھا کہ اس پر سی (روح افزا) کے ٹھہرنے
سے دشواریاں پیش آئیں مگر زبان پر قدرت نہونے سے مطلب ہو گیا کہ اسکا ٹھہرنا مشکل ہوا
یعنی ٹھہر نہ سکی (حضرت شرر کا غالباً یہ خیال ہے کہ (مشکل) سے صرف کسی امر کا غیر ممکن ہونا

مراد لیا جاتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے لفظ مشکل سے وہ حالت بھی مراد لیا جاتی ہے جس کے بحیثیت مجموعی کوئی پیچیدگی پیدا ہو جائے جیسا کہ خواجہ حافظ کے ذیل کے مصرع سے ثابت ہے۔ مشکل این ستا کہ ہر روز بترمی بنیم ظاہر ہے کہ اس مصرع میں (ہر روز بتر دیدن) جس حالت کا اشارہ کرتا ہے وہ حالت (مشکل) ہے یعنی باعث پیچیدگی ہے۔ اسی طرح نسیم کا مطلب ہے کہ اس کی کڑکنا باعث پیچیدگی ہوا۔ عام گفتگو میں بھی لفظ مشکل اس معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں اگر (وہ چلے جاتے تو سب بات بن گئی ہتھی مگر مشکل یہ ہے کہ وہ لوگ رک گئے) چونکہ زبان کارنگ بدل گیا ہے لہذا نسیم کے مصرع کی بندش اس زمانے میں کیسے قدر اچھی ہوئی نظر آتی ہے۔ لیکن نسیم کے زمانے میں اس قسم کی ترکیب جائز بھی جاتی تھی آتش کا شعر ہے

عشق نے حال کیا مردہ بے وارث کا میرے اوپر ہے یقین قبضہ سلطان ہونا
اس شعر میں (یقین) کا لفظ بالکل سب طرح استعمال ہوا ہے جیسے کہ نسیم کے شعر میں (مشکل) کا لفظ اب اس ترکیب متروک سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آتش و نسیم کو زبان پر قدرت نہ تھی انصاف کا خون کرنا ہے۔ میر حسن کا شعر ہے

جو اس کے طویلے کے ادنیٰ تھے خرم اُغین غلبندی میں ملتا تھا زر
اس شعر کا مطلب تو یہ ہے کہ غلبندوں کو اجرت میں زر ملتا تھا۔ لیکن زبان کا رنگ بدل جانے سے اب یہ معنی نظر آتے ہیں کہ خرون کو زر ملتا تھا اس بنا پر اگر کوئی کہے کہ میر حسن زبان پر قدرت نہیں تھی تو اس کا جواب سولے خاموشی کے کیا ہے۔

کے شہزادے نے ایک دن پھر اگر شادی کو کہا حیا اٹھا کر
اعترض ہے کہ (پر وہ حیا اٹھا کر) کی جگہ (اٹھا کر) نظم تو کر دیا گیا ہے مگر کوئی سنی نہیں رکھتا یہ اعتراض کیسے قدر تشریح طلب ہے لکھنؤ اور دہلی میں تو اس قسم کے فقرے زبانِ عام ہیں کہ فلاں شخص نے حیا اٹھا دی یا فلاں شخص کی حیا اٹھ گئی چنانچہ لکھنؤ کے مستند بزرگان مرزا محمد رفیع عاشق (عرف مرزا محبوبیگ) شاعر و جناب نسیم دہلوی نے اسی مشہور لغت

بہار ہند میں صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ (جیا اٹھانا) بے ججانی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے
بہار ہند مطبوعہ ۱۸۸۸ء صفحہ ۲۶ (جیا اٹھانا) پر کیا موقوف ہے (جیا اڑا دینا) (جیا اٹھ
جانا) آنکھوں سے (جیا بٹکنا وغیرہ) بولا جی جاتا ہے اور نظم بھی ہوتا آیا ہے اس موقع پر مجھے
مومن خان کا ایک شعر یاد آگیا ہے

آنکھوں سے جیا بگیتی ہوا نذر تو دیکھو ہے ہوا مومن پر بھی ستم ناز تو دیکھو
حضرت شرر نے خیال کے مطابق (شیرہ جیا بگی) ہونا چاہیئے محض جیا بگنا کوئی معنی نہیں رکھتا

ع و دختر جو پسند نہ لقا ہے - اعتراف ہے کہ (حرف ترکیب کی خرابی سے
مطلب خبط کر دیا کہنا یہ تھا کہ وہ نقاد دختر جو پسند ہے) جس شخص کی نظر سے گلزار نسیم کے
علاوہ کسی اور شاعر کا کلام بھی گذرا ہے وہ اس اعتراف کی وقعت کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے
ہر ربان کی شاعری میں ترشیب الفاظ میں اس قسم کا الٹ پھیر جائز سمجھا گیا ہے اردو شعر کے
کلام میں بھی اس طرز کی سیکڑوں بندشیں عجیبی جتنی چند شعر مثلاً لکھے جاتے ہیں آتش سے

صبح تک دیدہ ترے نہیں آنسو تھمتے پانی کرنے کو شب ہجر لمو آتی ہے
دم اخیر تصور بندھا ترے رخ کا طرف کو کبھے کے کروٹ مجھے فضلانہ دی

ہمارے آنکھ سے دریائے اشک جاری ہو ناسخ خیال ہو ترے بازو کی یار بھلی کا
ذبح وہ کرتا ہے پر یہ چاہیئے احرار مغرور دل دم بچک جاسے تڑپنا دیکھ کر صیاد کا

ان اعترافات کے بعد حضرت شرر نے گلزار نسیم کے وہ اشعار لکھے ہیں جنہیں آپ کے نزدیک
لفظی غلطیاں ہیں مطلع ہوا کہ چکھو گا میں یہ انسان) بڑے چکھے پان کے معرور

اعتراف ہے کہ (ناسخ و آتش کے نمانے سے لیکے اس وقت تک (چکھو گا) اور (چکھے)
کی جگہ (چکھو گا) اور (چکھے) غیر فصیح ہی نہیں غلط ہے) میں حضرت شرر سے نہایت

ادب سے پوچھتا ہوں کہ اس موقع پر آپ نے لفظ (غلط) کن معنی میں استعمال کیا ہے
لہ نقید لفظی بہ صورت عجب شاعری میں سے جو خصوصاً ایسی جاتی تھیں کہ سنی میں شبید ہوتا ہو جیسا کہ اس شعر میں ہے ۱۲ رد ادب

خا ہرے کہ سودا وغیرہ نے (چکھا) کی جگہ (چکھا) برا بنظم کیا ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ نسیم کے طبقے کے شعرا نے (چکھا) نہیں بنظم کیا ہے۔ اس صورت میں نسیم پر یہ اعتراض ہو کہ انھوں نے ایک ایسا قدیم محاورہ بنظم کیا جو اس کے زمانے میں غیر فصیح سمجھا جاتا تھا اور ایسا کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں مثلاً شیخ ناسخ نے سودا و سیر کی طرح لفظ (زور) بہت کے معنی میں استعمال کیا ہے آتش نے اس محاورہ قدیم کو متروک قرار دیا ہے لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ناسخ نے ایک غیر فصیح محاورہ بنظم کیا ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ لفظ (زور) کو بہت کے معنوں میں استعمال کرنا غلط ہے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ خیر اس اعتراض سے زیادہ مزید اعتراض حضرت شرر کا (پان کے بیڑے) پر ہے آپ فرماتے ہیں کہ دوسرے مصرع (بیڑے چکھے پان کے گنبدیلا) میں صرف بیڑے کا فی تھا (پان کے بیڑے) (محاورہ میں اچھا نہیں) اس اعتراض کا انصاف بھی میں سخن شناسوں پر چھوڑتا ہوں دو شعر درج ذیل ہیں ناظرین (تفنن طبع) کے طور پر بلا غلط فہمیں۔

جان صاحب ۵

چٹھلی میری کھائی گئی ہرے پانکا بیڑا منجھلی کا نہ سنجھلی کا نہ ہے بیاہ بڑی کا بسلون کی دم رخصت ہو ملاقات ضرور اینٹلی یا بیڑا تیری تلواریں ہو یا نی کا علاوہ برین شرفائے لکھنؤ میں یہ فقرہ شل کے طور پر بولا جاتا ہے کہ (ایسی شادی تھی کہ کسی کو پان کا بیڑا بھی نہ ملا) غالباً حضرت شرر کو آتش کی اصلاح دیکھ کر یہ اعتراض کرنے کا خیال پیدا ہوا مگر اگر اس امر پر بھی غور کر لینا تھا کہ نسیم نے جو یہ اصلاح نہ مانی تو کچھ سمجھ کر نہ مانی ہوگی اور آتش ایسے نازک مزاج شخص نے اپنے شاگرد کا یہ اختلاف گوارا کیا تو کوئی وجہ معقول ضرور ہوگی ۱۳ ع کھاتے ہی حسل کا ڈھنگ پایا (۲) وہ بانج لختی جب حل قبولی (-) اختیار کرے (۱) ان مصرعوں میں محل کی جگہ محل بنظم کر دیا گیا ہے جو قطعاً غلط ہے یہ اعتراض اس محل سے

۱۴ چکھا انھوں نے جولے یا دوسری کا شہدہ وہ محکم بھی نہیں دیتا نہ کرے + بجلے سر نہ کروں میل کہ میں اس میں نہ ٹمک سے ٹمک کے جس چشمے میں چکھا ۱۲ ع اتنا نسخہ زور نہ دے پٹی ہو گیا ۱۲ -

بیخبری ظاہر کرتا ہے کہ شاعر الفاظ اسی صورت پر نظم کرتا ہے جس صورت کے وہ اہل زبان کی زبان پر جاری ہوتے ہیں محض لغت کی پیروی شاعر کے لئے ضروری نہیں ہوتی یہ ماننا کہ لغت کی سوسے مکمل درست ہے لیکن شرفاء لکھنؤ کی زبان پر اس لفظ کا بھی تلفظ جاری ہے۔

واجب علیشاہ (آخری فرمانرواے اودھ) سے ایک مثنوی موسوم بہ دریائے عشق یا گارہ اس مثنوی کی تصنیف کا زمانہ گلزار نسیم کی تصنیف کے زمانے سے بہت قریب ہے۔ (دریائے عشق) میں بھی جمل ہی نظم ہے۔

گھر میں میرے بھی اے خوش طوار آثارِ محسوس کے ہیں نمودار
اس مثنوی میں چاہے اور شاعرانہ محاسن نہ ہوں لیکن جہانگیر کی زبان اور محاورے کا تعلق ہو
اس کا ہر شعر سند کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس نے مین و آجند علیشاہ سے بڑھ کر کس کی زبان مستند ہو سکتی تھی علاوہ برین جان صاحب نے بھی جمل نظم کیا ہے جس کا ذیل کے شعر سے ظاہر ہے عداوتی یقین دل کو ہے کہ جائیگا جمل + ننھا سارا کا خواب میں کل پٹیل مل گیا
مقتدین کے بیان بھی جمل ہی نظم ہوا ہے چنانچہ سودا کہتے ہیں۔

اسقاطِ عمل ہو تو کہیں مرثیہ ایسا بھر کوئی نہ بوجھے میان مسکین کہاں ہو
لفظ جمل پر کچھ موقوف نہیں متعدد الفاظ ایسے ہیں جن کا تلفظ لغت کے سوسے کچھ اور ہے اور نظم عام محاورے کے مطابق کیا جاتا ہے۔ مثلاً اصل لفظ کلمہ ہے یعنی لام بالکسر ہے۔ لیکن محاورے میں چونکہ مسکون لام بولتے ہیں اس لئے شعرانے اسی طرح نظم کیا ہے۔

۳۱۰ بادل سا بحر آسمان جوشش بجلی سے لہر سے تھا ہم آغوش
اعترض ہے کہ (لہر کی جگہ) لہر یعنی لہے متحرک کے ساتھ نظم کر دیا گیا ہے جو اردو میں غلط ہے

دبیر سے ارے خدا کا غضب تیری جان پر پڑے + تو کلمہ پڑھ کے رسول خدا کا گھر لوٹے + خدا سے
خدا کے واسطے کلمہ تو نہ کا پڑھ و اعط + زبان تر ہے ابھی اختیار باقی ہے + عہ جرات
کلمہ بھرے تیرے تجھے دیکھے جواک نظر + کا فرائز ہے یہ تیری کا فرنگاہ میں ۱۲۔

اس اعتراض کے لئے بھی ایک حد تک وہی جواب ہے جو اس سے پیشتر کے اعتراض کے بارے میں لکھا گیا ہے اور دوسرے نسیم کی تائید میں سند اور ج ذیل میں میرے شب نہاتا تھا جو وہ رشکِ قمر بانی میں کہئے متاب سے اٹھتی تھی لکڑیانی میں

نواب مرزا شوق

چھڑ کر چڑھ رہی ہے کالون کی بوسنگھا دو تم اپنے بالون کی جاگی تو ب اسکے جوڑ کی تھیں اندر کے اکھاڑے کی بری تھیں اعتراض ہے کہ (اسمیں بری کی جگہ) (پر بیان) چاہیے جو نہایت ہی ذلیل قسم کی غلطی (ہوتی ہے) بیشک اس زمانے میں یہ ترکیب کاغذ کو غیر مانوس معلوم ہوتی ہے لیکن نسیم وقت میں اس کا رواج ضرور تھا۔ آتش سے

کیا کیا پری اُتاری بہنِ شیشو میں آہ نے جن کون ہے جوئے سے اپنے نہیں جلا کس کے چار ابرو کے نظارے نے مہر کا دیا درمیان پاتا ہوں دل کو چار سو تلوار کو شراب کیون بنے فصل گل میں اے زاہد نسخ کہ نہ جاری ہوئیں موسم بہار آیا ہاں خوش تجربہ بہت بکا و لی تھی گاتی اور نا چتی برائی تھی پہلا مصرعہ یہ اعتراض ہے کہ (خوش گلو یا خوش آواز کی جگہ غلطی سے خوش لہجہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے (خوش لہجہ) خوش گلو اور خوش آواز کے معنوں میں برابر استعمال ہوتا ہے حافظ سے بولم از پرودہ بشد حافظ خوش لہجہ کجا ست تا بقول وغرلش ساز و نواسے بکنیم گل و گلچین کا گلہ بگل خوش لہجہ نہ کر تو گرفتار ہوئی اپنی نواسے کے باعث

۱۷ سند صحیح نہیں ہے کیونکہ اس شعر میں (دیری) نہ کہ ہے اور اس لیے (دُتارے) یا ہے بھول لکھا گیا ہے لفظ پری محبوب اور حسین کے سنون میں نہ لکھی آتا ہے باقی دو شعروں کی سند بھی کمزور ہے ۱۲ اڈیٹر ۱۷ یہ مصرعہ گلزار نسیم کے اس نسخے میں غلط چھپ گیا ہے سینے کا تب نے لکھتے کے بدلے گانے اور ناچنے کے بدلے ناچتی) بنا دیا ہے گو کہ ایک نقطہ کا بڑھادینا اور گٹھادینا کا بتوں کی سمجھی سی غلطی ہو۔ مگر حضرت تھرنے اس قرین قیاس بات کو نظر انداز کر کے بھلو تصرف بجا کا لزم ٹھہرایا ہے۔ خیر اس کا جواب اس مضمون کے آخری حصہ میں دیا جائیگا ۱۷۔

دوسرے مصرع کی نسبت شعر کا اعتراض ہے کہ دگائے کی جگہ گانی اور لپٹنے والی کی جگہ ناچتی غلط ہے اس موقع پر پھر حضرت شعر نے ایک قدیم محاورے کو (غلط) ٹھہرانے میں تکلف نہیں کیا ہے۔ گلا نسیم کی زبان وہ زبان ہو جو کہ لکھنؤ میں ۶۶ سال پیشتر مروج تھی۔ گانی اور ناچنی کی ترکیب اس زمانے میں ضرور غیر فصیح معلوم ہوتی ہو۔ مگر نسیم کے زمانے کے شعرا کے کلام میں اس کی مثالیں مل سکتی ہیں مثلاً میر انیس صاحب فرماتے ہیں ۵

دنیا بھی عجیب سراے فانی دیکھی ہر چیز بہان کی آنی جانی دیکھی
جوا کے نہ جائے وہ بڑھایا دیکھا جو جا کے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

اس رباعی کے دو مصرع میں آنی والی کی جگہ (آنی) اور جانے والی کی جگہ (جانی) نظم کیا گیا ہے یہ ویسا ہی ہو جیسا کہ دگانے والی اور (لپٹنے والی) کے بدلے (ناچنی) استعمال کرتا دوونوں کی ترکیب میں سرمو فرق نہیں ہو۔ حضرت شعر کا ایک اعتراض ہے کہ گلا نسیم میں جھگل اور جنگال کا لفظ تین جگہ استعمال ہوا ہے۔ اور تینوں جگہ بمعنی غلط۔ اس اعتراض کی تشریح کے لیے ذیل کے تین مصرعے لکھ گئے ہیں (۱) ہونچا لب حوض سے نہ جھگل۔ (۲) شہزادے پہ اس نے مار جھگل (۳) پیاسے یہ نہیں خالی جھگل۔ پہلے مصرع کے معنی حضرت شعر نے لکھ دیے ہیں یعنی (ہاتھ نہیں ہونچا) اسکے علاوہ اور کچھ نہیں تحریر فرمایا دوسرے مصرع کی نسبت یہ لکھا گیا ہے کہ (بہان اگڑا) کہا جائے کہ پروں کی طرح پر سی کے پہنچے لمبی تھو تو شاید صحیح ہو جائے تیسرے مصرع پر یہ اعتراض ہے کہ منہ سی لگے ہاتھوں کو حسانی جھگل کہنا لکھنؤ کی زبان نہیں ہے ان اعتراضات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضرت شعر کا خیال تھا کہ جھگل اور جنگال محض پنجہ جانور کے سنوں میں استعمال ہوتے ہیں مگر ایسا نہیں ہے جس شخص نے فارسی کی درسی کتابیں بھی پڑھی ہیں وہ جانتا ہے کہ فارسی شعرا نے (جھگل) ہاتھ کے معنی میں بڑے استعمال کیا ہے شیخ سعدی بوستان میں کہتے ہیں ۵

مراد و صفایان کے یار بود کہ جھگل آورد شوخ و عیار بود

پلنگا نش از زور و سر پنچہ زیر فرو بردہ چنگال در مخبر شیر
تیسرے مصرع پر جو اعتراض ہے وہ بالکل خارج از آہنگ ہے (خانی چنگال) فارسی کا
محاورہ ہے اس کے نسبت یہ کہنا کہ یہ لفظ کی زبان نہیں ہو کوئی کسنی نہیں رکھتا اگر یہ کہا جائے
کہ دست خانی کے بدلے خانی چنگال کہنا درست نہیں تو اعتراض کے کچھ معنی ہو بھی سکتے
ہیں مگر یہ اعتراض بھی بجا ہے ملا شہیدی فرماتے ہیں ۷

بشہ رنگ خنار چنگل خود اسے نگار یا بخون عاشقان ترکردہ چنگال را
غیاث اللغات صفحہ ۳۱۷ (چنگل و چنگال) پنچہ آدمی وغیرہ از مؤید و بہار عجم و جاںگیری وغیرہ
۸۔ بجا وہ ہوا کہ کہ بجا کیسی رانی کہان کا راجا

اعتراض ہے کہ (برہم ہوا کی جگہ پر بجا ہوا کہنا بہت ہی مبتذل بازار سی زبان ہے) یہی
دیباچے میں خود تسلیم کر لیا ہے کہ نسیم سے بھی اکثر موقوفوں پر تناسب لفظی لطافت کے ساتھ
نہیں بھر سکا ہے اور مثلاً دو تین شعر بھی لکھ دیے ہیں چنانچہ یہ شعر بھی اسی طرز کا ہے اس میں
(جا جا) کے لئے (دیا جا) نظم کر دیا ہے۔ حالانکہ برہم نہایت آسانی سے نظم ہو سکتا تھا
اب رہا کہ (دیا جا) بازار سی زبان ہے اس کی نسبت میں صرف اس قدر کہوں گا کہ بیشک اس نائی کے
لحاظ سے حضرت شاعر کا کہنا بجا نہیں ہے لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا نسیم کے زلمے میں بھی (دیا جا)
بازاری میں داخل سمجھا جاتا تھا کہ نہیں۔ میر تقی کا شعر ہے ۷

جنگ زلمے میں تو بحث ہے عشق ہی کا بجا ہوا دل اپنا جب وہ مقام نکلا
بجا کے علاوہ اکثر انفاظ ایسے ہیں جو زمانہ گذشتہ میں ضرور فصیح سمجھے جاتے ہو گئے۔ الحال بازار سی
زبان میں داخل ہو گئے ہیں۔ مثلاً میر انیس صاحب نے (جگہ) کے بال عوض (جاگہ) نظم کیا ہے
جسکی مثال ان کے معاصرین کے کلام میں مشکل سے ملیگی اور اس زمانے میں تو (جاگہ) بالکل

۹۔ کلیات میر تقی صفحہ ۳۴۴ دیوان چہارم ۱۲ ۱۵ و سواس کا مقام ہے جاگہ قق کی ہے +

پہچانتی ہوں میں یہ صدا شیر حق کی ہے + جلد اول صفحہ ۹۸ بند ۱۲ -

(مبتدل بازاری) زبان میں داخل ہے جسکا استعمال قصباتی لوگ بھی مہیوب سمجھتے ہیں اس بنا پر کہ اسکا کہ
میرا نہیں صاحب بے بازاری اور مبتدل زبان نظم کی ہے بالکل چاہے ہے
۱۷۰ جھجھلا کے ڈرا کے غل جھا کے سمجھا کے بجھا کے دست پا کے
اعترض ہے کہ اردو میں دسترس پانا کہہ سکتے ہیں مگر دست پانا قابو پانا کی جگہ پرگز جائز
نہیں ہے حضرت شکر کو غالباً معلوم ہو گا کہ (دست یافتن) فارسی کا محاورہ ہو اور قابو پانے
معنی میں استعمال ہوتا ہے نسیم نے اس محاورہ کا ترجمہ کر دیا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہو نسیم کے
زمانے اس صورت پر فارسی محاوروں کا ترجمہ کر دینا جائز سمجھا جاتا تھا مثلاً دوش دادن فارسی کی محاورہ
زند نے اس محاورہ کا ترجمہ بالکل نسیم کی طرح کیا ہے

تیرے کو بچے سے بڑھیکانہ بخازہ میرا بعد مرد نہ دیا تو نے اگر دوش مجھ
ظاہر ہے کہ جس طرح آجکل کوئی قابو پانے کے بدلے (دست پانا) نہیں کہتا اسی طرح
(کاندھا دینے) کی جگہ (دوش دینا) نہیں استعمال کرتا اسی طرح کی اور بہت سی مثالیں
مل سکتی ہیں اردو میں انعام دینا محاورہ ہے مگر چونکہ (انعام کردن) فارسی کا محاورہ ہے لہذا
آتش نے یہ کہنے میں تکلف کیا ہے

باغبان خیر چمن کا بھی کوئی کام کریں سرو قمری کو عنادل کو گل انعام کریں
علاوہ برین سودا وغیرہ نے تو (دست) قدرت کے معنی میں اکثر استعمال کیا ہو سودا
کون ایسا ہے جسے دست ہو دلسازی میں شیشہ ٹوٹے تو کریں لاکھ ہنر سے پیدا
۱۷۱ قطع تجھ پاس تو اک عصا ہے جانی - اس مصرع پر دو اعتراض ہیں اول یہ کہ -
(اردو میں جانی) کا لفظ سوائے معشوقہ کے اور کسی کی شان میں اور وہ بھی خلوت کے
سوا دیگر موقعوں پر استعمال کرنا بد تہذیبی نہیں غلطی ہے مگر نگار نسیم میں تاج الملوک اپنی معشوقہ

لے ظہیر خرابالی سے شبی کہ وسوسہ عقل دست یافت ظہیر + بنوش بادہ کہ این رخ آن مال کند + -

سعدی سے چو اقبالش از دوستی سر یافت + بنا کام دشمن برود دست یافت ۱۲ -

نہیں بلکہ روح افزا سے پہلے ہی ملاقات میں کہتا ہے (دھی بھجانہ جانی) اور وہ جواب دیتی ہے کہ (تجھ پاس تو اک عصا ہے جانی) اس نیم اخلاقی اور نیم شاعرانہ اعتراض کے جواب میں صرف اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت شہر نے اس کلمہ شفقت (جانی) کے استعمال کے لیے جو حدود و قائلہ رکھے ہیں ممکن ہو کہ انکی پیروی آئینہ نسلیں کریں۔ لیکن نسیم کے زمانے میں شرفاء لکھنؤ (جانی) کا لفظ سوائے معشوقہ کے دوسروں کی شان میں بھی استعمال کرتے تھے محض خلوت میں نہیں بلکہ دو چار کے سامنے بلکہ اب بھی جو بزرگ اس زمانے کے یاد گار باقی ہیں انکا یہی دستور ہے (جانی) کا لفظ بلا کسی کیلک خیال کے محض پیار اور محبت کے اظہار کے لیے بولا جاتا تھا ذیل کی مثالیں سند اور جہن دریاے تمش (مین مان لڑکے سے کہتی ہے ۷

یہ تمسے امید تھی نہ جانی دے جاؤ گے دلغ دل نشانی
طلسم افست (قلق) میں جب شہزادہ سفر کو جاتا ہے تو مان کہتی ہے ۷
کیا یہی دل میں ٹھان لی جانی مان کی ہوتی ہے خانہ ویرانی
پھر آخری رخصت کے وقت دعا دیتی ہے ۷
جانی اللہ کی پناہ تمہیں ہو نہ زسار رنج راہ تمہیں
زر ہر عشق میں (بھی مان لڑکے سے کہتی ہے ۷

پالا کس کس طرح تمہیں جانی کون منت تھی جو نہیں مانی
علاوہ برین اگر اس زمانے میں (جانی) کا مفہوم کسی قدر بھی غیر تہذیب سمجھا جاتا یہ تو لفظ مرثیوں میں ہرگز استعمال نہوتا اگر ایسا نہیں ہے انیس ۷۔
عباس نے رو کر کہا کیا چاہیے جانی شرما کے سکینہ نے یہ کی عرض کہ پانی
جلد اول صفحہ ۲۱۳ بند ۵۳۵ دبیر ۷

اکبر نے یہ کی عرض بصد اشک نشانی نرغے میں گہرا ہے وہ دیدار سد کا جانی

جلد دوم صفحہ ۱۹۷ بندہ -

یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مندرجہ بالا مثالیں ان موقوفوں کی ہیں جہاں ہجوم عام تھا اور خلوت کا ذکر نہ تھا جھکوا افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حضرت شہر نے اس محاورے کے استعمال پر بدتمیزی کا الزام لگا کر کتنے بزرگوں کی روح کو صدمہ پہنچایا ہے۔
 اس مصرع (تجھ پاس تو اک عصا ہے جانی) پھر دوسرا اعتراض ہے (تجھ پاس) کا لفظ بھی تیرے پاس کی جگہ کہاں کی زبان ہے (تیرے) کے بدلے (تجھ) اور (میرے) کے بدلے مجھ استعمال کرنا آجکل ضرور ناجائز سمجھا جاتا ہے لیکن سودا اور تیر کے زمانے سے لیکر آتش و زہد و تسیم و نواب مرزا شوق کے زمانے تک یہ محاورہ عام تھا میرے اب اشک خاں سے جو کتر کرے آنکھیں وہ تجھ کف رنگین کا مارا نہ ہوا ہو گا مگر آباد ہیں بسے ہیں گانوں سودا تجھ بن آجڑی بڑی ہے اپنی ٹھانوں شام سے ناصبح نیندا کی نہ اکدم تجھ بغیر آتش آگ نالوں نے لگائی اشک نے طوفان کیا آنکھ تجھ بن جو کسی پر بت عیار پڑے آند عوض سبھ گلہ میں میرے زنا پڑے عاشق روے حسنان ہو غین بیمار او اہل بن کے صورت حور کی مجھ پاس آیا چاہیے بھر یہ منہ لیکے آئے ہو مجھ پاس دور ہو سامنے سے نفرت ہے جن دن کو نہ آئے گا تجھ بن واپس آئیں اب کے بچڑے ملین گے حشر کے دن کیا افسوس کا مقام ہے کہ (تجھ پاس) کی ایسی عام ترکیب پر حرف رکھا جاتا ہے اور ایسے اعتراض سے اساتذہ لکھنؤ کا دامن آلودہ کیا جاتا ہے۔
 ۳۷۔ نکلا جیسے ہی مٹھ کے باہر پتھر اگئی چشم حلقہ در اعتراض ہے کہ (فارسی میں) (حلقہ در) کنڈی کو کہتے ہیں اور یہاں جب ہی منے صحیح ہو سکتے ہیں کہ حلقہ در سے دروازے کا پورا چوکھٹا مراد لیا جائے غالباً حضرت شہر نے ہندوؤں کا وہ قدیم ساخت کا شیوالہ نہیں دیکھا ہے جسے (مٹھ) کہتے ہیں ورنہ آپ ایسا

اعترض کرتے (مٹھ) کی ساخت گنبد نما ہوتی ہے۔ ہمیں دو واڑے کے چوکھے وغیرہ یا کٹے کو مطلق دخل نہیں ہوتا اسکے تین جانب ایک گول دیوار ہوتی ہے اور ایک جانب ایک محراب دار درہو تا ہے۔ نسیم نے حلقہ در سے محراب در مراد لی ہے۔ فارسی شعرانے بھی حلقہ در کو محراب در کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ چنانچہ بدر جاج نے قلعہ دہلی کی تعریف میں جو قصیدہ لکھا ہے اسکا ایک شعر محراب در کی تعریف میں درج ذیل ہے ۵

جبہ حلقہ ایست کہ تو سے ز حلقہ در او محیط تر ز نص ہفت طارم اعلیٰ است
یہ بھی خیال ہے کہ فارسی شعرانے (کنڈی) کے لیے حلقہ بیرون در (در) زیادہ تر استعمال کیا ہے اور حلقہ در سے غویا محراب در مراد لی ہے ۵

۱۱۵ اکدن بنجر اڑا کے لائی حسن آرا کو وہ کل سبھائی
حضرت ثمر نے پیشتر اس شعر کی تشریح اس طرح کی ہے کہ یہ (تدبیر بتائی کہ یہ آدمی کیونکر قوی بنایا گیا ہے) مگر باوجود اصلی مطلب سمجھ جانے کے آپ نے ایک ایسا اعتراض کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اس شعر کا مفہوم نہیں سمجھتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ (اردو میں صرف ماوی شینوں کی نسبت کل کا لفظ مستعمل ہے۔ طلسم اور جادو اور عمل کی نسبت اس کا استعمال ہرگز جائز نہیں ہے) گو کہ حضرت ثمر نے یہ کلیتہً قائم کر دیا ہے کہ اردو میں کل کا لفظ صرف ماوی شینوں میں استعمال ہوتا ہے چنانچہ (ترکیب) کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے نسیم نے اس شعر میں (دکل) سے ترکیب مراد لی ہے یعنی حسن آرا کو وہ ترکیب بتائی) اور چونکہ بحرطے میں بھی کل ہوتی ہے۔ لہذا تناسب لفظی کا بھی لطف پیدا ہو گیا ہے اس سلسلے میں لکھنا بھی ضرور ہے کہ حضرت ثمر کا یہ دعویٰ کہ جادو اور عمل کی نسبت (دشین) کے معنی میں کل کا استعمال جائز نہیں ہے بالکل بے دلیل ہے۔ میر حسن کی (پہلی اعلیٰ اور مقبول عام اردو منظوم) میں بدر زیر جب بے نظیر کو جادو کا گھوڑا پر شان میں دیتی ہے تو کہتی ہے ۵

۱۱۶ جب کہ ذیل کے فقرے ثابت ہو (دین کل جادو) (اونٹ کس کل چٹا ہو) (انگو کی طرح کل نہیں پڑتی) وغیرہ وغیرہ

یہ گھوڑا میں دیتی ہوں گل کا بجھے و لیکن یہ دے تو چٹکا بجھے
یاد دوسرے موقع پر کہتی ہے ۵

جو اترے تو گل اسکی یوں موڑیو جو برعکس چاہے تو دوں موڑیو
۵۲۲ دن بھر تو وہ فاختہ پڑھاتی شب کو اُسے آدمی بناتی

حضرت شہر کا طوطی فلک اس شعر کی نسبت یوں نغمہ زن ہے (طوطا پڑھایا جاتا ہے) مینا بڑائی جاتی ہے) فاختہ کا پڑھایا جانا ایک بالکل نئی بات ہے)۔ حضرت شہر کو معلوم ہو گا کہ یہ (طلسی فاختہ) تھی اور اسکو پڑھانے والی ایک پر سی تھی جو کہ جادو کے زور سے بہت سی ایسی نئی باتیں کر سکتی تھی جو حضرت شہر کے خیال کے مطابق قابل اعتراض تصور کیا جاسکتی ہیں علاوہ برہمن فقیر اکثر فاختہ پالتے ہیں اور اُسے پڑھاتے بھی ہیں اگر بغرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت شہر کا اعتراض صحیح ہو تب بھی اسکا الزام اُس شخص کے سر ہے جس نے قصہ کے واقعات کو ترتیب دیا ہے نہ کہ نسیم کے سر آخر میں یہ عرض کروں گا کہ کسی (نئی بات) کو قابل اعتراض قرار دینا واجب نہیں عام طور سے کہو تر اُسے جاتے ہیں مگر خلیل خان فاختہ اڑا گئے یہ (بالکل نئی بات ہے) نہ کہ جانتے یہ اعتراض (اساتذہ لکھنؤ) میں سے کن صاحب کی پرواز فکر کا نتیجہ ہے۔ مجھ کو تعجب ہے تو اسقدر کہ اس زمرے میں حضرت شہر نے گلزار نسیم کی اس حکایت پر کیوں نہ اعتراض کیا جس میں یہ لکھا ہے کہ ایک طائر نے اپنے صیاد سے جواب و سوال کیے یہ (بالکل نئی بات ہے) ۵

۵۲۳ مونا تو نہ تھا صلاح اُلجھنا دانائی تھی بات کا سمجھنا

اس شعر پر ایک بہت مختصر سا اعتراض ہے کہ (دانائی تھی) کتنا بڑا اور بھونڈا معلوم ہوتا ہے) جو کہ اس اعتراض کی زیادہ تشریح نہیں کی گئی ہے لہذا چند اشعار (اساتذہ لکھنؤ کے کلام سے لکھے جاتے ہیں جنکی بندش اس مصرع (دانائی تھی بات کا سمجھنا) کی بندش کے مطابق ہے

طلسم لغت مطلق

شب نہ تھی دو درآہ عاشق تھا جلوہ نورِ صبح صادق تھا

غمر بھر مضمون طلائی رنگ کے بندھے رہے آتش سرنوشت اپنی بھی نسیم تھا کوئی اکسیر کا
 مسجد سے میکرے میں مجھے نشہ لگیا صبح شراب جادہ تھی راہ صواب کا
 وادیے امین میں تھی برق بجلی بیجا اب ایریٹائی حیرت موسے تھی پردہ جلوہ دیدار کا
 اب اس عام بندش کو کس طرح بھونڈا کہتے۔ میں نے گلزار نسیم کے دیباچے میں یہ خود تسلیم کر لیا ہے
 کہ نسیم سے بھی اکثر تناسب لفظی لطافت کے ساتھ نہیں بچ سکا ہے اور مثلاً دو تین شعر بھی لکھ دیے
 ہیں لیکن حضرت شرر نے غالباً اعتراضات کی تعداد بڑھانے کے لیے اس قسم کے شعر بھی اپنے مضمون
 کے ہن جمنیں آپ کے نزدیک نسیم سے تناسب لفظی اچھی طرح نہیں بچ سکا ہے مگر جن اشعار پر
 آپ نے اس پہلو سے اعتراض کیے ہیں وہ ایسے اعتراضات سے بری ہیں اب اس رنگ کے
 اعتراضات ملاحظہ ہوں

۱۳۳ داغاً تپے تنگ سے وہ چھوٹے قید فرنگ سے وہ
 اعتراض ہے کہ (تنگ کی چال سے انسان کی چال کو کیا علاقہ ہے) اول تو میں عرض
 کروں گا کہ (تنگ چلنے) سے گولی کا چلنا مراد لیا جاتا ہے۔ لہذا انسان کی چال کو تیزی کے
 لحاظ سے گولی کی (چال) سے تشبیہ دی ہے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ (تنگ چلنا) گولی کے
 چلنے کے معنوں میں نہیں استعمال کیا جاتا تب بھی حضرت شرر کے اعتراض کا جادو چلنا نہیں
 نظر آتا ذرا دوسری الفاظ کو اس طرح استعمال کرنا جس طرح نسیم نے اس شعر میں (چلے) کو نظم کیا ہے
 نزاکت شاعرانہ میں داخل ہے اور شعراے لکھنؤ نے اس قسم کے تکلفات کو بہت رواج
 دیا ہے چند مثالیں درج ذیل ہیں آتش سے

ایسی وحشت نہیں دل کو کہ بھل جاؤں گا صورتِ پیر بہن تنگ نکل جاؤں گا
 ظاہر ہے کہ پیر بہن نے بھل جانے سے آدمی کے بھل جانے کو منطقی طور پر کوئی علاقہ نہیں ہے۔ مگر
 شاعر سی میں ایسا کرنا جائز ہے اس رنگ کی اور مثالیں بھی ہدیہ ناظرین ہیں وزیر سے
 ضعف ہے جا بھنگی کیا غن کی چشیں اڑ کر آستین کا ہو تیری کو س اٹھیں منزل قاتل

ساتی ہو ہے عشق کسی خانہ جنگ کا مانگوں گامیکشی کو پیالہ تنگ کا
(حضرت شہر کہیں گے گامیکشی کے پیالہ سے اور تنگ کے پیالہ سے کیا علاقہ) قلق سے
اسکی تلواریں کے رومال کا بھابھا تو نہیں آپ شمشیر کی تاثیر جو عیار میں ہے
ایسا کاٹا ہے خار مرگان کا وزن کر لیتا ہے زر جان کا
دور ہوتا روح طائر سے کثافت جسم کی زند گھاٹ پر اسکی سروہی کے نہنا چاہیے
۵۵ وہ پور بنی کر کے جو گیا بھیس جنگے کی راہ سے چلا دیس
اعترض ہے کہ سب راستے چھوڑ کر تاج الملوک جنگے کی راہ چھوڑ گیا کہ مصنف گزاریں کو
اس لفظ کی ضرورت تھی) حضرت شہر نے اس مقام پر بھی سیاق کلام سے چشم پوشی کی ہے۔ یہ شعر
اس موقع کا ہے کہ جبکہ تاج الملوک گل لیکو وطن کی طرف کشتی پر چلا ہے اور جب (وطن کے متصل)
گیا ہے تو اس مقام پر یہ صورت پیش آئی ہے

سوچا کہ میں خود ہوں خانہ برباد کیا جائیے کیا پڑیگی اُفتاد
لازم ہے گلی اپنے ہاتھ رکھے موقع نہیں بھیس ساتھ رکھے
لنگر کا کیا انھیں اشارا خود کشتی سے کر گیا کنار
وہ پور بنی کر کے جو گیا بھیس جنگے کی راہ سے چلا دیس

اس سلسلے میں آخری شعر کے پڑھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ تاج الملوک کو بھیس ساتھ
رکھنا منظور نہ تھی اسلئے وہ دریائی راہ چھوڑ کر فیر ونگے لباس میں جنگل کے راستے سے وطن کی طرف
چلا۔ نیز وہ بھیس بدل کر چلا تھا اور یہ نہیں چاہتا تھا کہ اسے کوئی بچا نے اسلئے وہ بھی شاہراہ سے
کنارہ کشتی کر کے جنگلوں میں ہوتا جاو وطن کی طرف سدھارا ہے

۵۶ نقش اسکو ہوا کہ بس وہی ہے ان سادوں سے کندہ کب ہوئی ہو
اس شعر پر دو اعتراض ہیں اولیٰ یہ کہ (اسکے دل پر نقش ہوا) (کے بدلے) نقش اسکو ہوا
کنا کوئی مہنی نہیں رکھتا اس زلمنے کے لحاظ سے حضرت شہر کا اعتراض بہت بجا ہے

لیکن نسیم کے وقت عین یہ اختصار جائز سمجھا جاتا تھا شیخ ماسخ فرماتے ہیں ۷
سارے نقشے سامنے لکھو گئے ہیں نقش بین نقش و نگار لکھو

(یعنی دل پر نقش بین ہمارے) - دوسرا اعتراض حضرت شہر نے (سادون پر جڑا ہے
آپ فرماتے ہیں) (اصل تو سادہ مزاج) (سادہ لوح) ہے (سادے آدمی) اور سارے
لوگ بھی سہمی) مگر محض (سادون کا) لفظ تو ٹھیک نہیں معلوم ہوتا اس اعتراض کے لئے
وہی جواب ہے جو اس کے بیشتر کے اعتراض کے لئے لکھا گیا ہے اور دوسرا سنداً پیش ہیں
ترک کرو اتامے عشق سادہ روناسخ زاہر بے دین بھی کتنا سادہ ہے
(یعنی سادہ لوح ہے یا سادہ آدمی ہے) جان صاحب ۷

کتنے سادہ ہو کہ میں بھوکا لعل منگوادون تھیں دو چار سرخ

جس زلمے میں (محض سادہ) سادہ لوح کے بدلے بولا جاتا تھا تو اسکی جمع سادون بھی ضرور
فصیح سمجھی جاتی ہوگی ۷

۷۲ دیوؤں نے ادھر محل بنایا کشتی سے وہ دختِ رز کو لایا
اعتراض ہے کہ نسیم نے عمود کو (بغیر خیال کیے) دختِ رز کھدیا اور یہ یاد نہیں رہا کہ
دختِ رز شراب کو کتے ہیں۔

حضرت شہر کا غائبانہ خیال ہے کہ (دختِ رز) سے کوئی مشوقہ عورت مراد لینا
جائز نہیں ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے آتش کا شعروے ۷

دختِ رز میری مونس ہے میری ہمد ہے میں جاںگیر ہوں یہ نورِ جانِ بگم ہے
یا تعلق کتے ہیں ۷

لبالب بادہ گل رنگ سے دل کا پیالہ ہے وہ میکش ہوں کہ میں نے دختِ رز کو گھر میں لایا
ظاہر ہے کہ نہ آتش محض (شراب کو) نورِ جانِ بگم کہہ سکتے تھے نہ قلق یہ کہہ سکتے تھے کہ (میں نے)
شراب کو گھر میں ڈالا ہے لیکن (دختِ رز) نورِ جانِ بگم بن سکتی ہے۔ تو محمود کیوں نہیں

بن سکتی اور چونکہ مجھ کو اکتی پڑھتی اور کشتی دخت ز سے بھی خاص تعلق رکھتی ہو اس لیے تشبیہ اور پختہ ہو گئی۔ جس شخص کو شعرو سخن کا کچھ بھی مذاق ہو وہ اس قسم کی شاعرانہ نزاکتیں بخوبی سمجھ سکتا ہو۔

۲۸ وہ گندم جو ناخقی بالی - حضرت شکر اس مصرع کی نسبت فرماتے ہیں کہ (درعایت لفظی نے زعمون کی مٹی خراب کی ہے) میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مصرع میں کیا عیب ہے بہتر ہوگا اگر حضرت موصوف کسی آئندہ موقع پر اسے اس مختصر گزنا موزون اعتراض کی تشریح فرمائیں ۲۹ فوادہ تو کم خندانہ باقی - اس شعر کی نسبت حضرت شکر نہایت حیرت سے فرماتے ہیں کہ بھلا فحش و ابتدال کی کوئی حد ہے) جس طرح حضرت شکر نے نگار نسیم کی زبان پر بحث کرتے ہوئے تمام قدیم محاوروں کو جو کہ اب متروک ہو گئے ہیں غلط کہنے میں کلفت نہیں کیا ہے اس طرح اس موقع پر تنقید سخن کے اس اصول اولین سے بے خبری ظاہر کی ہے کہ کسی شاعر کے کلام کے اخلاقی پہلو پر اس زمانے کی تہذیب کا معیار پیش نظر رکھ کر بحث کرنی چاہیے۔ جس زمانے میں کہ وہ شاعر پیدا ہوا تھا۔ نسیم کے زمانے میں ان فحش محاوروں کا نظم کرنا ناروا نہیں سمجھا جاتا تھا جب کہ زبان پر لانا اب خلاف تہذیب سمجھا جاتا ہے چونکہ شاعر کلام کے زمانے کی تہذیب کا آئینہ ہوتا ہے۔ اس لیے نگار نسیم بھی فحش کے کانٹوں سے پاک نہیں ہے۔ نسیم اس حالت میں ضرور قصور وار تھے جبکہ ان کے کلام میں فحش محاورے ملتے اور ان کے معاصرین کا کلام ایسے محاوروں سے پاک ہوتا مگر ایسا نہیں اس زمانے کے اکثر شعرا کے کلام میں فحش محاورے موجود ہیں ۳۰

۳۰ باہم زن و مرد مے کیا سیل دریا سے ملا وہ قطرہ زن سیل
 اعتراض ہے کہ (بیان سیل کے معنی ہی کچھ نہیں باقی رہے) غالباً حضرت شکر (قطرہ زن) کے معنی (قطرہ بار) سمجھے ہیں جبھی آپ فرماتے ہیں کہ (بیان سیل کے کچھ معنی باقی نہیں رہے) مگر ایسا نہیں ہو (قطرہ زن) فارسی کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کے معنی (دشتابندہ) کے ہیں۔ بیان قطرہ زن سیل سے (دشتابندہ سیل) مراد ہے جو کسی صورت میں

بے سنی نہیں ہے (قطرہ زن) کے معنوں کی نسبت حضرت شر کوئی لفت لکھا اپنا اطمینان کر سکتے ہیں ۵

۱۳۵ غرت میں وطن کی دہن سمائی اس فل کو باد ہنس د آئی
اعتراض ہے کہ (فیل سے تشبیہ صرف ہند کی ضرورت سے دی گئی ہے۔ مگر کس قدر برا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت شر کا اس مصرع کی نسبت کچھ ہی خیال کیوں نہ ہو مگر اسکو قبول عام کی سند نہ ہوئی بل چکی ہے۔ یہ مصرع ضرب المثل مونیہ ہے کس میں کو باد ہنس د آئی۔
۱۳۶ خواہش جولانی جان ہوئی وہ ہلکا ہوا وہ گراں ہوئی وہ
اعتراض ہے کہ خیر کا ولی تو چونکہ آدمی پتھر کی ہو گئی تھی اسلئے گراں ہوئی مگر ایسی حالت میں کج الملک صاحب کیونکر ہلکے ہوئے۔ خوب ہے کہ حضرت شر لکھنؤ کے اس معمولی محاورے سے واقفیت نہیں رکھتے کہ (ہلکا ہونا) ذلیل ہونے کے معنوں میں بولا جاتا ہے نسیم نے (ہلکا ہوا) سے یہ مراد لی ہے کہ وہ بھری مغل میں ذلیل ہوا اور شعراے اردو نے بھی یہ محاورہ نظم کیا ہے۔ قلق ۵

بتیابی اذت نے کیا ہے شبک ایسا خاطر بہ گراں یار کی نظروں میں ہوں ہلکا
جان صاحب کی دو گانہ بیجائی کیا کون جانصا کر دیا ہلکا مجھے نبھلی بوا کے سامنے
حضرت شر اس شعر میں (گراں ہوئی) کے معنی بھی غلط سمجھے ہیں (گراں ہوئی) کے معنی اس مقام پر یہ ہیں کہ بکا ولی اہل مغل کی طبیعت پر گراں ہوئی۔ حضرت شر یہی فرماتے ہیں کہ دگلار نسیم کے بہت سے اشار میں افعال کا استعمال ایسی بری طرح سے ہوا ہے کہ جو نہ لکھنؤ والوں کے نزدیک جائز ہو وہی ان کے نزدیک اس اعتراض کی تائید میں حضرت مصحف اس نسیم کے مصرعے پیش کرتے ہیں
ع خاتم کے نگین بتائے ہوتے۔ (خاتم کے نگین انھوں نے بتائے ہوتے)
زیا خاتم کے نگین کو بتایا ہوتا) ع حیلہ کر کے چھپائی یکجہ (دبائے) اسکو چھپایا،
ع اس شب کو نبل میں آ کے جاگا دینی اس رات جب وہ اٹتی تب جاگا۔

رع بیداری کا وہ ماہ پیکر (یعنی اس ماہ پیکر کو بیدار کیا وغیرہ وغیرہ - بیشک آجکل جو زبان کا
 رنگ ہے اسکے لحاظ سے افعال کا استعمال اس صورت پر غیر فصیح معلوم ہوتا ہے - لیکن نسیم کے
 معاصرین کے کلام میں اس قسم کی ترکیبیں عام نظر آتی ہیں ذیل کی مثالیں ملاحظہ ہوں تا سچ سے
 کیا اتحاد ہے کس وہ پیٹا جو گھٹا کر مدفن میں ہو گیا ہے ہمارا بدن سفید
 دینے اُس نے اپنے تئیں بیٹا کے بدلے وہ بیٹا استعمال ہوا ہے) ناخ سے
 کیون نہ وہ نوجوان برسات میں مگن لہاں پیر گردن تک شفق کا لال جڑا چاہیے
 (یعنی پیر گردن تک کو شفق کا المیہ ناخ سے
 گھر میں ترے پاس سے جاتا ہوں اب تو سیکھا ہے میرے ڈھنگ آئندہ
 دینے ابتو آئندہ نے میرے ڈھنگ سیکھے ہیں) ناخ سے
 بوسہ مانگا میں نے وہ بوسے گھر سے نکل جو کہ سال ہو وہ دروازے کے باہر چاہیے
 (یعنی اس کو دروازے کے باہر جونا چاہیے - آتش سے
 جوش دشت میں جلی زندہ ہے راز دہ کو کان بھسکو خدا حافظ پکار کر کہا - آتش سے
 دینی کو کان بھسکو خدا حافظ پکار کر کہا - آتش سے
 باغ عالم میں جی سیری دعا ہے روز شب خار خار عشق گل رُخسار توڑا چاہیے
 (خار خار عشق گل رُخسار کو توڑا چاہیے - آتش سے
 ہو گیا ہے ایک مدت سے دل نالاں شمشیر باغ میں جا کر اسے بلبل سنانا چاہیے
 اسے فتمہ بلبل سنانا چاہیے - رند سے
 حاضر اگر ہے دکو تو غائب ہے رات کو غمزہ یہ کس حسین سے سیکھا ہے آفتاب
 (یعنی آفتاب نے یہ غمزہ کس حسین سے سیکھا ہے) رند سے
 رند ہجرت میں ہوئے ہر تنگ اپنے اللہ کو پکار تے ہیں
 (یعنی ہم نے اپنے اللہ کو پکارا ہے -

دریائے نقوش (واجد علی شاہ)

پایانہ گروہ ماہ طلعت پوشیدہ رہا برنگ نکلت

(یعنی اس ماہ طلعت کو پایا یا نہ دیکھا۔ ویسے ہی ہے جیسے کہ بیدار کیا وہ ماہ سیکر قلعہ خواہش جو تیرے یا راجہ سے بھی کچھ بے شمار بعد فنا میرا غمبار ڈھونڈ پھرا کھلی گلی (یعنی اُسے ڈھونڈ پھرا کھلی گلی)۔ اُس زمانہ میں نظم کے علاوہ نثر میں بھی افعال کا استعمال اس صورت پر جائز سمجھا جاتا تھا۔ فناء عجائب سے ذیل کا اقتباس تینا درج ہے (دو لٹھانے سہرا سے لپیٹ دو لٹھن گو دین اٹھائی الم (یعنی لٹھن کو گو دین اٹھایا) حضرت شرر نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ شرر گربہ کے عیب سے بھی یہ مثنوی خالی نہیں اور اس اعتراض کی تائید میں ایک شعر پیش کیا ہے جو کہ ذیل ہے۔

۳۳ ہے یا کہ نہیں خطا متھاری شرماے کیا سزا متھاری

افسوس ہے کہ حضرت شرر اس شعر کی نزاکت کو نہیں سمجھے ورنہ یہ اعتراض نہ کرتے۔ یہ شعر اس موقع پر کہ جبکہ بکا ولی تاج الملوک پر اپنے غصہ کا اظہار کر رہی ہو اور یہ سب پر رو ہے کہ بوقت کوئی شخص عالم غیظ میں کسیکو خطاب کرتا ہے تو وہ بہ نہیں سوچتا کہ میری تقریر اسوقت (شرر گربہ) کے عیب سے پاک رہے وہ کبھی (تم) کہتا ہے کبھی طنز (آپ) کہتا ہے خیال ہے اس شعر میں نسیم نے بکا ولی کے غصے کی تصویر کھینچی ہے اور وہ کبھی (تم) کہتی ہے کبھی طنز (فرمائیے) کہتی ہے الفاظ سے اس قسم کی مصوری کرنا کمال شاعری میں داخل ہے۔ اگر اس شاعرانہ نزاکت کے خیال کو بالائے طاق رکھ کر اس شعر کو محض ایک لٹھے کبتی کی نگاہ سے دیکھیں تب بھی حضرت شرر کا اعتراض بجا نظر آتا ہے کیونکہ تو فارسی شعرا نے (شرر گربہ) سے پرہیز کیا ہے نہ قدیم اساتذہ اُردو نے محض طبقہ حال کے شعرا (شرر گربہ) کو ناجائز قرار دیا ہے۔ نسیم کے معاصرین کے کلام میں (شرر گربہ) کی پچاسون شاہین مل سکتی ہیں طوالت مضمون کے خیال سے ہر شاعر کے کلام سے دو ایک مثالیں دینے پر اکتفا کیا گیا۔

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل مارا حافظ بخل ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را
بسترت گمہ سرمہ عالم بسر مخروشد ۱۱
نہ توان بردو آئے تو بردون از سرا
ہر لباس آگاہ ہے ز بندہ آتش جاہ زبسی کے بادشاہ ہو تم
تمتغریب خانہ میں آئے نہ آکر روز فرمایے تو شب کو کیس وقت آؤں میں
ہیں جان لب ہوں گلا کا ٹوٹا گلے سے ملو ناخ جو اس میں آپ کو منظور ہو وہ جھٹ پٹ ہو
باتھ سے رند کو کھوتے ہو عبث رند کہیں ایسا نہو پھٹائے آپ
آپ کو کچھ نہیں خیال اپنا قلق دیکھو کیئے میں تو حال اپنا
تیز دستی کی پائے گاسزا قلق شاست آجائگی تمھاری بجا
شکل دکھلاؤ گریا کے لئے ذیل ۱۲۰ بام پر آؤ را خدا کے لئے ۱۲۱
پڑی ہیں سرین جو میں اب کسی نرج جو چہ نورا ہارا جان صاحب مانی مان میں سرڈا لونگا دو تھوڑا بکھو یا را
اس اعتراض کے بعد حضرت تشریف فرماتے ہیں کہ دو ایک جگہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا سے چھپنے
میں غلطی ہو گئی ہے اور وہ اب تک جلی آتی ہو مگر جبک بست نے ان غلطیوں کی طرف بھی توجہ
نہیں کی۔ اس دعویٰ کی تائید میں آپ ذیل کے دو شعر پیش کرتے ہیں۔
۵۳ ہر کو کو دیا یہ لطف و اکرام آتے آرام جاتے پیغام
۵۴ دیکھا تو تمام دشت گلزار دائیں بائیں دورستہ بازار
پہلے شعر کی نسبت آپ فرماتے ہیں کہ صاف ظاہر ہے کہ پیغام کی جگہ انعام کا لفظ کیوں ہوا ہے
سرا میں جو مسافر ٹھہرتے ہیں انکو سرا کا مالک کسی قسم کا پیغام تو دے سکتا ہے مگر وہ انعام کیوں دینے لگا
لہذا اچھا ہوتا کہ اس اعتراض کی تشریح کر دیجاتی۔ دوسرے شعر کی نسبت تحریر ہے کہ (دورستہ)
کی جگہ (دورستہ) ہو گا ممکن ہے کہ اہل عرفان اس اصلاح کا منشا سمجھ لیں۔ میرا فہم تو اس
تصرف کا مطلب سمجھنے میں قاصر ہے شاید حضرت تشریف فرما یہ خیال ہو کہ دورستہ لکھنا یاد دہلی کا
محاورہ نہیں اس شبہ کے مٹانے کے لئے دو شعر مثیلاً درج ذیل ہیں ۵۵

طسم الف (مسن)

سب دوکانین دورستہ ہوں نگین
 جس سے افزون ہو شہر کی تزیین
 گھر سے نوشتہ کے نامکان عروس
 یوں دورستہ تھے جھاڑ اور فائوس
 دورستہ جو روشن چراغان مجھے میر حسن
 پتنگے خوشی سے غزل خوان ہے

مضمون کے آخری حصے میں حضرت شہر کا شب قلم بالکل بے قابو ہو گیا ہے مینا نیچہ بلاوجہ آپ نے اکثر ذاتی حیلے بھر کیے ہیں۔ مثلاً متعدد جگہ آپ نے مجھے تصرف بجا کا لازم ٹھہرایا ہے اور اس رنگ کے فقرے لکھے ہیں کہ وہ ہاں سے دوست نے بہت سی اور نئی غلطیاں پیدا کر دیں۔ وہ اہل زبان سے پوچھیں کہ اس اصلاح سے شعر بنایا گیا اس اصلاح نے شعر کی مٹی خراب کر دی۔ وہ غرض اس اصلاح میں بھی ناکھچی سے فتویٰ برنظم ہوا ہے۔ وہ بے تکلفی کو خاک میں ملانے کے بعد شعر کو کیا غارت کر دیا، وہ افسوس ان اصلاحوں نے فتویٰ کو کیسے گھرے اور بڑے زخم لگے ہیں اور جس بنیاد پر آپ نے ان ہوائی تیروں کا نشانا بنانا چاہا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ (شہر چک بست صاحب نے اس نئے ایڈیشن کو خود مصنف صاحب کے اصلی ایڈیشن (یعنی وہ ایڈیشن جو نسیم کی زندگی میں مطبع حسینی میں ۱۳۳۷ء شائع ہوا تھا) کے مطابق درست کر کے شائع کیا ہے میں نے اسکا اندازہ کرنے کے لیے مطبع نامی کی ۱۹۰۳ء کی چھپی ہوئی گلزار نسیم منگوئی اور اس سے مقابلہ کر کے دیکھا واقعی تحقیق اور تنقید کے معنی میں میں کہتا ہوں کہ اگر حضرت شہر اور کسی مطبع کی چھپی ہوئی فتویٰ سے اس نئے ایڈیشن کا مقابلہ کرنے تو ان کو بہت سی اُردو اصلاحیں اور تصرفات ملجائے۔ خیر جو کہ حضرت شہر نے نسیم نسبت تحریر فرمایا ہے اسکا ترکیب کی جواب دینا میں تہذیب صنمون نگاری کے خلاف سمجھتا ہوں میرا جواب صرف اس قدر ہے ع بدعہ گفتی و عمر سندم عفاک اللہ کو گفتی۔ جن اشعار میں حضرت شہر کو تصرف بجا کا شک پیدا ہوا ہے ان میں سے اکثر میں واقعی کتابت کی غلطیاں جو ہیں۔

۱۔ جس حالت میں کہ حضرت شہر نے ایک نقطہ یا نوشتے کے گٹھائے یا ٹرہ جانے کو تصرف بجا قرار دیا ہے ۱۲

غلط

صحیح

بولی وہ جمیلہ بھر کر دین کیا
پوچھتے ہی جگ ان کا ٹوٹا
جننی تھی ہمیشہ دست اس کو
قاصد نے رخ پر سی دکھایا
قسمت سے مضرب اب نہ مان
صیاد تھی لائی پھانس کر صید
چلیے گا تو ساتھ میں بلا عذر

بولی وہ جمیلہ بھر کر دین کیا
پوچھتے ہی جگ ان کا ٹوٹا
جننی تھی ہمیشہ دست اس کو
قاصد نے جو رخ پر سی دکھایا
قسمت سے مضرب اب نہ مان
صیاد دنی لائی پھانس کر صید
چلیے گا تو ساتھ میں بلا عذر

(ان مصرعوں کے علاوہ اور جن اشعار پر حضرت شرر کو (اصلاح) (یا تصرف) کا شک ہوا ہے وہ اسی حالت پر ہیں جس حالت میں کہ وہ اصلی ایڈیشن میں پائے گئے تھے۔ ان میں ایک لفظ کا تغیر یا تبدل نہیں کیا گیا ہے۔ میں نے اصلی ایڈیشن پر اگر کہیں تصرف کیا ہے تو صرف اس قدر کہ یلے معروف کے بدلے بھول یا اکثر یا بے بھول کے بدلے بے خوف بنادیا ہے کیونکہ پڑانے زمانے کے کاتب یا بے معروف اور یلے بھول کا فرق نہیں مانتے تھے۔ نامی پریس کی مثنوی کو جس شخص نے ترتیب دیا ہے اُس نے اکثر قدیم محاوروں کے بدلے اس زمانے کے محاورے لکھ دیے ہیں غالباً اسی بنا پر حضرت شرر فرماتے ہیں کہ (بازاری پریس نے مثنوی کو بگاڑا نہیں بلکہ بنادیا) میری رائے میں اس قسم کا تصرف کرنا طالبانِ فنِ زبان کے حق میں ظلم کرنا ہے چاہے عامیانہ مذاق کے لوگ

۱۵ متعلق صفحہ ۱۱۳۔ اس حالت میں آپ سے یہ امید نہیں ہو سکتی کہ آپ کسی لفظی تغیر کو کتابت کی غلطی تسلیم کریں۔ لیکن کاتب کے یہاں غلطی کرنا کوئی (نئی بات نہیں ہے) حضرت شرر کے اسی اعتراضات اُسے مضمون میں گلاز نسیم کا ایک مصرع اس طرح چھپا ہے ع داغا تو پتہ تنگ سے وہ۔ جمل و نصیب اشارہ تو یہی ہے کہ میں بھی کون کہ حضرت شرر نے (تو) بڑا کر لیا بھی ہے (مصرع کی بد تلفظی اور سادگی کو جان میں ملا ہے) کیا نامزدوں کو دیا لیکن عقل سلیم کہتی ہے کہ یہ کاتب کی غلطی نہ کہ مضمون نگار کی۔ مراد اس سے یہ ہے کہ ایسی کتابت میں غلطی ہو جانا (فاخر کے بڑھنے) کی طرح نامکن نہیں۔ ۱۲

ایسے تصرفات کو پسند کریں کیونکہ انکی نظر وسیع نہیں ہوتی ہے مگر نفاذ ان سخن جانتے ہیں کہ تیرے
 فرض یہ ہے کہ وہ کسی تجنیہ دار معافی کی چھوڑی ہوئی امانت میں کسی طرح کی خیانت نہ کرے
 آخر میں حضرت تشریف لے مضمون کی نسبت فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کو یقیناً یہ تحریر ناگوار گذرے گی اور میں
 بھی خراب سے چاہتا ہوں کہ انھیں سخت ناگوار گذرے کیونکہ اسی صورت میں وہ شاید زیادہ جوش سے جواب لکھیں گے چھوڑ
 انیسویں سے کہنا پڑتا ہے کہ علمی مباحثوں میں ایسے جوش بجا کا اظہار جسکے حضرت تشریف طالب ہیں اصل کو ضبط
 کر دیتا ہے اور صرف سخن پروری پر آمادہ کر دیتا ہے۔ اگر حضرت تشریف مضمون کے جواب لکھنے
 میں کوئی صاحب اس قسم کا جوش صرف کرینگے کہ جس سے کہ مضمون مذکور کا ایک ایک حرف
 معمور ہے تو سوائے اسکے کہ انصاف کا خون ہوا اور کچھ نہ حاصل ہوگا۔ نقاد سخن کا فرض یہ ہے
 کہ وہ اس بات کے لیے دست بدعا نہ رہے کہ دوسروں کو اُسکی تحریر ناگوار گذرے بلکہ اس بات کی
 کوشش کرے کہ اسکے مخالف اسکے دلائل پورے طور سے سمجھ جائیں۔

برج نرائن چک بست لکھنؤمی۔

از اوّل پنج جلد ۲۹ - نمبر ۳۳ مطبوعہ ۱۴ اگست ۱۹۵۵ء

۱۔ گلزار نسیم

(جواب اعتراضات شرارہ ہڈن برج نرائن چک بست)

گذشتہ اپریل کے دہکدازین جو اعتراضات حضرت شاعر نے گلزار نسیم پر شائع کیے تھے ان کا جواب اردو سے سیدین لکھ دیا گیا تھا۔ لیکن اردو سے معنے کے وقت پر نہ شائع ہونے سے اکثر تجلیل پسند طبقوں کو مختلف افواہیں اُڑانے کا موقع ملا۔ ہندوستان مناسب معلوم ہوا کہ اس مرتبہ ۱۱ مئی ۱۹۵۵ء کے دہکدازین جو تازہ اعتراضات حضرت شرر کے نام سے شائع ہوئے ہیں انکا جواب اردو پنج میں دیا جائے۔ اور جو اعتراض پیش کر کے گئے تھے انکی نسبت کسی اخبار نے یہ لکھ دیا کہ (جو اعتراضات شرر نے کئے ہیں گو موجودہ زمانہ نہیں انکا حرف حرف صحیح ہے مگر جس زمانے میں نسیم تھے اُسوقت کی زبان اور طرز کلام سمجھتے ہوئے ہم نسیم کی کوئی خطا نہیں دیکھتے اسکی تردید میں حضرت شاعر تحریر فرماتے ہیں کہ نسیم کو اتنا زمانہ نہیں گذرا کہ انکی طرف سے ایسی عذر داری جائز سمجھی جائے۔ زہر عشق۔ بہار عشق۔ اور طلسم الفت انھیں کے زمانے کی یا اُنسے پہلے کی شہوانیہ ہیں اور وزیر۔ زند۔ صبا۔ اور ظیل وغیرہ کا جو دور تھا اُس کے آخر میں شخص نسیم ہیں) مجھ کو حیرت ہے کہ حضرت شاعر نے تاریخی واقعات کی ترتیب بدلنے کی جرات کس طرح فرمائی۔ ابھی ایسے کہن سال بزرگ زندہ ہیں جو آتش۔ تابخ۔ زند۔ صبا۔ نسیم وغیرہ کی آنکھیں دیکھے ہوئے ہیں اور جبکہ سامنے اُن اساتذہ کامل فن نے وفات پائی حضرت شاعر اُنسے اس امر کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ نسیم۔ زند۔ صبا۔ وزیر۔ ظیل۔ وغیرہ کے دور کے آخری یادگاروں میں نہ تھے بلکہ اس دور کے اولین شعرا میں سے تھے۔ زند۔ صبا۔

و غیرہ تو درکنار نسیم کا انتقال آتش کے سامنے ہوا ہے اس دعویٰ کی تائید میں ان تمام شعر کی تاریخ نمائے وفات ذیل میں درج ہیں جن سے کہ اصل حقیقت آئینہ ہو جاتی ہے۔
(تاریخ وفات نسیم مصنفہ عاشق لکھنؤی)

ع کشیدہ آہ و گفتمہ - نسیم باغ جناب -
(تاریخ وفات آتش مصنفہ اسیر لکھنؤی)
دل از مرگ آتش بوز نکش زغم تا و الف خود را سہ ساخت
ز آتش یافتہ تاریخ آتش پیش از دامن شین نقطہ اندخت
(تاریخ وفات خواجہ وزیر)

سحر آریخ رطش این گفت ولس خواجہ وزیر عالی قدر
(تاریخ وفات صبا مصنفہ سحر لکھنؤی)

بحر ازین مصرع جانور گل سال مید چمن ہستی ہو جو صبا شد بر باد
علاوہ برین صبا کے ذیل کے شعر سے ثابت ہوتا ہے کہ نسیم انکے سامنے اس دار فانی سے
رحلت کر گئے تھے۔

اٹھ گئے ہیں نسیم جس دن سے اے صبا وہ ہولے باغ نہیں
زندگی کوئی تاریخ وفات دستیاب نہ ہو سکی لیکن انکے ایک شعر سے ثابت ہوتا ہے
کہ آتش نے انکے بیشتر وفات پائی وہ شعر یہ ہے۔
صحبت شعر و سخن ہو گئی برہم زند بعد آتش نہ نظر ایک بھی اُستاد آیا
اور یہ امر طے شدہ ہے کہ نسیم آتش کے سامنے مر گئے تھے۔ لہذا زند نے بھی
انکے بعد ہی وفات پائی۔ حلیہ کی بھی کوئی تاریخ وفات نہ ملی لیکن کچھ سال بزرگوں سے
دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ نسیم اُن سے پہلے اس دنیا سے اٹھ گئے تھے۔ ان تاریخ
شہاد توں پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شہر کا دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے۔

برعکس اسکے قدامت کے لحاظ سے مذکورہ بالا شعرا کے نام ذیل کی صورت پر ترتیب دیے جاسکتے ہیں۔

| | | |
|----------|---------|---------------|
| سال وفات | ۴۰ ۱۲ ھ | زند و خلیل |
| // | ۴۳ ۱۲ ھ | بھی نسیم کے |
| // | ۷۰ ۱۲ ھ | بعد وفات بابی |
| // | ۷۳ ۱۲ ھ | |

اب ان تاریخی واقعات سے چشم پوشی کر کے کہنا کہ وزیر زند - صبا - خلیل وغیرہ کا جو دور تھا اسکے آخری شخص نسیم ہیں (انصاف کی آنکھوں میں خاک ڈالنا ہے۔
نیز حضرت شہر کا یہ دعویٰ کہ زہر عشق بہار عشق اور طلسم الفت انھیں کے (یعنی نسیم) زمانے کی یا ان سے پہلے کی متوایان ہیں) بالکل خلاف واقعات ہو۔ گلزار نسیم کے آخرین نسیم کی کسی ہوئی تاریخ تصنیف موجود ہے۔

این نامہ کہ خامہ کرد بنیاد
گلزار نسیم نام بنیاد
بشنید و نوید با تفتہ داد
توقیع قبول روز شش باد
طلسم الفت کی لوح پر لکھا ہوا ہے کہ مثنوی طلسم الفت اسکا تاریخی نام ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گلزار نسیم کے بارہ برس بعد مثنوی طلسم الفت تصنیف کی گئی یا یوں کہئے کہ مثنوی گلزار نسیم محمد علی شاہ کے ابتدائے دور میں تصنیف ہوئی ہے اور طلسم الفت واجد علی شاہ کے زمانے میں لکھی گئی ہے زہر عشق - بہار عشق - لذت عشق - وغیرہ حکیم نواب مرزا شوق یادگار ہیں - یہ متوایان بھی واجد علی شاہ کے زمانے میں تصنیف ہوئی ہیں کیونکہ ان میں اکثر مقامات پر واجد علی شاہ کا حوالہ دیا گیا ہے بہار عشق میں ایک شعر ہے
نہ سمجھنا کہ کوئی اور ہے یہ
شاہ واجد علی کا دور ہے یہ

۱۷۱۱ھ میں مولانا اثر توہار برس ادھر کی عرب کی تاریخ جانتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ہندوستان میں جین سے پردہ اٹا کر لکھنؤ کی بجائے برہمنوں کی تاریخ جانتے اور انشاء اللہ سے الفوخ کے آدھے مستحق کے کا دعویٰ کہ مثنوی عاقلانہ اور قیادہ مردوان خیر کن ہے ۱۳

لذت عشق کے آخرین یہ شعر موجود ہے ۷

دعا پر ہوئی ختم یہ مثنوی سلامت رہے شاہ واجد علی
پس ثابت ہوا کہ نواب مرزا شوق کا شمار گلزار نسیم کے بیشتر کی تصانیف میں نہیں ہو سکتا
کیونکہ غالباً حضرت شہر کو اس سے انکار نہ ہو گا کہ واجد علی شاہ کی سلطنت کا زمانہ محمد علی شاہ
بعد از ایل ہے۔ جھکے سخت افسوس ہے کہ علمی مباحثوں میں اس قسم کے ناجائز تاریخی تصرفات سے
کام لیا جاتا ہے مکن ہے کہ کم استعداد اور جاہل لوگوں پر یہ تدبیر کارگر ہو جائے۔ لیکن غنیم
اور سنخین سنج حضرت جنھوں نے گلزار نسیم کے علاوہ اور شعرا کا کلام بھی پڑھا ہے اور جو اردو شاعری
کی تاریخ سے واقف ہیں وہ مانا کہ اس خاص موقع پر مصلحتاً زبان سے کچھ نہ کہیں مگر ایسے تصرفات
وقت کی نگاہ سے نہ دیکھیں گے۔

آخر میں میں حضرت شہر سے بعد ادب پوچھتا ہوں کہ جن حالات میں آپ اپنا عقیدہ
ظاہر کر چکے ہیں کہ دکن کی فوج کی بات نہیں ہے کہ اگر آتش نے اس دہشت کی بنیاد پر جو انھیں عمر
شاگرد سے قطعی اسی کی خرابی سے یا اس کی مشق اولین دیکھ کے اس مثنوی کو تفسیر طبع کے طور پر
کہا ہو۔ پھر اس میں متعدد لغو شبہیں دیکھ کے اسے بجا لے اپنے اسی کی طرف منسوب کر دیا ہو (دگدگان
بابت ماہ مارچ ۱۹۷۷ء) آپ کس طرح فرماتے ہیں کہ گلزار نسیم کی زبان بہت پرانی زبان نہیں ہے
کیونکہ اس کا مصنف وزیر۔ تند۔ جہا۔ اور حلیل وغیرہ کے دور کا آخری شخص ہے۔ اس سے
یہ طعن کیا ہے کہ آتش اپنے شاگردوں کے دور کے آخری شخص ہیں بتر ہوتا کہ حضرت شہر قبل
اعراضات پیش کرنے کے ان متضاد بیانات کی تشریح فرما دیتے۔

۷ اودھ پرچ۔ یہ کہاں سے اپنے فرض کر لیا کہ مولانا شہر کو انکار نہ گا جس طرح کہ مولانا کے پاس ایک جانا صاحب کا
پڑانا لکھا ہوا دیوان موجود ہے جس میں گل کی جگہ یہ محل لکھا ہوا ہے مکن ہے اس طرح مولانا کے پاس کوئی پرانی
لکھی ہوئی تاریخ اودھ موجود ہو جو میں یہ لکھا ہو کہ محمد علی شاہ کا دور واجد علی شاہ کے بعد آیا ہمارا مبن غالب ہے کہ
مولانا کے پاس ایسی تاریخ ضرور ہے اور اسی کی بنیاد پر یہ لکھا گیا کہ نسیم لکھنوی تند۔ جہا کے دور کے آخری شاعر تھے ۱۲

خاص اعتراضات ملاحظہ ہوں -

ع جس گل کی ہوا لگی تھی لائے۔

اعتراض ہے کہ (شوق تھا) باہوں تھی کے غسل پر ہوا لگی تھی غلط محاورہ ہے ہوا لگنا اس شعر میں طبیعت پر اثر پڑنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس مصرع کا مطلب یہ ہے کہ جس گل کا انکی طبیعت پر اثر پڑا تھا وہ لے آئی یہ محاورہ اس موقع پر اس طرح استعمال ہوا ہے جیسا کہ اکثر کہا جاتا ہے کہ آب کو بھی کرسی کی ہوا لگ گئی۔ جبکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ کیا ابکی طبیعت پر بھی کرسی کی آب و ہوا کا اثر پڑا ہے۔

ع لازم ہے گل اپنے ہاتھ رکھئے۔

اعتراض ہے کہ (اپنے ہاتھ میں رکھئے ہونا چاہئے تھا) اس محل پر لفظ (دین) کو حذف کر دینا ناجائز ہے۔ حضرت شرر اس مصرعے کے یہی معنی میں سمجھے (ہاتھ رکھئے) سے مراد نہیں ہے کہ گل اپنی مٹھی میں رکھئے بیان (ہاتھ) استعارۃً (اختیار کے) معنوں میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ ذیل کے اشعار میں تعلق ہے

جسے نقشِ دم نہیں پایا عملِ دستِ غیبِ ہاتھ آیا
طلسمِ نفثِ وزیر ہے

ابو ہے منہ کا بر سنا اپنے ہاتھ استنہین ابر دریا بار بہن

کیا کون کا اگر اُس بتے کہا محشر میں داغِ داوِ شر ترے ہاتھ ہے عت میری
اور (ہاتھ) جب اس صورت پر (اختیار) کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے تو لے سکے بعد (دین) لانا ناجائز سمجھا جاتا ہے۔ حضرت شرر سے اس موقع پر میری یہ استدعا ہے کہ اگر آپ پھر کبھی کسی محاورہ پر اعتراض فرمائیں تو اس صورت پر آپ اس محاورے کا استعمال جائز سمجھتے ہوں اسکی تشریح کے لئے کسی استاد کا شعر بھی سنا دوں گا کہ دین۔ ورنہ فیضِ مولِ بحث سے کنارہ کشی کجائے گی۔
ع معروض کیا کہ باشہنشاہ

اعترض ہے کہ (معروض کیا) غلط ہے عرض کیا، چاہیے - اس میں محاورہ ہی نہیں غلط ہے بلکہ نحو و صرف کی جاہلانہ غلطی ہے (معروض نمودن) فارسی کا محاورہ ہے نسیم نے اپنے محاورے کا ترجمہ کر دیا ہے۔ اور نگ زیب اپنے رقعات میں لکھتا ہے۔ دران مقام بخشان عظام احوال نور فرزان منصب معروض نمودہ حکم عرض مکرر و نظر ثانی حاصل میگردد (الخ) مجھ کو حیرت ہے کہ حضرت شہر کے قلم سے ایسا اعتراض کس طرح نکلا جس سے فارسی کے معمولی محاوروں سے عدم واقفیت ظہار ہوتا ہے۔ میں اسکو تجاہل عارفانہ کہوں گا افسوس ہے تو صرف اس قدر کہ نسیم کی بدولت حضرت شہر نے اور نگ زیب کی روح کو بھی صدمہ پہنچایا کیونکہ حضرت شہر کے کلمیہ کے مطابق (معروض نمودن) لکھنا صرف و نحو کی جاہلانہ غلطی ہے۔

ع دیکھ آج بچے دہل نہ ہوئے

اعتراض ہے کہ (ڈر نہ ہوئے) کی جگہ دہل نہ ہوئے خدا جانے کہاں کی زبان ہے اہل لکھنؤ تو نہ بولتے تھے نہ بولتے ہیں

یہ اعتراض بالکل بے عمل ہے حضرت شہر کو اس سے تو انکار نہ ہو گا کہ (دہل) خوف کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ پھر اگر نسیم نے خوف کی جگہ (دہل) استعمال کیا تو کیا گناہ کیا۔ محض اس بنا پر (دہل) ہونے کو غلط ٹھہرا یا کہ اہل لکھنؤ کے روزمرہ کی بول چال سے اسے تعلق نہیں ہے کوئی معنی نہیں لکھتا بقول منشی امیر احمد صاحب مینائی متعدد لغات ایسے ہیں جو صرف عوام

۱۵ اردو سے منسلک (جولائی ۱۹۰۵ء) میں جویر (ضمون حضرت شہر کے اعتراضات کے جواب میں شائع ہوا ہے اس میں متعدد مثالیں یہ ثابت کرنے کے لئے لکھ دی گئی ہیں کہ نسیم کے زمانے میں فارسی محاوروں کا لفظی ترجمہ ناجائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مثلاً رمد نے دوش واد (دوش) کا ترجمہ دوش دینا کر دیا ہے حالانکہ اردو میں کا نہ حادینا کہتے ہیں ۱۲

۱۶ اودھ پنچ۔ اڈیسر مستور العرفان کے لئے (تجاہل عارفانہ) بھی کہا خوب ۱۲

خیال ادا کرنے میں مستقل ہیں اور روزمرہ کی بول چال سے انکو چندان تعلق نہیں ہو (امیراللغات

حصہ اول صفحہ ۵ دفعہ)

مثلاً آتش - ٹھوکرین کھائی ہیں جو ہم نے تو کین عشق تہیں + آب ہو چا جو یہ آزار تھیں کھینچتے
(آزار کھینچتے) کو روزمرہ کی بول چال سے تعلق نہیں ہے - عام طور پر صدمہ اٹھانا یا ایدہ کھینچنا
ہو سکتے ہیں آزار کھینچنا اہل لکھنؤ نہ بولتے تھے نہ بولتے ہیں - واضح ہے

نہ کھایا تھا کبھی خون جگر ہم نے مگر کھایا نہ پایا تھا کبھی آزار اُلفت میں مگر پایا
آزار پانا اہل دہلی نہ بولتے تھے نہ بولتے ہیں - اسکے بے رمصیت اٹھانا اذیت پانا عموماً
زبانوں پر جاری ہے - اصل قسم کی سیکڑوں مثالیں یہاں لکھی جاسکتی ہیں مگر طوالت مضمون مانع ہے -
مع قاصد سے کلام لطیف بولا -

اعترض ہے کہ (کلام بولنا - صاحب لوگوں کے ہیر اور خانساں لوگوں کی زبان ہے)
اگر حضرت شہر ذرا بھی غور و فکر سے کام لیتے تو آپ کو نسیم کی شانیں ایسے کلمے زبان پر لانے کی
ضرورت نہوتی (کلام بولنا) کلام گفتن کا ترجمہ ہے اور کون کلمہ گو نہیں جانتا کہ کلام گفتن فارسی کا
محاورہ ہے قدیم زمانے میں اکثر محاورے ایسے استعمال ہوتے تھے جو کہ اب ہیر اور خانساں
استعمال کرتے ہیں مثلاً قلی طلسم اُلفت میں کہتے ہیں

تکنت کو نہ کام فرماؤ اک نظر مڑ کے دیکھتے جاؤ
اب کوئی اہل زبان کام فرمائے نہ کہے گا لیکن ہیر اور خانساں اپنے (صاحب سے)
بہ اکثر ایسا کہتے ہیں - یہ بھی کار فرمودن کا ترجمہ ہے - یا ایک مقام پر طلسم اُلفت میں یل کا
شعر ہے کہ -

بولی گھبراؤ نا سجدہ میں گے ہم صفائی تمہاری کر دیں گے
(اب گھبراؤ نا) کوئی نہیں بولتا اہل زبان اسکے بے نہ گھبراؤ کہیں گے - لیکن تعلق پر آجکل کی
زبان کے لحاظ سے اعترض کرنا حماقت ہے -

۱۵ ع ہوش اس کے ہوا ہوئے کہہ تو
اعترض ہے کہ (کہہ تو) فارسی کے گویا کا ترجمہ ہے..... چنانچہ شوقی میر حسن
میں بھی جا بجا موجود ہے۔ مگر ناخ و آتش کے وقت سے یہ الفاظ مسزوک ہیں اور نسیم کے لئے
انکا موزون کرنا ہرگز جائز نہ تھا)
(اس منہج پر بھی حضرت شکر کا عتاب نسیم مرحوم پر پہلے ہے نواب مرزا شوق اپنی شوقی نسیم
بہ لذت عشق میں کہتے ہیں ۱۵

امیر وں کی پیچھے سواری چلی کے تو کہ بادبہاری چلی
مصفا وہ نہرا میں اک یحیٰی کے تو کہ ہے موجزن سلسیل
غالباً حضرت شکر کو اس سے انکار نہ ہو گا کہ (لذت عشق) کا اور میر حسن کی شوقی کا زمانہ
تصنیف ایک نہیں ہے اور نواب مرزا شوق مرحوم آتش و نسیم کے دور کے بعد کے شعرا میں ہیں
۱۵ ع مشہور ہے ضد انس و جانی۔

اعترض ہے کہ (ضد انس و جان) کی جگہ پر (ضد انس و جانی) جاہل کے سوا
بڑھے کچھے کی زبان سے نہ نکلا گا (بیشک اس نے ملنے میں کسی ٹپسے کچھے کی زبان سے
(ضد انس و جانی) نہ نکلا گا۔ لیکن نسیم کے دور کے شعرا اس قسم کے تصرفات جائز
سمجھتے تھے طلسم الفت میں قلق کہتے ہیں ۱۵

اک طرف خیمہ حباب استاد فرخس قالمین موج حبیب ملو
جبکہ یہ آسمان نے کی بیدلو گھاٹ پر تھے جواہل شہر استاد

۱۵ اودھ منہج۔ یہ آپنے کس طرح فرض کر لیا کہ حضرت شکر کو اس سے انکار نہ ہو گا حضرت شکر تو لٹے چلتے ہیں
جس طرح یہ لکھ دیا گیا کہ رند و صبا و زریز کے دور کے آخری شخص نسیم تھے اسی روش پر یہ ثابت کر دیا جائے گا
کہ لغت عشق میر حسن کی شوقی کے قبل تصنیف ہوئی ہے اور نواب مرزا شوق آتش و ناخ کے دور کے اولین
شخص تھے غالباً سالہ التورخ میں یہ سب باتیں ثابت کر دی جائیں ۱۶۔

یا قریب عشق میں نواب مرزا شوق لکھتے ہیں ۵
 دیکھ یہ آدمی سے میں نے کہا نام گھر پوچھ لے کہاری کا
 یا آتش کتے ہیں ع در در مان سے المضاف ہوا ع کوئی نہیں چھوڑتا حلوہ بے دودھ
 اس زمانہ میں (استادہ) بے استاد (نام و نشان) بے نام و گھر (المضاف کے بے)
 المضاف حلوہ بے دودھ کے بے حلوہ بے دودھ (جاہل کے سوا کسی ٹیپے
 لکھنے کی زبان سے نہ نکلے گا۔ لیکن اگر اس زمانے کے لحاظ سے کوئی شخص آتش فشاں
 اور شوق کو جاہل مطلق قرار دے تو اسکی عقل کا خدا ہی حافظ ہے۔

۵۵ ع مشتاق کو خوش خبر سنائی۔
 حضرت شرفرمانے کہ بھلا کوئی بھی (خوش خبری) کی جگہ (خوش خبر) کہہ سکتا ہے۔ شاید
 کہا جائے کہ (خوش خبر) خبر خوش کی ترکیب مقلوب ہے مگر یہ اردو میں اس سے بدتر ہے
 کوئی خوشخبری کی جگہ۔ خوش خبر کہے یا نہ کہے مگر حافظ نے کہا ہے۔ جیسا کہ اس کے
 ذیل کے شعر سے ثابت ہے ۵

مردہ لے دل کہ دگر باد صبا باز آمد پُر خوش خبر از طرفِ صبا باز آمد
 اس شعر میں (خوش خبر) کے معنی (خوشخبری) اور مردہ کے ہیں جسکو استعاراً تاجہ کہہ سکتا
 اب رہا یہ دعویٰ کہ ترکیب مقلوب کا استعمال اردو میں بدترین افعال میں سے ہے اسکا جواب
 استادہ زبان اردو کے اشعار ذیل زبان حال سے دے رہے ہیں۔

ہجر کی شب کی مصیبت کس طرح تحریر ہو آتش جمع کر سکتا نہیں کوئی پریشان خواب کو
 یعنی خواب پریشان کو ناخ ۵

لپٹیں گے آگے حال میں ہم صوفیوں کی طرح بیٹھے ہیں کہ جبہ نرم میں مطرب پسر سے دو
 یعنی پسر مطرب سے دور ناخ ۵

مرا عنا غزال اگر لحد پر جا نہیں سکتا کہ ہے گلِ دام کا عالم بیان پھونکنی چادر میں

(غزال رعنہ کے بدلے رعنہ غزال اور دام گل کے عوض گل دام ملاحظہ ہو) قلق طلسم لُفت سے
 یہ تو کیا دخل ہے کہ عذر کریں کیئے تو سب غلامی خط لکھ دین
 دل نگاروں کو چھڑتے ہو عبث دوست زخم اُدھیڑتے ہو عبث
 (خط غلامی) کے بدلے غلامی خط اور زخم دوختے کے عوض دوختہ زخم ملاحظہ ہو
 ۹۹ وان جوڑا چست و تنگ بدلا یان جوڑے کے ٹھہکار رنگ بدلا
 اعتراض ہے کہ اگر دوسرے مصرع میں جوڑے کے عوض (مادہ) کا لفظ استعمال کیا جاتا
 تو میں خیال کرتا ہوں کہ زیادہ فصیح ہوتا)

اس اعتراض کی نسبت میں صرف اس قدر عرض کروں گا کہ اس موقع پر نسیم نے میر حسن کی تقلید
 کی ہے اردو کی پہلی اعلیٰ اور مقبول عام مثنوی سحرالبیان میں بدرنیر کی رقیب یوں بے نظیر سے
 کہتی ہے یہ

تجھے سیر کو میں نے گھوڑا دیا کہ اُس مالزادی کو جوڑا دیا
 حضرت شرر کے اصول کے مطابق میر حسن کے اس شعر میں (جوڑے) کے بدلے (نر) زیادہ
 فصیح معلوم ہوگا
 ۱۰۰ ع دیکھا تو وہ دونوں کرتے تھے خواب

اعتراض ہے کہ (خواب کر دن) فارسی کا محاورہ ہے۔ اردو میں سونے کے محل پر
 (خواب کرنا) کہنا غلط ہے اور اگر اس میں کسی صاحب کو عذر ہو تو ناخج۔ و آتش کے زلزلے
 اس وقت تک کسی مستند شخص کے کلام سے نبوت پیش کریں۔ بلکہ عذر ہے (خواب کرنا)
 اردو کا محاورہ ضرور ہے دو شعر مثلاً درج ذیل ہیں آتش سے
 انتظار ملک الموت میں بیدار ہوں میں بخت خستہ کو مرے خواب گراں کرنے دو
 گرین شوق سے آج اس جاوہر خواہ میں خطا کا لکھو نگا اُسے خود جواب

۱۰۱ اودھ پنچ - حضرت شرر نے اعتراض تو بڑے زور و نین کیا تھا۔ مگر ادھر برآمد ۱۲ -

اب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت شرر کے نزدیک آتش و شوق (مستند شخص) ہیں کہ نہیں
 ۱۵ ع اُس نقش مراد کو جگایا - (یعنی بکاؤلی کو)

اعتراف ہے کہ جب اسی (یعنی بکاؤلی کو) نقش مراد دیا تھا تو فعل بھی اسکے مناسب
 لاتے - حالانکہ جگایا صرف جادو جاتا ہے - نقش نہیں جگایا جاتا اگر بغرض محال یہ مان بھی لیا جائے
 کہ نقش جگانا) اُردو کا محاورہ نہیں ہے - تب بھی حضرت شرر کا اعتراف کوئی معنی نہیں رکھتا اس وضع کے
 شعر اُردو شعر کی تصانیف میں بہت مل جائیگے - مثلاً قلع طلسم افت میں شہزادی کی طرف
 اشارہ کر کے فرماتے ہیں ۵ کہ یہ سرورِ یاض رعنائی + بارغ سے کوئی گل کھلا لائی + چونکہ
 تمام شعراے اُردو فارسی نے سر و کوبے گل و فخر قرار دیا ہے - لہذا حضرت شرر کے کہنے کے
 مطابق قلع نے جب شہزادی کو سر و قرار دیا تھا تو فعل بھی اُسکے مناسب لاتے - سر و کے لیے
 گل کھلانا، بالکل خلاف واقعات ہے - مگر حضرت شرر کا کلیہ صحیح نہیں ہے قلع کا شعر قابلِ اعتراض ہے
 نہ نسیم کا سوانح مضمون کے لحاظ سے صرف ایک مثال دینے پر اکتفا کیا - ورنہ متعدد سندین
 پیش کی جاسکتی تھیں (نقش مراد) پر کیا مختصر ہے نسیم اگر یہ کہتے ع اُس ماہ کو خواب سے جگایا
 تب بھی غلط نہوتا - لیکن چونکہ جادو جگایا جاتا ہے اور نقش کو جادو سے ایک خاص تعلق ہے - لہذا شعر
 میں ایک خاص لطافت پیدا ہو گئی جس شخص کو شعر و سخن سے مذاق ہے وہ شعر کی نزاکت اور خوبی
 بخوبی سمجھ سکتا ہے -

۱۶ ع وہ نقش و فاعل میں پائی -

اعتراف ہے کہ (چاہیے تو یوں تھا) کہ اس نقش و فاعل میں پایا) لیکن خیر اگر خلاف محاورہ
 زبان اختیار کی تھی تو تذکر و تائید کا لحاظ رکھتے - بکاؤلی کو قرار دیا نقش اور پھر اُسکے ساتھ فرماتے ہیں
 (پائی) زبان کو یہ کس قدر ناگوار گذرتا ہے) اس اعتراف کے پہلے حصے کا جواب اُردوئے معلیٰ

۱۷ اور پہنچ ہرگز نہیں (مستند شخص) وہی جو تو انھیں بند کر کے لکھتے کہ حضرت شرر کے اعتراضات کسی کے اٹھانے نہیں
 اٹھ سکتے اور جو اسکے خلاف کہے وہ شملہ ۱۲ ۱۷ غالباً حضرت شرر کا مطلب کا وزن سے ہے ۱۲ -

(جولائی ۱۹۵۷ء) بن دیدیا گیا ہے، یعنی جس صورت پر نعل کا استعمال میں مصرع میں ہوا ہے وہ نسیم کے وقت میں جائز تھا۔ اس موقع پر بھی چند مثالیں درج ہیں۔ آتش ۵
تھامسے روہرو پھیکا رخ شمس و قمر دیکھا وہ نان بے نمک پایا یہ شیر بے شکر دیکھا
اس شعر کے دوسرے مصرع میں وہ نان بے نمک پایا سے مراد یہ ہے کہ (اسکو نان
بے نمک پایا۔ واجد علی شاہ دریلے تشق ۵

پایا نہ مگر وہ ماہ طلعت پشیدہ رہا برنگ نکمت

(یعنی اُس ماہ طلعت کو نہ پایا) رجب علی سرور (فنائن عجائب) دو لھانے سہل سر سے
لیٹ دھن گودین اٹھائی (یعنی دھن کو گودین اٹھایا) اسطرح اور مثالیں دی جا سکتی ہیں
اس مصرع پر دوسرا اعتراض ہے کہ (نقش) کے ساتھ پائی استعمال کرنا ناجائز ہے۔ اسکی
نسبت پھر میں عرض کر دینگا کہ جس شخص نے نسیم کے علاوہ کسی اور شاعر کا کلام بھی پڑھا ہے
وہ ایسا اعتراض کرے گا اس قسم کی ترکیب اردو میں عام ہے۔ چند مثالیں طلسم الفت سے
سننا درج ذیل ہیں ۵ بولیں سب جو ہیں اتری وخورشید نکل آیا کہیں سے نوزخ رشید حضرت سرور
کے قول کے مطابق (خورشید) کے ساتھ (اتری) استعمال کرنا زبان کو ناگوار گذرتا ہے ۵

کہ وہ سرور یا ضعیفائی باغ سے کوئی گل کھلا لائی
(حضرت شہر کہیں کے کہ شہزادی کو قرار تو دیا سرور) اور پھر اسکے ساتھ فرماتے ہیں گل کھلا
لائی (زبان کو یہ کس قدر ناگوار گذرتا ہے) ۵

فرصت وقت وہ قمر باکر گودین ٹھٹی اسکی اٹھلا کر
(قمر) کے لئے (بھٹی) لائحہ ہو)

۳۵ ع شطے سے زیادہ پاک دامان -

اعتراض ہے کہ (بکاؤلی) راجہ اندکی محفل میں جل چکنے کے بعد پھر زندہ ہوئی اور
ناچنے کو کھڑی ہوئی۔ تو چونکہ کثافت سے پاک و صاف ہو گئی تھی۔ لہذا اسکی تعریف کرتے ہیں

(شعاع سے زیادہ پاک دامان) بھلا یہ پاک دامانی کا کون محل تھا۔ کتنا چاہیے بھٹا پاک و صاف اور کہ گئے (پاک دامان) کتنا مقبول تصرف شاعرانہ ہے۔

اس اعتراض سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اس مصرع کی لطافت تو درکنار حضرت شاعر اس کا مطلب بھی نہ سمجھ سکے ورنہ ایسا اعتراض نفرت سے بکاؤلی کی (کثافت) اخلاقی کثافت تھی یعنی اس کا دامن ایک غیر جنس کی صحبت سے آلودہ ہو گیا تھا۔ وہ اس لیے جلایا گئی کہ اسے نہ وجود میں اگر پیشتر کی سی پاک دامان ہو جائے جیسا کہ راجہ اندر کے حکم سے ظاہر ہے ۵

ہو آتی ہے آدمی کی یحباؤ ناپاک ہے آگ اسے دکھا لاؤ اگر محض حسبان کی کثافت دور کرنا مقصود ہوتا تو محض پانی سے غسل کافی تھا اور اس موقع پر (پاک صفا) کتنا درست ہوتا۔ مگر جو واقعات نسیم نے نظم کیے ہیں ان کے مطابق (پاک دامان) ہی کتنا مناسب تھا اس موقع پر یہ لکھنا بھی مناسب ہے کہ شعاع کو شعر نے (پاک دامن) قرار دیا ہے کسی فارسی استاد کا مشہور شعر ہے ۵

عبث دعای خون پروانہ بر شعلہ ہمید ارد چو از آلاش کن دامنش را پاک می بیند
۵ ع معمول سے پھر نرم ہوئی جج -

اعتراض ہے کہ (حسب معمول یا معمول کے موافق کی جگہ) معمول سے) نسیم کی ان فصاحتوں میں سے ہے جسے سارا لکھنؤ محرم ہے

اس اعتراض کی نسبت میں صرف اس قدر عرض کروں گا کہ اگر قلم لکھنوی کی زبان لکھنوی کی زبان ہے تو حضرت شاعر کو اس اعتراض کی نسبت پھر کچھ تحریر نہ فرمانا چاہیے۔ طلسم اُفت کا شعر ہے ۵
ساتھ اس آفتاب کو لیکر آئی معمول سے سہری پر

اگر محض ابلہ فریبی مد نظر ہو تو اس قسم کے اعتراضات سے کوئی غماہ فائدہ نہیں معلوم ہوتا۔
۵ ع جام اس نے بھی رکھا پیالے -

۵ اودھ بنج - اور یہ اعتراض کتنا مقبول ہے ۱۲ -

حضرت شہر فرماتے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا خوب رعایت تو تھی ہے مگر یہ بکا دلی ہے
یا تاج الملوک کے گھر میں کوئی گوارا نہ لگسکی ہے (مجھ کو تو گوارا نہ کی زبان کی شناخت نہیں مگر
اس قدر جانتا ہوں کہ (دپیا) کا لفظ اہل لکھنؤ کی زبان پر بھی جاری ہے۔۔۔ سبیلے پیا جا عالم۔
شاہ عالم پیا دہلی کا مشہور فقرہ ہے۔ علاوہ برین۔ بکا دلی نے یہ لفظ خلوت کے موقع پر
خلات کی گفتگو کے سلسلے میں استعمال کیا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اختلاط کی گفتگو میں زیادہ نصفا
و بلاغت سے کام نہیں لیا جاتا ہے بلکہ اصلی جذبات دلی کا اظہار پر جوش الفاظ میں کیا جاتا ہے
یہ حالت تو غیر مستثنیٰ حالتوں میں سے ہے بے تکلفی کے اور موقعوں پر بھی اس قسم کے الفاظ
استعمال کئے جاتے ہیں مثلاً طلسم نفث میں ایک ایسے موقع پر قلق نے شہزادی اور اسکی
سہیلی کی گفتگو کی تصویر یوں کھینچی ہے

مسکرا کر وہ حور غم سے انگلی چمکا کے بولی ٹھینکے سے

غالباً ٹھینکے سے عربی یا فارسی کا حاورہ نہیں ہے اور نہ لکھنؤ کی شریف نادیاں عام طور پر ایسے
الفاظ زبان پر لاتی ہیں۔ یہ حاورہ خاص کر (گنوارون) کی زبان سے سنا جاتا ہے علاوہ برین
میر حسن دسمر البیان سے مسافر سے کرتا ہے کوئی بھی بیت + شل ہے کہ جوگی ہوئے کے کے میت
واجہ علی شاہ (دریائے عشق) ہم ہم تینوں تھاری جیر مان ہیں + بن لہون خریدی لونڈیاں ہیں
قلق (طلسم نفث) وہ بھی جب راضی ہو تو کر دینا + حسب خواہش اسے بھی بردینا
قلق ایضاً آپ نے اچھے گھر دیا مجھ کو + خوب بر ڈھونڈ کر دیا مجھ کو
قلق دیوان سے گل شمع کا جو مکے گلزار انجمن میں + ببل ابھی جنم لے پر دانے کے برن میں
نواب مزار شوق (لذت عشق)۔ علاوہ برین اور اسے خوش سیر + نصیبوں سے ملنے پایا یہ بر

لے اور مچ۔ واہ سلطان شہزادہ آپ نے اپنی زبان خوب پچانی ۱۲ لے اور مچ خلوت کے موقع پر حضرت
شہر نے (پیا) کی گرفت خوب کی ۱۲۔

۱۶ ع کھ میں نکمیں کیا ب لیکر چھڑ کا نمک ان حراحتوں پر
حضرت شرفرہماتے ہیں دکھ اگر باد چٹخا نہ سے خاض ضرورت کے لئے نمک منگوایا تھا تو
کیا ب کیوں ہاتھ میں لئے۔ کیا یہ بھی کوئی ٹوٹکا تھا۔ اگر انھیں کیا بون کا نمک تھا تو چھڑ کا کیونکر
گو کہ اس اعتراض کا سنجیدگی کے ساتھ جواب دینا سخن فہم حضرات کی توہین کرنا ہے لیکن حضرت
شرفرہماتے جو کہ اس شعر کے معنی سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ لہذا اس غلطی کا رفع کرنا ضرور ہے۔ حضرت
شرفرہماتے کو غالباً معلوم ہو گا کہ (زخون پر نمک چھڑکنا) اُردو کا مشہور محاورہ ہے۔ جو کہ رنج و تکلیف
انہما کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے پس اس شعر کا مطلب ہے کہ تاج الملوک نے اپنے نبی مہتممین
کیا ب لیکر اپنی تکلیف اور بڑھائی (نمک چھڑکنا) اس شعر کے دوسرے مصرع میں استعمال
کیا گیا ہے۔ اسچہ کہ تکلیف و غم کی وجہ سے تھی اور (نمک سے) امین زیادتی ہوئی لہذا اس
خاص موقع پر اس محاورے کی لطافت و بالا ہو گئی ہے یہاں ماورچی خانے کا خیال بے محل ہے

۱۷ ع بہو بچا اس بنم میں سمان پر۔
اعتراض ہے کہ (اگر سمان یہاں وقت کے معنوں میں ہے تو مخالف محاورہ ہے اور اگر یہ مطلب
اگر جہوت سمان بندھا ہوا تھا تو یہ خیال ان الفاظ میں ادا کرنا کہ سمان پر بہو بچنا بالکل غلط ہے
حضرت شرفرہماتے کا یہ اعتراض اس زمانے کے لحاظ سے درست ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں
عموماً سمان بندھا ہوا جاتا ہے اور (سمان) کا لفظ بجائے خود (کیفیت) کے معنوں میں نہیں
استعمال ہوتا ہے۔ مگر قدام کے کلام میں اس لفظ کا استعمال اس طرح پر جائز سمجھا جاتا تھا جیسا کہ
درج ذیل ہیں سیر سے

اے چرخِ مست حریف اندوہ بیکسان ہو کیا جانے منہ سے نکلے نائے کا کیا سمان ہو
یعنی نائے کی کیا کیفیت ہو۔ نواب مرزا شوق (لذت عشق) سے
سمان تو یہ تھا نور کا ہو رہا یہ شہزادہ منہ کھولے تھا سورما

۱۸ ع او دم پچ۔ شرفرہماتے اگر باد چٹخا نہ کا خیال کیا تو ع داغ ہیودہ بخت و خیال باطل بیت ۱۲

اب اس زمانے میں اگر کوئی اس شعر کے پہلے مصرع کے خیال کو ادا کر گیا تو وہ کہے گا کہ وہ باقی یہ نور کا
سمان بندھا ہوا تھا۔ مگر ذرا ب مرزا شوق نے (سمان) کیفیت کے منون میں الگ استعمال کیا ہے
اور پہلے مصرع کے معنی یہ ہیں کہ ایک نور کی کیفیت طاری تھی۔ صبا (منوی شکار گاہ) سے

کرم ہے یہ بندوں پہ اللہ کا زمانہ ہے واجد علی شاہ کا
سمان روز پر یونے گانے کا ہے سلیمان یہ اپنے زمانے کا ہے
سمان روز پر یونے گانے کا ہے۔ یعنی روز پر یون کے گانے کی کیفیت پیش نظر رہتی ہے
اس زمانے میں یہ خیال اس طرح ادا کیا جائیگا کہ روز پر یون کے گانے کا سمان بندھا رہا ہے
نسیم نے بھی سمان اسی صورت پر کیفیت کے منون میں استعمال کیا ہے۔ ع پر پوچھا انش میں تان
کے معنی یہ ہیں کہ اس بزم میں عین کیفیت کے موقع پر پوچھا۔

۱۵ دی آنکھ جوشہ نے رونائی چشمک سے نہ بھائیوں کو بھائی
اعتراض ہے کہ (کیا چیز نہ بھائی) بادشاہ کا رونائی میں آنکھ دینا تو پھر بھایا چاہیے
اس شعر کے صاف معنی تو یہ ہیں کہ (بادشاہ کی رونائی میں آنکھ دینی بھائیوں کو نہ بھائی) مگر
حضرت شہر کی اصلاح کے مطابق یہ شعریوں ہونا چاہیے ۱۵ دی آنکھ جوشہ نے رونائی +
چشمک سے نہ بھائیوں کو بھایا + اب اسکا فیصلہ سخن سنچ خود ہی کر لین کے کہ اصلاح کس پر یہ
کی ہے۔

چک بست لکھنوی

س

از او دھرنج جلد ۲۹ نمبر ۷۳ مطبوعہ ۱۳۷۱ - ستمبر ۱۹۵۰ء

گلزار نسیم

(از چک بست لکھنوی)

گلشن میں نکلے زمزمہ پردازان مری

دم بند ہو گیا ہے مر سے ہم صغیر کا

اتفاق یہ ایک دوست کی غایت سے یکم اگست ۱۹۵۰ء کا اتحاد تھا۔ یہ چک بست لکھنوی میں ہوا۔ اس نے اس لیے لکھا کہ میرا یہ خیال تھا کہ اتحاد کو ان جھگڑے کی باتوں سے کیا مطلب اتحاد تو ایک اخلاقی اور تمدنی مسئلہ ہے علمی مباحثوں سے اور اس سے کیا سروکار۔ لیکن یہ خیال غلط نکلا۔ خراب اطباء محل کو جھجڑا کر دے چند سطریں ملاحظہ ہوں جو کہ حضرت شری نے اتحاد میں اس بحث کے متعلق لکھی ہیں حضرت موصوف فرماتے ہیں۔

گلزار نسیم پر جو اعتراضات جولائی ۱۹۵۰ء کے دنگلزمین کے لکے گئے تھے انکا جواب سنئے ہیں کہ سٹر چک بست نے اپنے نام سے او دھرنج میں شان کرایا ہے۔ مگر ہم ایسے بازاری اور کم حقیقت پرچوں کی طرف خطاب کرنا خلاف شان خیال کرتے ہیں اگر وہ حقیقی جواب چاہتے ہیں تو کسی مذہب و با وقت پرہیز میں لکھیں۔

حضرت شری سکاٹس ارشاد کی نسبت چند باتیں دریافت طلب ہیں۔ اولاً یہ کہ حضرت شری میرے جوابات سے مطلب ہے نہ کہ او دھرنج سے اور اگر حضرت موصوف میرے مضمون کا (تحقیقی جواب) غایت فرماتے تو وہ میری طرف خطاب کرتے نہ کہ او دھرنج کی طرف او دھرنج تو

درکنار اگر مین واقعی کسی بازاری اور کم حقیقت پرچہ مین مثلاً کسی دوکان کے شہتار وغیرہ مین اپنا مضمون شائع کرتا تب بھی کوئی ایسا شخص جسے کچھ بھی عقل سلیم سے بہرہ ہے یہ کہنے کی جرأت نہ کرتا کہ چونکہ مضمون مذکور ایک کم وقعت پرچے مین شائع ہوا ہے لہذا اسکا جواب دینا خلاف شان ہے اگر کوئی بابت کسی مضمون کے جواب لکھنے مین باج ہو سکتی ہے تو وہ اُس خاص مضمون کی وقت و حقیقت ہے نہ کہ اس پرچے کی (حقیقت و وقت) جس مین کہ وہ مضمون شائع ہوا ہو اگر حضرت شرر یہ عذر پیش کریں کہ لکھنؤ نے او دھ پنچ سے اپنی نگاہ لطف و کرم پھیر لی ہے اس صورت مین وہ مضامین ان کی نظر سے کیونکر گذر سکتے ہیں جو کہ اُن مین شائع ہوئے ہیں اسکی نسبت مین یہ عرض کہ نگاہ جن حضرات سے آپ نے یہ سنا تھا کہ میرا مضمون او دھ پنچ مین شائع ہوا ہے اُن سے آپ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ وہ حضرات آپکی خدمت مین صرف اس قدر حوصلہ او دھ پنچ کا لے آئیں جس مین کہ اعتراضات کا جواب درج ہے۔ اور اگر زیادہ احتیاط منظور تھی تو آپ اس خاص حصہ کی نقل طلب کر سکتے تھے لفظہ حضرت شرر کا عذر ایسا عذر ہے جسکی معقولیت تسلیم کر سنے مین تامل ہوتا ہے۔ اور مین کیا جسکی نظر سے یہ چند سطرین گذر سکیں وہ یہی خیال کر لیا کہ عذر تو یہ تھا ہے۔ حضرت شرر کا اصل مشاویہ ہے کہ (عام پہلک) (آپ کے تحقیقی جواب) کے فیض سے محروم رہے۔

میرا وہ سرسوال حضرت شرر سے یہ ہے کہ او دھ پنچ کس لیے بازاری اور کم حقیقت پرچہ ہے اور کب سے یہ ایسا (بے وقت) ہو گیا کہ اسکی طرف خطاب کرنا خلاف شان ہے ظاہر ہے کہ اخبار کی وقت کا اندازہ اُسکے مضامین سے ہوتا ہے او دھ پنچ کو جیسے نامہ نگار نے اسنے کمال مین داغ لگانا آفتاب پر خاک ڈالنا ہے۔ مرزا نسیم ظریف پنڈت تر بھون ناتھ ہجر۔ احمد علی کسمٹوی وغیرہ کے نام سے کون واقف نہیں ہے۔ اسد اسد کیسے ظریف و نکوٹہ پنچ و سخن فم و سخندان حضرات تھے ع ترس ہی مین بہ آنکھیں محال ہے دیدار۔

یہ جنت نصیب بزرگ اسی او دھ پنچ ہی کے مضمون نگار تھے جسے حضرت شرر بازاری نے او دھ پنچ ہم تو یہ ہرگز نہ مانیں گے۔ غیر وہ غمایت ہو جیت کی نظر بھی پرکھتے جاتے ہیں کنکھیر نے او دھ پنچ ۱۲

اور کم حقیقت پرچے کے نام سے یاد فرماتے ہیں یا اب بھی اودھ پنچ کے ستونِ عظیم احمد علیضہ شوق و سید اکبر حسین صاحب۔ اکبر اور دوسرے بالکمال حضرات زندہ ہیں جنکی ذات پر اردو کے ادب کو فخر ہے۔ انہیں سے اکثر حضرات کی شہرت کا آفتاب اودھ پنچ ہی کے افق سے طلوع ہوا ہے اور اب تک اودھ پنچ کو ان پر ناز ہے اور انہیں اودھ پنچ پر خود اڈیٹر صاحب اودھ پنچ کے کمال کی نسبت میں کچھ عرض نہ کروں گا محض اسلئے کہ عسب آباد بار خاطر ہو کسی طبع گرامی کا آج کون اخبار یا رسالہ ہے جسکو ایسے بالکمال نمونہ نگار ملے ہوں کہ جیسا شمار ملک کے اعلیٰ لکھنے والوں میں ہوا ہو اور جسکے زور قلم کے طفیل سے ایک نئی قسم کا لٹریچر پیدا ہو گیا ہو۔ میرے لکھنے کی ضرورت نہیں برجن شناس اور منصف مزاج شخص جانتا ہے کہ اردو زبان کبھی اودھ پنچ کے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

اودھ پنچ کی وقت کا اندازہ تو محض اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اسکا سکہ تقریباً تیس برس سے اخباری دنیا میں جاری ہے حضرت شریو خود ایک کہنے شوق اڈیٹر ہیں اور مختلف رنگ کے رسالے اور اخبار نکال چکے ہیں۔ آپ سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کہ بغیر کسی اعلیٰ جوہر کے کوئی پرچہ تیس برس تک نہیں قائم رہ سکتا اخبار یا رسالے بدلیاقت اڈیٹر و نگے زیر ہتھام شائع ہوئے اور جنکی اشاعت میں محض ذاتی نفع کا خیال دامنگیر نہ ہو وہ دو تین برس سے زیادہ نہ چل سکے اور آخر کار ان پر جو کئے بدلے اُنکے اڈیٹر و نگے کی زبان پر سبک کی ناقدرانی کے شکوے جاری رہے۔ مگر یہ شکوے کوئی معنی نہیں رکھتے زمانہ ایک زبردست محک حق و باطل ہے یہ اسی شے کی مدد کرتا ہے جس میں کوئی جوہر عالی موجود ہے اور اُس شے کو فنا کر دیتا ہے جو کہ ایسے جوہر سے خالی ہو اودھ پنچ میں اگر کوئی خاص جوہر نہ ہوتا تو وہ اس عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتا تھا اور جہاں تک میں خیال کر سکتا ہوں دو تین ماہ بیشتر تو حضرت شریو بھی اسکی وقت کے قائل تھے دگدگاز جب مکر جاری ہوا تو اودھ پنچ کی خدمت میں تبادلہ کی غرض سے حاضر ہوتا رہا حضرت شریو نے ہڈب) انکا لا اس سے بھی اودھ پنچ سے تبادلہ ہوتا رہا اگر اودھ پنچ بازاری اور کم حقیقت

پہچہ تھا تو کم سے کم مذهب سے اسکا تبادلہ موزوں نہ تھا مذهب کے بند ہونے پر حضرت شرع نے درپردہ عصمت کا لا پر دہ عصمت مرحوم کو خدائے اسکالین بھی خریدار تھا اسمین اودھ پنچ اکثر خفا طیب کیا جاتا تھا اور تو اور ابھی تین ماہ کا عرصہ ہوا کہ جون سن ۱۸۵۷ء کے دگلڈ ازین صفحہ ۵۱- پر اودھ پنچ مخاطب کیا گیا تھا خدا جانے دفعۃً یہ کیا بلانا نازل ہوئی کہ اودھ پنچ ایسا باور اور کم حقیقت پر چہ ہو گیا کہ حضرت شرع اس مضمون کا پڑھنا خلاف شان سمجھتے ہیں جو کہ اس میں شائع ہوا ہو بیشک اگر اودھ پنچ سے اس عرصہ میں کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہوا ہے تو وہ یہ ہے کہ اس نے ایک ہندو شاعر لکھنؤی کی تائید اور حضرت شرع کی تردید میں پر نور مضامین لکھے ہیں اور اس کے قدیمی دوست احمد علی صاحب ستوق نے بھی اس گناہ سے اپنا دامن اکودہ کیا ہے۔ حضرت شرع کے نزدیک یہ گناہ اس قابل نہیں ہے کہ معاف کر دیا جائے۔ لیکن اسقدر اطمینان ضروری ہے کہ یہ لوگ قیامت میں ضرور بخشدیہ جائیں گے کیونکہ ع یہ اسکے بندے ہیں جسکو کم کتے ہیں ممکن ہے کہ حضرت شرع کہیں کہ جو مضامین انکے خلاف لکھے وہ سخت تھے اور ایسا ہونا ممکن ہے کیونکہ فطرت کا تقاضہ ہے کہ انسان کو اپنے خلاف موم بھی تہن معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس موقع پر چند امور غور طلب ہیں اولاً یہ کہ حالی و شاعر و داغ وغیرہ کے خلاف جو مضامین پنچ میں نکل چکے ہیں اُن سے زیادہ سخت یہ مضامین نہ تھے۔ بلکہ میں یہ کہوں گا کہ آخر میں دو تین سال اُدھر جو مضامین جلوہ دارغ کی نسبت نکلے ہیں انہیں اکثر یہ تندی سی کا پہلو لے ہوئے تھے۔ اگر حضرت شریک طبع ادب آموزان مضامین کا بار اٹھا سکی تو اب اپنے خلاف جو محققانہ و نظریاتی مضامین نکل رہے ہیں اُن سے حضرت موصوف کیوں اسقدر ناخوش ہیں۔

حضرت شرع کو دیکھنا چاہیے کہ اُنھوں نے بھی عظیم الشان پیشوایان نبی نوع انسان کی طرح ایک نیا دعویٰ کیا ہے یعنی یہ کہ گلزارِ نسیم کی زبان لکھنؤ کی مستند زبان نہیں ہے یہ بالکل نئی

۱۵ اودھ پنچ ۵ نجات اپنی ہے دیہاتیوں کے ہاتھ نہیں + بڑا کریم ہے جسکے گناہ کار ہیں ہم +

حضرت شرع کہیں گے کہ (ہاتھ) کے بعد (دین) ہونا لازمی ہے ۱۱۔

بات ہے۔ اس صورت میں اگر حضرت شرر کے معاصرین اُنکے مقولے پر ایمان لائیکے لیے تیار نہیں ہیں تو تعجب نہیں۔ جیسا کہ پیشتر عرض کیا گیا ہے۔ دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہو لیکن جس طرح بقراط و منصور و دلو تھرو وغیرہ نے کبھی اپنے مخالفین کو سخت و سخت نہ کہا اس طرح حضرت شرر کو بھی منشی سجاد حسین اودھشی احمد علی تنوکی کا قصور معاف کر دینا چاہیے یہ دیکھتے ہیں کہ منشی امیر احمد مینائی نے نگار انسیم کے شعر زبان و معاد سے کی بحث میں سند کے طور پر پیش کیے ہیں۔ یہ بھی اسی روش پر چلتے ہیں اور نگار انسیم کی زبان کو لکھنؤ کی مستند زبان تسلیم کرتے ہیں۔ یہ لوگ گمراہ ہیں مگر عقاب کے مستحق نہیں ہیں۔

نیز حضرت شرر سے میری یہ عرض ہے کہ انسان کو اپنے خلاف مضامین دیکھنے سے پرہیز نہ کرنا چاہیے۔ انگلستان کے مشہور مقرر بریڈ لاکا قول تھا کہ جب کوئی بحث پیش ہو تو انسان کا یہ فرض ہے کہ ہمیشہ اُن مضامین کے دیکھنے کی کوشش کرے۔ جو کہ اسکے دلائل کی تردید میں شائع ہوتے ہوں محض اپنے موافق دلائل دیکھنے سے تحقیق کا مادہ نہیں بڑھتا۔ اصول کو پیش نظر رکھ کر۔ حضرت شرر کو اودھ پنچ سے اجتناب اچھا نہیں ہے جس قسم کے جوش سے حضرت شرر کام لے رہے ہیں۔ یہ جوش علمی مباحثوں کا لطف خاک میں ملا دیتا ہے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ جادو اعتدال سے قدم نہ بڑھائے اگر حضرت شرر خود تھوڑی دیر کے لیے غور و فکر سے کام لیں تو آپ پر یہ روشن ہو جائیگا۔ کہ اودھ پنچ کی وقعت اُن کلمات سے کم نہیں ہو سکتی جو کہ آپ نے انکی شان میں استعمال کیے ہیں ہاں اس ضمن و تشبیح کا یہ نتیجہ ضرور ہوگا کہ اودھ پنچ کے نظریہ کے تو سن طبع کو ایک اور تازیانہ ہوگا جب پیشتر حضرت شرر نے اڈیٹر پنچ کی شانیں ایک ناموزون کلمہ استعمال کیا تھا تو آپ شاید یہ سمجھے ہونگے کہ یہ اسم اعظم اودھ پنچ کے مضامین کا طلسم ٹوڑ دے گا مگر یہ جادو نہ چلا اور اسکا اُٹنا اثر یہ ہوا کہ اور گرجو منشی کے ساتھ حضرت شرر کے دلائل کی تردید کا طریقہ ان مضامین نکلنے لگے۔ اور اودھ پنچ کا ہمیشہ یہی رنگ رہا ہے۔

مگر قطع ہرگز جادو پنچ از دوید نہا کہ می بالبد بخود این راہ چون تاک از برید نہا

مجھ کو امید ہے کہ حضرت شرآئندہ سے نقادانہ تنانت سے درگزر کریگے اور اس عارضی جوش کو دباتے رہیں گے۔ جو کہ اپنے خلاف مضامین لکھنے سے ہر انسان کے دل میں پیدا ہوا کرتا ہے۔ تلخ گفتاری کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا فارسی کا اُستاد کہ گیا ہے۔

دہنِ خویش پر ششام میاں لاصائب این زیرِ قلب بہ ہر کس کہ ہی باز دہد

آخر میں حضرت شرکی خدمت میں بصداد عرض پرداز ہوں کہ اگر حضرت موصوف مجھے اودھ پنچ میں لکھنے سے اسوجہ سے روکتے ہیں کہ وہ ایک (بازاری اور کم حقیقت پرچہ ہے) توں خانہ ساز اور با حقیقت پرچہ کمان تلاش کروں حضرت شر کرنے تو کسی ممتاز پرچہ کا نام نہیں لکھا ظاہر ہے کہ اگر اودھ پنچ بازاری پرچہ اور کم حقیقت ہے اور اس قابل نہیں کہ کوئی مردِ شریف اسکی طرف مخاطب ہو تو جو اخبار سالے اسکے تبادلے میں آتے ہیں یا اُسے مخاطب کرتے ہیں یا اسکے مضامین نقل کرتے ہیں اور اُسکے صفحات کو زرین صفحات کے لقب سے مزین کرتے ہیں۔ وہ بھی اسی کے ایسے ہیں اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ کوئی ایسا ممتاز رسالہ یا اخبار نہیں ہے کہ جو اودھ پنچ کے تبادلہ میں نہ آتا ہو یا جو اودھ پنچ کا نام ادب کے ساتھ نہ لیتا ہو۔ پھر میں لکھوں تو کس پرچہ میں لکھوں بیشک حضرت شر کے تینوں پرچے ایوانِ ادب کے تین گنگرے ہیں اور چند روز سے اودھ پنچ کے تبادلہ میں نہیں آتے مگر ان پرچوں کی حالت کچھ اور ہے اور ان تک میرے مضامین کی کسانکی دشواری ہے۔

العرفان آسمانی مسائل کی ہوا کون میں اُڑتا ہے۔ نگار انسیم کی بحثِ علم میں ہے۔
العرفان کو اس سے کیا بحث ہے اتحاد ایک تمدنی اور اخلاقی رسالہ ہے۔ یہ ان جھگڑوں میں کا ہیکو بڑنے لگا۔ یہ اور بات ہے کہ دو چار مطرین (فننِ طبع) کے طور پر اس بحث کے متعلق اس میں لکھ دی جایا کریں۔ اب رہا د لگداز بہ بیشک ایسی بحث کے لیے موزون ہے اور اختیاری دنیا کی عام تہذیب بھی یہی ہے کہ جس پرچہ میں کوئی بحث چھیڑی جائے تو اسکے اڈیٹر کا یہ فرض ہے

اودھ پنچ خانہ ساز نہیں لگی کیئے۔ اودھ پنچ بازاری پرچہ ہے۔ اور د لگداز اور اتحاد وغیرہ ناگلی ہیں ۱۲۔

کہ اس بحث کے متعلق اپنے خلاف و موافق تمام مضامین شائع کرے۔ لیکن حضرت شرر نے اس عام اصول کی پابندی سے درگزر کر کے یہ اعلان شائع کر دیا ہے کہ اعتراضات شائع کرنے کے بعد (نگار نسیم کے بارے میں کچھ لکھنا دگلدار کی شان و وضع کے خلاف ہے) چنانچہ میرے اردوئے معلیٰ و اسے مضمون کے جواب میں جو مضمون حضرت شرر نے تحریر فرمایا ہے وہ بھی دگلدارین نہیں چھپا ہے۔ بلکہ اردوئے معلیٰ میں بھیجا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت شرر کسی خاص مصلحت سے سوائے اعتراضات کے دگلدارین نگار نسیم کے متعلق کسی دوسری قسم کی بحث شائع نہیں کرنا چاہتے چنانچہ آپ کو خود کچھ لکھنا ہوتا ہے وہ آپ اتحاد میں لکھتے ہیں جسکو قدرتی طور پر ان علمی جھگڑوں سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیئے پس دگلدار کا درجہ بھی میرے لیے بند ہے۔ مجھ کو امید ہے کہ کسی آئندہ موقع پر حضرت شرر اس (بادقت) پرچے کا نام بتلا دیں گے جسکو خطاب کنا آپ خلاف شان نہ تصور فرماتے ہوں گے اور اگر حضرت موصوف نے یہ تکلیف گوارا نہ فرمائی تب بھی میرے کچھ ہرج نہ ہو گا کیونکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ میں نے کچھ تک حضرت شرر کے اعتراضات کے جوہرین جو کچھ لکھا ہے وہ بہت کچھ اس غرض سے لکھا ہے کہ تاواثقان سخن دھوکا کھانے سے محفوظ رہیں۔ میرا منشا یہ ہرگز نہ تھا کہ میں حضرت شرر کو قائل کروں کیونکہ روز بروز حضرت شرر کے انداز تحریر سے یہ آئینہ ہوا جاتا ہے کہ آپ نگار نسیم پر تحقیق و تنقید کی نگاہ سے اعتراضات نہیں کرتے ہیں بلکہ آپ کا مطلب کچھ اور ہے ۷

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز ورنہ در مجلس رندان خبر نیست کہ غیرت
مگر حضرت شرراطینان رکھیں کہ جہانک میری ذات سے تعلق ہے۔ میرے قلم سے
ایک فقرہ بھی ایسا نہ لکھے گا جس سے کسی بندہ خدا کی توہین مقصود ہو ۷
ادب آموز ہے ہر ایک ذرہ اپنے وادی کا نہیں مکن کہ گرداگرد پڑے دہر کے دہن پر
اپنا اصول تو یہ ہے کہ ۷

محبت سے بنا لیتے ہیں اپنا دوست دشمن کو جھگڑاتی ہو ہماری عاجزی سرکش کی گردن کو

چک بست لکھنؤ

نوٹ جن صاحب نے میرے پہلے مضمون کا ذکر خیر حضرت شرر سے کر دیا تھا مہربانی کر کے وہی صاحب اس مضمون کی خبر بھی حضرت موصوف تک پہنچا دیں۔ چک بست لکھنؤ

۱۵ اودھ پنچ۔ پنڈت صاحب اپنے جو لکھا ہے بت صحیح ہے۔ لیکن ایک بات آپ نہیں سمجھتے۔ اودھ پنچ خاص طور سے ایسے کم حقیقت اور بازاری پرچہ ہو گیا کہ آپ کا مضمون لاجواب تھا اگر مضمون کا جواب ممکن ہوتا تو یہ لکھ دیا جاتا کہ بتائے آنکھیں بند کر کے اودھ پنچ ایک صاحب سے پڑھا لیا اور پھر جواب لکھا اس موقع پر ہمیں ایک نقل یاد آئی۔ سوامی دیانند سے ایک پنڈت نے اس بنا پر مناظرہ کرنے سے انکار کیا کہ سوامی جی ملکش تھے اور وہ ملکش کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا تھا سوامی جی نے کہا کہ اچھا ایک پردہ ڈال دیا جائے تم میری صورت نہ دیکھو مگر مجھ سے بحث تو کرو وہ اس پر بھی راضی نہوا۔ ہم بھی حضرت شرر سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپ پردہ کے پیچھے بیٹھ کر اودھ پنچ کسی سے پڑھا لیا کیجئے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ حضرت شرر پردہ سے کے خلاف ہیں ۱۲۔

Rashidul Hasan

180 Dyanal

...

از اوہ پنج مطبوعہ ۱۱ - مئی ۱۹۵۷ء

۶۔ نسیم کی رنگین بیانی اور حضرت شرر کی شہرستانی

(از منشی سجاد حسین صاحب)

اللہ نے نگہبانِ اعلیٰ کی آبرو کا منہ پر پڑا اُسی کے جس نے فلک پہ تھوکا
گلزار نسیم کا ایک نیا ایڈیشن پنڈت برج نرائن صاحب چک بست نے از سر نو
ترتیب دیکر شائع کیا ہے۔ اور شروع میں ایک بسیط دیباچہ بھی لکھا ہے جس میں نسیم کے حالات
زندگی لکھے ہیں اور نسیم کی شاعری پر بحث کی ہے پنڈت تروکی ناٹھ صاحب کو لکشمیری محلہ
لکھنؤ سے بقیت ۶ ریل سکتی ہے۔

گلزار نسیم کے آجکل سیکڑوں نسخے شائع ہوتے ہیں مگر سب میں کچھ نہ کچھ کاتب کی اصلاح
ضرور ہوتی ہے۔ حضرت چک بست کو ایک ایسا نسخہ دستیاب ہوا جو نسیم کی نصیحت سے شائع
ہوا تھا لہذا عقل سلیم کا اشارہ یہ ہے کہ یہ نسخہ ضرور مستند نسخہ ہوگا ہم نے صرف اشارہ کا
لفظ اس لئے لکھا کہ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ بازاری پریس نے شامی کو بگاڑا نہیں بلکہ بنا دیا
ہے۔ یہ سچ ہے یا نہ سچ یہ تو گلزار نسیم کا نیا ایڈیشن ہے اور کوئی گل نہ کھلے۔ اچھی کھلے اور پھر کھلے چنانچہ
ماریج اور پریس کے دو لکڑیاں مین مولانا عبد الحلیم صاحب شرر سابق ایڈیٹر ردہ عصمت و ادب حال
دو لکڑیاں اتحاد نے گلزار نسیم پر کچھ گفشتانی کی ہے اور کچھ کیا معنی بندرہ صفحہ رنگین کیے ہیں۔ مولانا
جو نہ کہ ہندو مسلمانوں میں اتحاد کرنے کی دل و جان سے کوشش کر رہے ہیں لہذا گلزار نسیم کا
نہایت توجہ کے ساتھ ریویو کیا گیا تاکہ کسی سرکوبہ کرنے کا موقع نہ ملے کہ مولانا مسلمان ہیں ایک

ہندو شاعر کی تصنیف کو نظر انداز کر کے ایسا کب اور کیونکر ہو سکتا تھا۔ عرفی کہ گیا ہے ۵
چنانچہ بایک و بد عرفی بسر کن تاپے مردن مسلمانیت بزم زم شوید و ہند و بسوزاند
مگر مولانا کی نظر ایسی دقیق واقع ہوئی ہے کہ جو نکتے تنقید گلزار نسیم میں لکھے گئے ہیں وہ ہموئی سمجھ کے
آدمی کو مجذوب کی بڑے زیادہ قریب الفہم نہیں معلوم ہوتے۔ مثلاً مولانا کا ارشاد ہے کہ گلزار نسیم
ایسی نظم ہے کہ اُس کے پایہ کی نظمین اردو میں دو چار ہی ہو سکتی۔ مگر اسی مقام پر فرماتے ہیں کہ غلطیوں سے
محاط ہے اس سے بدتر نظم اردو میں نہ ملے گی اور پھر فرماتے ہیں کہ اردو شاعر دن کا یہ طریقہ رہا ہے
کہ جسکے کلام میں ایک غلطی کل آتی ہے اُسکی تمام خوبیاں اس ایک لغزش پر قربان کر دیتے ہیں مگر
گلزار نسیم کو باوجود اس قدر معائب کے کہ جنکی نظیر اردو نظموں میں کم ملے گی اس قدر شہرت حاصل ہے
یہ اجتماع ضدین واقعی سمجھ میں نہیں آتا یہ تو وہی ہے جسے کہ صوفیوں اور ویدانتیوں کے
مقصد ہیں کہ سب کچھ ہے اور کچھ نہیں دنیا ماتم سراجی ہے اور عشرت سراجی مگر اس سب کا
ایک مطلب تو صاف ہے کہ گلزار نسیم کی نسبت جو مولانا کو سوجھی ہے وہ اجتناب کسی نہیں
سوجھی۔ ممکن ہے کہ مولانا کسی موقع پر اس اجتماع ضدین کی تشریح کر دین اس وقت اُسکے
متعلق کچھ لکھا جائے گا بالفضل اس تہنید کو چھوڑ کر زیادہ قریب الفہم تنقید کا ذکر کیا جاتا ہے
وہ کیا۔ یعنی مولانا کا پہلا اعتراض تو یہ ہے۔ کہ گلزار نسیم۔ نسیم کی تصنیف ہی نہیں حالانکہ
اس موقع پر ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ اس اعتراض میں وہ جدت نہیں ہے جو تہنید مضمون میں
تھی یہ اعتراض بے دلیل ہے اور لکھنؤ کے جھنگی خانوں میں اسکا اکثر ذکر ہوا کرتا ہے مگر جس قدر
جدت ہو سکتی ہے وہ مولانا نے اس اعتراض کی تائید میں صرف کر دی ہے یعنی پہلے تو مولانا
فرماتے ہیں کہ گلزار نسیم اصل میں نسیم ہی کی تصنیف تھی۔ لیکن اصلاح کے وقت انتخاب
و اختصار کا آخری عمل تو صرف خواجہ آتش کے قلم سے ہوا اس دعویٰ کی تائید میں مولانا
فرماتے ہیں کہ منشی اشرف علی صاحب اشرف کسمندوی مرحوم نے خود مولانا کو صوف سے
اس واقع کو بیان کیا ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ مولانا کے بزرگوں سے میثرب علی صبا نے بھی

یہی کہا تھا علاوہ سلسلے اور تواثر کے شکست اور راہوں کے مجروح ہونے کے ہم اس موقع پر اس قدر کہیں گے کہ ہم سے ایک معتبر نائی کتا تھا کہ یہ مثنوی اصل میں مصحفی کی کہی ہوئی تھی مصحفی نے یہ مثنوی آتش کو دیدی تھی کہ تم اپنے نام سے چھاپ دو مگر آتش نے خدا جانے کس وجہ سے یہ مثنوی اپنے نام سے شائع کرنی مناسب نہ سمجھی انھوں نے باری باری اپنے سب شاگردوں سے کہا کہ بھی تم اپنے نام سے چھاپ دو بلکہ حلی سے باصرار کہا کہ اسکا نام گلزار خلیل اچھا ہو گا مگر اسے اس مثنوی کا لینا نامنظر کیا نسیم چونکہ ہندو تھے انھوں نے اس مثنوی کو اپنے نام سے چھپوانا قبول کر لیا یہ نائی (خدائیش بیامرز) آتش کا خاص حجام تھا ایک دن مصروف اصلاح تھا کہ آتش نے کل واقعہ بیان کیا بلکہ یہ بھی کہا کہ مصحفی نے یہ مثنوی اپنے ہم عصر میر حسن کی مثنوی کے جواب میں کہی تھی مگر چونکہ امین اور اسمین باعتبار شاعری اور خوبی زبان کے کوئی نسبت نہ تھی لہذا امید نہ تھی کہ میر حسن کے مقابلہ میں کوئی اسکا نام لیگا لہذا انھوں نے یہ مثنوی آتش کو دیدی اور آتش نے اسی خیال سے اپنے شاگردوں کے حوالہ کرنا چاہی۔ خیر یہ تو ہمارے معتبر نائی کا بیان ہے مگر اسے کون مانتا ہے اور خصوصاً کشمیری بیڈت تو کبھی نہ مانتے گے۔ لہذا ہم ٹھٹھری ویر کے لئے مولانا شاعر ہی کی تاریخی تحقیقات ماننے لیتے ہیں کہ مثنوی اصل میں نسیم ہی کی تصنیف ہے لیکن آخری انتخاب و اختصار کا عمل اور تصرف آتش کے قلم سے ہوا۔ مگر خرابی یہ ہے کہ آگے چلکر مولانا موصوف وہی اجتماع ضدین کا جدت آمیز اصول پیش نظر رکھ کر فرماتے ہیں کہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ آتش نے خود اس مثنوی کو قفن طبع کے طور پر کہا جہاں اور پھر امین متعدد دفعہ نہیں دیکھ کر اسے بھانپنے ہی کہ طرف (یعنی نسیم کی طرف) منسوب کر دیا ہو یا ہم ناظرین برچھوڑتے ہیں کہ مولانا کا جو بیان پسند آئے اسکا اعتبار کر لیں ہاں ہم مولانا کی طبیعت اری کی داد دے بغیر نہیں مددہ سکتے کہ کس آسانی سے مولانا موصوف کیسے تاریخی واقعات سے سدا کر لیتے ہیں جنکے لئے تاریخی شہادت ملنا ممکن نہیں مگر مولانا کی قوت خیال یہی بدست ہے کہ اس کے سامنے مین کوئی عجیب و غریب واقعہ ڈھال لینا مشکل نہیں ناظرین کو یاد ہو گا کہ جب

مولانا سے موصوف پر وہ عصمت نکالتے تھے تو کہنے یہ تاریخی واقعہ ایجاد کیا تھا کہ ہندوستان میں پردہ کی رسم چین سے آئی اور پھر مسلمانوں نے پردہ کی رسم ہندوؤں سے سیکھی افسوس ہے کہ پردہ عصمت کی اس دنیا سے جلدی اٹھ گیا اور اس ایجاد تازہ کی خبر اہل یورپ تک پہنچی ورنہ وہ لوگ مولانا کی جدت طبع کی قرار واقعی داد دیتے مولانا نے وہ واقعہ ایجاد کیا تھا جسکی شہادت کسی ملک کی تاریخ سے نہیں ملتی تھی۔ مگر اس کہنے سے یہ ہے کہ جس جدت پسند طبیعت سے ایسے ایسے واقعہ ڈھل کر نکلتے اسکے نزدیک اس امر کا ثابت کرنا کیا مشکل ہے کہ کائنات نے تقضن طبع کے طور پر گلزار نسیم کی اور نسیم کو دیدی خصوصاً تقضن طبع نے تو اس تاریخی ایجاد میں جان ڈال دی۔ خیر ہم اب اس عالمانہ بحث کو ختم کرتے ہیں کیونکہ اس میں تاریخی تحقیقات وغیرہ کی سخت ضرورت ہے۔ اب ہم منوئی سمجھ کے آدمیوں کے لیے کچھ لکھتے ہیں۔ یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ بقول حضرت چک بست کے آتش کے دیوان میں (یا مصحفی کے دیوان میں) ایسے شعراں رنگ کے نہیں جو کہ گلزار نسیم کا رنگ خاص ہے اور نسیم کے دیوان میں بھی منوئی کا رنگ ہے جس شخص کو کچھ بھی شاعری سے مس ہے وہ ہمارا منشا سمجھ جائیگا علاوہ بر گلزار نسیم میں کئی ایسے خصوصیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سولے ہندو اور ہندو بھی کون کہ کشمیری پنڈت کے یہ منوئی کسی دوسری قوم والے کی ہو ہی نہیں سکتی ہے مثلاً ایک مصرعہ ہے ع شب کی پوشاک بدلی ساری (

اس مصرع میں پوشاک اور ساری میں تناسب لفظی ہے ساری کشمیری خاتونوں کی پوشاک ہے۔ مسلمان شاعر کو یہ تناسب خیال ہی میں نہیں آسکتا تھا کیونکہ بیان ساری مسلمان عورتوں کی پوشاک نہیں۔ شاعر وہی باتیں نظم کر سکتا ہے جو اسکے خیال میں رہتی ہیں۔ اس طرح اگر غور سے دیکھا جائے تو ایسے خصوصیات بہت لمبا لگتے۔ یہ داستان تو بہان ختم ہوئی۔ اب کیجئے کہ حضرت شرر کیا فرماتے ہیں۔ مسٹر چک بست نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ امانت کے لیے مناسب لفظی کا شوق جنوں کے درجہ تک پہنچ گیا ہے مولانا شرر کو یہ فقرہ بہت ناگوار

گذا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ امانت کے یاں ایسے میوب اشعار جنہیں تناسب لفظی لطافت کے ساتھ نہ قائم رہ سکا وہ دونی صدی سے زیادہ نہ ملین گے اور پھر کہتے ہیں کہ توہم نہیں کہلتے بلکہ نکل سکیں لیکن فوراً ہی پھر فرماتے ہیں کہ مسیح یہ ہے کہ امانت نے تناسب لفظی کی فکر میں اپنے تئیں بزمان بہت کیا اور اس صفت کے پیچھے پڑ کے ٹوکریں بہت کھائیں لیکن دروہی (اجلع ضدین) کا جدت آئین اصول پیش نظر کر کے پھر ملٹ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سب لفظی کی صفت میں جو کامیابی امانت کو حاصل ہوئی وہ کسی اور شاعر کو حاصل نہیں ہوئی ہم میں اتنی جرأت نہیں کہ ہم مولانا کی اس ہمت کی تردید کر سکیں ہم محض چند اشعار امانت کے متشبیلا ہدیہ ناظرین کرتے ہیں ۵

چڑیا کو کس حور کی انگلیا میں نہیں ہے
ترے دوپٹے کی گھاس اس صنم ہر تہی جائے
تو چاندنی سے سوا کبک کو درمی ہو جائے
میٹھا برس ہے یا کہ وہ کہنہ سال ہے
ابنے کو تر و ندین گل خال خال ہے
ایڑی جو ٹی بہ تری صدے اُتارے تو ہے
مبصر دیکھ کر آنکھوں کو کہتے ہیں کہ جالارے
عشق میں دانتوں کے کیا روتے ہیں ہاں ہاں کے
صیاد فوج ہو گیا چڑیا کے سامنے
جب سنا کسی کو نہ گنگا کے سامنے
کسی پھبتی لب شیریں پہ پیٹھے کی مٹھائی کی
گل بھول کے کہتا ہے کہ شدت ہے درم کی
دھاکوں میں نہ وہ آئے تو دوڑا ہے گولے

پر یوں نے کیا جانور دن تک کو مستخر
جو سن سبزی تا نیر اک ذری ہو جائے
کرے خرام جو فرش چین پہ رشک قمر
شیریں سے کیا میں اپنے شکر لب کو دوشال
نفرت کا دل کی گلبندوں سے یہ حال ہے
لات دی ہیں تپتے ہنسی سے تو یہ اُس بُتے کہا
تری جالی کی کرتی کے تصویر میں روتا ہوں
پیٹھے ہیں سر کو ہم سو دے میں لف یار کے
محرم جو میں ہوا تری انگلیا سے باغ میں
اُتارے فرق غزل کو اُترا جو وہ صنم
وہ نازک ہوٹھ سوچھے میرے بوسوں کی جوشد سے
زر گسل کا اشارہ ہے کہ جوش یرقان ہے
سو بیچ سے الفت کا کروں سلسلہ پیدا

پتھر پڑیں اس ٹھنڈی لگاوت پہ صنم کی جیسے ہیں مجھے خط کے عوض قند کے اوسے اور یہ مصرع کہ ع بیرون مین بھی میرا ناز کبدن ملتا نہیں۔ امانت کا نام قیامت تک زندہ رکھے گا اگر تناسب لفظی مین کامیابی اسی کا نام ہے تو واقعی کسی اُدوشتا کو ایسی کامیابی نہ حاصل ہوئی ہوگی جو امانت کا حصہ ہے۔

امانت کو کامیابی کا خلعت پہنانے کے بعد مولانا نے ریونیو نوٹسی پر وعظ دیا ہے۔ کیا اچھا ہوتا اگر اسکا ترجمہ یورپ کی کسی زبان مین ہو جاتا کہ اہل یورپ بھی مولانا کی اصول تنقید سے مستفیض ہو سکتے۔

اسکے بعد مولانا نے گلزار نسیم کے خاص خاص اشعار پر اعتراض جٹے ہیں۔ اگرچہ ایک سرسری نظر سے پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ اعتراضات مولانا ہی کی جدت طبع کا نتیجہ ہیں لیکن مولانا موصوف نے انکسار سے کام لیا ہے کہ یہ اعتراضات عام اساتذہ لکھنؤ کی جانب سے وارد کیے ہیں ہمارے خیال مین اساتذہ لکھنؤ کی اس سے بڑھ کر ذلت نہیں ہو سکتی کہ انکی جانب اعتراضات منسوب کیے جائیں جسے فارسی محاوروں سے عموماً اور لکھنؤ کی زبان اور شاعری سے خصوصاً عدم واقفیت کا اظہار ہوتا ہے۔

چونکہ مولانا کے دل مین لکھنؤ کے لئے دردِ محبت ہے لہذا آپ نے اُدوشتا شاعری کے سرِ سر کی حیثیت سے یہ بانگِ بلبل یہ اعلانِ شلک کیا ہے کہ اُسوقت تک جو سارے ہندوستان کا خیال ہے کہ گلزار نسیم کی زبان خاص لکھنؤ کی زبان ہے یہ محض غلط خیال ہے گلزار نسیم مین اہل لکھنؤ کے نزدیک صد ہا غلطیاں ہیں اور اس مثنوی کی زبان لکھنؤ کی زبان نہیں ہے۔

یہ تو سب صحیح مگر مولانا کے حافظہ کی کوتاہی نے عجب غصہ بٹھایا مولانا کو یہ یاد نہیں رہا کہ وہ شروع مین نہایت زور سے لکھ چکے ہیں کہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہو کہ آتش نے یہ مثنوی تنقید طبع کے طور پر لکھی ہو اور پھر نسیم کو دیدی ہو مگر یہ آتش بیچا ہے پر کیا ظلم ہوا جسکی زبان پر اہل لکھنؤ غاکرین اسکے مثنوی کے لیے (کو کہ اُس نے تنقید طبع ہی کے طور پر لکھی ہو) یہ اعلانِ شلک کیا جائے

کہ اسکی زبان کھنکھو کی مستند زبان نہیں۔ اگر ہم نے معتدائی کا بیان صحیح ہو تب بھی آتش حبش میں
(انتخاب اور تصرف) نہ مابین اس میں ایسی غلطیاں رہ جائیں جو مولانا شرر کو سوچہ جائیں۔

ع عبرت کی ہو جا فاعتربا یا اولی الالبصا
آہا ہا وہی مولانا شرر کا اجتماع ضدین، کا جدت آمیز اصول یہاں بھی رنگ
دکھاتا ہے۔

اب وہ اعتراض ملاحظہ ہوں جو مولانا شرر نے باوجود پردہ کے خلاف ہونے کے
ساتھ کھنکھو کی آدھین پیش کیے ہیں۔

عموماً اعتراضات ایسے ہیں کہ جس شخص نے سولہ گلزار نسیم کے کسی اور دو شعرا کا کلام بھی پڑھا ہے
وہ اعلیٰ تر دید نہایت آسانی سے کر دیگا اسکا ذکر کرنا فضول ہے کیونکہ اہل کھنکھو تو اہل کھنکھو
دیہات والے بھی ان اعتراض کو تسلیم کریں گے۔ ہم اس موقع پر انھیں اعتراضات کا ذکر کر رہے ہیں جن میں ان
متعلق ہیں اور جنکی نسبت دیہات یا بیرونیجات کے رہنے والے دھوکا کھا سکتے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ نسیم کا یہ مصرع کہ مع شادی کو کہا حیا اٹھا کر۔ قابل اعتراض ہے
کیونکہ صاحب یہ محض اسلئے کہ حیا اٹھا کر کوئی سنی نہیں رکھتا۔ آپکے نزدیک پردہ حیا اٹھا کر
ہونا چاہیئے۔ سبحان اللہ کیا اعتراض ہے۔ حیا اٹھانا۔ حیا اڑا دینا۔ حیا اٹھ جانا، یہ
کھنکھو کی فصاحت زبان ہے اور شعرا اُردو کے کلام میں اس محاورے کی متعدد مثالیں ملتی
ہر جگہ اس کے دیہات وغیرہ میں ملن ہے کہ۔ پردہ حیا اٹھا کر، مع اضافت بولتے ہیں کھنکھو کا
روز مرہ حیا اٹھانا۔ شرم اٹھانا عام محاورہ ہے۔ امیر مینائی فرماتے ہیں ع

کچھ ترسی شرم نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں۔ مولانا کہیں گے کہ بون ہونا چاہیئے تھا کہ۔
کچھ تر پردہ شرم نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں۔ ہماری رائے میں چونکہ مولانا پردے کے
محنت خلاف ہیں لہذا انکو موقع موقع پردہ ہی اٹھانے کی فکر لاحق رہتی ہے نسیم کا مصرع ہے
ع بیڑے چکھ بان کے مزیدار۔ مولانا فرماتے ہیں کہ دچکھے کے بدلے چکھے

غیر فصیح ہی نہیں بلکہ غلط ہے۔

شعر اے دہلی و لکھنؤ تو برابر (چلتے) کی جگہ چکھے اور رکھتے کی جگہ (رکھے) اسطرح اور الفاظ اُس زمانے میں جب مثنوی مذکور لکھی گئی نظم کرتے آئے ہیں خدا جانے مولانا کس زبان کو لکھنؤ کی زبان سمجھے ہوئے ہیں۔ خیر میانک تو غنیمت تھا آگے چل کر مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ بیڑے (کافی تھا۔ پان کے بیڑے محاورے میں اچھا نہیں بیشک پان کے بیڑے آب کے دیہاتی محاورے میں نہ اچھا ہو لکھنؤ میں صرف (بیڑے) دوسرے ہی معنی پیدا کرتا ہے نسیم کا مصرع ہے ع کھاتے ہی حل کا ڈھنگ پایا، مولانا فرماتے ہیں کہ محل کی جگہ محل نظم کر دیا گیا ہے لہذا غلط نہیں بلکہ قطعاً غلط ہے۔ بیشک جہاں تک لغت کا تعلق ہے ہم بھی کہیں گے کہ نسیم نے محل غلط نظم کیا ہے لیکن لغت کا لفظ دیہات والوں کے لئے سند ہے نسیم نے (محل) نظم کیا تو بہت ٹھیک نظم کیا کیونکہ نسیم کے زمانے میں بھی اور اب بھی اہل زبان محل بہت سی لفظوں کے حل ہی بولتے ہیں کیجئے جاننا فرماتے ہیں ۵ دانی یقین دل کو ہے گر جائیگا محل + ننھا سارا کا خواب میں کل پٹیل گیا زبان و محاورہ میں عموماً اس لفظ محل کے لیے خصوصاً جان صاحب سے بڑھ کر کس کا کلام فصیح مانا جاسکتا ہے مولانا شکر کو پہلے زبان لکھنؤ محل کر لینی تھی۔

ع بسیار سفر باید تا نختہ شود خامے۔ نسیم کا مصرع ہے ع بجلی سے لہرے تھا ہم آغوش مولانا فرماتے ہیں کہ لہر کی جگہ لہر اردو میں غلط ہے اگر زہر عشق مصنفہ نواب مرزا شوق لکھنؤ اردو ہی زبان کی مثنوی ہے تو یہ اعتراض ہے۔ زہر عشق کا شعر ہے ۵

پہر لہر چڑھ رہی ہے کالون کی بو سو نکھا دو تخم اپنے با لون کی نسیم کا ایک اور مصرع ہے ع تجھ پاس تو اک عصا ہے جانی + مولانا فرماتے ہیں (جانی کا لفظ سوا مشوق کے اور کسی کی شان میں اور وہ بھی خلوت کے سوا دیگر موقعوں پر استعمال کرنا تیزی ہی نہیں بلکہ غلطی ہے۔ مگر روح افزا تاج الملوک سے پہلی ہی ملاقات میں

کستی ہو کہ ع تجھ پاس تو اک عصا ہے جانی۔ ہم مولانا سے صرف اس قدر پوچھتے ہیں کہ
(ابا جانی) جو لکھنؤ کا عام محاورہ ہے اسکی وجہ کیا ہے کیا (مشتوقہ) کو ابابھی کہتے ہیں اور خلوت
میں کہتے ہیں کہ جلوت میں۔ بہر حال لکھنؤ کی زبان تو یہی ہے دیہات کا حال آپ جانیں اور
اگر مروج افزائے تاج الملوک کو محبت سے جانی کما تو بڑا کیا کیا جو لفظ باپ کے لیے استعمال
وہ دوست یا مرنی کے لیے خاص معنی پر استعمال ہو سکتا ہے۔ دوسرا اعتراض اس سے یہ ہو سکتا
ہے۔ مولانا نہایت ظریف فرماتے ہیں کہ مصرع مذکور میں تجھ پاس کا لفظ بھی تیرے پاس
بدلے کمان کی زبان ہے۔ بہر حال مکتب جسے نسیم کے علاوہ کسی اُسکے ہنصر کا کلام بھی
پڑھا ہے اس اعتراض کا جواب دے سکتا ہے۔ تجھ پاس اسوقت کا عام محاورہ تھا۔
اسکے علاوہ چار اور اعتراضات مولانا نے ایجاد کیے ہیں وہ طرفہ بخون ہیں حضرت
چک بست نے اپنے دیباچے میں صاف صاف لکھ دیا تھا کہ گلزار نسیم میں اکثر ایسے
محاورے موجود ہیں جو اسوقت متروک ہیں حضرت موصوف نے دو ایک شعر تشبیہ لکھ بھی دیے
تھے علاوہ اسکے حضرت چک بست نے یہ بھی تحریر کر دیا تھا کہ اکثر مقامات پر نسیم سے تناسب
لفظی لطافت کے ساتھ نہیں رکھا ہے اسکی بھی دو ایک مثالیں دیدی تھیں۔ مولانا تحریر نے
متروک محاوروں کو اعتراض کے پیرایہ میں پیش کیا ہے (تجھ پاس) پر اعتراض تو ملاحظہ ہو چکا علاوہ
اسکے مثنوی میں اکثر اس قسم کے مصرعے ہیں ع حیلہ کر کے چھپائی کچند (اسکو چھپایا) یا
ع مردانہ لباس سے نکالی (یعنی نکالا) یہ ترکیب اب متروک ہے نسیم کے وقت میں
جائز تھی اس پر اعتراض کرنا سراسر کمی نظر کا ثبوت دیتا ہے۔ یہ تو وہی ہے کہ جیسے کوئی کے
آتش کا مصرع۔ بیڑیاں منت کی بھی بہنی تو میں نے بھاریاں۔ غلط ہے۔ زبان کا
رنگ ہر وقت اور ہر زمانے میں بدلا کرتا ہے متروک محاوروں کو (غلط کنا) محض کی کمی معلومات کا
ثابت کرتا ہے اسکے بعد مولانا نے وہ پانچ سات شعر ڈیڑھ ہزار شعر کی مثنوی سے چن کر رکھ دیے
ہیں جنہیں نسیم سے تناسب لفظی لطافت کے ساتھ نہیں بچھ سکا ہے۔ مگر امانت کے مہلت سے

یہ شعر بھی اچھے ہیں ایک شعر شتر گربہ کے عیب کا بھی لکھ دیا ہے۔ بہ اعتراض بالکل گزشتہ ہے بلکہ ہم کہیں گے کہ اس سے بڑھ کر کیا گربہ شتر ہو سکتا ہے کہ حضرت شتر نسیم پر اعتراض کریں۔ آخری وار مولانا شتر کا غضب کا ہے یعنی مولانا موصوف نے حضرت چک بست کو اس بات کا لازم ٹھہرایا ہے کہ انھوں نے جا بجا مثنوی میں تصرف بجا کیا ہے اسکی مثالیں حنفی ہوں مثلاً گلزار نسیم کا شعر ہے ۵

قسمت کے مفر ہے اب نہ ماسن پتھر کے تلے دیا ہے دامن

اس نئے ایڈیشن میں پہلا مصرع اس صورت پر ہے۔ قسمت سے مفر ہے اب نہ ماسن اس موقع پر اگر حضرت چک بست کو احسن سا احسن مقروض بھی ہو تو وہ اس تصرف بجا کا لازم نہ ٹھہراتا کہ آپ نے مفکر کو مقرر بنا دیا جسکو کچھ ارادہ چھاپائی کا تجربہ ہے وہ جانتا ہے کہ کاتن مصرعے کے مصرعے بدلتے ہیں۔ لہذا ایک نقطہ بڑھانا یا کھٹا دینا کاتبوں کی نہایت معمولی غلطی ہو کر شتر گربہ نہایت جھوٹے ہیں کے ساتھ فرماتے ہیں کہ خدا جانے کس مصیحت سے یہ لفظ (مفر) اصلاح دیکر (مقرر) بنا دیا گیا۔ واقعی تنقید اسی کا نام اور ریویو نگار کا فرض یہی ہے۔ یا ایک مصرعہ ہے قاصد نے جو رخ پر ہی دکھایا یہ شامت اعمال سے طرح چھپ گئے قاصد نے رخ پر ہی دکھایا۔ مولانا نے اس کاتب کی غلطی پر آدھا صفحہ رنگ لالہ اور آخر میں یہ فرمایا ہے کہ اس اصلاح میں بھی ناچھی سے مثنوی غلط ہے یا یہ معروف کے بدلے بے مہول اور یا بے مہول کے بدلے بے معروف اکثر کاتب لکھ دیتے ہیں مولانا نے ان غلطیوں کا بھی خاکہ اڑایا ہے اور حضرت چک بست کو تصرف بجا کا لازم ٹھہرایا ہے اور طرہ یہ کہ حضرت چک بست نے تو صاف صاف لکھ دیا ہے کہ یہ ایڈیشن اس ایڈیشن کے مطابق ہے جو نسیم کی زندگی میں مطبع حسینی میں شائع ہوا تھا مگر مولانا ممدوح نامی پریس کے زمانہ حال کے ایڈیشن سے حضرت چک بست کے ایڈیشن کا مقتبلہ کرتے ہیں اور اعتراض جڑتے چلے جاتے ہیں ابتدا سے انتہا تک شتر صاحب کا یہ مضمون عجب گھبراہٹ کا ثبوت دیتا ہے خدا جانے مولانا نے کس کیفیت میں یہ مضمون لکھا

یہ تو اعتراضات کا رنگ اور پھر مولانا اپنا خلوص اور نیک نیتی ظاہر کرنے کے لئے جا بجا مضمون میں ایسے فقرے لکھتے ہیں کہ (میر) قصداً اعتراض کرنا نہیں ہو، ہم ہمیشہ سے گلزار نسیم کے معرفت میں بان ذرا یہ شکر گریہ بھی ملاحظہ ہوا ایک ہی مضمون کے دو فقرے اور اُمین امک میں میرا (اور دوسرے میں ہم)۔ آخر میں ہم مولانا سے بصد بخیر پوچھتے ہیں کہ انھوں نے ایسے بے تکے اعتراض کیوں کیے اور اگر کہے بھی تھے تو یہ کیوں لکھا کہ یہ اعتراض اساتذہ لکھنؤ کی جانب سے وارد کیے جا رہے ہیں۔ یہ لکھنؤ کی بدنامی ہو۔ اساتذہ لکھنؤ تو درکنار جو شخص لکھنؤ کے زبان دانوں کی صحبت میں رہا ہے اور جس کو اردو شاعری سے کچھ بھی واقفیت ہے وہ ایسے اعتراض کرتا اور نہ شرفاء لکھنؤ جنگی زبان مستند ہے ان اعتراضات سے خوش ہونگے۔ بان جو دیباچی لکھنؤ میں اگر کس گئے ہیں اور اپنے تئیں لکھنؤی کہنے لگے ہیں وہ ان اعتراضات کو مانیں تو مانیں۔ الحاصل یہ تو ان اعتراضات کے جوابات تھے جو ہمارے دوست مولانا شمس صاحب اتحاد نے اپنے دوسرے رسالے د لکھنؤ کے صفحات میں مثنوی گلزار نسیم پر تحریر فرمائے ہیں۔ مگر ہر ایک لکھنؤی سا لے کی اُس عالمیہ رائے پر تعجب ہے جو اس قصہ پر قائم کی گئی اور اس سسر سسر کی نظر پر اعتراض ہے جو اس قدیم قصہ پر (جو پہلے سنسکرت ہندی میں بھی تھا اور سرور نے شکوفہ محبت نثر اردو میں تحریر کیا ہے) ڈالی گئی اور نفس قصہ پر محققانہ عالمانہ مورخانہ رائے کا اظہار نہ کیا گیا۔ اشخاص قصہ پر کوئی حکیمانہ نکتہ سنجی نہ کی گئی اور اس کا ٹچھانٹ پر مطلق توجہ نہیں کی گئی کہ کس قدر اور کیوں اور کیسی ترمیم اور اصلاح ساخت قصہ میں نسیم نے کی ہو اور اس ترمیم نے کیا اثر پیدا کیا ہے۔ کیونکہ لکھنؤ کا تقاضا ہے کہ اگر کسی کو اسکی درستی اصلاح ترقی و نظر ہو تو اس کے قصص اور افسانوں کی تحقیق و تدقیق اور تصحیح موجودہ تعلیم و رجحان کے مطابق بتاتا رہے۔ ورنہ زبان اور شاعری ہی کے لئے تعریف یا تقریض کرنا ایک چھتھارے اور ہر لمحہ پھینکنے والے بددست کی ایک شلخ کو تراش غراش کر کے رونق چمنستان بنانے کی سعی میں تضییع اوقات کرنے کے سوا کچھ نہیں غالباً اگر کوئی حیلہ اس فروگزاشت کا ہو سکتا ہے تو پینڈت برج برائن صاحب کا دیباچہ ہے۔

جنے شر صاحب ناولٹ کو اور طرف متوجہ نہیں ہونے دیا ورنہ اور کسی سے امید ہو بانہ ہو
اسے بدرجہ اولے ہو سکتی ہے۔

رباعی

جب غیظ سے گرا کے بگڑتے ہیں شرر پھولوں کے عوض دہن سے جھڑتے ہیں شرر
لیکن یہ تسیم سے بگڑنا کیا خوب سبحان اللہ بھول سے لڑتے ہیں شرر
دبیر (از جنت)

از اودھ پنج مطبوعہ س۔ اگست ۱۹۰۵ء

۱۔ گلزار نسیم پر قول فصیل

گلزار نسیم سے متعلق آج ہم جناب منشی احمد علی صاحب قلم شوق کی ایک تحریر شائع کرتے ہیں۔ اس انگار کی ضرورت نہیں کہ ہم بتائیں کہ جناب صاحب صوف پڑنے تجربہ کار محقق و افکار نگار و لطافت فن کہنے شاعر بالکمال و نثار بے مثال اور مقتضات ملک سے ہیں آپ کا کلام ملک میں ہمیشہ نظر قبول سے دیکھا گیا ہے۔ آپ کی قابلیت کے کئے مدت سے بیٹھے ہیں۔

منجملہ دیگر اصناف سخن کے آپ نے خود بھی ایک شبنمی ترانہ شوق بہ طرز نسیم تحریر فرمائی ہے جسکی خوب نکاحی اندازہ کافی ہے کہ ملک جان گیا کہ اگر اس رنگ میں کوئی اور شبنمی کسی جاسکتی ہے تو یہی ہے مگر بھر بھی آپ جو کچھ اس بارے میں انصاف و تدین سے فرماتے ہیں وہ مضمون سے ظاہر ہے ایک مدت تک آپ اخبار آراء کے مالک اور اوڈیٹر بڑی موری کے ساتھ رہ چکے ہیں اور اعلیٰ نثاروں میں نام کر چکے ہیں۔ آپ کی رائے اور ونکی طرح خدا خواستہ نہ تعصب مذہبی کی عفویت سے گندہ ہے اور نہ صرف نثر کے تخلص طبع و دبی اور دکھادی کی بلکہ فریبی ہے بلکہ سمجھنا چاہیے کہ یہ ان بزرگوار کی منصفانہ بے لوث رائے ہے جو ایک ہی فن میں نسیم سے دوش بدوش مسابقت کے میدان میں قدم نہنی کر چکے ہیں۔

پس اب ان لوگوں کی بیودہ سرائی پر جو ایسے منصب اور قابلیت سے خلقی محروم ہیں اور جنکو سوا طبعیوں کی طرح قصہ کہانیاں سناتے اور بازیوں کی طرح گالیان دینے اور لڑکھائی جو عادی پیش کر نیکی اور کچھ نہیں آتا اُسے بجز نثر اور تبسم اور تحقیر اور کیا سلوک کیا جاوے۔ مضمون بہ ہے۔

ازاد دہ پانچ مطبوعہ ۳۰۔ اگست ۱۹۵۰ء جلد ۹ نمبر ۳

۱۱۔ گلزار نسیم اور مرحوم نسیم

(از احمد علی صاحب شوق)

مائی ڈیر او دھ پانچ۔ گلزار نسیم پر نکتہ چینوں سے مرحوم نسیم کی روح بہت کشمکش میں ڈالی گئی جانین سے یہ بحث بہت طوالت کو پہنچی۔ اگر نسیم یا آتش زندہ ہوتے تو فیصلہ ممکن تھا اور اب اگر اس بات کا فیصلہ مد نظر ہے کہ یہ مثنوی نسیم کی نہیں ہے تو نسیم اور آتش کی زندگی واپس لانے کے واسطے خواجہ خضر علیہ السلام کی تلاش کجائے بشرطیکہ وہ زندہ اور بحیات کہیں موجود ہو یہ کام حضرت نکتہ چین کو کرنا چاہیے مین تو یہی کہو نکال کر یہ مثنوی نسیم مرحوم کی ہے۔ اسکے خلاف صرف قصوں اور کہانیوں نے کوئی دلیل اس بات پر نہیں قائم ہو سکتی کہ یہ مثنوی کسی اور کی ہے اگر گلزار نسیم حضرت نسیم کی نہیں ہے تو گلستان شیخ سعدی کی نہیں ہو اور خمسہ نظامی کا نہیں ہے اسکے لئے بھی حضرت نسیم کی جانب سے چند قصے تصنیف ہو سکتے ہیں۔

نسیم مرحوم لکھنؤ کے رہنے والے تھے اہل زبان تھے جب باہر والے لکھنؤ میں رہ کر زبان ان ہو سکتے ہیں تو وہ شخص جسے لکھنؤ میں پیدا ہو کر کہیں انکھیں کھولی ہوں یہیں زبان کھولی ہو۔ کہیں عمر پھر رہا ہو۔ اسکا تصبیح البیان ہونا کیا تعجب کی بات ہے بعض لوگوں نے اسی بحث میں ترانہ شوق کی جانب اشارہ کر کے میری جانب یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ مین نے گلزار نسیم کا جواب کہا ہے۔ حاشا مین نے جواب نہیں کہا ہے۔ ہاں اُسی بحر میں ایک مثنوی لکھی ہے جس بحر میں گلزار نسیم ہے اور یہ کوئی بائیں مثنوی کہنے کی واسطے آخرین بحر میں انھیں بحر میں سے کوئی نہ کوئی بحر اختیار کرتا جو مثنوی کے واسطے

مختص ہیں پھر میں نے یہی بحر پسند کی تو کیا تصور کیا۔ ڈیر پنچ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ گلزار نسیم کی خوب نوک و مہر ہی ل جاتا ہے اور میں سچ کہتا ہوں کہ نسیم مرحوم نے جس فصاحت کے ساتھ گلزار نسیم کو نظم فرمایا ہے میں اُسکو نہیں پہنچ سکا۔ میں نے اپنی قوت شاعرانہ ایک حد تک (ترانہ شوق) میں صرف کی اور اس قدر صحیح ہے کہ ترانہ شوق کی تصنیف کے وقت گلزار نسیم میری نگاہوں کے سامنے تھی حاشا اس غرض سے نہیں کہ میں اُسکا جواب کہوں بلکہ اس غرض سے کہ جبراً ایک ہی ہے مضامین لڑنے جائیں۔ لیکن نسیم کی فصاحت بیانی نے میری بیجاہت کی کہ جابجا دانتوں پسینا آگیا اور بھر بھی میں کامیابی کی حد تک نہ پہنچ سکا مثلاً نسیم مرحوم نے فرمایا ہے سہ چھائے بڑین گال اگر چھوئے ہوں، کالے دسین بال اگر چھوئے ہوں، ترانہ شوق میں بھی یہ رنگ ایک مقام پر آگیا ہے اور میں نے اس جگہ بہت شعر نکالے۔ مگر نسیم مرحوم کے اس شعر کی لطافت اور فصاحت اور تناسب الفاظ کو میرا کوئی شعر نہیں پہنچ سکا میں نسیم مرحوم کی روح کو (گلزار نسیم) کی داد کما شک و دن جس رنگ میں یقیناً ہو اپنی مثال آپ ہی ہے اور سچ یہ ہے کہ حضرت آتش مغفور کا یہ رنگ ہی نہیں اگر وہ مثنوی فرماتے بھی تو شاید گلزار نسیم کی سی نہ ہوتی۔

ایک عنایت فرمانے عجیب مذاق کیا یعنی گلزار نسیم پر ریویو کرتے ہوئے (ترانہ شوق) کے دو شعر لکھ دیے کہ نسیم کے ہیں وہ ریویو نگار میں نے ایک جدید پرچہ میں لکھا تھا ایک شعر تو یہ تھا سہ ایک شب کہ تھی خال رو سے شامت + یام دم دیدہ قیامت + دہرا شعر اس وقت مجھے یاد نہیں رہا۔ میں اپنے عنایت فرما کا شکر گزار تو ضرور ہوں کہ انھوں نے نسیم مرحوم کی نظم کے پلے پر میری نظم کو تو لا لیکر میں تعجب کرتا ہوں کہ نسیم مرحوم کی سلاست و رنگ انکی طبیعت سے شاید اتر گیا تھا اور یہ کہ گلزار نسیم کو سامنے رکھ کر وہ ریویو فرماتے تو یہ سہونہ ہوتا اور نہ ہوتا بہتر تھا۔

نسیم مرحوم سے اگر کہیں چوک ہوئی ہو تو اس سے انکی فصاحت و شاعری پر حرف نہیں آسکتا

مثلاً میرے جو احباب حضرت نسیم مرحوم کی خوب نیکو اور انکی خوش کلامی کو ماننے ہوئے ہیں انکو ایسی حرف گہریوں اور نکتہ چینیوں پر پہنچ و تاب کی ضرورت ہی کیسا ہے نسیم مرحوم انسان تھے اور انسان سے سہو اور خطا ممکن ہے حضرت حافظ شیراز نے تابہ کجائی کے کہ مفتوح فرمایا ہے تو اس سے انکا پایہ سخن نہیں گرا دیا گیا شعرا انسان تھے فرشتہ نہ تھے مسلمان تو قائل ہیں کہ ہاروت اور ماروت دو فرشتے انسان کے لباس میں نازل ہوئے تو ان سے بھی خطا سے انسانی ہو گئی۔ پھر نسیم مرحوم تو فطرتی انسان تھے۔ بہر حال انسانی سہو و خطا سے نہ نسیم مرحوم مستثنیٰ ہو سکتے ہیں نہ میں نہ اور کوئی۔ مثلاً ہے کہ شمسوار ہی گرتا ہے اس۔ سمیر غمیض یہ ہے کہ شاعر ہی سے خطا ممکن ہے نہ کہ اُس سے جو شعر ہی نہ کہ آپ شعر لے فارس کے دیوان کو ملاحظہ فرمائیے کتنے شعرا ایسے ملین گے جنھوں نے الف کے دھوکے میں عین کو تقطیع سے گرا دیا ہے تو کیا اس سے انکی اُستادی اور فصاحت بیانی مٹ گئی۔ توبہ البتہ یہ ہم کہیں گے کہ دھوکا ہوا نظائے انسانی کی مثالیں میں پیش کرتا ہوں شاید میرے ان دوستوں کو جو نسیم مرحوم پر نکتہ چینی فرما رہے ہیں ان مثالوں سے تسکین ہو جائے اغشتم کا شفی فرماتے ہیں ع خندہ برمن نو خطان طفلان مکتب خانہ ہم ہم مکتب خانہ ملاحظہ ہو۔ حکیم ہدائی فرماتے ہیں ع بہ کف مسودہ زلف یارِ خواہم۔ مسودہ کشیدہ او ملاحظہ ہو شیخ سعدی فرماتے ہیں ع زمین را از کمالیت شرف بر آسمانست۔ کمالیت ملاحظہ ہو۔ نظیری نیشاپوری فرماتے ہیں ع ظہو جس تو امنیتی بہ دوران داد۔ امنیت ملاحظہ ہو۔ یہی نظیری فرماتے ہیں ع کہ عجائب ہائے دوران دیو را خاتم رسید۔ عجائب ہائے ملاحظہ ہو۔ خلاق المعانی کمال اسمعیل اصفہانی فرماتے ہیں ع باد صبار و خواند یا ایہا المرقل۔ یا ایہا المرقل۔ قرآن شریف کا جملہ ہے اور یہ تشدید نہ ہے۔ مگر حضرت اسمعیل اصفہانی بلا تشدید اس جملے کو اپنی نظم میں لائے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ ان میں سے کس کو شعرا نے دائرہ اُستادی سے خارج فرما دیا حاشا ایسا خیال بھی گناہ ہے۔ میں اس قسم کی مثالیں بشمار پیش کر دوں جنکو

آپ سوا اسکے کہ سہو انسانی فرمائیں اور نہ کچھ فرما سکیں گے لیکن یہ چند الفاظ اس بات کے سمجھنے
 لینے کے واسطے کافی ہیں کہ جب ایسے ایسے جلیل القدر باکمال اساتذہ سموتے نہیں بچے
 تو بیچارہ نسیم مرحوم اور احمد علی شوق یا اور کوئی اگر جو کے تو آخر انسان ہی ہے۔ میری آخری
 عرض اپنے دوستوں سے اس قدر اور ہے کہ اگر نسیم مرحوم کی روح کو اب بھی فاتحہ معکوس سے
 ثواب پہنچایا جائے تو ان سب اساتذہ کی روحین بھی ثواب کی محتاج ہیں۔
 (راقم احمد علی شوق)

انارودھ پرنچ مطبوعہ ۱۷۔ اگست ۱۹۵۵ء نمبر ۲۲ جلد ۲۹۔

۱۲۔ گلزار نسیم اور مرحوم نسیم (انارودھ علی صاحب شوق)

ڈیرنج۔ میرا مضمون اسی سرخی کے ساتھ جو میں نے اوپر لکھی ہے اودھ پرنچ مطبوعہ ۳۰۔ اگست ۱۹۵۵ء میں چھپ کر شائع ہوا میں ڈرتا ہوں کہ میرے بعض دوست مجھے کشیدہ خاطر ہوں کہ میں نے ایسا مضمون جو مرحوم نسیم کی جانب جھگڑتا ہوا لپٹے ہوئے ہے کیوں لکھا۔ میں اُسے معافی چاہتا ہوں۔ میں اُس مضمون میں جو کچھ لکھ گیا ہوں اُس سے ایک اور معافی کی ضرورت بھی پاتا ہوں شاید سہو سے بجائے ترانہ شوق کے میں نسیم کا شعر لکھ گیا ہوں میرے سامنے نہ اُس وقت گلزار نسیم ہے نہ ترانہ شوق دونوں مثنویوں کے اشعار اکثر میری زبان پر اور میرے دماغ میں ہیں ترانہ شوق کے اشعار اس سبب سے کہ میں خود اُس کا مصنف ہوں اور گلزار نسیم کے اشعار اس سبب سے کہ وہ مجھے پسند ہے اور میں نے ترانہ شوق کی تصنیف میں اُس کی تقلید کی ہے۔

مجھے واقعی یاد نہیں ہے کہ اک شب کہ تھی اہم یہ شعر ترانہ شوق کا ہے یا گلزار نسیم کا۔ کسی نے ترانہ شوق کے دو شعر ضرور لکھے تھے اجازت مولیٰ ساتھ میں اُن شعروں کو بھول گیا اور دھوکے سے یہ شعر لکھ دیا۔

میں اپنے معزز دوست حضرت چک بست سے رشک کر دن تو درست ہے

غالباً میرے معزز دوست بابو جلال پرشاد صاحب برق کو یہ بات یاد ہو کہ میں اس بات پر
 زلمے میں ایک اہم قصہ کیا تھا کہ میں مرحوم نسیم کی لائف لکھوں اور اسکا ذکر بھی کیا تھا ہے نہ
 بچے زمانہ کی گردش نے لکھنے سے دور پھینک دیا اور حضرت جب بست میرے سلی ٹنڈا
 اڑاے گئے۔ خیر تنہا تو نکل گئی گو میرے قلم سے نہیں۔ حضرت جب بست کے قلم سے سہی۔
 میں نے جھکٹے کی بخونین یہ ذکر دیکھا کہ (گلزار نسیم) میں قلم میری گئی ہے یہ اعتراض
 یقیناً میرے اُن دوستوں کی جانب سے ہے جو گلزار نسیم کی خوبونے خلاف مضامین تحریر فرما رہے
 ہیں میں نے اُنکا کوئی مضمون پورا پورا نہیں دیکھا لیکن میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ کثرت اشاعت اور خلاف
 مطاب نے گلزار نسیم کی اصلی حالت ہی کو بدل دیا اور وہ اغلاط کتابت سے بھر گئے اگر اب بابت
 نے قوت میں سے کام لیا اور اغلاط کتابت کی تصحیح کر دی تو اچھا کیا۔ ایسی مداخلت تعریف کے
 قابل ہے نہ کہ حرف گیری کے قابل۔

جو واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک بڑے اُستاد کا دیوان چھپا ہوا تھا دیوان میں ایک
 شعر تھا جنہیں بجائے (طائر کے) جانور کا لفظ اُستاد نے کہا تھا یہ دھوکا ہو گیا تھا۔ ترتیب
 دیوان کے وقت میرے اُستاد مرحوم یعنی حضرت آسیہ بیہ صاحب دیوان کے بہت سے شاگرد
 موجود تھے سمجھوں نے لفظ (جانور) کو کاٹ کر لفظ طائر بنا دیا آپ خیال فرمائیے کہ یہ نیک نفسی
 تھی یا نہیں۔

حضرت غالب مرحوم کا دیوان فارسی جب منشی نوکشور مرحوم کے مطبع میں چھپنے کو آیا
 تب مولوی محمد ہادی علی اشک مرحوم صحیح تھے انھوں نے حضرت غالب کو تحریر فرمایا کہ آپ سے
 دھوکا ہو گیا ہے یعنی آپ فرما گئے ہیں۔ ع (چونکہ لب ز زمر مرے یا ابو الحسن)
 یہ مصرعہ حضرت غالب مرحوم کے ایک قصیدہ فارسی کا ہے دراصل حرف زدا کے
 ساتھ ابوالحسن فرمانا چاہئے تھا۔ حضرت غالب نے جواب تحریر فرمایا کہ میں نے کہا اسی طرح
 اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ غلط لفظ ابنی غلط حالت کے ساتھ چھپ گیا اور اب بھی سطرچ دیوان میں

موجود ہے۔ لیکن ہندوستان میں کون کہہ سکتا ہے کہ اسوج نے حضرت غالب کو باطنی استاد ہی سے باہر کر دیا۔ اب میں کہتا ہوں کہ استاد نظامی جتنا قسم ہے اور جنگی مثنوی کمالو با آج تک ملک فارس مانے ہوئے ہے وہ لفظ (اکوئی) کو بسکون رافرملے کے سکون جائز نہیں ہوا مگر استاد ہی کے دائرے سے تعین خارج کیے گئے۔

میں ایکو اس انتخاب کی جانب متوجہ کرتا ہوں جو حضرت مصطفیٰ مرحوم کے متعدد دیوانوں حضرت آسیہ و آسیہ مرحومین نے فرمایا اور وہ چھپ گیا ہے۔ آپ اُسکو اور حضرت مصطفیٰ کے اصلی دیوانوں کو ملاحظہ فرمائیے تو یہ عقدہ حل ہو جائے کہ دیوانوں کے اغلاط کتابت کی تصحیح کس حد تک انتخاب میں کی گئی ہے اب جو اعتراض گلزار نسیم کی تصحیح کے متعلق حضرت چکریٹ صاحب کیا جائے وہی اعتراض اُن دونوں استادوں پر بھی عائد ہو گا جو انتخاب کے بانی تھے سوانح عمری کا لکھنے والا بجائے قلم کے تعصب کا نشتر لیکر نہ بیٹھے جہاں تک نیک نفسی کام دہانتک جسے کی ضرورت کیا ہے۔ حکم اور پھر مردے پر تصحیح نہ کر کے تو تاویل اور تاویل نہ ممکن ہو تو تسلیم۔ بہتر روش یہی ہے میرے عزیز دوست جو گلزار نسیم کو نسیم مرحوم کی تصنیف نہیں قرار دیتے آخر اسکی وجہ کیا ہے۔ اردو زبان جہاں رواج پائی ہوئی ہے۔ وہاں فطرتاً ہندو اور مسلمانوں میں مشترک ہے۔ ہندو اسکے مقلد نہیں ہیں بلکہ حسب طرح مسلمانوں کو اس پر دعویٰ کا حق حاصل ہے اس طرح ہندووں کو بھی حاصل ہے اردو ہندوستان ہی میں پیدا ہوئی جہاں کے رہنے والے ہندو اور مسلمان دونوں ہیں۔ فارسی جو خاص مسلمانوں کی زبان تھی اور ہندو جسکے مقلد تھے اس میں بھی تشکیک نہ صاحب بہار غم۔ رائے راجان انڈیا غم غرض رائے۔ عشرت۔ چندر بہان برہمن بھوپت رائے بنغیر اور ارباب کمال نے کیسی کیسی بلند نامیاں حاصل کیں آخر کس کے کس کے کمال پر پردہ ڈالا جائیگا۔

اودھ چچ کی جلد نہیں پنڈت ترہون ناتھ مرحوم کے مضامین موجود ہیں وہ ہندو ہی تھے اور کشمیری بھی انکی پاکیزہ زبان سے کون انکار کر سکتا ہے۔ مثنوی بہار اور اٹھلیو اور توہنی

ترجمو نہیں جو زبان بابو جلال پرشاد صاحب برق نے لکھی ہے وہ کیسی پاکیزہ آخروہ ہندو ہی نہیں یقیناً بہت سے مسلمانوں کی کتابوں سے ان کتابوں کی زبان لطیف ہے نسیم حرم اگر زندہ ہوتے تو وہ اہل زبان ہونیکا دعویٰ کر سکتے تھے اور انکا دعویٰ بھی صحیح تھا ایسے کہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے چلے جئے ڈیرپنچ میں کسی کی طرف کشی نہیں کرتا بلکہ میرا خیال صرف اسقدر ہو کہ نسیم کی لائف لکھکر اگر حضرت ایک بست نے اردو کی شاعری اور زبان پر احسان کیا ہے تو اسکا شکر گزار ہونا مناسب ہے تاکہ جو صلیے برصین اور لائف سے مردوں کے نام زندہ ہوں۔ آخر میں اور حضرت شہر سب مرنے کو گئے ہیں اگر میں زندگی میں یہ خیال کروں کہ مرنے کے بعد مجھے گالیوں سے یاد کرینگے تو کسقدر میری روح کو اس زندگی ہی میں تکلیف ہو۔ اے حضرت جو شخص شعر کہتا ہے اُسی کا دماغ اُسی کا دل اُسی کا کلیجا جانتا ہے فی نفسہ حسن اور گلزار نسیم) یہ دونوں مثنویاں ایسی ہوئی ہیں جنکی جو بیون تک کلام کو پہونچانا اگر ممکن نہیں ہے تو اسقدر مشکل ضرور ہے کہ جسکا آسان ہونا ہی مشکل قرار دیا جائے (ترانہ شوق) کی تصنیف کے وقت جو خون جگر میں نے کھایا ہے اُسکا یقین ارباب فہم کو خود ہی ہو سکتا ہے اور گو میری جانب سے مقابلہ نہیں تھا بلکہ تقلید تھی لیکن نسیم کی سلاست فصاحت نے جو صلیے کو اسقدر پرست کیا کہ اب ایک نئی مثنوی جو حسن کی بحر میں میں نے کہی ہے اُسکو (حسن) کے رنگ ہی سے بچایا ہے اور بالکل علیحدہ روش اختیار کی ہو۔ شاید قریب زمانے میں چھپ جائے روش کے بدلنے کی خاص وجہ یہی ہو کہ نسیم مرحوم کے رنگ کو اختیار کر کے میں پشیمان ہو چکا تھا۔

میں اس بات کچھ حرف نہیں رکھتا کہ نسیم کی لائف پر کیوں نکتہ چینی کی گئی اگر نکتہ چینی نہ ہوتی تو کتاب خاموشی کے لباس میں مقبول رہتی۔ نکتہ چینی اسکے مقبول ہونے کی دلیل اور گویا حضرت مصنف کو سبار کہا وہ ہے۔ البتہ اسقدر میں جان نہیں سکے دوستوں سے عرض کروں گا کہ تحریر میں تعصب سے دور اور اخلاص سے ہم نوا رہیں تو لطف کی بات ہے اور عام دیکھنے والوں کو تحقیقی فائدہ بھی پہونچے

(راقم احمد علی شوق)

از کشمیری درہن بابت ماہ اگست ۱۹۰۵ء جلد ۳ نمبر

× گلزار نسیم - اور مرحوم نسیم

(از احمد علی شوق)

مائی ڈیر اودھ پنچ گلزار نسیم پر نکتہ چینوں سے مرحوم نسیم کی روح بہت کشمکش میں ڈالی گئی۔ جانبین سے یہ بحث بہت طوالت کو پہنچی اگر نسیم یا آتش زندہ ہوتے تو فیصلہ ممکن تھا اور اب اگر اس بات کا فیصلہ نظر ہے کہ یہ مثنوی نسیم کی نہیں ہے تو نسیم اور آتش کی زندگی کو واپس لانے کے لئے خواجہ خضر علیہ السلام کی تلاش کی جائے۔ بشرطیکہ وہ زندہ اور اب حیات کین موجود ہو۔ یہ کام حضرت نکتہ چین کو کرنا چاہیے۔

میں تو یہی کہوں گا کہ یہ مثنوی نسیم مرحوم کی ہے اس کے خلاف صرف قصتوں اور بیانیوں سے کوئی دلیل اس بات پر نہیں قائم ہو سکتی ہے کہ یہ مثنوی کسی اور کی ہے۔ اگر گلزار نسیم حضرت نسیم کی نہیں ہے تو گلستان شیخ سعدی کی نہیں ہے۔ اور ختمہ نظامی کا نہیں ہے اسکے لئے بھی حضرت نسیم کی جانب سے چند قصے تصنیف ہو سکتے ہیں۔

نسیم مرحوم لکھنؤ کے رہنے والے تھے اہل زبان تھے جب باہر لے لکھنؤ میں رہ کر زبان دان ہو سکتے ہیں تو وہ شخص جسے لکھنؤ میں پیدا ہو کر کہیں آنکھیں کھولی ہوں یہیں زبان کھولی ہو یہیں عمر بھر رہا ہو اس کا فصیح البیان ہونا کیا تعجب کی بات ہے بعض لوگوں نے

اسی بحث میں ترانہ شوق کی جانب اشارہ کر کے میری جانب یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ میں نے گلزار نسیم کا جواب کہا ہے۔ حاشا میں نے جواب نہیں کہا ہے ہاں اُسی بحر میں ایک مثنوی کہی ہے جس بحر میں گلزار نسیم ہے اور یہ کوئی بات نہیں۔ مثنوی کہنے کی واسطے آخرین اُنھیں بحر میں سے کوئی بحر اختیار کرتا جو مثنوی کے واسطے مختص ہیں۔ پھر میں نے یہی بحر پسند کی تو کیا تصور کیا۔

دُور پنج میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ گلزار نسیم کی خوبیوں کو میل دل ہی جلتا ہے اور میں سچ کہتا ہوں کہ نسیم مرحوم نے جس فصاحت کے ساتھ گلزار نسیم کو نظم فرمایا ہے میں اُسکو نہیں پہنچ سکا میں نے اپنی قوت شاعرانہ ایک حد تک (ترانہ شوق) میں صرف کی اور اس قدر صحیح ہے کہ (ترانہ شوق) کی تصنیف کے وقت گلزار نسیم میری نگاہوں کے سامنے تھی حاشا اس غرض سے نہیں کہ میں اس کا جواب کموں بلکہ اس غرض سے کہ بحر ایک ہی ہے مضامین لڑ نہ جائیں۔ لیکن نسیم کی فصاحت بیانی نے میری یہ حالت کی کہ جا بجا دانتوں پسینا اُگیا اور پھر بھی میں کامیابی کی حد تک نہ پہنچ سکا۔ مثلاً نسیم مرحوم نے فرمایا ہے۔

چھائے پُربین گال اگر چھوے ہوں کالے ڈسین بال اگر چھوے ہوں

ترانہ شوق میں بھی یہ رنگ ایک مقام پر آگیا ہے اور میں نے اُس جگہ بہت شعر لکھا۔ مگر نسیم مرحوم کے اس شعر کی لطافت اور فصاحت اور تناسب الفاظ کو میرا کوئی شعر نہیں پہنچ سکا۔ میں نسیم مرحوم کی روح کو گلزار نسیم کی داد کہاں تک دوں۔ جس رنگ میں یہ مثنوی ہے اپنی مثال آپ ہی ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ حضرت آتش مغفور کا یہ رنگ ہی نہیں اگر وہ مثنوی فرماتے بھی تو شاید گلزار نسیم کی سی نہوتی۔

ایک عنایت فرمانے عجیب مذاق کیا یعنی گلزار نسیم پر دیو یو کرتے ہوئے ترانہ شوق کے دو شعر لکھ دیے کہ نسیم کے ہیں وہ دیو یو نقلاً میں نے ایک جدید پرچہ میں دیکھا تھا ایک شعر تو یہ تھا۔ ایک شب کہ بھٹی خال روئے شامت + یا مردم دیدہ قیامت۔

دوسرا شعر اس وقت مجھے یاد نہیں رہا۔ میں اپنے عنایت فرما کا شکر گزار تو ضرور ہوں کہ انھوں نے نسیم مرحوم کی نظم کے پتے پر میری نظم کو تو لائیکن میں تعجب کرتا ہوں کہ نسیم مرحوم کی سلاست کا رنگ انکی طبیعت سے شاید اتر گیا تھا اور یہ کہ گلزار نسیم کو سامنے رکھ کر وہ ریویو فرماتے تو یہ سہو نہوتا اور نہونا بہتر تھا۔

نسیم مرحوم سے اگر کہیں چوک ہوئی ہو تو اس سے انکی نصاحت اور شاعری پر حرف نہیں آسکتا مثل میرے جو احباب حضرت نسیم مرحوم کی خوبیاں کو اور انکی خوش کلامیوں کو مانے ہوئے ہیں انکو اسی حرف گیر یوں اور نکتہ چینوں پر ہیج و تاب کی ضرورت سے نسیم مرحوم انسان تھے اور انسان سے سہو اور خطا ممکن ہے حضرت حافظ شیرازی (تاجکجا) کی بے کو موقوف فرمایا تو اس سے انکا پایہ سخن نہیں گرا دیا گیا۔ شعر انسان تھے فرشتہ نہ تھے مسلمان تھے قائل ہیں کہ ہاروت و ماروت دو فرشتے انسان کے لباس میں نازل ہوئے تو ان سے بھی خطا ہے انسانی ہو گئی پھر نسیم تو فطرتی انسان تھے۔ بہر حال انسانی سہو و خطا سے نہ نسیم مرحوم مستثنیٰ ہو سکتے ہیں نہ میں نہ اور کوئی۔ مثل ہے کہ شمسوار ہی گرتا ہے اس سے میری غرض یہ ہے کہ شاعر ہی سے خطا ممکن ہے نہ کہ اُس سے جو شعر ہی نہ کہے۔ آپ شعر ہے فارس کے دیوانوں کو ملاحظہ فرمائیے کتنے شعر ایسے ملین گے جنھوں نے الف کے دھوکے میں عین کو قطع سے گرا دیا ہے۔ تو کیا اس سے انکی اُستادی اور فصاحت بیانی مٹ گئی تو بہ۔ البتہ اس قدر کم کہیں گے کہ دھوکا ہوا۔

خطا ہے انسانی کی مثالیں میں پیش کرتا ہوں شاید میرے ان دوستوں کو جو نسیم مرحوم پر نکتہ چینی فرما رہے ہیں۔ ان مثالوں سے تسکین ہو جائے بخشش کا شفی فرماتے ہیں۔ خندہ برمن نو خطان طفلان کتب خانہ ہم، کتب خانہ ملاحظہ ہو۔ کلیم ہدائی فرماتے ہیں ع کف مسودہ زلف یاربخواہم۔ مسودہ بہ تشدید دال ملاحظہ ہو) شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ زمین را از کمالیت شرف بر آسمانستی۔ کمالیت ملاحظہ ہو۔ نظیری نیشاپوری

فرماتے ہیں ع ظہور حسن تو ایسی ہی بہ دوران داد۔ امتیث ملاحظہ ہو۔ نظیری فرماتے
 ہیں ع کہ عجبائب ہاے دوران دیورا خاتم رسید۔ عجبائب ہاے ملاحظہ ہو خلاق المعانی
 کمال اسماعیل اصفہانی فرماتے ہیں ع باد صبا بروخواند یا ایہا المنزل۔ یا ایہا المنزل۔ قرآن پاک
 جملہ ہے اور بہ تشدید زہے مگر حضرت اسماعیل اصفہانی بلا تشدید زہ اس جملہ کو اپنی نظم میں لائے۔
 اب میں پوچھتا ہوں کہ ان میں کس شعر کو شعرا نے دائرہ استاد می سے خارج فرما دیا
 حاشا ایسا خیال بھی گناہ ہے۔ میں اس قسم کی مثالیں بیشمار پیش کر دوں۔ جنکو آپ سوا
 اس کے کہ سہو انسانی فرمائیں اور نہ کچھ فرما سکیں گے لیکن یہ چند الفاظ اس بات کے
 سمجھ لینے کے واسطے کافی ہیں کہ جب ایسے ایسے جلیل القدر با کمال اساتذہ سہو سے
 نہیں بچے تو بیچارہ نسیم مرحوم اور احمد علی شوق یا اور کوئی اگر چہ کے تو آخر انسان ہی
 ہے۔ میری آخری عرض اپنے دوستوں سے استفادہ اور ہے کہ اگر نسیم مرحوم کی روح
 اب بھی فاتحہ معکوس سے ثواب پہنچایا جائے تو ان سب اساتذہ کی روحیں بھی
 ثواب کی محتاج ہیں۔

(راقم احمد علی شوق)

از سالہ زمانہ نمبر ۴ جلد ۴ بابت ۱۷ جون ۱۹۰۵ء

۱۳۔ گلزار نسیم

(از نعت ادا لکھنوی)

اُردو زبان کی یہ مرقعہ اور مقبول عام مثنوی ہماری شاعر سی کے اُس ترقی یافتہ دور کی یاد دلاتی ہے جو ہندوستان مَدّت العمر نہ پیدا کر سکے گا۔ مبارک تھا وہ زمانہ جسے ناسخ سا امام فن - آتش ساجاد و بیان اور آئین سا خلدے سخن پیدا کیا اور لکھنؤ کو دلی کی مطابعت سے آزاد کر کے چار دانگ عالم میں اُسکو ن وانی کا سکہ بٹھا دیا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب اُردو نے ایک سنجیدہ زبان کی حیثیت پیدا کی اُسپر کی ابتدا ملی خامیوں اور بے ترتیبیوں کا بوجھ اُتار لیا اور وہ (زبان) فراز ہوئی۔ اسی زمانہ میں ایسے ایسے شاعرانِ پیشہ سخن پیدا ہوئے جن کا نام لیتے ہو۔ تصانیف پریرا بد حادث کے زیر دست جھونکے بھی کوئی اثر نہ کر سکے اور جو باوجود خیالات بھی اب تک اپنی شہرت پر حرف نہیں آنے دیتیں۔

ن کی ایک نظم ہے جسے جتنی مرتبہ اور جتنے غور سے پڑھے ایک ناسکے دقائق اور نزاکت فن تک پہنچتا ہے تو ایک وجدانی کیفیت اُٹھن ایسے ایسے نازک استعارے اور بلند خیالی کے نمونے موجود ہیں ترقی کا پتہ دیتے ہیں۔ اور مجموعی حیثیت سے اُٹھن علیٰ غری کے

لطیف

ما

پیر

اتنے ارکان جمع ہو گئے ہیں جو دوسری فنون بلکہ اردو کی کل تصانیف میں کبریتِ احمر کا حکم رکھتے ہیں۔

قاعدہ ہے کہ جب کوئی فن ترقی کرتا ہے تو آئین اسی اسی باریکیاں پیدا ہوتی ہیں جو بادیِ نظر میں محسوس نہیں ہوتیں اور نادانِ افغان فن اُنکے سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ لیکن جب ذہن اُن باریکیوں تک پہنچ جاتا ہے تو دوسری محولی اور سادہ چیزوں میں کوئی لطف نہیں ملتا۔ خصوصاً شاعری کے لئے تو سخت ضرورت ہے کہ اُسکے دقائق تک پہنچے اور لطف اٹھانے کے لئے خاص قابلیت پیدا کی جائے۔ شاید اسی خیال سے اعلیٰ درجے کے شعرا (سخن دلپذیر کے ساتھ) دلِ سخن پذیر کی بھی قید لگادی ہے گویا یہ دونوں لازم و ملزوم چیزیں ہیں جنکے بغیر نہ شاعری ہو سکتی ہے نہ شاعری کی قدر۔

خود شاعری ایک ایسی چیز ہے جسے دنیا میں آج تک بہت تھوڑے لوگ سمجھتے ہیں عام طور پر نظم اور شاعری دونوں ہم معنی الفاظ سمجھے جاتے ہیں حالانکہ دونوں کے مفہوم اور نوعیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے دلی جذبات اور خیالات مقررہ وزن و قافیہ میں نظم کر دینا اور چیز ہے اور (شاعری) اور چیز ایک تصور اپنی تصویر میں کوئی ایسی ادا دکھانا جسیرِ طبیعت بے اختیار لوٹ جاتی ہے اور یہی شاعری ہے۔ ایک گویا اپنے گانے میں کوئی ایسی تان لگاتا ہے کہ لوگ کچھ تھام لیتے ہیں۔ یہ بھی شاعری ہے۔ اسطرح ہر اہل فن اور صنّاع اپنے اپنے فن میں شاعری کرتا ہے۔ گویا شاعری اُس ماہِ الا متیازِ چیز کا نام ہے جو ایک اداسے خاص رکھتی ہے اور وہ ہر شخص کا حصہ نہیں اسلئے شاعری کو وہی کہیں سببی سحے کہ ایک شاعر کیسا ہی زبردست استاد کیوں نہ ہو کہ وہ اُسوقت نہ مانا جائے گا جب تک اس کا کلام کوئی اداسے خاص نہ رکھتا ہو البتہ اُسکی موزونی طبع اور اُستادی میں کلام نہیں زبان تو غنچوں کے بھی مُنھ میں ہے یہ کیا لازم کہ جسکے مُنھ میں زبان ہو سنخ اسطرح زمانہ جاہلیت میں سادہ شاعری مزا دیتی ہے اسطرح زمانہ تہذیب میں

لطف خاص لکھا ہے۔ صرف اتنا فرق ضرور ہے کہ زمانہ جاہلیت میں سب کے سب ہم مذاق ہوتے ہیں اور زمانہ تہذیب میں تعلیم یافتہ لوگوں کے ساتھ غیر تعلیم یافتہ اشخاص کی بھی ایک تعداد باقی رہ جاتی ہے۔ اور ایسے ترقی یافتہ شاعری عام دونوں کو اُس قدر نہیں اُجھا سکتی جب قدر سادگی شاعری اپنے زمانہ جاہلیت میں۔ اس مسئلہ کو زیادہ وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لئے (ملٹن) اور (کارلائل) کی معیار شاعری پر غور کرنا چاہیے۔ دونوں نے اپنے اپنے خیال و مذاق کے مطابق رائے دی ہے اور دونوں کے خیالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ملٹن کے زمانہ تک انگریزی شاعری اگرچہ تھوڑی بہت ترقی کر چکی تھی تاہم سوسائٹی بڑی بڑی خیال کا گہرا اثر باقی تھا اور اصول میں کوئی نزاکت نہیں پیدا ہوئی تھی۔ ایسے اس نے شاعری کے لئے سادگی اور تاثیر ضروری جزو خیال کیے ہیں۔ لیکن کارلائل جو متاخرین میں ایک بے نظیر نقاد بن گزرا ہے اور جس کے وقت میں انگریزی شاعری حراج کمال پر پہنچ گئی تھی وہ جدت و اختصار نازک خیالی اور جودت طبع کو اسطوار کا نشان شاعری قرار دیتا ہے۔

دونوں کے معیار میں جو فرق ہے وہ صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے اگلے وقت میں کسی سادگی شعر میں بھی تاثیر کا پیدا ہونا غنیمت سمجھا جاتا تھا لیکن زمانہ اب میں صرف تاثیر سے تسکین نہیں ہوتی تھی بلکہ اُن صنایعوں کی بھی ضرورت لاحق آئی جو عروس سخن کا زیور ہیں۔ اُن زیوروں جو دلکش ادائیں پیدا ہوتی ہیں انھیں کا نام تاثیر ہے۔ ورنہ طعام بے نمک سے لذت آشنا طبع کی حافی نہیں ہو سکتی اور تہذیب کا یہ اقتضا ہے کہ انہیں نگہات کو ترقی ہو۔ انھیں نگہات کو عرف عام میں صنائع و بدائع شعری سے تعبیر کیا گیا ہے۔

بہر حال اگر آؤں گا کہ معیار کو پیش نظر رکھ کے گلزار نسیم کو جانچا جائے تو اُس میں ترقی یافتہ شاعری کے کچھ نازک خیالات اور کمال طبع پر ملتے ہیں اختصار پر تو اس نظم کی بنیاد ہی قائم ہے اور یہ التزام اول سے آخر تک یکساں حالت میں پایا جاتا ہے۔ نازک خیالی اور جودت طبع کے نمونے بھی ہر جگہ

موجود ہیں اگر کی ہے توجہ خیال کی گرا کے لیے شاعر معذور ہے کیونکہ اصل قصہ کی تصنیف سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ وہ بہت قدیم تصنیف ہے جسے اُس نے صرف نظم کیا ہے۔ تاہم تشبیہ و استعارہ کی صورت میں ایک حد تک جدت سے بھی کام لیا گیا ہے۔

زبان کو تاریخی حیثیت سے جانچنے کے لیے قدیم و جدید تصانیف کا موازنہ نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ جب تک ایک چیز کے دونوں سامنے ہوں انہیں اچھے بڑے کی تمیز محال ہے۔ اس خیال کو پیش نظر رکھ کے اگر اُردو کی قدیم مثنویوں پر نظر ڈالی جائے تو میر تقی میر کی چھوٹی چھوٹی مثنویوں اور میر تقی ہوس کی لمبی اجنون سے میر حسن کی مثنوی نسبتہ عمدہ ہے۔ میر حسن کے دو حریف قاصد زبان حال سے بتاتے ہیں کہ واقعات کی ترتیب میں جو وسعت اور سنجیدگی غزبات سے تعلق رکھتی ہے اسوقت اُردو میں انکی گنجائش نہیں پیدا ہوئی تھی۔ میان ہوس نے اس میدان میں ایک قدم اور بڑھایا مگر قصے کی تصنیف میں نہیں بلکہ ترجمہ میں۔ میر حسن نے اپنا قصہ خود تصنیف کیا ہے اور گو انہیں بھی اصول فن کے مطابق کوئی جدت نہیں بلکہ سارا سالہ فارسی سے مستعار لیا گیا ہے تاہم وہ اتنی بڑی مثنوی کا مصنف ضرور ہے جو اس سے پہلے اُردو میں موجود نہ تھی مگر اسوقت اور بھی کئی مثنویاں لکھی گئیں جن میں بعض طبع مزاد اور بعض مشہور قصوں کے نظم کرنے سے تعلق رکھتی تھیں۔ لیکن چونکہ اُردو کے ابتدائی دور میں میر حسن کی مثنوی سحرالبیان سے بہتر کوئی مثنوی موجود نہ تھی لہذا اسکی شہرت نے سبکی روشنی ماند کر دی

ان تصنیفات کے بعد (نگار نسیم) کی نوبت آئی۔ مگر اسوقت زبان اپنی مقررہ حد سے بہت آگے بڑھ چکی تھی اور انہیں لطف بند شون نازک استعاروں اور جدید محاوروں سے ایک خاص خوبی پیدا ہو گئی تھی لہذا مصنف نگار نسیم کو وہ باتیں قدرتی طور پر چل چو گئیں جو تنقید کے لیے ناممکن تھیں اب بجائے ٹوٹی بھوٹی زبان میں زور بلیغ دکھانے کے ہر قسم کے اداس خیال کے لیے زبان کی شستگی اور سنجیدگی خود ہی زبردست قوت تھی یہی وجہ ہے کہ اس مثنوی کے شائع ہوتے ہی تمام قدیم مثنویوں کے چراغ ایکدم سے گل ہو گئے۔

تاہم (سحرالبیان) میں اسقدر قوت باقی تھی کہ وہ برسوں گلزار نسیم کا ناکام مقابلہ کرتی رہے اور اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان مثنویوں کے مختصر موازنہ سے مذکورہ بالا مسئلے پر بقدر روشنی ڈالی جائے اور وہ طلسم ٹوڑ دیا جائے جو سچی تنقید کی راہ میں پورٹ آرٹھر سے کم سدا رہ نہیں —

اُردو شاعری چونکہ ہمیشہ سے فارسی شاعری کی تابع رہی ہے لہذا اسکی ہر تصنیف میں فارسی مذاق غالب رہا ہے۔ چنانچہ اُردو کے دور اولین سے لیکر آخر زمانے تک کے شعر کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ اپنی ہر تصنیف کو التزامِ احمد و نعت سے شروع کرتے رہے ہیں ستنے کہ مسلمان شعرا کے علاوہ ہندو شعرا بھی اسے اپنا فرض منصبی جانتے تھے اور ان باتوں کو شاعری کا جزو اعظم خیال کرتے تھے۔ اس بیان کی تصدیق کے لئے اتنا ہی کتنا کافی ہے کہ ابتداً انتہا تک کسی ہندو شاعر کا کلام حمد و نعت سے خالی نہیں مل سکتا اور اگر کہیں شاذ و نادر مل جائے تو اسے مستثنیات میں داخل سمجھنا چاہیئے۔

پنڈت دیانند نسیم نے بھی اپنی مثنوی میں ان باتوں کا التزام کیا ہے اور حیرت بھی لیکن جن مطالب کو نسیم نے صرف چار شعروں میں ادا کیا ہے۔ حسن نے اُنکے لئے ایک سو اشعار کہے ہیں دونوں کے اشعار دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ قادر الکلامی جو ترقی یافتہ دور کا حصہ ہے ابتدائی دور میں نہیں پیدا ہو سکتی۔ حسن بار بار ایک بات کو بیان کرتا ہے اور کوئی چل نہیں بٹھتی وہ ایک تشبیہ دینے کے بعد ہی دوسری تشبیہ دیتا ہے اور جب کافی اطمینان نہیں ہوتا تو پھر وہی ناکام کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ نسیم نے جو بات ایک مرتبہ کہی اُسے دُہرانے اور بار بار بیان کرنے کی ضرورت نہیں باقی رہی دیکھئے شروع کے چار شعروں میں احمد و نعت منقبت اور قلم کی عام تعریف کس شاعرانہ لطافت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ ایسی جامع و مانع خیالات شاعری کی انتہائی ترقی پر محمول ہیں —

ہر شاخ میں ہے شکوفہ کاری لڑہ ہے قلم کا حمد باری

کرتا ہے یہ دوزبان سے کسیر
 حمد حق و مدح سیمبر
 پانچ انگلیوں سے یہ حرفن ہے
 لیکن کہ مطیع پنجتن ہے
 ختم اس پہ ہونی سخن پرستی
 کرتا ہے زبان کی پیشدستی

جب شہسوی کا نام (گزارنسم) ہے تو بہار یہ تمہید کی ضرورت تھی ساتھ ہی بہ مشکل بھی
 کہ تمہید و تحمید دونوں دست و گریبان ہوں۔ دیکھئے شاعر نے پہلے ہی شعر میں اس شعر کا
 گزار گھاٹی کو کیونکر طے کیا ہے۔ قلم ایک درخت کی شاخ ہے اور شاخ کے لیے شگوفہ ایک
 لازمی چیز ہے جس سے بہار کی طرف اشارہ ہو گیا۔ لیکن یہ مشکل باقی رہ گئی کہ شاخ قلم کے
 لیے مگر کمان سے آئے۔ کیونکہ وہ ایک بے ثمر درخت کی شاخ ہے۔ یہیں پر شاعر اپنی
 خدا داد طبیعت کا اعجاز دکھاتا ہے یعنی اس شاخ کے لیے ایسا ثمر (حمدباری) پیدا کیا گیا جو
 موزون بھی اور انمول بھی۔

دوسرے شعر میں قلم کی دوزبانوں سے دو کام لیے گئے جو مناسبت کے لحاظ سے
 لاجواب ہیں۔ اگر ان دونوں زبانوں سے کوئی ایک کام ملتا جاتا تو شعر کی جامعیت میں کسر
 رہ جاتی اور اسلئے شاعر نے ایک جزو اعظم کو بیکار نہیں چھوڑا۔
 تیسرا شعر قلم کی گرفت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کیونکہ اب لکھنے والے کی پانچ انگلیاں بھی
 اسکی معین ہیں۔ اس اعانت کی بدولت اُس نے پانچ کام اور کیے۔ یعنی پنجتن کی اطاعت
 کتنی نازک تخیل! ہے

چوتھا یا آخری شعر عرض قلم کی تعریف میں ہے ایسا بلند مرتبہ شعر ہے جسکی نظیر دنیا اردو میں
 آسانی سے نہیں مل سکتی۔ قلم پر سخن پرستی کا ختم ہونا اور زبان کی پیشدستی کرنا واقعہ نفس الامری
 کے اس قدر مطابق ہے کہ یہ نچول شاعری اس سے زیادہ کوئی خوبی نہیں پیدا کر سکتی ایک شاعر کا
 یہ کام نہیں کہ وہ عام اور معمولی باتوں کو نظم کر کے اپنے فرائض سے سبکدوش ہو جائے۔ بلکہ
 وہ ایسے خیالات پیدا کرتا ہے جو انسانی معلومات سے بالاتر ہوں اور اُس میں کوئی مفید اضافہ نہیں

یہ بات یحییٰ نسیم نے بتائی کہ قلم زبان کا قائم مقام ہے اور جو کام تم زبان سے لیتے ہو وہ قلم سے اُس سے بہتر حالت میں لے سکتے ہو۔ بلکہ جہاں تمھاری آواز کی رسائی نہیں وہاں تمھاری تحریر تمھارے مقاصد کی وکیل بن سکتی ہے۔

چارون شعرون میں سلسلہ بیان۔۔۔ درایج خیالات۔۔۔ تناسب لفظی۔۔۔ لطف زبان۔۔۔ جدت خیال۔۔۔ جودت طبع۔۔۔ اختصار اور نزاکت فن کے ساتھ صنائعِ بدائعِ شعری بھی اس حد تک موجود ہیں کہ اگر یہ خوبی آخر تک قائم رہتی تو (گلزار نسیم) بھی دنیا کی چند منتخب نظموں میں شمار ہونے کے قابل ہتی۔ تاہم جس حد تک یہ اوصاف اس مثنوی میں موجود ہیں اردو کی کسی دوسری نظم میں نہیں ملتے۔

میر حسن نے صرف حمد میں چالیس لغت میں ۲۷ منقبت میں ۲۵۔ اور تعریف سخن میں دس شعر کہے ہیں۔ یہ طول بیان ہی اردو شاعری کی ابتدائی خامیوں کی کافی دلیل ہے ان اشعار کو بالاستیعاب پڑھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کی طبیعت۔۔۔ جدت۔۔۔ نازک خیالی۔۔۔ اختصار اور جودت طبع شاعری کے چاروں اعلیٰ اوصاف سے معرا ہے یہاں تمام اشعار نقل کرنے کی نہ گنجائش ہے نہ ضرورت۔ صرف (تعریف سخن) کے اشعار قبضہ کیے جاتے ہیں پر کھنے والے پر کھ لین گے اور سمجھنے والے سمجھ جائیں گے کہ انین شاعری کا جو ہر مفقود ہے جسکی ہم تصریح کر چکے ہیں۔

| | |
|----------------------------|-----------------------------|
| پلا بھگ کو ساقی شراب سخن | کہ مفتوح ہو جس سے باب سخن |
| سخن کی بٹھے فکر و نرات ہے | سخن ہی تو ہے اور کیا بات ہے |
| سخن کے طلبگار ہیں عقلمند | سخن سے ہے نام نگو یاں بلند |
| سخن کی کرین قدر مردان کار | سخن نام اُنکا رکھے برقرار |
| سخن سے وہی شخص مکتا ہے کام | جسے چاہیئے ساتھ نیکی کے نام |
| سخن سے سلف کی بھلائی رہی | زبانِ قلم سے بڑائی رہی |

کمان رستم و گیارہ فراسیاب سخن سے رہی یاد بہ نقل خواب
 سخن کا صلہ یار دیتے رہے جو اہر سدا مول لیتے رہے
 سخن کا سدا گرم بازار ہے سخن سنج اُن کا حسد یار ہے
 سب جب تک داستانِ سخن اُسی رہیں قدر دانِ سخن
 زبان کی ابتدائی خامیوں اور خیالات کی کمزوریوں سے قطع نظر کہ اگر طرزِ بیان کا
 غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ حسن نے شیخ سعدی کی (دکریا) کی نقل کی ہے۔ مگر کربا میں
 بھی بعض بعض مقامات پر اُن خشک نصائح میں شاعری کا اعلیٰ اجر موجود ہے۔ لیکن
 ان اشعار میں اُسکا کہیں پتہ نہیں۔ وہی فرسودہ خیالات ہیں جو فارسی میں عام طور پر
 موجود تھے اور انھیں بھی سلسلہٴ بیان اور مدارجِ خیالات کے ساتھ نظم کرنا دشوار ہو گیا
 حمد و نعت وغیرہ کی طرح مناجات بھی لگے زمانے میں ایک تصنیف کا ضروری جزو
 خیال کیجاتی تھی۔ حتیٰ کہ الیشیائی شاعروں کے علاوہ قدیم شعراے انگلستان
 میں ملٹن نے بھی نطق کی دیوی سے مدد مانگی ہے۔ حسن اور نسیم دونوں نے اسکا التزام
 کیا ہے۔ نسیم کی مناجات یوں شروع ہوتی ہے۔

یارِ بے میرے خامہ کو زبان نے
 افسانہ گل بکاؤلی کا
 ہر چند سنا گیا ہے اُسکو
 وہ نثر تھا دا نظم دون میں
 ہر چند جو لگے اہل فن تھے
 آگے اُن کے فروغ پانا
 پر بحر سخن سدا ہے باقی
 طعنہ سے زبانِ نکتہ چین روک

منقار ہزار داستان نے
 افسون ہو بہار عاشقی کا
 اُردو کی زبان میں سنخگو
 اس نے کو دو آتشہ کروئیں
 سلطانِ قلم و سخن تھے
 سورج کو چراغ ہے دکھانا
 دریا نہیں کارِ بند ساقی
 رکھ لے میری اہل خامہ میں فک

خوبی سے کرے دلون کو تسخیر نیز نگ نسیم بارغِ شمیم
نقطے ہوں سپند خوش بیانی جدول ہو حصارِ سحر خوانی
جو نقطہ لکھوں کہین نہ حرف لکے مرکز پر کشش میری پوچھ جا

ان اشعار میں مذکورہ بالا اوصاف کے علاوہ محاورات کی پختگی اور بلاغت ترقی زبان اور بلندی خیال کی کافی شہادت ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جب زبان ترقی کرتی ہے تو اس میں کفایت و خوبی پیدا ہو جاتی ہے

زورِ نظم بھی تدریجاً بڑھتا گیا ہے جو ایک شہابی کے لئے ضروری چیز ہے لیکن سلسلہ بیان میں ایک جگہ گتھی پڑ گئی ہے یعنی تیسرے اور پانچویں شعر میں تسلسل نہیں قائم رہ سکا اور دو جگہ معترضہ معلوم ہوتے ہیں۔ کم از کم ان دونوں شعروں کا پیرایہ نظم مختلف ہونا چاہیئے تھا۔

میر حسن کی مناجات حسب ذیل ہے

اکہی بختِ رسولِ امین بختِ علی و باصحابِ دین
بختِ بتوں و آلِ رسول کروں عرض جو میں سہوے قبول
اکہی میں بندہ گنہگار ہوں گناہوں سے لپٹے گراں باریا ہوں
مجھے بخشو میرے پروردگار کہ تو ہے کریم اور آمرزگار
مری عرض ہے یہ کہ جنتک جیوں شرابِ محبت کو تیری پیوں
سوا تیری اُلفت کے سب کچھ ہے بیج یہی ہوں وہ اور کچھ اتنی بیج
جو غم ہو تو ہو آملِ احمد کا غم سو اس الم کے نہ کچھ الم
رہے سب طرف سے میرے دل کو چین بختِ حسن اور بختِ حسین
کسی سے نہ کرنی پڑے اتنا تو کہ خود بخود میری حاجت روا
صحیح اور سالم سدا مجھ کو رکھ خوشی سے ہمیشہ خدا مجھ کو رکھ
میری آلِ اولاد کو شاد رکھ میرے دوستوں کو تو آباد رکھ

مین کھاتا ہوں جب کا نمک اے کریم سدا اپنے کریم تو لے کریم
 جیوں آبرو اور حرمت کے ساتھ رہوں میں عزیزوں یعنی تے کے ساتھ
 براؤں میرے دین و دنیا کے کام گنجِ مختصہ علیہ السلام
 فرض کیا کہ اس مناجات خضوع و خشوع کے جذبات بہت زیادہ ہیں مگر اسے ایک
 منہوی سے کیا تعلق ایسی دعا تو ہر مسلمان نماز پڑھنے کے بعد مانگ لیا کرتا ہے۔ مگر وہ سب سے
 لکنا نہیں پھرتا اگر ہنڈ تسمیم بھی اپنی مناجات میں ایشور پرارتھنا لے بیٹھے تو آپر بھی سخت اعتراض
 واقع ہوتا مگر انھوں نے جو کچھ دعا مانگی ہے وہ اپنی تصنیف کے متعلق غیر متعلق ایک حرف بھی نہیں
 کہا علاوہ برین تسمیم کے کلام میں جو نور طبیعت اور محاسن شعری موجود ہیں حسن کے اشعار میں
 ان کا شائبہ تک نہیں۔

ان قصیدی مضامین کو چھوڑ کر نفسِ قصہ پر غور کیا جائے تو حسن و تسمیم دونوں کسی تعریف کے
 مستحق نہیں ہیں۔ مانا کہ سیر حسن کا قصہ طبعاً ہے لیکن اُس میں کوئی جدت نہیں قدیم مثنویوں کے
 طرز پر وہی دیو پرستی کے احساسِ نظم کر دینے لگے ہیں جو فارسی اور بھاشا میں موجود تھے
 تاہم ایک شاعر ان پرانی باتوں میں بھی ایک جدت پیدا کر سکتا ہے مگر جدت زمانہ جاہلیت کا
 حصہ نہیں۔ اس زمانے میں انسانی خیالات دوسروں کے تابع رہتے ہیں۔ چنانچہ حسن کے
 خیالات بھی شعر فارسی و بھاشا کے تابع رہے اُسے اپنے قصے کے لیے میٹھیل بھی
 کم ملا ہے۔ ناچار منہوی کو ان فضولیات سے بھر دیا ہے جو قصے سے بہت کم تعلق رکھتے ہیں
 مثلاً احمد و نفیت اور مروج کی تعریف جس کے لیے قصیدہ ہی موزوں ہے۔ قصے کی عام
 تعریف یہ ہے کہ اُس میں رنج و خوشی۔ راحت و مصیبت اور مختلف واقعات کے ساتھ انسانی
 زندگی کے نزویک دکھائے جائیں اور عجائباتِ عالم کی دلکش تصویریں کھینچ کے
 انسانی معلومات میں اضافہ کی کوشش کی جائے۔ ورنہ دنیاوی شان و شوکت اور
 وہ معمولی باتیں جس سے سنتے زمانہ کے کان پک گئے ہیں کوئی لطف خاص نہیں رکھتیں

لہر نوع قصے کے لیے غزابت ایک ضروری چیز ہے اور یہی وہ جوہر ہے جو ایک قصہ کو حسن قبول بخشتا ہے میر حسن کے قصے میں یہ جوہر عیناً کا حکم رکھتا ہے۔ نسیم کے قصے میں گو غزابت کا ایک منہ بہ منہ موجود ہے مگر وہ اس قصے کا اصلی مصنف نہیں اُس نے میر تقی ہوس وغیرہ کی طرح ایک مشہور قصے کو نظم کیا ہے اور جو کچھ کمال دکھایا ہے وہ صرف نظم میں۔ لہذا گلزارِ نسیم صرف باعتبار نظم جانچی جا سکتی ہے ورنہ اصل قصہ بخوبی ہوئی زبانوں سے لیا گیا ہے اُمین کوئی جھول کیونکر رہ سکتا تھا۔

میر حسن نے اپنا قصہ اس طرح شروع کیا ہے کہ ایک بادشاہ کے اولاد نہ ہوتی تھی آخر مایوس ہو کر تارک الدنیا ہونا چاہا اسے وزیروں نے تسلی دی کہ نجومیوں اور پنڈتوں کو بھلاتے ہیں اُس مقام پر بادشاہ اور وزیر کی گفتگو دائرہ تہذیب اور داب سلطنت سے قطعاً خارج ہے مثلاً وزیر بادشاہ اور اپنے ولی نعمت سے کہتے ہیں کہ

عجب کیا کہ ہر سچے چھارے خلف کرو تم نہ اوقات اپنی تلف
اسی قسم کی بے تمیزانہ گفتگو کے بعد نجومی اور پنڈت بھلائے گئے اور اُنھوں نے اپنے اپنے اصول کے مطابق بتایا کہ بادشاہ کے اولاد ہوگی اور وہ بہت آسانی سے ہوگی۔

اُسی سال میں یہ تماشا سُنو رہا محل اک زو جہ شاہ کو
نہیں معلوم یہیں تماشے کی کونسی بات ہے اور یہ کون ایسا عجیب و غریب واقعہ تھا جسے شاعر نے اس شد و حد کے ساتھ بیان کیا ہے نجومیوں نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس مولود یا شاہزادہ کو بارہویں سال میں خطرہ ہے تاہم جس روز بارہویں سال ختم ہوئے وہ لاٹھا اُسی شب کو لوگ شاہزادے کی طرف سے اس قدر غافل ہو گئے کہ یہی اُسے آرا لیکٹی ایک روحانی قصہ ہے جسے میر حسن نے باغ کی تہذیب سواری کے جلوس شادی کی و مہم و عہام اور وصل و ہجر کے طوفانی بیانات سے ایک فنی و شہسختی دی ہے۔

رہیں نظم کی خصوصیات ان میں جہاں کہیں کوئی سمان کھانے کی ضرورت ہوتی ہے وہاں میر حسن کا قلم قدرتی طور پر زور دار ہو گیا ہے۔ وجہ یہ کہ مشاہدات کی تصویر کھینچنا اس قدر مشکل کام نہیں ہے جس قدر کہ مضمون کا طبعیت سے پیدا کرنا اور اُسے واقعات کے مطابق بنانا میر حسن کے وقت میں گوردی تباہ ہو چکی تھی تاہم اُسکی گزشتہ شان و شوکت کے افسانے بہت تازہ اور ہر شخص کی زبان پر تھے۔ لیکن جہاں کہیں ذہانت اور طباعی دکھانے کی ضرورت لاحق آئی ہے وہاں میر حسن کو قدم قدم پر لغزش ہوئی ہے۔ ان لغزشوں کی بہت بڑی ذمہ دار تو زبان کی ابتدائی خامیاں ہیں تاہم شاعر کی طبیعت کمزوری کو کبھی کبھار نہ دخل ہے۔ کیونکہ اردو اگرچہ اس وقت ابتدائی حالت میں تھی تاہم مرزا سودا وغیرہ نے اُسے اتنی وسعت ضرور دیدی تھی کہ وہ ادلے مطلب کے لئے قاصر نہ تھی اور اُنہیں اتنی غلطیاں نہ تھیں جتنی (سحر الیاب) میں موجود ہیں۔ دیکھئے میر حسن نے اپنے ہر وہ نظیر کی تعریف میں کتنی ٹھوکرین کھائی ہیں ۵

| | |
|---------------------------|-------------------------------|
| دیا تھا زبس حق نے ذہن رسا | کئی سال میں علم سب پڑھ لیا |
| معانی و منطق بیان و ادب | پڑھا اُس نے منقول و معقول سب |
| خبردار حکمت کے مضمون سے | غرض جو پڑھا اُس نے (قانون) سے |

علم حکمت میں شیخ بوعلی سینا کا قانون بہت مشہور ہے۔ آخر می مصرع میں یہی رعایت لفظی مد نظر رکھی گئی ہے ورنہ قانون سے پڑھنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

لگا ہیئت و ہندسہ تا نجوم
زمین آسمان میں پڑی اسکی دھوم
کیے علم نوک زبان حرف
اسی (دخو) سے عمر کی اُس نے (صرف)
اس آخری مصرع میں بھی اگرچہ (دخو) کی جگہ طرح۔ طرز۔ طور۔ تین فصیح الفاظ نظم ہو سکتے تھے لیکن (صرف) کی رعایت سے ایک غیر فائز لفظ لانا ضروری سمجھا گیا۔

عطار کو آنے لگی اُسکی ریس
ہوا (سادہ لوحی) میں وہ خوشنویس
ایک ایسے شاہزادے کو جو تھوڑی دیر پہلے حد کا ذہین و طبائع ثابت کیا گیا ہے

محض خوشنویسی کی رعایت سے (سادہ لوح) (بیوقوف) کا خطاب دیدیا گیا رعایت لفظی کی اس سے زیادہ بدنامثال شاید امانت کے بیان بھی نہ مل سکے گی
 ہوا جبکہ (نوحط) وہ شیریں رقم بڑھا کر لکھے سات سے تو سلم
 (نوحط) سے سبزہ آغاز مراد ہے گربے نظیر تو اپنی عمر کے بارشوں سال میں مفقود الخبر ہو گیا تھا
 اس سن میں سبزہ آغاز ہونا لگا۔ خدا رعایت لفظی کا بھلا کرے جسے شاعر کو خواہ مخواہ
 غلط بیانی پر مجبور کیا ہے

(دیا ہاتھ) جب خامہ شکار لکھا نسخ و رکیان و خط غبار
 (دیا ہاتھ) یعنی ہاتھ میں لیا۔ یہ زبان کی ابتدائی خامیوں کا نمونہ ہے
 عروس الخطوط اور ثلث الرقاع خفی و جلی مثل خط شعاع
 دوسرے مصرع میں نہایت پُر لطف تشبیہ ہے۔ افسوس کہ سحرالبیان میں
 یہ تشبیہیں نادرات سے ہیں

شکستہ لکھا اور تعلیق جب ہوئے دیکھ حیران اتالیق سب
 محیرن کے کلام میں اگر کوئی خوبی ہے تو یہی کہ اُمین ہر فن کی اصطلاحیں بڑی فصاحت کے
 ساتھ ملتی ہیں اگرچہ شاعر کو انکا عمل استعمال بہت کم معلوم ہے۔ چنانچہ پری نے جو
 طلسمی گھڑا بے نظیر کو دیدیا تھا وہ ضرور ہے کہ لکڑی یا کسی دھات کا بنا ہوا ہوگا لیکن محیرن
 اُسے ایک اصلی گھڑا خیال کر کے حشری کمری۔ مٹھ زور۔ کتنہ لنگ۔ شب کو روغیو
 رب اصطلاحیں صرف کر دیں

کیا صنف قطعہ (گلزارِ باغ) کیا خط گلزار سے جب فراغ
 شاید (گلزارِ باغ) دہلی کا کوئی مشہور باغ ہوگا جسے رعایت لفظی میں مدد دی ورنہ
 قاعدے کے مطابق تو دو ہم معنی الفاظ۔ مل کے ایک بے معنی جملہ ہو جاتا ہے۔
 کروں علم اُسکا کمان تک بیان کہ ہے مختصر خوب یہ داستان

مگر یہ داستان لایینی بھی مختصر نہیں ہوئی۔ علوم کے بعد فنون کی باری آتی ہے۔ جبکہ بغیر ایک طفل دوازدہ سالہ کی کمالت میں کسر رہی جاتی تھی کیونکہ اسوقت کے علاوہ پچیس سے تمام عمر میں انکی تکمیل کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ ان علوم و فنون سے اُس نے اپنی تمام عمر میں کوئی کام بھی لیا یا نہیں اسکا جواب فتویٰ کی طرف سے نفی کے سوا اثبات میں نہیں مل سکتا پھر اس فضول کو اس سے کیا نتیجہ۔

کمان کے جو درپے ہوا بے نظیر (لیا پینچ) جگہ میں سب فن تیر کسی فن کا کھینچ لینا ایک نہایت عجیب بات ہے۔ اس ترقی یافتہ دور میں جن بھی اس مطلب کے لئے کوئی مشین نہیں ایجاد ہوئی لیکن کمان کی رعایت سے کھینچنے کی ضرورت تھی۔ کمان پر کھینچی فن تیر کھینچ لیا اور وہ بھی پسٹل (جالیس دن) میں کیونکہ کمان کے لئے جگہ بھی لازمی چیز ہے صفائی میں (سوفار پیکان کیا) گیا جبکہ تو وہ یہ طوفان کیا (سوفار پیکان کیا) نہیں معلوم کیا ممتہ ہے۔

رکھا چھوٹے ہی جو لکڑی بہ من کیا اپنے قبضہ میں سب اسکا فن ایک جگہ فن کھینچ لیا گیا دوسری جگہ قبضہ میں کیا گیا۔ مگر ہاں تو کمان کی رعایت سے کچھ تک بھی ملتا تھا ہاں اتنی بات بھی نہیں یعنی لکڑی میں قبضہ ہی نہیں ہوتا تو رعایت کیسی۔ پچھلتی کی ایک مشہور اصطلاح (چھوٹ) ہے میر حسن نے (چھوٹے ہی) سے یہی رعایت ملحوظ رکھی ہے۔

ہوین دست بازو کی سرسایان اُرانی گئیں ہاتھ میں گھاسیان ہم یہی کہ چکے ہن کہ میر حسن کو اصطلاحین نظم کرنے میں خاص کمال حاصل ہے عام اس سے کہ وہ کسی فن کی کون کون اور اگرچہ ایک شاعر کے او مضاف اُس میں موجود نہ تے تاہم وہ ایک ہمہ دان شخص ضرور تھا۔

رکھا سو تھی پر جو کچھ خبیال کے قید سب اُس نے ہاتھوں میں تال

گو شاعر کا مطلب یہ ہے کہ فنِ موسیقی میں کمال حاصل کر لیا نہ صرف تالو کو قید کر لینے سے کمال نہیں حاصل ہو سکتا۔ کیونکہ تال۔ سم موسیقی کے بہت معمولی اور ابتدائی مدارج ہیں۔ طبعیت گئی کچھ جو تصویر پر رکھے رنگ سب اسکے مد نظر پہلے شعر کی طرح اس میں بھی ذمہ کا پہلو نکلتا ہے۔ یعنی فنِ مصوری میں صرف رنگ کی شناخت ہو سکی اور کچھ نہیں۔ کئی دن میں سیکھایہ (کسب تفنگ) کہ حیران ہوئے دیکھ اہلِ فرنگ۔ (کسب) کے معنی خود سیکھنے اور حاصل کرنے کے ہیں پھر (کسب تفنگ سیکھا) کیا معنی لگتا ہے۔ ہم نے اس خیال سے کہ شاید بازاری طبوین کی بے پروائی سے کسی با معنی لفظ کی جگہ (کسب) کا لفظ چھپ گیا ہو گا سلسلہٴ ہجری کی ایک قلمی مثنوی بھی دستیاب کی مگر افسوس کہ اس میں بھی یہ مصرع اس سیطرہ پر درج ہے۔

مندرجہ بالا اشعار کو بالا دستیاب پڑھنے سے شاعر کی مبالغہ پسندی اور رعایتِ لفظی کی ناکام کوشش کے ساتھ زبان کی ابتدائی خامیوں پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے مبالغہ کی تو یہ حد ہے کہ جو شاہزادہ بارہ برس کی عمر تک نہایت احتیاط کے ساتھ مخلوقِ عین بندر بادہ باوچہ سے نفی عمری اور دیگر موانع دنیا کے ہر علم و فن میں یگانہ آفاق یا جج ثوابے نظیر ہو گیا مگر یہ علوم و فنون تمام عمر میں بھی اسکے کام نہیں آئے رعایتِ لفظی میں جو کمزوریاں ہیں وہ عثمانِ تصریح نہیں زبان کی خامیاں نہ صرف اسی سببکث میں بلکہ مثنوی کے ہر حصے میں موجود ہیں۔ نمونہ چند اشعار درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

کھڑے سرو کی طرح چینی کے جھاڑ کے تو کہ مدخوشبو یون کے پھاڑ
اول تو چینی کے جھاڑوں میں خوشبو کہاں دوسرے قاعدے کے مطابق خوشبو کی
جمع مدخوشبو یون ہو گی نہ کہ مدخوشبو یون

کہیں چاہے بیچ کہیں حوض و نہر ہر اک جاہِ دآبِ لطافت کی نہر
لطافت اہم ہے نہ کہ صفت پس آبِ لطیف کو آبِ لطافت کہنا قطعاً غلط ہے۔

کیزان مہر کی (دہر طرف) ریل چنبیلی کوئی اور کوئی راے بیل
اگر (طرف) کی جگہ سمت نظم کر دیا جاتا تو ایک انومی غلطی دور ہو سکتی تھی مگر شاعر کو اس کا
احساس ہی نہوا۔ کیونکہ یہ لفظ اس منظوم بین کئی جگہ اسی طرح نظم ہوا ہے۔
لئے ہاتھ میں بیچے مالین چمن کو لگین دیکھنے بھالنے
(مالین) اور بھالنے) قافیہ نہیں ہو سکتا۔ ایک شاعر کے لیے اس سے زیادہ شرمناک
غلطی ناممکن ہے۔

طویلے کے اُسکے جو ادے تھے خر (انھیں) نعلبندی میں ملتا تھا
شاعر کا مطلب تو یہ ہے کہ اُسکے فیاض مدوح کے طویلے میں ادے خرون کی نعلبندی
میں بھی بجائے روپے پیسے کے اشرفیان دیجاتی تھیں۔ اور زبان کی کمزوری نے یہ مطلب
پیدا کر دیا کہ شاہی طویلے کے ادے اشرفیان ہی کرتے تھے اور اشرفیان پلتے تھے۔ کیونکہ
ہو انھیں کی ضمیر براہ راست (خر) کی طرف راجع ہے۔ بہ بین تفاوت رہ از کجاست تابجا
دو خوشون طیورون) تلک بخلل پڑے آشیانوں سے اپنے مکمل
جوشی اور طائر کی جمع (دو خوش و طیور) ہے (دو خوشون طیورون) میں جمع الجمع کی
ترکیب واقع ہوئی ہے جو قطعاً غلط ہے۔

گلزار نسیم میں بھی چند غلطیاں واقع ہوئی ہیں مگر انکی شان نزول اور ہے مثلاً معنوی
یا ادبی غلطی کی مثال جو حسب ذیل ہے دونوں میں ایک طرح پر واقع ہوئی۔ نسیم نے آغاز
قصہ میں زمین الملوک کے بیٹوں کی اس طرح تعریف کی ہے۔

خاق نے دیے تھے چار فرزند دانا عاقل ز کی خسرو مند
لف و نشر مرتب کے لحاظ سے تو شعر لاجواب ہے۔ لیکن یہ چاروں فرزند بجائے
عاقل ہونے کے مدد کے سادہ لوح تھے جیسا کہ قصے سے واضح ہے۔ میر حسن نے
ابھی ایک جگہ مبالغہ کے لیے ہی جوش میں شاہزادہ بے نظیر کو (شبہ بے نظیر کہ یا ہے)

حالانکہ وہ اسوقت تک حالت شہزادگی میں تھا بلکہ ولیعهد بھی مقرر نہ ہوا تھا۔

گیا حوض میں جب شہ بے نظیر پڑا آب میں عکس باہر منیر
اس شعر میں اُس ادبی غلطی کے علاوہ جو اوپر بیان کی گئی ایک اور سخت غلطی ہے
قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص حوض میں اترتا ہے تو اُس کے پانی میں موج پیدا ہوتا ہے
اور عکس نہیں دکھائی دیتا۔ پھر یہ عکس کیونکر بڑھ سکتا تھا۔ وہ کوئی غلط سی حوض بھی نہ تھا
بلکہ عمومی حوض تھا جس میں بے نظیر اپنی سالگرہ کی تقریب میں غسل کے لئے اتر رہا تھا۔

ایک اور سبکدشت پر دونوں شاعروں نے مصوری کی ہے مگر حسن کے قلم کو اس میں بھی
لغزش ہو گئی تیر حسن نے اسوقت کی تصویر پر سی بے نظیر کو اٹھا لیکٹی ہے یوں لکھنی ہے
پر سی کے جذبات قابل ملاحظہ ہیں۔

| | |
|----------------------------------|--------------------------------|
| قضا ہوا ایک پر سی کا گذر | پڑی شاہزادہ پر اُسکی نظر |
| بھوکا سادیکھا جو رگ اگ | جلا آتش عشق سے اُسکا تن |
| ہوئی لاکھ جی سے وہ اسپر نثار | وہ تخت پر رہی ہوا سے اُتار |
| جو دیکھا تو عالم عجب ہے بیان | مٹور ہے سارا زمین آسمان |
| (دوپٹہ) کو اس مہ کے ٹھٹھ سے اٹھا | دیا... سے... اپنا ملا |
| اگرچہ ہوئی تھی زیادہ ہوس | ولیکن حیا نے کہا اُسکو بس |
| مئے عشق میں پھر یہ سو بھی ترنگ | کے چلے اسکا امانت پلنگ |
| محبت کی آئی جو دل میں ہوا | وہاں سے اُسے اُڑی دلربا |
| ہو واجب زمین سے وہ شعلہ بلند | ہوا میں ستارا سا چمکا دو چند |
| شب بزم میں وہ یون میں سے اٹھا | چلے شیرِ صبر سے جوش گھا |
| چلے رشک سے اُسکے شمع و چراغ | کہ اُس مہ کا پونجا فلک پر دماغ |
| غرض لیکٹی آن کی آن میں | اڑا کر وہ اُسکو پستان میں |

حسن دہلوی

غضبناک ٹپٹی تھی یہ تو اوھر
اُسے دیکھ غصے میں یہ ڈر گیا
بلایے وہ دیکھ اُسکے پیچھے پڑی
بچھے سیر کو میں نے گھوڑا دیا
الگ ہم سے یوں رہنا اور چھوٹنا
چلکنا دیا پختانہ تو نے یہی
پہرا جیسے راتوں (کو دلشاد تو
مزا دچاہ) کا دیکھ اپنی ذرا

کہ تنے میں آیا وہ رشک مگر
کہے تو کہ جیتے ہی مگر گیا
کہا سن تو اے موزی و صعی
کہ اُس (دما لڑادی) کو جوڑا دیا
یہ اوپر ہی اوپر منے لوٹنا
بھلا اسکا بدلانہ لون تو سہی
کرے گا (دونوں) کو بہت یاد تو
جھکاتی ہوں کیسے (کنوئین) بھلا

لیکھنوی

تو باغ ارم سے لگیا گل
بیرخ ترے واسطے ہوئی مین
تجھ کو ترے باپ سے ملایا
جو جو اصرار تھے نہ سانی
کیا لطف جو غیر پر وہ کھوے
چاہا تھا کروں سر سے یا مال
کیا کہیے کہ صورت اور کچھ تھی
اب تک ہیں وہ خارجی کے بچی مین

تو مجھ سی پر سی کو دے گیا جل
فرخ ترے واسطے ہوئی مین
مجھ کو یہ ملا کہ تجھ کو پایا
سب تجھ سے سنے تری زبانی
جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے
کرشکر سمجھ کہ تھا خوش اقبال
وقت اور ضرورت اور کچھ تھی
جلد آ کہ ہے مصلحت اسنی مین

بکا ولی کا یہ غصہ دو بدو میں ہے جیسا کہ میر حسن نے ماہر خ کے جذبات میں
دکھایا ہے اہل طور کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ چاہے کتنا ہی غصہ کیوں نہ ہو مگر مشوق کے
سامنے سب فرو ہو جاتا ہے مگر حسن کے وقت میں ان نازک جذبات کا احساس محال تھا

اور نسیم کے زمانے میں اسکی صلاحیت خود بخود پیدا ہو گئی تھی کیونکہ اسوقت پوری سوسائٹی عقائد و جذبات میں ڈوبی ہوئی تھی اور اُسہیں نرا کتین پیدا کر رہی تھی۔
نسیم نے اس سے زیادہ حیرت انگیز کام اس مقام پر کیا ہے جہاں تاج الملوک اور کالی
میں رمز و کنایہ کی گفتگو ہوئی ہے۔

| | |
|-------------------------------|----------------------------|
| جب پردہ صبح ہو گیا فاش | خندان خندان ہوا وہ برشاش |
| اُس غنچہ دہن کا مسکرانا | بے رنگ بکاؤلی نے جانا |
| ہنستے ہنستے کہا ہنسی کیوں | ہنستا نہیں بے سبب کوئی یوں |
| بولا وہ کہ خواب دیکھتا تھا | آتش پہ کہا باد دیکھتا تھا |
| بولی وہ کہ ہم بتا میں تعبیر | دلسوزی کہے گا کوئی دلگیر |
| بولا وہ کہ رات کو آفتاب میں | خورشید تھا آتش شفق میں |
| بولی وہ کہ مہربان شب روز | عالم میں رہو گے رونق افروز |
| بولا وہ کہ اک مقام ہو تھا | گلزارِ خنسیل رو برو تھا |
| بولی وہ بشر ہو تم دلاور | سر سبز ہو قوم آشتی پر |
| بولا وہ کہ دیکھی اک شبستان | شعلہ ہوا انجمن میں رقصان |
| بولی وہ کہ شعلہ میں پر می ہوں | جو تاج پنجباؤ نا چتی ہوں |
| بولا وہ کہ جب ہوا اُجالا | بخشامہ انجمن نے ہالا |
| ہالہ میر انجمن کا کیا تھا | وہ ہار بختا جو گلے پڑا تھا |
| گھبرائی پر سی کہ ہن یہ کیا ہے | بولا وہ کہ ہار نو لکھا ہے |
| کاندھے پہ تھا جسکے رات ڈالا | بچا ننتی ہو وہ طبع والا |

رمز و کنایہ میں اشارات کی پختگی کے ساتھ خیالات میں بحرِ نسیم ہرگز زبانِ شمعِ خنی
بھی لازمی ہے ساتھی یہ باتیں طرفین کی گفتگو میں مساوی ہونا چاہئیں کیونکہ عاشق و معشوق

قریب قریب ہم مذاق اور یکساں ذہن ہوتے ہیں مندرجہ بالا اشعار میں ان باتوں کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ایک پر دوسرے کی ذہانت فوق نہ لیجائے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو انسانی اُردو میں اب تک نایاب ہیں۔ نسیم نے ان قیود کے ساتھ ہر شعر میں تشبیہ و استعارہ اور محاورات کی روح چھونک کے اور بھی محو حیرت کر دیا ہے۔

محاورات اور ضرب الامثال میں میر حسن نے بھی کچھ زور طبع دکھایا ہے اور اپنے وقت کے بہت اچھے اچھے محاورے نظم کیے ہیں۔ لیکن اسکو کیا کیا جائے کہ اسوقت روزمرہ کی طرح محاورات میں بھی کوئی ندرت نہیں پیدا ہوئی کھتی مثال کے طور پر نسیم اور میر حسن کے دو شعر لکھے جاتے ہیں۔

میر حسن

ایسی طرح در پہنچ لیکر، شک کہ سنت برج را آن صاحب وکیل چلے
ملکی حالت تباہ ہو رہی تھی۔

قسمت سے مفر ہے اب نہ امن
تختہ کے تلے دبا ہے دامن
حسن کے کلام کی ساری خوبی یہیں ہے کہ وہ مشاہدات کی تصویر بہت سچی کھینچتا ہے اور اپنے زمانے کی تاریخ پر اتنی روشنی ڈالتا ہے کہ دوسرے شعرا نہیں ڈال سکتے۔ جتنا دھوم دھامی زمانہ اُس نے اپنی نظر سے دیکھا تھا یا تذکرہ کے طور پر سنا تھا سبکی تصویر اسکی مثنوی میں موجود ہے اس حیثیت سے وہ ایک بے مثل ناظم ہے۔ لیکن شاعری میں ایک شاعر کے لئے جسقدر فطری ذہانت اور مذاق سلیم کی ضرورت ہے وہ اس میں نہیں پائی جاتی نسیم کی مثنوی میں بھی اسوقت کی سوسائٹی کا کچھ رنگ آیا ہے مگر یہ تصویر مل نہیں۔ البتہ جسقدر ذہانت و طباعی کی ضرورت ہے اور ایک نظم میں جسقدر شاعرانہ خوبیاں ہونا چاہئیں وہ گلزار نسیم میں کامل طور پر موجود ہیں اور ان دونوں نامور شعرا کا مقابلہ کرتے ہوئے ہمارے فیصلہ ہے کہ ایک ناظم ہے دوسرا شاعر!

گلزار نسیم کے بعد چند اور مثنویان بھی شائع ہوئیں۔ انہیں حضرت واجد علی شاہ کی مثنوی (دریائے عشق) جو انھوں نے اپنے زمانہ ولیعہدی میں تصنیف کی تھی مرحوم کی تمام مثنویوں میں عمدہ ہے۔ اسی زمانہ میں آفتاب الدولہ قلق کی ہمت بالشان مثنوی (طلسم الفہم) تصنیف ہوئی مگر جتنی اسکی شہرت ہوئی اُسقدر خوبیاں اُس میں موجود نہیں۔ اسی سلسلہ میں نواب مرزا شوق کی تین مثنویان (بہار عشق) (زہر عشق) اور (درب عشق) بھی قابل الذکر ہیں۔ جو بھٹی مثنوی (لذت عشق) اس طباع شاعر کی تصنیف نہیں ہے نہ اُن میں اُس کا رنگ ہے نہ خصوصیات حتیٰ کہ اُسکی کج بھی بدلی ہوئی ہے بہر کیف اول الذکر تینوں مثنویان اگر نفس مذاق پڑھنی ہو تین تو کہا جاتا کہ اردو زبان کے صحیفے ہی ہیں درحقیقت یہی اسکی کینو زبان کے نمونے تھے جنسے مرزا داغ مرحوم نے اپنی فصاحت کا جریغ جلائیے آخر میں (ترا) بولا وہ نہ رات نواخت میں خورشید تھا اس عشق میں بحر بھی وہی پسند کی گئی ہے۔ مگر وہ بات کمان۔

گلزار نسیم میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اول سے آخر تک ایک رنگ میں ڈوبی ہے اور اسکا ہر شعر بتا دیتا ہے کہ میں کس باغ کا پھول ہوں دوسری مثنویوں میں یہ بات نہیں اور انکے مصنف یہ قدرت نہیں رکھتے کہ ہر قسم کے مذاق کو ایک ہی رنگ میں کھینچ لیں مثلاً امیر حسن نے بے نظیر کی تعلیم و تدریس کے بیان میں جسقدر مناسب لفظی کی کوشش کی ہے اگرچہ وہ بھی ناقص ہے تاہم مثنوی کے دوسرے حصوں میں اُسکا شائبہ تک نہیں ملتا۔ مصنف گلزار نسیم نے جس رنگ کو اول سے اختیار کیا ہے اُسے آخر تک نباہ دیا ہے مثلاً اختصار کو لیجئے جو بسم اللہ سے تحت تک یکساں طور پر قائم ہے۔ اس طرح تناسب لفظی کی بھی یہ حد ہے کہ مثنوی کا کوئی شعر اس صنعت سے خالی نہیں جتنی کہ اُسکے سامنے شعروں میں اسکی جھلک موجود ہے۔

ہاتھ اُسیہ اگر پڑا نہیں ہے بوہو کے تو گل اڑا نہیں ہے

خیالات کو شبیہ و استعارات کی صورت میں بیان کرنا شاعری کی آخری منزل ہے اور یہ فخر بھی گھرا نسیم ہی کو حاصل ہے کہ اُسکے تمام مطالب اسی ہر ایہ میں نظم ہوئے ہیں مثلاً فراق و وصال کے سین جنگی بنیاد صرف جذبات پر قائم ہے گھرا نسیم میں تمام اردو شہنشاہوں کے خلاف اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں بلکہ ان مقامات پر جادو نگار شاعر کا قلم زیادہ سے زیادہ بھرنے لگا ہے۔

(وصل)

کاوش پہ ہوا گھر سے الماس غنچے نے جھانکی اوس سے پیاس

(ہجر)

صورت میں خیال رنگی وہ ہیئت میں مثال رنگی وہ ایسی مرتع اور اپنے رنگ میں فرد شہنشاہ پر یہ سخت ظلم تھا کہ بازار میں مطعون کے ہاتھوں اسکی حالت تباہ ہو رہی تھی۔ لیکن شکر ہے کہ ہندوستان برجن رائے صاحب وکیل چک بست بی۔ اے۔ لکھنوی کی عنایت سے اس شہنشاہ کا ایک نیا اڈیشن شائع ہو گیا ہے۔ اس اڈیشن کی ترتیب میں قابل موفف نے جدید مذاق کو جس خوبی سے ملحوظ رکھا ہے وہ قابلِ داد ہے۔ یعنی سب سے پہلے ایک انگریزی رنگ کا دیباچہ ہے جس میں نسیم کے سوانحی حالات اُنکی شاعری پر تھا کہ اور بہت سے متفرق امور پر بحث کی ہے۔ اسکے بعد اصل شہنشاہی جو ایک قدیم نسخے کے مطابق صحیح کر کے شائع کی گئی ہے۔ آخر میں دیوان نسیم کا کچھ انتخاب بھی شامل ہے۔ اور اس سیرچ یہ اڈیشن اپنے مقاصد میں ایک حد تک مکمل ہو گیا ہے ہم اس اڈیشن کو صرف (گھرا نسیم) نہیں بلکہ کلیات نسیم کہنا زیادہ مناسب خیال کرتے ہیں جو اس جواہر گ شاعر کی ایک دلچسپ یادگار ہے۔

ہندوستان برجن رائے صاحب اپنی کوشش میں بہت بڑی تعریف کے مستحق ہیں جنہوں نے قدیم تصانیف کو جدید مذاق کے مطابق بنانے کی ایک قابل تقلید راہ سجدادی ہے اور

مغربی تعلیم کی روز افزون ترقیوں سے امید ہے کہ اس طرز تالیف سے پورا فائدہ اٹھایا جائے گا۔ اسی لئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دیباچے کی بعض کمزوریوں کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے۔ مثلاً گلزار نسیم کی تصنیف کے متعلق اُن بے معنی گپوں کو اتنی وقت و نیا فضول تھا کہ اس دیباچہ میں اُنکا ذکر کیا جائے کیونکہ زمانہ انھیں خود ہی فنا کر چکا تھا جو ایک زبردست جج ہے۔ اس طرح مولانا حالی مدظلہ العالی کے اُن اعتراضات کا جواب بھی لیکار تھا جسے اودھ پنچ مین کامیابی کے ساتھ طے کر دیا گیا تھا اور جو محض بازاری مطبوعوں کی غلطی پر پیدا ہوئے تھے۔ اسکے لئے صرف غلط اشعار کی تصحیح ہی ایک شافی جواب تھا۔ رہا وہ اعتراض جو ممدوح نے ایک معیار خاص کے مطابق تمام قدیم تصانیف پر وارد کیا ہے اسکا فیصلہ بھی نقادان فن کر چکے ہیں اور اس دیباچہ میں اُسکا کوئی ذکر بھی نہیں۔

دیوان نسیم سے جو اشعار انتخاب کئے گئے ہیں اُنکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کی طبیعت ہر زبان میں اپنا جلوہ دکھا جاتی ہے نسیم کا قلم غزل کے میدان میں بھی وہی طرارے بھرتا ہے جو ٹھوسی میں اور جن غزل گو شعرا کے کلام سے اسکا موازنہ کیا گیا ہے وہ اسکی بلندی خیال تک پہنچنے کے لئے زبان حال سے کہہ رہے ہیں۔

اگر یک سرموے بر تر پر م فروغِ تجلی بسوزد پر م

نسیم کی ایک غزل کا مطلع ہے۔

جب ہو چکی شراب تو میں مست مر گیا شیشے کے خالی ہوتے ہی پیمانہ بھر گیا

دوسرا مطلع اس سے زیادہ زور دار ہے۔

روضِ عمر کو دیکھ کر تسکین کھائے حمان صبح تاد ہاں شام پہنچا تا ہے رازقِ نانِ صبح

زند و صبا وغیرہ کے کلام میں یہ بلند خیالی عفا کا حکم رکھتی ہے۔ نسیم کے مندرجہ شعر میں شاعر کی روح کچھ گئی ہے کتنا سچا شعر ہے۔

پیری میں طر عشق جوانی وہی رہا صورت کے ساتھ دل کا بدلنا محال ہے

اس نئے ادیشن کی اشاعت پر گلزار نسیم کی مقبولیت بدرجہا بڑھ گئی ہے تاہم اُس پر
چند اعتراضات بھی ہوئے ہیں۔ ان اعتراضات پر تفصیل کے ساتھ بحث کرنے کے لئے
ایک جداگانہ مضمون درکار ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ان اعتراضات کے متعلق ایک جداگانہ
مضمون تیار کریں لہذا یہ مضمون ہمیں پر ختم کیا جاتا ہے۔
بہر کیف گلزار نسیم ایک ایسی مثنوی ہے جسکی ہمک مذاق آشنا دلون کو نازگی اور
شگفتگی بخشی ہے اور وہ ایسی بہادیر خزان رکھتی ہے جسپر بادِ حوادث کے جھونکے ہمیشہ بے اثر
ثابت ہونگے۔ جب تک دنیا میں انصاف اور طبیعتوں میں شاعرانہ مذاق موجود ہے
اسکی شہرت پر کوئی حرف نہیں آسکتا۔

نقادِ لکھنؤی

دبذیہ صفی نمبر ۴ جلد ۹ - ۶ - رجب المرجب ۱۳۲۳ھ

۱۷۔ گلزار نسیم

(از حافظ جلیل حسن صاحب جلیل)

مشرک بستی نے اچھا شکوفہ چھڑا کہ شہسوی گلزار نسیم پر مقدمہ لکھا آجکل اخباروں اور رسالوں میں اُسی کے گل کھل رہے ہیں۔ ایک مقدمہ مولانا حالی نے لکھا تھا ستر موصوف نے بھی وہی روش اختیار فرمائی اور وہی نتیجہ اس مقدمہ کا بھی ہوا جو اُسکا ہوا تھا۔ اس مقدمہ میں پنڈت دیانند نسیم کو بعض اساتذہ لکھنؤ برنی اچکھ تر جج دی گئی ہے وہ تر جج نہ ہو گئی۔ اب مشرک بستی معذرت کرتے ہیں کہ میرا منشا و مقابله نسیم کے لکھنؤ کی تنقید نہیں ہے۔ بلکہ میں نے صرف تناسب لفظی میں نسیم کو اور شعر اسے بڑایا ہے مگر یہ عذر زخم دل کا مرہم نہیں ہو سکتا۔ اور اس سے وہ آگ نہیں بجھ سکتی جو چاروں طرف مشتعل ہو گئی ہے مدوح کی تائید میں جس قدر مبالغہ کیا جائے جائز ہے۔ مگر یہ طریقہ اچھا نہیں کہ اس کے مقابل دوسروں کا پہلو دیا جائے۔ آپ کو اس کا حق کیا ہے کہ اپنی رائے سے ایک دوسرے کا مقابل بنا کے آپس میں لڑا دیجئے اور پھر جس کو چاہئے اپنے زور قلم سے پچھاڑ دیئے۔ ہم نے میر مجروح کے ایک مدح کو دیکھا کہ ایک طرف سے مجروح مرحوم کو بڑی آن بان سے نکالا اور دوسری طرف سے امیر و داغ کو سامنے لا کر کھڑا کر دیا پھر دیر زور آزمائی ہوئی آخر اس بہادر بانی پتی نے دونوں پہلوانوں کو گرا دیا جس میں ایک لکھنؤی تھا دوسرا دہلوی

اس قسم کی بیودہ تحریروں کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ واقعی جنگ و جدل کی نسبت آجاتی ہے۔ مولانا حالی کے مقدمہ کا جواب یوں دیا گیا تھا کہ انکی زبان و بیان و دیوان کی چیلان اُڑادی گئیں بیان مقدمہ کے جواب میں مثنوی گلزار نسیم کے پھول روئے جاتے ہیں حیرت ہے کہ مٹر چک بست کی بحث شاعرانہ پر قابل حضرات نے اس قدر توجہ کیوں فرمائی سکوت سے بہتر کوئی جواب نہ تھا اور اگر جواب ہی دیا تھا تو مقدمہ پر نظر کیجائی اور نسیم کے وہ اشعار دیکھ جاتے جو مقابلہ میں لائے گئے تھے مثنوی کو بیخفا نشانہ علامت بنانا انصاف سے بعید ہے جس حالت میں کہ مثنوی کا کوئی شعر مقابلہ میں پیش نہیں کیا گیا مثنوی میر حسن دہلی کے لئے سرمایہ فخر ہے تو گلزار نسیم لکھنؤ کے لئے وجہ ناز ہے۔ اویچھ آج کی تصنیف نہیں انہر کسی دور گذر چکے اور ہر دو بین دونوں مقبول رہیں اب اگر اہل ہلی سحر البیان کی بُرائی کریں یا اہل لکھنؤ گلزار نسیم کی جو فرائین تو یہی کہا جائیگا کہ اپنے عیوب آپ کھولتے ہیں ان مثنویوں کی مقبولیت اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ جو فاضل نثر نگار گلزار نسیم پر معرض ہیں وہ خود کہتے ہیں کہ (مثنوی گلزار نسیم اُردو کی ایک عجیب و غریب معرکہ آرا نظم ہے۔

اغلاط سے پاک کوئی تصنیف نہیں ہو سکتی کہا جاتا ہے کہ گلزار نسیم میں بہت زیادہ نقصانات ہیں ممکن ہے کہ ایسا ہو اور ممکن ہے کہ مثنوی میر حسن میں بھی اس قدر نقصانات ہوں۔ مگر اس وقت ان نظموں کی تنقید کی حاجت نہیں ہے۔ اور نہ اس سے انکی مقبولیت کچھ ضرر پہونچ سکتا ہے۔

گلزار نسیم کے متعلق طرح طرح کے مباحث درمیش ہیں۔ گلزار نسیم میں شاعری کیسی ہے زبان لکھنؤ کی ہے یا نہیں۔ نسیم کا شعرا میں کیا رتبہ ہے۔ حقیقت اتنی ہے کہ مثنوی گلزار نسیم کے ایک کہنہ مشق قاصر سخن کی تصنیف ہے آتش نے لپی ہو یا کسی اور نے ہلکو اس سے بحث نہیں۔ لکھنؤ کی خاک سے صد آتش و ناسخ پیدا ہوئے زمانے نے جبکا کلام اچھا لادہ مشہور ہوئے اور باقی شعر کا نام و کلام پردہ گمنامی میں رہ گیا۔ اُنھیں میں ایسے بھی لوگ تھے

کہ مثنوی اور دیوان کھکر دوسروں کو دیدیا کرتے تھے۔ اپنے نام کو ملک کے سامنے پیش کرنا پسند نہیں فرماتے تھے اس جگہ ایک نواب عاشور علیخان مرحوم کا نام لے دینا ثبوت کے لئے کافی ہے جو اعلیٰ درجہ کے شاعر و شاعر گرتھے جنھوں نے کتنوں کو شاعر بنا دیا صاحب دیوان کر دیا اور اپنے نام سے ایک شعر نہ رکھا۔ اگر کہا جائے کہ مثنوی گلزار نسیم بھی اس قسم کی تصانیف میں داخل ہے تو اس پر ذرا بھی تعجب نہ کرنا چاہیے قاعدہ ہے کہ پرانی چیز کو جب کوئی اپنا کرنا چاہتا ہے تو اس میں کچھ نہ کچھ تصرف بھی کرتا ہے چاہے وہ تصرف دخل در مقولات ہی کیوں نہ ہو نظر بر آن یہ سمجھنا چاہیے کہ ہنڈت دیا شکر صاحب نسیم لکھنؤی سے علاقہ مثنوی گلزار نسیم کے انھیں اشعار کو ہے جن میں زبان یا بیان کی کمزوری یا شاعرانہ اسقام ہیں۔

نسیم کا نام اساتذہ لکھنؤ کے ساتھ کبھی نہیں سنا گیا۔ گلزار نسیم کو دنیا جانتی ہے اور نسیم کو کوئی نہیں جانتا۔ تحریر و تقریر میں مثل و مقولہ کے طور پر گلزار نسیم کے شعر لائے جاتے ہیں اور نسیم کا نام نہیں لیا جاتا۔

امیر اللغات میں جس کتاب کا شعر لکھا گیا ہے خواہ دیوان ہو یا مثنوی یا مرثیہ یا قصائد سلام اس کے ساتھ مصنف کا تخلص لکھا گیا۔ مگر بخلاف اسکے گلزار نسیم کا شعر جہاں دیا ہے وہاں گلزار نسیم لکھا ہے نسیم نہیں لکھا۔ یہ بھی دلیل قوی اسکی ہے کہ صاحب امیر اللغات کے نزدیک گلزار نسیم نسیم کی تصنیف نہ تھی۔ جناب عوسی عبد الحلیم شرر سے اسکی ابتدا ہوئی کہ انھوں نے گلزار نسیم پر ریویو فرمایا اور نقائص کو چوڑی چوڑی کر دکھایا۔ انکی بحث بڑی قابلیت کے ساتھ ہے انکی دیکھا دیکھی اور بھی لکھنے والے اور متوجہ ہو گئے اور جی کھول کر نکتہ چینی کی۔ مگر سٹر چک بست صاحب نے جو جواب اردو سے سنیے میں دیا ہے وہ بھی دیکھنے کا ہے۔ خصوصاً سند کے اشعار بہم پہنچانے میں انکی تلاش حیرت انگیز ہے۔ سب اعتراضات کا بجا ہونا جس طرح دشوار ہے اسی طرح ہر ایک جواب کا با صواب ہونا بھی مشکل ہے۔

شبید دی ہے امین کیا تھا ہے۔

سو چا وہ کہ اب تو ہم ہیں آگاہ
جیتے ہیں توجیت لین گے ناگاہ
کاہ خواخواہ لکھ دیا ہے محض بھرتی ہے۔

دانا تو کرے کب اس طرف میل
ہمارا ہے جوے کے نام سے میل
بیان صرف جوے کے لئے بیل لائے ہیں ورنہ کسی قسم کا لطف اس شعر میں نہیں مطلب
ہے کہ دانا جوے کی طرف کب میل کرتا ہے۔ بیان تک کہ بیل بھی جوے کے نام سے
جاگتا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اس قمار بازی کو بیل کے جوے سے کیا تعلق اور
نسبت ہو سکتی ہے۔ مگر صرف لفظی رعایت کے لئے بلا سوچے سمجھے یہ تک لگا دی۔ ہار کا
لفظ بھی صرف قمار بازی کی مناسبت سے ہے۔

سوچی کہ نہ اب بھی چال رہیئے
اسمین نکال رہیئے فصیح نہیں ہے۔ نکال کے رہا۔ نکال کے رہوں گا کہتے ہیں مگر نکال
اور نکال رہوں گا غیر فصیح ہے۔ اس طرح سے چال رہنا ہمارے خیال میں کوئی فصیح محاورہ
نہیں۔ شاید اہل لکھنؤ بولتے ہوں۔

ذکر اپنے برادر وں کا شکر
بولاد وہ عزیز حسن تو مادر
اور دو مین برادر وں اور مادر کا استعمال اس طور پر مکر وہ معلوم ہوتا ہے۔
چلتے تھے ادھر سے دو جوار سی
ایک ایک کی کر رہا تھا خواری
بیان چلتے تھے خلاف محاورہ استعمال ہوا ہے۔ چلے جا رہے تھے۔ با جا رہے تھے
ہونا چاہیئے۔

سجھا وہ کہ ہے شکون زالا
نیولا کپڑا استمین مین پالا
شکون مین نون خواہر کرنا چاہیئے تھا۔
کام اس کا تھا بکہ کھیل کھانا
چوسر کا جسادہ کار خانہ

کھیل کھانا کوئی محاورہ نہیں ہے۔ غالباً شاعر کھینا کھانا کھانا چاہتا تھا۔

یہ مال یہ زریہ جیتے بندے یوں ہی یہیں رکھ بجنس جذبے
بجنس بجنسہ کی جگہ استعمال ہوا ہے۔

پل مارنے کی ہوئی جو دیری سجان اللہ شان تیری
دیری بجائے دیر کے غیر فصیح ہے۔

وہ دیو لک کے مار لایا غڑاتے ہوئے شکار لایا
غڑاتے ہوئے صحیح نہیں ہے غڑانا ہونا چاہیئے

دن بھر تو الگ تھلک ہی تھے وہ دو وقت سے شام کو ملے وہ
محاورہ دونوں وقت ملتے یا دونوں وقت ملتا ہے ”دو وقت کی طرح ملنا“ یہ بھی غلط ہے
کیونکہ بجائے دونوں کے دو استعمال کرنا خلاف محاورہ ہے۔

انگلی لب جو پہ رکھ کے شمشاد لٹھام بچو اسکی سُن کے فریاد
شمشاد مارے حیرت کے دم بخود تھا۔ مگر ایسا اس باعث ہو گیا تھا کہ انگلی بجائے اپنے ہونٹوں پر
رکھنے کے دوسرے کے لب پر رکھ دی نسیم کو سوجھی بڑی دور کی ہے۔

ہر باغ میں بھولتی پھری وہ ہر شاخ پہ جھولتی پھری وہ
یہ شعراُس مقام پر لکھا ہے جب بھول چوری گیا ہے اور بکاؤلی غم و غصہ میں پریشان
پھر رہی ہے۔ مگر اس شعر سے معاملہ برعکس نظر آتا ہے۔ پھولنا خوشی کے موقع پر کہا جاتا ہے
علیٰ ہذا القیاس جھولنا بھی خوشی ہی میں سوجھتا ہے۔ دوسرے ہر شاخ پر جھولنا پھرنا اور بھی
مضحکہ انگیز ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ ہر باغ میں شاعر نے تناسب کے شوق میں باغ کے
لیے جھولنا اور شاخ جھولنا جمع کر دیا ہے۔

صدقے ہو کر کما خوش آئے جس گل کی ہوا لگی تھی لائے
پنڈت جی نے شاید یہاں خوش آمدید کا ترجمہ فرمایا ہے دوسرے مصرع میں ہوا لگی غلط

ترکمون کے سلجھانے اور طرزیان میں سادگی و سلاست پیدا کرنے میں کی ہے اور کامیاب
 بھی ہوئے ہیں اور اگرچہ الٹ پلٹ ہر زبان میں اسوقت تک ہوتی رہتی ہے جب تک زبان
 زندہ رہتی ہے مگر پھر بھی ہم انکی ساعی جمیلہ کے مشکور ہیں۔ لیکن کیا یہ بھی لازم ہے کہ اس
 مشکوری کی بنا پر ہم اپنا غریزہ وقت ضائع کریں استغفار اللہ اب خلیل خان کے فاختہ
 لڑنے کے دن نہیں رہے۔ جوئے و نعمہ کو اندوہ رہا کرتے تھے وہ اگلے وقتوں کے
 لوگ تھے۔ وہ زمانہ اُنکے ساتھ گیا ہمارا زمانہ اور ہے اُنکا زمانہ اور تھا ہماری ضروریات اور ہیں
 انکی ضروریات اور تھیں وہ جو کچھ کرتے تھے محض منہی مذاق اور دل خوش کرنے کے لئے ہلکو
 چاہیے کہ جو کہیں اگر وہ کاربیکاری ہو جب بھی اس میں کوئی بات کام کی کالین اور اس
 دفتر ہی کو گاؤں خورد کریں جو کارنامہ بیکاری ہے۔

تاہم اگر ہمارے جو شیلے اہل قلم ہی چاہتے ہیں کہ اردو کے اس لغت پر ہیچ کلاسکل
 ٹیپر کچر یا دتا زہ رکھیں تو یہ نظیرین جو دکن ریویو اور زمانہ نے گلزار نسیم اور مفتوی حیرسن کی
 مجموعین پیش کئے ہیں انکی نسبت ہم کہیں گے۔

ترسم زسی بمعبہ اے اعزالی کاین رہ کہ تو میروی بہ ترکست
 میں ایک منٹا کیے لئے بھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ نسیم ہوں یا میر حسن حضرت نقاد ہوں
 یا زید۔ بکر۔ ایک سر مرعوب اور دوسرا بالکل عیوب سے مبتلا ہے۔

ع اللہ میتوان شدن آدم باش۔ میر خیال میں میر حسن بلوی (مسلمان)
 اور نسیم لکھنوی (ہندو) دونوں آدمی تھے دونوں سے غلطیوں کا ہونا ممکن تھا اور
 دونوں نے غلطیاں کی ہیں چنانچہ خود ہی تنقیدین اُنکے اعلاط کو ثابت کر رہی ہیں مگر ان
 انسانی لغزشوں سے لئے کمال میں سر موقوف نہیں آ سکتا تاہم یہ دیکھنا ہے کہ خود حضرت
 نقاد کما تک بر سر غلط ہیں جس سے یہ ثابت ہو جائیگا کہ نقاد صاحب کی تحریر یا بنائے
 خاصمت ہے یا بنائے ناخفی جو اعتراضات کہ صحیح ہیں انکو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور اسکا

ساتھ اپنی مشکوری بھی ظاہر کرتے ہیں۔ مگر جن اشعار کو ہمارے نقاد صاحب خود نہیں سمجھتے ہیں انکی توضیح کر کے اتنی گزارش کرنی چاہتے ہیں عیب سے جملہ بہ گنتی ہنرش نیر گو چاہیے یہ تھا کہ آپ ایسے سچا اعتراض کر کے اپنی ناقدری ظاہر کرنے کے بجائے تھوڑا سا عمدہ انتخاب بھی کر دیتے تاکہ لوگ آپ کو بے تعصب اور سچا نقاد سمجھتے۔

پہلے ہم گلزار نسیم کی تنقید پر نظر ڈالتے ہیں جو زیادہ تر محتاج ریویو ہے افسوس ہے کہ اس وقت اسکا صرف ایک ہی نمبر ہمارے سامنے ہے لیکن مشت نمونہ از خروائے بس است شادی کے لیے ہے کلاک شجرف انگشت قبول دیدہ حرف

نقاد صاحب اس شعر کو المعنی فی البطن اشاعر فرماتے ہیں مگر ایسا نہیں ہے کلاک شجرف اسلئے کہا ہے کہ شادی کا مضمون سرخ کاغذ پر یا سرخی سے لکھا جاتا ہے شریون ہوئی (شادی) کا مضمون لکھنے کے لیے کلاک شجرف دیدہ حرف کی (یعنی پر آشفت قبول ہے) مطلب یہ ہوا کہ حرف نے (جس کا دائرہ چشم سے مشابہ ہے) اپنے لکھنے کی اجازت قلم کو دی (اس طرح سے کہ انگشت قلم کو اپنی آنکھ پر رکھ لیا چنانچہ فارسی عام محاورہ ہے چشم فحشیم تکلفاً شعری ذوق سلیم سے پوشیدہ نہیں اگر کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو مصوری ہے۔

چپکی ہوئی پیٹھ سے وہ دلگیر آئینہ کی پشت پر تھی تصویر نقاد صاحب نے پیٹھ غلط کیلئے اور شعر کو محل کھدیا یا اسچان التدرج پ پیش چپ کافی زیر کی چپکی نہیں بلکہ چ پ زیر چپ کافی زیر کی چپکی پڑنے کے مطلب سمجھ جائے گا۔

دو دل ہوں جو جانبین راضی یہ جان لے کیا کرے گا ضی جانبین اور جان لے کے حشو ہونے پر اعتراض ہے اور صحیح اعتراض ہے۔ مگر اسکو حشو بتانے کے بجائے ایسی عبارت میں اعتراض کیا گیا ہے جو ایک شاعر کی سمجھ سے باہر ہے اور معترض صاحب کی لیاقت کو بتا رہا ہے پھر بھی ہم آپ کی خاطر سے اس شعر کو

یوں بنائے دیتے ہیں

باجم دو دل اگر ہوں راضی بچا رہ کیا کرے گا قاضی
اک لکڑی تھی شہر کے برابر ٹھٹھکی سیارے لکھنستان پر

آپ فرماتے ہیں کہ غالباً سیاروں سے مطلب چاروں بھائیوں سے ہے
غالباً کی ضرورت نہیں یقینی شہر دے مراد ہیں۔ اس مناسبت سے کہ وہ مسافر تھے اور
لکھنستان سے قطعی مراد نہ ہے وجہ شبہ بیان بھی موجود ہے اسکو علم بیان کے کسی رسالہ میں
ملاحظہ فرمائیے دوسرے اعتراض کہ دستاروں کا لکھنستان پر ہونے کے ٹھٹھکا کیا معنی ؟
میری سمجھ میں نہیں آیا شاید آپ مشبہ اور مشبہ بہ کے افعال و خواص میں بھی مناسبت نام نہ ہوتے
ہیں ؟ شکر ہے کہ نسیم زندہ نہیں ورنہ اُسے بھی سپر پیٹ پیٹ کے ”شعر مرابہ مدرسہ کہ برود“

لکھنا پڑتا ہے

وہ ریگ روان کا گرد شکر یعنی تاج الملوک اتر
ارشاد ہوتا ہے کہ ریگ روان کا گرد شکر کیا بلا ہے علاوہ ازیں کہ کیا بلا ہے
حُط سے اعتراض طفلانہ ہو گیا ہے لغوی ہے۔ سنئے ریگ روان کو بوجہ کثرت و روانی کے
شکر سے تشبیہ دی ہے۔ لیکن شکر کے پیچھے گرد رہتی ہے۔ لیکن گرد کے پیچھے
گرد و گمان لے لے تاج الملوک کو گرد شکر کہا۔ فدیبر۔

سوچی کہ نہ اب بھی چال ہیئے شادی کا مزا نکال رہیئے
بلاشبہ یہ شعر بھونڈا اور خلاف محاورہ سا ہے (اگر نسیم خود اتھارٹی ہے)
مگر معترض کا یہ کہنا کہ ”شاید لکھنؤ کا محاورہ ہو“ اعتراض کو بے وقت کیے دیتا ہے
(جو بے قصب می آید)

کام اُس کا کتاب کہ کھیل کھانا چور کا جاوہ کار خانہ
اسپر بھی اعتراض غلط کیا گیا ہے۔ محاورہ ٹھٹھکا کھانا نہیں بلکہ کھیل کھانا ہی ہے

جسکے معنوں کی تشریح خلاف تہذیب ہے کھیلنا کھانا بچوں کے لیے کمین کے بیسویں کے لیے
 سمجھا وہ کہ ہے شگون ٹلا نیولا بکڑا ستین میں پالا
 فرماتے ہیں کہ شگون کے ن کا اعلان نہ کرنا غلط ہے مگر شگون فارسی
 لفظ ہے اور فارسی میں حرف لین کے بعد ن کا اعلان ناجائز ہے۔ اگر یہ کہنے کے بلا احتیاط
 ہونے کی وجہ سے آپ اسکو غلط ٹھہراتے ہیں تو ناسمجھ کے اس مطلع کی نسبت کیا ارشاد ہوگا
 رفعت کیسی دلکو گوار ایسا نہیں رہتے ہیں اُن میں یہ جہان آسمان نہیں
 اس میں بھی زمین و آسمان کے ن کا اعلان نہیں کیا گیا ہے بلاشبہ متاخرین
 اُر دو ترکیب میں ایسے نو ن کا اعلان نہ کرنا مکروہ سمجھا ہے مگر پروفیسر صاحب کو یہ
 حق نہیں ہے کہ وہ اُسے غلط کہیں غیر فصیح اور غلط میں بہت فرق ہے۔

اے رہر و روبرہ نہاد وے صرصر گل بہ باد دادہ
 پروفیسر نے اے صاحب فرماتے ہیں کہ دوسرا مصرع بالکل محل ہے صرصر گل کے
 کچھ معنی نہیں معلوم ہوتے۔ اس اعتراض کو پڑھ کے حضرت کے مذاق فارسی دانی پر
 تعجب ہوتا ہے۔ صرصر گل کے واقعی کچھ معنی نہیں ہیں۔ لیکن اسکی نثر میں فرمائیے
 اے گل بہ باد دادہ صرصر یعنی اے ان صرصر کہ گل را بہ باد دادہ۔ اب آپ کو
 معلوم ہوگا کہ صرصر موصوف ہے اور گل بباد دادہ اسکی صفت (ترکیبی) ہے ایسی
 ترکیبیں فارسی میں کثرت سے ہیں آپ کما تھک اعتراض کریں گے ؟ دیکھئے مرزا بیدل
 فرماتے ہیں

بر لوح تحیر رقم گداز و شنید
 این سنگدلان خاک اسباب بخشیم
 فہمیدم انچہ نتوان فصیح
 یک اشک زیدہ شرم اجنا بخشیم
 ہاں اس شعر میں اگر کوئی عیب ہے تو یہ ہے کہ اسکی ترکیب فارسی واضح ہوئی ہے
 جس سے پروفیسر صاحب کو اسکے سمجھنے میں دشواری ہوئی رہا جو تکلف تاج الملوک کی

حالت مناسبت سے صرصر گل بیاوردادہ کی مثال میں پیدا ہے اسکا لطف صاحب ذوق سلیم ہی حاصل کر سکتا ہے۔

یہ لکھنے لبون سے قند گھولے مستی نے دلون کے عقد گھولے
اعترض یہ ہے کہ قند گھولا ہونا چاہیے نہ کہ قند گھولے۔ ممکن ہے کہ مصنف نے قند گھولا کہا ہو اور دوسرا مصرع یوں ہو ع مستی نے دلون کا عقدہ گھولا، مگر نہیں نقاد صاحب کا اعتراض اس بات پر ہے کہ جب میٹر میں نون (اہم مادی) کی جمع گرامر کے قاعدے سے نہیں ہو سکتی تو قند گھولے کیا معنی؟ لیکن عالم اس سے کہ اردو میں کوئی ایسا قاعدہ نہیں ہے بیان معاملہ کچھ اور یہی ہے۔ یہ قنادی کی دو کان نہیں ہے نقاد صاحب پھر غور فرمائیں۔

اگرچہ ہے دیکھتی جبیلہ روشن چلے چرائے اور فیتلہ
اعترض دو ہیں۔ ایک یہ کہ فاعل (فیتلہ) واحد اور فعل جمع ہے یہ غلط ہے ہم بھی کہتے ہیں کہ غلط ہے۔ لیکن اس غلطی کے ذمہ دار میٹر جب بست ہیں۔ دوسرے اویش نون میں یہ مصرع یوں ہے ع روشن تھا چرائے میں فیتلہ۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جب چرائے مذکور ہے تو فیتلہ کی ضرورت ہی کیا تھی۔ چرائے بغیر فیتلہ جل ہی نہیں سکتا۔ یہ اعتراض یہ لحاظ موقع درست نہیں ہے۔ فیتلہ۔

دکھلائے بجے ہرے ہرے باغ غنچہ کی گرہ میں کیا ہے جزو باغ
نقاد صاحب فرماتے ہیں کہ ہرے ہرے باغ دکھانا غلط ہے اور ہر باغ دکھانا اور سبز باغ دکھانا صحیح ہے، میں کہتا ہوں کہ اگر ہرے ہرے باغ دکھانا غلط ہے تو ہر باغ دکھانا بدرجہ اولیٰ غلط ہے محاورہ فقط سبز باغ دکھانا ہے۔

جسوقت چلا پر سی کاما نوس سایا سے پس قدم تھے جاسوں
ظاہر یہ اعتراض صحیح ہے کہ سایا سے بجائے سائے ہونا چاہیے۔ اسلئے کہ حرف سی کے

آنے سے جن ایامے مذکر کے آخر الف یا ہائے مخفی ہو وہ ایسے مجہول سے بدل جاتی ہے
لیکن پروفیسر صاحب نے تلبیس پر غور نہیں کیا۔ سے حرف تشبیہ بھی ہے اور از کے
معنوں میں بھی اسی وجہ سے شاعر نے ایہام سے بچنے کے لیے عام قاعدے کی پابندی
نہیں کی۔ روزمرہ کی گفتگو میں بھی اسکی نظیر ملتی ہے اور میر انیس مرحوم کا یہ شعر بھی موجود
پھرے ساتے تھے نہ محمدؐ کے گلے نہ لے دو لٹھا بنے ہوئے تھے اہل تھی گلوں کا ہار
اس شعر میں اگر دو لٹھا کو بنے ہوئے تھے کا فاعل قرار دین تو سخت غلطی ہے اگر مفعول
یہ قرار دین جب بھی جمع درکار ہے البتہ حرف تشبیہ کا سا قطف ہونا صحیح ہو سکتا ہے اس طرح پر
نسیم کا سایا اور میر انیس کا دو لٹھا ایک قاعدے کے ذیل میں آجاتے ہیں۔ اس پر بھی
اگر آپ ہی کا دعویٰ تسلیم کر لیا جائے جب بھی میں اتنی سفارش کرتا ہوں کہ سایہ کو ہائے
مخفی کے ساتھ پڑھے اور کتابت جدید پابندیوں سے قطع نظر کر کے اپنے پچھلے رسم الخط
غور فرمائیے (مثلاً اس واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چیز دو روپیہ کو آتی ہے) اور اس
قسم کے بے معنی اعتراض کرنے کی کوشش نہ کیجئے البتہ اس قسم میں مانوس محض قافیہ کی
ضرورت سے بے محل استعمال ہوا ہے جو نظر انداز کر دیا گیا۔

حال اُس سے کہا کہ قول ہارا ہے پیر بہ نوجوان ہارا
اعتراض ہے کہ پیر محض نوجوان کی خاطر لایا گیا ہے کسی سے قول ہار جانا اور بات ہے
اور پیر کہنا یا بنا دوسری بات ہے)

اگر ایسے ہی اعتراض ہیں تو ہم تمام ایشیائی شاعری کو بلا دلیل متعرض علیہ نے لیتے ہیں
کیونکہ جن باتوں کو آپ عیوب کہہ رہے ہیں ہم غلطی سے اُنکو محاسن سمجھ ہوئے تھے۔ معاف
کیجئے گا! مگر ہم آپکو لطف معنی سے بھی آگاہ کئے دیتے ہیں تاکہ شکایت رفع ہو جائے آپ
جلتے ہیں کہ پیر و مرشد پیر و مرشد، گر و گھنٹال وغیرہ الفاظ محاورے میں اس موقع پر
ہوئے جاتے ہیں جب ایک شخص دوسرے کسی امر میں سبقت لیجائے اور وہ بھی اکثر غباری چالائی

مکاری فریب وغیرہ میں یہ شعر اُس قع پر کہا گیا ہے جبکہ دیوان الملوک کے کھانے لے کر آیا رہے
 تھا تا چند اونٹ آجاتے ہیں انکو مار کر لاتا اور ٹھک کے لیٹ جاتا ہے تاج الملوک کو یہ جلالی
 سوچتی ہے کہ اونٹوں سے متیدہ گئی۔ شکر لیکے صلو کا جاتا ہے اور دیو کو کھلاتا ہے اور جب یو
 اس خدمت کے عیوض میں انعام مشکوریت کرتا ہے تو فریب دیکے اُس سے باغ بکاؤلی میں
 پہونچانے کا وعدہ لیتا ہے۔ اسی بنا پر دیو کہتا ہے کہ یہ لڑکا تو میرا بھی پیر نکلا (رہا الفاظ
 نوجوان و پیر میں جو صنعت طباق ہے اسکو آپ نے خاطر کی فلسفی یا شاید طفلی اصطلاح سے تعبیر
 کیا ہے جس خوبی کے ساتھ محاورے میں کھپائی گئی ہے اُس نے اس شعر کو سہل متغ کے درجہ پر
 پہونچا دیا ہے جسکو ایک غیر شاعر کا دماغ نہیں محسوس کر سکتا۔

تھک داغ پسر میرا اُس کو جنتی بھتی ہمیشہ دختر اُس کو
 فرماتے ہیں دوسرے مصرع میں اُس کو خلاف محاورہ ہے۔ اُسکو دختر جنتی بھتی فصیح
 زبان نہیں ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دختر اُسکو یعنی ان کو جنتی بھتی۔ یہاں بھی
 پروفیسر صاحب نے عبارت صحیح نہیں پڑھی۔ جنتی کو تائے فوقانی کے ساتھ نہیں بلکہ شدت
 پڑھی ہے۔ اگر آپ ہی کے تحت درست سمجھے جائیں تو اسکو خلاف محاورہ نہیں بلکہ حشو قبیح ہوگا
 اور ردیف بیکار ہوئی جاتی ہے۔ جوہنی آپ نے تجویز کیے ہیں یہ آپ ہی کی تحقیقات جدید سے
 ثابت ہو سکتے ہیں۔ نسیم بچا پے رہیں اتنی لیاقت کہاں تھی ہاں شعر میں ضعف تالیف ضرور ہے
 جس کو آپ (خلاف فصاحت) تعبیر فرماتے ہیں۔

ہر چند ستارہ مان کا تھا ماند تھی چاندنی شہرہ کر دیا چاند
 یہ کوئی زیادہ برہم ہونے کی بات نہیں کہ ستارہ کی رعایت سے چاندنی کیوں لائے،
 اگر آپ ایسا ہی ایشیائی شاعری سے ناراض ہیں تو انگریزی کے خدا سخن شیکسپیر کو
 ملاحظہ فرمائیے سقندر لفظی مناسبات کا دلدادہ ہے اس پر بھی ممکن ہے کہ چاندنی لڑکی کا نام ہے
 وہ گندم چونک اٹھی بالی مردانہ لباس میں نکالی

ارشاد ہوتا ہے کہ (نکالی نہ معلوم کس زبان کا لفظ ہے مصنف کا اصل مطلب ہے کہ مردانہ لباس سے نکالا۔ مونث کے خیال سے فعل بھی بے موقع مونث لکھ گئے) ہیومرورق مونث لکھ گئے کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا اسلئے کہ پروفیسر صاحب نے کوئی قاعدہ نہیں بتایا۔ اگر میرا خیال غلط نہ تو شاید پروفیسر صاحب نے اپنے خلاف شان سمجھ کے اردو کے قواعد بلکہ محاورات روزمرہ پر بھی کبھی غور نہیں فرمایا ہے ورنہ کبھی ایسے بسیب کا اعتراف کی جرأت نہ فرماتے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب علامت فاعل (نے) مذکور ہوا اور علامت مفعول (کو) نہ ہو اس صورت میں فعل ہمیشہ وحدت اور جمعیت اور تذکرہ و تانیث کے اعتبار سے مفعول کا تابع ہوتا ہے۔ جیسے اُس نے صندوق سے گھڑی نکالی (روپیہ نکالا) آپ فرمائیے کہ اس شعر میں فاعل ہی مذکور نہیں تو علامت فاعل بیچ میں کھوے دیتا ہے اسلئے یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ نکالی صیغہ واحد مونث غائب فعل ماضی مطلق متعدی معروف ہے اور متعدی معروف کے ماضی مطلق کے فاعل کے ساتھ علامت فاعل کا ہونا لازمی ہے علامت مفعول بہ مذکور نہیں یعنی شریون ہوئی۔ وہ گندم جو بنا (جو) بالی جی مردانہ لباس میں نکالی (نکالی) اردو زبان کا لفظ ہے و بشر کی دکشتری میں نہیں مل سکتا۔

حسن آراحتی جو نیک تدبیر دکھلائی جمیلہ کو وہ تصویر اس شعر پر بھی وہی نمل اعترض ہے کہ فعل بجائے مذکر کے مونث استعمال کر گئے ہیں یعنی دکھلائی کی جگہ دکھلایا کیوں ہوا۔ لیکن اور لطیفہ سنیئے فرماتے ہیں (صحیح یہ ہے کہ حسن آراے جو نیک تدبیر تھی جمیلہ کو وہ تصویر دکھائی۔ کیوں صاحب فعل تو اب بھی مونث ہی رہا۔ پھر آپ کا اعترض کیا ہے شاید اس اعترض سے آپ کا منشاء اپنے اعترافِ سابق کی تردید ہوگی یا یہ کہ نسیم شعر نہ کہتا نہ لکھتا۔ مگر اسے کیا معلوم تھا کہ اُسکے بعد ایسے ایسے جملے آئے جن پر پیدا ہو گئے۔ اگر آپ کی شہ کے مطابق نسیم کو کہنا ہوتا تو وہ پہلے مصرعے کو یوں کہتا ہوے جاتے ہیں جب آیت نیک تدبیر الخ لیکن اس ترکیب سے بندش کے علاوہ لطف بیان بھی

گھٹ جاتا۔ اسلئے شاعر نے بلا خوف اصلاح موجودہ ترکیب قائم رکھی اور دوسرے مصرعے فاعل (اُسے) کو مخدوف کر دیا۔ ترکیب شعر کی یہ ہونی بہ حسن آرا موصول) جو ضمیر مسلک نیک تدبیر تھی۔ جو کا صلیہ موصول۔ ضمیر جمیلہ یا موصولہ مل کے مبدل منہ اسنے ضمیر فاعل پوشیدہ بدل۔ بدل مبدل منہ سے مل کے فاعل ہوئے۔ دکھلائی فعل متعدی یہ دو مفعول۔ وہ اشارہ تصویر شاہد الیہ اشارہ اور مشار الیہ ملکے مفعول یہ جمیلہ مفعول ثانی کو علامت مفعول یہ سب مل کے جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ پھر بھی اگر آپ فعل مذکر ہی کے خواستگار ہیں تو اپنے اصلاحی جملہ کو یوں پڑھئے۔ حسن آرا نے جو نیک تدبیر تھی جملہ کو اس تصویر کو دکھایا) دیکھئے علامت مفعول ظاہر ہونے سے فعل مذکر ہو گیا۔

محل سے خوانون میں زردہ لایا اُن غنچہ دہانوں کو کھلایا
اعترض ہے اور صحیح ہے کہ لایا کا فاعل ظاہر ہونے سے شعر خلاف محاورہ ہو گیا
مگر حقلان در بے لفظ نہ روند۔ لایا کو آیا پڑھ لیجئے اور شعر کو دلچست سمجھئے۔
دائیں دیکھا نظر نہ آئی بائیں دیکھا کہیں نہ پائی
اس اعتراض میں بھی فعل کی تذکر و تائید کا جھگڑا ہے۔ معلوم نہیں صحیح ہے یا غلط اصل
کتاب کے موجود نہ ہونے سے فعل استعمال معلوم نہ ہو سکا البتہ گذشتہ اعتراضات
یہ رے قائم ہوتی ہے کہ این ہم بچہ شتر است۔

اُس گل سے نسیم زرتین مانگ جو چاہے وہ بحساب دیدے
اس شعر میں نہیں مانگ برا اعتراض ہے لیکن اگر نہ مانگو پڑھ لیا جائے تو کیا
مضانقہ ہے۔ تاہم معترض صاحب کی کوشش قابل داد ہے کہ ایک اتنا بڑا اعتراض
ٹھونک دیا اس سے بڑھ کے کیا ہو سکتا ہے۔

گھر چھوڑ کے چل بے سب انسان بھر تن میں نہ آئے صورت جان
فرماتے ہیں نقاد صاحب کہ دوسرے مصرعے بوجہ اختصار کے بے معنی ہو گیا ہے اُس سے

یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو اپنا شہر چھوڑ کر یہاں آباد ہو گئے تھے انکے رہنے کی جگہ تن تھی شاعر کا اصل مقصد اسکے کہنے سے یہ تھا کہ بسطرح جان تن میں نہیں آتی اسطرح وہ لوگ پھر اپنے دیس کو نہ گئے۔ اہم نہیں۔

ہم بھی اعتراض کو تسلیم کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ دوسرے مصرعے کا مثالیہ ہونا مان لیا جائے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ مصرعے کی ترکیب یوں واقع ہوئی ہے کہ گھر کو تن سے استعارہ کیا ہے۔ استعارہ اور تشبیہ میں بھی فرق ہے کہ اول الذکر میں صرف تشبیہ کو ساقط کر دیتے ہیں پس اس شعر کی نثر یوں فرمائی گھر و نکو (جو بمنزلہ) تن تھے چھوڑ کے سب انسان چلے گئے (اور پھر) بصورت جان (انہیں واپس) نہ آئے اس آتشِ ح کے بعد دو مطلب اس شعر سے سمجھے جاسکتے ہیں ایک تو یہ کہ مردہ تنوں میں (یعنی خالی گھر وغینہ) جان نہ پڑی (یعنی وہ لوگ واپس نہ آئے) دوسرے یہ کہ بسطرح جان تن سے جا کے تن میں واپس نہیں جاتی اسطرح وہ بھی واپس نہیں ہوئے)

نکلا جیسے ہی مٹھ کے باہر پتھر لگئی چشمِ حلقہ در

ارشاد ہوتا ہے کہ دوسرے مصرعے کا تعلق پہلے مصرعے سے نہیں معلوم ہوتا... اسکے جانے سے چشمِ حلقہ در کیوں پتھر لگئی؟ ہم نے ایک پرانے استاد سے سنا ہے کہ شاعر جب شعر کی فکر کرنے بیٹھا ہے تو پہلے قافیہ تلاش کر لیتا ہے اسکے بعد الفاظ دھونڈ کر جمع کرتا ہے پھر انہیں سے اچھے اچھے لفظ چن کر کسی ایک مصرعے کی بھرتی کر لیتا ہے۔ جب اس سے قافیہ ہوا جھٹ سے ایسکے برابر دوسرا مصرعہ بھی تراش کیا آخری درجہ ہے معنی جھٹانے کا اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ خیالات کے جھوم میں معنی جھٹانا بھول جاتا ہے ممکن ہے کہ نسیم سے کبھی یہ فریاد گذشت ہو گئی ہو مگر ہمارے ذہن میں اس شعر کے یہ معنی آتے ہیں اگر آپ کے ذہن نشین بھی ہو سکیں شعرا اس موقع پر کہا گیا ہے جب تاج الملوک نے طلسمی قید خانہ سے رہائی پائی ہے اس میں باریک بات قید خانہ کا طلسمی ہوتا ہے جسکی وجہ سے شاعر نے اس مضمون کی بنیاد ڈالی ہے

مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ تاج الملوک کی رہائی کے قید خانہ کا در بند ہو گیا دپتھر کی طلسمی دیوار سے اس مضمون کو شاعر نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے کہ قیدی کی مفارقت کا قید خانہ کو اس قدر رنج ہوا کہ وہ اندھا ہو گیا۔ اس خیال کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ تاج الملوک کے خیال کے ساتھ اسکے حسن و جمال کی طرف ذہن منتقل ہوا ساتھ ہی خیال یوسف اور زندان مصر کی طرف پہنچا اور وہاں سے اُچک کر یعقوب کے بیت الخزن میں داخل ہوا۔ یعقوب پر مفارقت کا اثر یہ دیکھا کہ اندھے ہو گئے ہیں۔ شاعر کو ایک ذرا سی تحریک کافی ہے بس نسیم نے قید خانہ کو اندھا بنا دیا آنکھ سے استعارہ کرنے کو حلقہ در موجود وہی تھا جس کا پتھر سے بند ہو جانا اس مصرعے کے موزون کرنے کا باعث ہوا رع پتھر اگنی چشم حلقہ در۔ لیجئے شعر میں تو میں نے معنی پیدا دیے ہیں اب سمجھنا سمجھنا آپ پر

صدا آکھو کی دیکھ کر پسر کی بینائی کے چہرے پر نطری کی
اعتراض ہے کہ دوسرا مصرع بالکل بے معنی ہے مصنف کے سوا دوسرا اسکی تہ کو
نہیں پہنچ سکتا۔ مصرع بالکل صاف ہے اگر کوئی نہ سمجھے تو بھوری ہے۔ روئے امید
حیرہ امید وغیرہ الفاظ تو ضرور آپ نے سنے ہونگے اسی قبیل سے چہرہ بینائی بھی ہے
اسکو بجا زمرل سکتے ہیں۔ معنی یہ ہوے کہ بیٹے کی نظیر سے نظر مٹنے کے بعد جب اپنی بینائی
دیکھا تو نہ پایا۔ یہاں اعتراض اور پیدا ہوتا ہے کہ اندھا ہونیکے بعد دیکھا کیونکر اسکی نسبت میں
یہ صلاح دون گا کہ دیکھنے کے مختلف معنی اور موقعہ استعمال مولوی سیاح مدد دہلوی سے دریا
فرمایا لیجئے۔

سے بارغ کا ولی میں اک گل پلکوں سے اُسی پہ مار چنگل
فرماتے ہیں کہ مضمون بتدل ہے مگر اُسکا کوئی جواب نہیں دوسرا اعتراض ہے کہ اُسی
خلاف محاورہ ہے اُس ہونا چاہیئے، بالکل بجا ہے ہم بھی کیون سمجھ لیں کہ شاعر نے اُس کہا ہوگا

حتیٰ کے کمال دینے سے مصرعے کی موزونیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

دانا تو کرے کب اس طرف میل ہارا ہے جو سے کے نام سے میل
اعتراف ہے کہ ضلع جگت کے سوا شعر میں کچھ نہیں۔ سب جان اشد یہ بھی کوئی اعتراف
یہ تو غور فرمائیے کہ اس وقت کی سوسائٹی کا مذاق کیا تھا۔ چلتے تھے ادھر سے دو چار میاں
فرماتے ہیں کہ چلتے تھے غلط ہے۔ مگر خدانے ہلکوبھی عقل دی ہے۔ بالفرض نسیم بالکل ہی
کو دیکھتا ہے آتش کیونکر گوارا کرتے رہ سکتی نظر سے گلزار نسیم گزر چکی ہے کہ روزمرہ کی ایسی موٹی
غلطی باقی رہے۔ ہم اسکو جانتے تھے کیونکہ نہ پڑھتے تھے۔

صدقے ہو کر کہا خوش آئے جس گل کی ہوا لگی تھی لائے

ہملا اعتراف ہے کہ خوش آئے خوش آمد کا ترجمہ کیا ہے جو خلاف محاورہ ہے۔ عین
اکساہون کہ خوش آمد کا ترجمہ ہرگز نہیں ہے بلکہ خوش بخیدہ کے خلاف کہنے اصلی معنوں میں
استعمال ہوا ہے یہ شعر غالباً اس موقع کہ جب تاج الملوک گل بکا دلی لیکے بیٹا ہے اور بیوا
اس سے استفسار حاصل کر رہی ہے۔

دوسرا اعتراف تو الگ تھی پر ہے اور وہ صحیح ہے۔ بیشک نسیم ہوسانی تھی۔ کی جگہ کہ گئے ہیں
بالآخر تجھے نہایت انوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ پروفیسر نقاد صاحب نے۔ اے
نے اس تنقید کے نتیجے جب قدر وقت ضائع کیا اس کا حاصل سچا اسکے اور کچھ نہ نکلا کہ۔

کارہر مری۔ اے نیست نقادی۔ کیا اچھا ہوتا اگر پروفیسر صاحب بجائے اس نقادی کے
کوئی مفید کام کرتے۔ ہم اوپر بھی لکھ چکے ہیں کہ نہ ہلکوبھی سے کوئی خصوصیت ہے اور نہ نقاد صاحب سے
ہم اس سے زیادہ واقف ہیں کہ وہ دونوں یو یو کے نامہ نگار ہیں اور ان کے کام کے ساتھ اکثر پروفیسر اور
بی۔ اے۔ لکھا رہا ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا وہ محض اس بنا پر کہ تنقید زیر بحث میں جب قدر عمر ضائع
کئے گئے ہیں ان سے پہلک کہیں مغالطے میں آجائے کیونکہ ان میں سے ایک عمر افس بھی قابل انتہات
نہیں ہے وہ ہم یا نہیں کہتے کہ نسیم دائرہ انسانیت سے خارج تھا اور اس کا کلام بالکل غلطیوں سے مرکب ہے۔
(خاص کستوری)

(از رسالہ تہذیب بابت ماہ اپریل ۱۹۷۶ء نمبر ۳۲ جلد ۲)

۱۵۔ گلزار نسیم

ہوا خواہ نسیم

جب سے سٹرچک بست نے گلزار نسیم کا نیا ڈیزائن شائع کیا ہے اُس وقت سے اس یادگار زمانہ شنوی کے محاسن و معائب پر مختلف پہلوؤں سے بحث ہو رہی ہے اس بحث میں اکثر سحر البیان اور گلزار نسیم کا موازنہ بھی کیا جاتا ہے اور اکثر حضرات یہ کہنے میں تکلف نہیں کرتے کہ میر حسن کی شنوی گلزار نسیم سے شاعری کے اعتبار سے بہتر ہے میرے خیال میں ایسا کتنا انصاف کا خون کرنا ہے۔ میر حسن کی شنوی کو جو کچھ شہرت حاصل ہے وہ محض تبرکاً حاصل ہے چونکہ سحر البیان اردو شاعری کے ابتدائی دور میں مقبول رہی لہذا لوگ اب تک اُنکی یاد دل سے بھٹانا پسند نہیں کرتے حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو شاعری کے اعتبار سے میر حسن کی شنوی گلزار نسیم کی گرد کو بھی نہیں پہنچتی قبل اُنکے کہ دعویٰ کی تائید میں لائل پیش کیے جائیں یہ دیکھنا لازمی ہے کہ سچی شاعری کا معیار کیا ہے کارلائل انگلستان کا ایک مشہور فلسفی گذر ہے اُس نے لکھا ہے کہ جدت اختصار۔ باریک خیالی اور بلند پروازی شاعر کے جوہر خاص ہیں اس معیار کو سامنے رکھ کر اگر ہم گلزار نسیم اور سحر البیان کا موازنہ کریں تو ہم پر یہ آئینہ ہو جائیگا کہ متاخر شنوی میں

یہ جو ہر محروم ہیں۔ برعکس اسکے گلزار نسیم میں یہ جو ہر پرہیزگار ہوئے ہیں۔ پہلا جوہر جدت ہے اگر دیکھا جائے تو میر حسن کی مثنوی میں جدت کا نام نہیں۔ مثلاً حمد و نعت میں سکندر نامہ و بوستان کی نقل کی گئی ہے ہر داستان کے آغاز میں ساقی نامہ کو بھی فارسی مثنوی کا ساتھ دیا ہے۔

کروں پہلے توحید یزدان رقم
میر بروج پر رکھ بیاض جبین
نتیجہ پھر شہادت کی اٹھلی اٹھلا
نہیں کوئی تیرا نہ ہو گا شریک
پرستش کے قابل ہے تو لے لے لیم
کہ ہے ذات تیری غفور تر جیم

وغیرہ وغیرہ ان اشعار میں نہ کسی قسم کی لطافت ہے نہ تازگی نہ جدت جو شخص محروم نعت کہتا وہ ایسی ہی کہتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ فارسی مثنویوں کی حمد یہ اشعار کا ترجمہ کر دیا ہے برعکس اسکے گلزار نسیم میں حمد و نعت میں وہ جدت پائی جاتی ہے کہ بارک اللہ۔

ہر شلخ پہ ہے شکوفہ کاری
کرتا ہے یہ دوزبان سے اکثر
پانچ انگلیوں میں یہ حرفِ ن ہے
ختم اس پہ ہوئی سخن پرستی
مثر ہے سلم کا حمد باری
نعت حق و مدحت ہمیں

ناظرین ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ نسیم کے چاروں شعر جدت و تازگی کا نمونہ ہیں اس قدر کہ کسی مثنوی میں حمد و نعت نہ ملے گی اس طرح کل مثنوی میں۔ میر حسن نے کہیں جدت سے کام نہیں لیا ہے۔ اگر گھوٹے کی تعریف کی ہے تو گھوٹے کے متعلق سب اصطلاحیں نظم کر دی ہیں۔ اگر گیسو کی تعریف کی ہے تو پیش پا افتادہ تشبیہوں کے انبار لگا دیے ہیں طوالت مضمون کا خیال لے رہے ورنہ سیکڑوں مثالیں پیش کیا سکتی ہیں۔ جدت کے علاوہ مختصار

شاعری کا اعلیٰ جوہر ہے اور اختصار گلزار نسیم کا خاص جہر ہے۔ نسیم نے اکثر مقامات پر دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے۔ اور بقول محمد حسین آزاد مصنف آب حیات کے کل مثنوی میں ایک شعر بیکار نہیں ہے۔ اگر درمیان سے ایک شعر نکال ڈالیے تو کل داستان ہم ہو جاتی ہے، برعکس اسکے میر حسن کی بیجا طوالت پر دہر مصنف مزاج شخص کی نگاہ میں ٹکستی دیکھیے بادشاہ کی تعریف میں میر حسن فرماتے ہیں۔

بہت شہمت و جاہ و مال و منال بہت فوج سے اپنی فرخندہ حال
کئی بادشاہ اسکو دیتے تھے باج خطا و ختن سے وہ لیتا خراج
کوئی دیکھتا آگے جب اسکی فوج تو کہتا کہ ہے بھر ہستی کی موج
جہان تک کہ سرکش تھے اطراف کے وہ اس شے کے بہتے تھے قدموں لگے
نسیم نے ان تمام مضامین کو جو میر حسن نے چاروں شعروں میں نظم کیے ہیں ایک شعر میں کس خوبی و لطافت کے ساتھ نظم کر دیا ہے۔

شکر کش و تاجدار تھا وہ دشمن کش و شہر یار تھا وہ
اور پھر جو چہستی اور تازگی اس شعر میں ہے وہ میر حسن کے چاروں اشعار میں نہیں اسطرح ہر ایک مقام کا موازنہ ہو سکتا ہے میر حسن نے ہر جگہ اپنی خشک بیانی کو ضرورت سے زیادہ طول دیا ہے اور نسیم نے ہرین کو نہایت اختصار اور لطافت کے ساتھ نظم کیا ہے باریک خیالی شاعری کا تیسرا زبردست جوہر ہے۔ میر حسن کی مثنوی میں نازک خیالی اور باریک خیالی کا مطلق دخل نہیں ہے۔ ہر جگہ پیش پا افتادہ تشبیہوں اور استعاروں سے کام لیا ہے۔ برعکس اسکے گلزار نسیم کی باریک خیالی سے زینت ہے۔

مثلاً نسیم و میر حسن دونوں نے وصال کا نمونہ نظم کیا ہے میر حسن کا طرز بیان بالکل مجتہد اور لطافت سے موعا ہے چند شعر تمثیلاً درج ہیں۔

لگی ہونے بے پردہ جو پہر پہر چھاڑ در حسن کے کھل گئے دو کوڑ

لبوں سے ملے لب ہن سے دہن دلون سے ملے دل بدن سے بدن
 لگی آنکھ سے آنکھ خوش حال ہو گئیں حسرتیں دل کی پامال ہو
 لگی جا کے چھاتی جو چھاتی کے ساتھ چلے ناز و غمرے کے آپس میں ہاتھ
 وغیرہ وغیرہ نسیم نے اس مضمون کو کس کس لطیفے نازک پر لایہ میں ادا کیا ہے۔
 طومار حجاب کو کیا ملے ساغر یہ مجھ کا وہ شیشہ کئے
 کاوش پس پہ ہوا گھر سے الماس غنچہ سے سجھائی اوس نے پیاس
 اس وضع کی متعدد مثالیں دونوں کے کلام سے دی جا سکتی ہیں۔ اب ہی بلند پروازی
 یہ ایسا جو ہر شاعرانہ ہے جو کہ نسیم کا حصہ ہے اور جو میر حسن کے کلام میں عفا کا حکم رکھتا ہے
 نسیم کے کلام سے چند بلند پروازی کے نمونے مثلاً درج ہیں۔

آنکھ لگے بیٹھے بیٹھے جگر فالوئس خیال بن گیا گھر
 جامہ سے جو زندگی کے ہلکی تنگ کپڑوں کے عوض بدلتے ہلکی رنگ
 سایہ کو پتا نہ تھا بھر کا عفتا تھا نام جانور کا
 مرعبان ہوا تھے ہوش رہی نقش کف پا تھے ریگ ناہی
 اس مختصر پر منے موازنہ سے ثابت ہوا ہو گا کہ شاعری کے جو ہر خاص میر حسن کے کلام میں
 معدوم ہیں لہذا یہ کنایہ بجا ہو گا کہ میر حسن شاعر کے لقب کے مستحق نہیں ہو سکتے وہ محض ایک
 (ناظم) تھے جو کہ واقعات نظم کر دیتے تھے ان کے کلام میں شاعرانہ لطافت نہیں ہے جو شاعری
 معمولی نظم سے جدا کرتی ہے برعکس اسکے شاعری کے تمام ارکان نسیم کے کلام میں درجہ
 تکمیل پر پہنچے ہوئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اب جو شخص مثنوی کہتا ہے وہ نسیم کی تقلید
 کرتا ہے اور میر حسن کی طرف رخ بھی نہیں کرتا۔ منشی احمد علی صاحب شوق حسن کا گوروی
 امیر لشکر صاحب تسلیم وغیرہ نے اپنی مثنویوں میں نسیم کا انداز سخن اُڑانے کی کوشش کی
 آخر میں ہم ان متعدد لغز ثنائیوں میں سے چند تمثیلاً پیش کرنا چاہتے ہیں جن سے ثابت ہو گا،

کہ میر حسن سے تناسب واقعات بھی نہ سمجھ سکا اور نیز انھیں زبان پر قدرت کاملہ نہیں حاصل ہے جتنی لغزنین زبان کی انکے کلام میں ہیں وہ انکے معاصرین کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔ میر حسن نے پہلے تو یہ بیان کیا ہے کہ بدرنیز قبل بارہ برس کی عمر پانے کے تمام علوم و فنون میں مشاق ہو گیا تھا جیسا کہ ذیل کے اشعار سے ثابت ہے۔

دیا تھا ز بس حق نے ذہن رسا کئی سال میں علم سیٹھ چکا
معانی منطوق بیان و ادب پڑھا اس نے منقول و معقول سب
لگا ہدایت و ہندسہ تا نجوم زمین آسمان میں کبھی اسکی دھوم
کئے علم نوک زبان حرف حرف اسی نحو سے عمر کی اُسے صرف
وغیرہ وغیرہ اس خلاف عقل مبالغہ کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

عطار کو آنے لگی اُسکی ریس ہوا سادہ لوحی میں وہ خوشنویس
یہ عجب پریشان خیالی کا نمونہ ہے۔ ابھی جس شہزادہ کی نسبت اس مقام پر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ سادہ لوح تھا محض اس سے کہ لوح اور خوشنویسی میں تناسب لفظی ہے اس سے بڑھ کر کسی شاعر کے کلام میں قوت خیالی کی مستی کا نمونہ نہ ملے گا (باقی آئندہ)

(راقم ہوا خواہ نسیم)

(از رسالہ تہذیبِ نابت، ماہ جون ۱۹۷۸ء نمبر ۶ جلد ۲ -)

۱۶۔ گلزارِ نسیم و سحرِ البیان نمبر ۲

اسی طرح کی سیکڑوں لغزشیں میر حسن کے کلام میں موجود ہیں۔ ذیل میں مختصراً چند ایسی غلطیاں پیش کی جاتی ہیں جو کہ سولے بتدی کے کسی استادِ کامل سے سرزد نہیں ہو سکتیں۔

کیا حق نے بنیوں کا در اُسے بنا یا نبوت کا حق دار اُسے
اس شعر میں حق اور سر۔ کا قافیہ بالکل غلط ہے ایسی غلطی تو ایک نو مشق سے بھی ممکن ہے
بادشاہ کی سخاوت میں فرماتے ہیں -

سخاوت یہ ادنیٰ سی اکل اسکی ہے کرا کہ ن دو شائے دیے سات سے
واقعی سات سے - دو شائے دینا حاتم کی قبر پر لات مارنا ہے - اور سولے اولوالعزم
بادشاہ کے کون دیکھتا ہے -

پلنگوں کا بھی بلکہ چیتا یہی کمر آ بند صا دے ہماری کوئی
اس شعر میں محض پلنگ کی رعایت سے لایا گیا ہے اور علیٰ ہذا القیاس کمر کا بھی یہی
حال ہے یہ شاعری ہے کہ ضلع جگت -

ٹوپیے کے اسکے جوا د نہ تھے خر اُٹھیں نعل بندی میں ملتا تھا ز
میر حسن کا مطلب تو یہ تھا کہ نعل بند و نکو اجرت میں زر ملتا تھا مگر زبان پر قدرت
نہ ہونے سے یہ کہہ گئے کہ (خروں کو زر ملتا تھا -

عجب شہر تھا ایک مینو سواد کہ قدرت خدائی کی آتی تھی یاد
 خدا کی قدرت تو سب کہتے ہیں۔ مگر چونکہ مصرع ناموں نہ رہتا تھا ایسے میر صاحب نے
 (سی) اور بڑی مادی۔ دیوار کی تعریف میں فرماتے ہیں۔
 صفا پر جو اسکی نظر کر گئے اسے دیکھ کر سنگ مرمر گئے
 اس سے بدتر ضلع جگت کی مثال امانت کے بیان بھی نہ ملیگی۔ سنگ کے نیلے یکنا
 کہ مرمر گئے۔ میر حسن ہی کا کام ہے۔

کروں اسکی وسعت کا بیان کیا بیان کہ چون اصفہان تھا وہ نصف جہاں
 یہ کس جغرافیہ میں لکھا ہے کہ اصفہان نصف جہاں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیرن کی
 معلومات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔

گئے نو مہینے جب اس پر گذر ہوا گھر میں شد کے تو لد پسر
 اس شعر میں۔ اس پر۔ کی کیا ضرورت تھی یہ دو لفظ اس لیے ٹھونس دیے گئے ہیں
 کہ مصرع موزون ہو جائے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حیرن کو مصرع موزون کنین
 عجز تھا۔

دیا چوب کو پہلے ہم سے ملا لگی پھیلنے ہر طرف کو صدا
 کہا زیر نے ہم سے بہر شکون کہ دون دون غشی کی خبر کیوں نہ
 سجان اشد کیا کیا دون دون ہے۔ واقعی تناسب لفاظ کی مفت کو نسیم نے کیا
 معراج دی ہے اور میر حسن نے اس صنعت کی کیا مٹی خراب کی ہے۔

کہڑے سرو کی طرح چینی کے چھا گئے تو کہ خوشبو یوں کے ہیں پہاڑ
 اول تو خوشبو کی جمع خوشبو یوں۔ کیا خوب اور خوشبو یوں کے پہاڑ۔ تو اس پر بھی طرہ ہیں
 واقعی خیالات کی جدت اس کا نام ہے۔

گلوں کا لب نہریر چھوٹا اسی اپنے عالم میں مٹھ چھوٹا

جسوقت کہ لب نہر کمد یا تھا بھر۔ پر لانے کی کیا ضرورت تھی اس قسم کی بھرتی کے الفاظ میر حسن کے کچھ ترقصیدی اشعار میں موجود ہیں اور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ میر صاحب موصوف محض خیالات کے نظم کرنے میں عاجز تھے۔

لئے ہاتھ میں نیلے کمالینیں جن کو لگیں دیکھنے بھالینیں
بھلا اس سے بڑھکر بتدیانہ غلطی کسی شاعر کے کلام میں مل سکتی ہے۔ بھالینیں اور
مالینیں کا قافیہ رکھنا میر حسن ہی کا کام تھا۔

لب جو پہ آئینہ میں دیکھ قد اکڑنا کڑے سر و جد بہ مد
لب جو پہ ویسا ہی ہے جیسا کہ لب نہر پر۔

کمان کے جو درپے ہوا بے نظیر لیا کھینچ چلے میں سب فن تیر
کمان کے لئے چلے کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر اگر امانت نے یہ کہا ہے۔
میر یوں میں بھی مرا نازک بدن ملتا نہیں۔ تو کیا بڑا کہا ہے۔

کہ سر گرم حمتا ہے بے نظیر گیا ہے نہانے کو بدر منیر
اس شعر میں بے نظیر اور بدر منیر دونوں سے ایک ہی شہزادہ مراد ہے مگر انداز سخن سے
یہ پیدا ہے کہ بدر منیر کوئی اور شخص ہے اور بے نظیر کوئی اور شخص ہے۔ اس قسم کی بندش
شاعری میں سخت میووب ہے۔

ہوا قطرہ آب یوں چشم پوش کے تو پڑی جیسے نرگش اوس
اوس پڑنا تباہ اور برباد ہو جانے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے کیا اس شعر میں میر حسن
یہ مراد ہے کہ پانی کا قطرہ پڑنے سے شہزادہ کی آنکھ بھوٹ گئی۔

گیا حوض میں جب شہ بے نظیر بڑا آب میں عکس ماہ منیر
جسوقت حوض میں کوئی شخص نہانے اترتا ہے تو پانی میں توج کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے
اور اس حالت میں عکس پڑنا ناممکن ہے۔ میر حسن کی نگاہ مطلق شاعرانہ نہ تھی ورنہ وہ ایسا

خلاف تجربہ واقعہ نہ نظم کرتے۔

زمین پر تھا اک موجہ نور سینہ ہوا جب وہ غوارہ سان آ کرینے
یہ اس حق کا شعر ہے جبکہ شہزادہ حوض میں نہانے اتر رہا ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ غوارہ
کی طرح آب ریز ہونے سے کیا مراد ہے۔ کیا اسپر نہانے کا خوف بہ طرح طاری تھا۔ فوسوس
کہ غنم کے پہلو سے بھی میر حسن کا کلام خالی نہیں ہے۔

بندھنیں گڑبان طاش کی سراویر چکا چوند میں جیسے آئے نظر
سبحان اللہ و بجمہ۔ کیا اختصار ہے اول تو سراویر ہی لطافت سے معمور تھا
مگر جب دیکھا کہ اسپر بھی مصرع نہیں موزون ہوتا تو سراویر پر نظم کر دیا۔

وحوشوں طیور وں تاک بے خلل بڑے آتش یا کوئے اپنے نکل
وحوش و طیور خود صیغہ جمع میں ہیں۔ اسکی جمع وحوشوں و طیور وں بنانا صرف و نحو کے
معمولی قواعد سے لاعلمی ظاہر کرتا ہے۔

لب بام پر جب یہ سوئی صنم کرین سورہ نور کو اس پہ دیموئی
لب بام کے بند۔ ہر بالکل فضول ہے۔

وہ سویا جو اس آن سے بے نظیر رہا پاسبان اسکا بدر منیر
وہ مہ اس کے کوٹھے کا بالا ہوا غرض وان کا عالم دو بالا ہوا
ان دونوں شعروں میں ابتدا (مین) (دوہ) محض برائے وزن بیت ہے۔

گئیں لے وہ شہ کو لب بام پر دکھایا کہ سویا تھا یا ان سیمبر
یہ اور لب بام پر۔ ملاحظہ ہو۔ افسوس کہ ایک ایک قسم کی غلطیاں کس کثرت سے ہیں
لگے تھے جو خوشے درختوں کے ساتھ وہ ہل ہل کے ملتے تھے ہم پسین ہاتھ

پہلا مصرع کس قدر محل ہے

نہ بگون کا عالم نہ وہ فرقے نہ وہ آب جو یمن سبز ہے

سبز ہرے۔ کی ترکیب محض غلط ہے۔

خسرن کا الم دلمین جو آگڑا جگر بگ ل کی طرح جھڑ بڑا
جگر جھڑ بڑا کوئی معنی نہیں رکھتا خدا جانے میر حسن کیا کہنا چاہتے تھے اور کیا کہ گئے۔

کسی کو ہو جس چیز کا اشتیاق نظر آئی وہ چیز بالائے طاق
میر حسن کا مطلب تو یہ ہے کہ مختلف چیزیں طاق پر بھی ہوئی تھیں مگر بالائے طاق محاورہ
میں بالکل اس سے مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے

زبس تھا وہ لو کا تو سما بھی کچھ ہوا کچھ دلیر اور میر ان بھی کچھ
سما اور حیران کا قافیہ کرنا میر حسن ہی کا کام ہے

کبھی بون بھی ہے گردِ شل گار کہ مشوق عاشق کے ہوتیار
کہنا چاہتے تھے کہ مشوق عاشق کے اختیار میں ہو مگر چونکہ مصرع موزون نہیں ہوتا تھا
یالہذا میں حذف کر گئے سبحان اللہ۔

وہ شفقت جو ماں باپ کی یاد آئے تو راتوں کو رورور کے دیر لہائے
اس شعر پر شفقت ہے سینے۔ فا۔ بالفح ہے مگر میر حسن نے جھلا کی زبان پر اعتبار کر کے
یہ پیدا۔ نظم کر دیا

غرض ماہرِ رخ اس مچی کا تھا نام پر سے کیا تھا یہ پوشیدہ کام
میر حسن کا مطلب تو یہ ہے کہ باپ سے خفیہ رکھ کے یہ کام کیا تھا مگر مصرع کی ترکیب سے
ظاہر ہوتا ہے کہ باپ سے یہ پوشیدہ فعل کیا تھا افسوس کہ میر حسن کو ایسا ضم کا پہلو
نہ نظر آیا۔ زبان پر قدرت نمونے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔

اسی غم سے گھل گھل کے مرا تھا وہ سدائے شمع سان آہ کرتا تھا وہ
شمع کے لیے رونا سب نے نظم کیا ہے اور واقعی اسکے قطرے اشک سے مشابہ
ہوتے ہیں۔ مگر آہ کرنا شمع کے لیے سولے میر حسن کے کلام کے کہیں نہ ملے گا۔

یہ شاعری نہ ہو مگر ایجاد بندہ تو ضرور ہے
 یہ گھوڑا جو اس گل کے تھی بخش کا
 کتنا چاہیے تھا کہ اس گل کا بخشا ہو گھوڑا تھا
 مگر کہ گئے کہ اس گل کی بخش کا گھوڑا سبحان
 بجز۔ کیا اختراع ہے
 فقط موتیوں کی ٹہنی نے زیب
 کہ جسکے قدم سے گہرا پے زیب
 اس شعر میں بھی قافیہ کی غلطی ہے۔

غرض کہ جن بزرگوں نے جناب حیرن کو حضرت نسیم کے مقابلہ میں آسمان شاعری
 پہنچایا ہے۔ وہ انصاف و نون کا مقابلہ کر کے کہے کھوٹے کی پرکھ کرین اور دیکھیں
 کہ کس کے کلام میں عامیہ لغزشوں کی بھر مار ہے۔ یوں آنکھ بند کر کے اعتراض کرنا اور کسی
 قابل فخر تنظیم بزرگ کے کلام پر نا انصافی کے خنجر چلانا معمولی کانشین کے آدمی کا کام ہے
 اس قسم کے علمی مناظرات میں قومی خیالات سے قطع نظر کر کے سبائی اور ایماندار محی
 تنقید کرنا ملک و قوم کے لئے زیادہ مفید و کارآمد ہے۔ بمقابلہ اسکے کہ ایسے لٹو کو قومی
 نگاہ سے دیکھا جائے۔ باقی آئندہ

(نرہار سنگھ نسیم)

از رسالہ تہذیب بابت ماہ جنوری ۱۹۰۶ء جلد ۲ - نمبر ۱ - مرتبہ منشی سعید اللہ خان صاحب نجیب و پروپرائٹر
ریاست لہم پور

۱۔ سحر البیان گلزار نسیم پر ریویو

(از منظر الحق صاحب لہمی)

اس سے پہلے کہ سحر البیان اور گلزار نسیم کے مختلف مضامین کی سیر صاحبان
بالغ نظر و فقیہ رس کو کرائی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اول بطور تمہید و مقدمہ کچھ تحریر
کر دیا جائے۔ بموجب تقسیم آزاد میر حسن صاحب سحر البیان دور چہارم سے تعلق رکھتے ہیں
اور نسیم دور پنجم سے نسیم کا ذکر آب حیات کے دور پنجم میں کہیں نہیں ہے مگر چونکہ وہ آتش مرحوم
شاگرد تھے اسلئے انکا شمار دور پنجم میں کیا گیا ہے۔ موجودہ نظم اردو ہفتہ میں دلی اللہ سے لیکر انیس
مرحوم تک تین سو برس ہونے ہیں اس زمانہ کو آزاد نے پانچ دور پر تقسیم کیا ہے اور شعرا کے
طرز کلام کو تین نظر رکھ کر یہ دور قائم کیے گئے ہیں جہاں سے اردو کا رنگ ڈھنگ جدا پایا
گیا۔ ایک دور قائم کر کے دوسرے دور شروع کر دیا گیا اور قاضی دور کا فیصلہ کثرت پر قرار دیا۔
روڈ بدیل ترک متروک کا جھگڑا ہیز زلنے کے ساتھ لگا رہتا ہے جو زبانین کہ زمانہ دراز سے
وجود میں ہیں اور صفائی و شستگی میں ملاز اعلا پر ہونے چکی ہیں انہیں بھی تغیر و تبدل
کچھ کچھ آئے دن ہوتا رہتا ہے انگریزی زبان ہی کو ملاحظہ فرمائیے کہ پہلی زبان اور حال کی زبانیں

ذرا بھی تو کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اب بھی باوجودیکہ عرصہ سے علمی زبانوں کے ہم چلے گئے ہیں تاہم کوئی کوئی بات گھٹتی بڑھتی رہتی ہے پس جس زبان کا نشوونما مجھے ایک قلیل زمانہ گذرا اُس میں ترک متروک بدرجہ غایت ہوتا رہیگا۔ چنانچہ دور چارم میں زبان اردو نے ایسی شے متروک و صفائی حاصل نہیں کی تھی جیسے کہ دور سیم کی نظر سے گذری دور چارم کے شعرا کا کلام اگر دیکھئے تو ہر صفحہ میں بہت سے الفاظ اور ترکیبیں ایسی ملین گی کہ گرج متروک سمجھی جاتی ہیں۔ مگر میر صاحب کا کلام بہت شگفتہ و چٹا لفظ اور چند اشعار کی بندش کے جیسا کہ جب تھا وہی آج دلپذیر و دلکش ہے۔

زمانہ سے دو قدم آگے۔ ہاں کچھ آسان نہیں جبکہ برابر ہی چلنا دشوار ہے۔ دور سیم نصیب ہوا۔ مگر اُن کے کلام میں بلاغت کا پتہ نہیں خیالات کا تسلسل مفقود۔ فطرت عادی انسانی کا مذکور تو ظاہر وہم و گمان سے بھی زیادہ عنقا۔ بان شبیہ و استعارات نئے طرز سے باندھے گئے ہیں۔ اور فصاحت کلام میں بھی نسیم میر صاحب کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ جو دلکش بیان مثنوی کے لئے لازم ہے وہ سحر البیان میں موجود ہے مگر کلاسیک میں مفقود و شعرا، ماسبق کے کلام میں جو الفاظ یا بندش متروک یا کمزورہ پائی جاتی ہے ان پر اگر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اُس زمانہ میں وہی فصیح سمجھی جاتی تھی جو اب خاسر لگتی ہے۔ البتہ اگر ایسے الفاظ پائے جائیں جو اس وقت متروک تھے تو بیشک کلام پر غیر تصحیح ہونے کا اطلاق ہوگا۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ کی فصاحت مجاہد ہے جو الفاظ آج فصیح خیال کیے جاتے ہیں کچھ عرصہ کے بعد وہی نقیض ٹھہرا دیے جاتے ہیں پس سہی نہ کی نظر سے کلام جاننا اور دیکھنا چاہیئے جس سے وہ تعلق رکھتا ہے۔ یہ رعایت صرف زبان کے ساتھ ہے معنی کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ خیالات کی صحت و سقم پر برتری کا دارملا ہے جب قدر وسیع اور بلند خیالات معنی کے متعلق ہونگے اُنہا ہی اعلیٰ درجہ اُنکے لئے تجویز کیا جائیگا اس سے بہت کم بحث کجا نیکی کہ وہ کس زمانہ سے تعلق رکھتا ہے۔ شکسیر مرثیہ شعرا،

انگلستان خیالات صحیح ہی کیوجہ سے آج بھی درجہ اول کھتا ہے حالانکہ جو زبان اسنے لکھی ہے وہ بہت زیادہ متروک ہوگئی ہے اسکے کلام کی جانچ مسئلہ بالاک کی رو سے ہوتی ہے یعنی کسی نظم پر گرفت نہیں کیجاتی اور نظرت و عادت سے جہاں اسنے بحث کی ہے ان تصورات کا وزن اس زمانہ کی میزان خیال میں پیدا ہوتا ہے۔

مثنوی سحر البیان از سر تا پا فصاحت و بلاغت سے ملبوس کا ذکر ہے اسکے متعلق جو کچھ چاہیے شمسۃ الفاظ میں جو وہ بیان کیا ہے ایک تصویر لاکر کھڑی کر دی ہے غم و الم کا ذکر ہے تو درود و یار سے یاس و حسرت ٹپک رہی ہے مسرت و عشرت کا چرچا ہے تو ہر شے شگفتہ و خندان نظر آتی ہے وصل کا خیال ہے تو کل لوازمات عیش موجود دیگر بد نظر ہے تو شام غربت مرغوب باغ کا ذکر آگیا ہے تو قمری کے قفقے اور بلبل کے چہچہے برسات کا جو خیال آیا تو بجلی کی چمک بادل کی کرلک ہوا کا زور و زخم کا شور اسی کو بلاغت کہتے ہیں۔ آب حیات میں مثنوی میر حسن پر تقریظ موجود ہے آزاد کی تحریر کا کیا کہنا مگر وہ عام حالت سے تعلق رکھتی ہے اور اس میں ان خوبیاں برتر از وہم و خیال کا مفصل بیان ہوگا جس کا سرخ ایشیائی شاعری میں کم ملتا ہے فطرتی منظر اور نچرل سبزی کی توضیحات سے لطف دو بالا کیا جائیگا اردو میں بہت سی مثنویاں لکھی گئی ہیں مگر سحر البیان کی ہانگ کو بھی کوئی نہیں پہنچتی بلاغت اور بیان فطرت میں بیحد میل شستگی زبان میں ایسی کہ سوائے گلزار نسیم کے اور کوئی نظمیں میر میری رائے میں ماورائیک وصف کے گلزار نسیم کو سحر البیان سے کچھ مناسبت نہیں۔ آزاد مثنوی کی یوں تعریف کرتے ہیں کہ مثنوی حقیقت میں سرگذشت یا بیان ماجرا ہے جسے تاریخ کا ایک شے سمجھنا چاہیئے لہذا مثنوی میں وہ جملہ امور ملحوظ خاطر رکھنے چاہیں جو فطرتی طور پر عادتاً واقعہ و حال کے لئے لازم ہیں۔ میر صاحب نے جملہ امور متذکرہ بالا کا قریب قریب ہی پاس رکھا ہے گلزار نسیم میں استقدر لغزشیں ہیں جنکی انتہا نہیں تناقض پر تناقض وار ہیں مثنوی اثرل تاریخ کا شے ہے تو اس میں نہ اشبد نہیں کہ بیچارہ سی تاریخ کا بڑی سیر حمی سے خون کیا گیا ہے غزل یا نہیں

اور قصائد کے میدان کیا کم وسیع تھے کہ نازک شتوی کو بھی بغیر پائمال کیے نہ رہا گیا گلزار نسیم میں جو باتیں عادتاً یا فطرتاً بیان واقعہ کی جان یا لازم ہیں بہت کم پائے جاتی ہیں۔

کہہ سکتے ہیں کہ قصیدے نظیر تجویز کر حسن ہے اور قصیدہ بکاؤ کی اصل شرتھا نسیم نے زیور نظم سے آراستہ کر کے عروس نوپیر کستہ کو ہدیہ ناظرین کیا اصل قصیدہ میں جو خوبایاں نہیں وہ قائم ہیں نسیم انکے دمہ دار ہار سی اسے میں مذکور اصدد لیل کے پیش کرنے سے نسیم بڑے نہیں ہو سکتے بلند خیالی انکی اس سے ظاہر ہے کہ ایسا قصیدہ پسند کیا۔

اسپر بھی خیال کیا کہ میر صاحب کے وقت میں قصیدہ بکاؤ کی موجود تھا کیا وجہ کہ میر نے اس قصیدہ کو اختیار نہیں کیا۔ اگر غور کیجئے تو صرف اس قصیدہ کا رد ہی کرنا میر صاحب کے کمال علمی مرتبہ کی دلیل ہے۔ نسیم اگر اسکو اختیار نہ کرتے باضر و طبع خود بھی ایسا ہی پھر ہوتا بلند خیالی اور اختراع کا مادہ بھی اگر ہوتا تو ایسی شئی کی طرف طبیعت کیون رجوع ہوتی عام خیالات سے برتر طبیعت پانی ہر ایک کا حصہ نہیں صحبت کا اثر اختیار نہ کرنا ہر ایک کا کام نہیں یا ران جلسہ سے انوکھا ہونا کوئی معمولی بات نہیں مگر قدرت نے یہ جملہ صفات میر صاحب کی ذات میں ودیعت کر دیے تھے جسکی وجہ سے میر صاحب نے نام لا ذوال حاصل کیا یہ لازم نہیں کہ جو کتاب جب قدر زیادہ دلچسپ ہوگی اشیہ قدر زیادہ غلطیوں سے بھی پاک ہوگی۔ لارڈ لیکن اعلیٰ مرتبہ کا فلسفی انگلستان کا مقولہ ہے (بہت سی کتابیں ایسی ہی لکھیں جو قریب قریب غلطیوں سے بالکل پاک ہیں لیکن نام کو بھی دلچسپ نہیں اور ایسی ہی کتابیں نظر سے گزریں کہ خمیں بہت غلطیاں ہیں مگر انتہا درجہ کی دلچسپ)

گلزار نسیم آخر انکے درجہ سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ خوبی تو سحر البیان ہی میں ہے کہ از بس دلکش فطرت و عادت کے قریب قریب مطابق غلطیوں سے بڑا اور قاعدہ عروض کی سبقت سے قدم باہر نہیں نکلا بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مضمون اعلیٰ زبان پاکیزہ۔ مگر صرف ترتیب چارنگ پیسے مزہ بدل جاتا ہے عمدہ مضمون لکھنا کچھ سہل کام نہیں خون جگر پینا ہوتا ہے اسوقت

مقبولیت عام کہیں جا کر حاصل ہوتی ہے ایک ایک لفظ اور ایک ایک بات بڑن ختم ہو جاتا ہے زبان بہ نسبت مضمون کے عام فہم ہے لہذا عام طور سے وہ مضمون کی بڑائی کو ظاہر نہیں ہونے دیتی یہی وجہ ہے کہ گلزار نسیم بادیو دیگر خیالات عالی سے بالکل مغرب ہے مگر قبولیت عام رکھتی ہے شمس کی زبان و لطف شاعری نے دوسرے نقص کو ایسا چھپا یا کہ کسی کا خیال بھی اس طرف کو نہیں جاتا۔ اور جہاں کیسے فطرت و عادت کو کچھ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ مگر اب خیال رجوع ہونا چاہیے کہ مثنوی بھی کوئی شے ہے اسکو بالکل بیکار تصور کرنا چاہیے۔ تجربہ کا دیکھنا اور آئندہ زندگی میں کام آئیو والا اسی کا مطالعہ ہے ایک حد تک گلزار نسیم کی تعریف جائز ہے بلکہ اگر نہ کیا جائے تو یہ جابہ اگر میر صاحب کے پہلو میں نسیم کو کسی مثنوی کا نظم ہے۔

لا۔ دیکھیں کا قول ہے کہ زبان مافی الشمیر کا الہ ہے صل مطلب جہاں فوت ہوا تو آلہ کی جہر کچھ ایسی قدیمین مثنوی سمجھ کر کے آگے نفاذی سے کام میں جتنا۔ جتنا کہ اپنے کی بات کہی جائے اور نفع و ضرر اس کے گوش گزار نہ کیا جائے صدا بان نکستہ سن نے لکھا ہے کہ ایران کے سعدی اور ہند کے حیر سن شیکسپیر ہیں اور شیکسپیر وہ شخص ہے جو فطرت انسانی کا بڑا ماہر مانا گیا ہے عام خیال ہے کہ اس شعر و سبط سے اور اس خوبی سے قانون قدرت کا صحیفہ بہت کم کسی نے پہلک کے سامنے پیش کیا ہے انگلستان میں شیکسپیر سے زیادہ قبولیت بہت کم کسی نے حاصل کی ہے۔ قبولیت عام میری مراد نہیں بلکہ بڑے بڑے ائمہ فہم و تحلیل القدر مصنفوں نے اسکی لیاقت خدا داد کا اعتراف کیا ہے۔ دیگر مالک کے شاعروں نے بھی اس کے کلام سے استفادہ حاصل کیا ہے۔ جرینی کے عالموں نے اسکی تصنیف کی شرحیں قلمبند کیں۔ جرینی کا خاص طبع بربر یون کیا گیا ہے کہ بر اعظم یورپ میں اس کے علم و فضل اعلیٰ عرف پر ہے نسیم کا نام کہیں بھی کسی خصوصیت میں نہیں لیا گیا ہے۔

پس گلزار نسیم کو سحر البیان کے مقابلہ میں لانا تو ہے اس معقر یہ شعر صادق آتا ہے
 ہتھ پر گزند و سخن کی داد ظلم ہے گر کرو تہ تیسر کو یاد

حضرت سعدی و میر صاحب کا کلام دیکھا تعجب آتا ہے کہ ان بزرگوں کی طبیعت زمانہ سے ایسی
اچھوتی کیسے واقع ہوئی اسمین ذرا شک نہیں کہ ان اصحاب کی ذات مقدسہ کی رفعت و علوت
اُس درجہ اعلیٰ پر عروج فرمایا ہے کہ سچے خیالات اور صحیفہ قدرت نگاری میں محض ہمعصر و معاصر
باقربنائے مابعد و ماقبل کے مضمون نگار و نوکچہ بھی مناسبت نہیں ایک اور امر قابل غور ہے
کہ شبکیہ پیر پیر میں برپا ہوا تھا جہاں مضمون اور زبان کم سے کم تو امیجی جاتی تھیں لیکن ان کی
آب و ہوا خیالات میں بسی ہوئی تھی پس کہہ سکتے ہیں کہ شبکیہ پیر کی ہمیر میں فطرت
انسانی کا تصور نشو و نما پا چکا تھا۔ صحبت و یسی پیشہ یاران جلسہ کے خیالات و سبب سے لہذا
اُس سے جو نور میں آیا و چند ان تعجب خیز نہیں۔ اسکی تعریف اسوجہ سے ہے کہ اُس نے
ایسی روش اختیار کی تھی کہ اُسین کیتاے زمانہ رہا۔ اور جو راہ اُس نے دکھائی اُسپر چنانچہ
آسان نہیں۔ اور سعدی علیہ الرحمہ پر بھی جو ایران میں پیدا ہوئے تھے رطب و یابس دوران سے
واقف گردشیں ایم کا تجربہ سیر و سیاحت کا چرچا عالموں کی صحبت پائے ہوئے بڑے بڑے
دارالعلوم کچے ہوئے اور سلطنت ایران کا عروج بھی قلم تھا۔ مگر گئے گزشتہ وقت کچھ پائے
حسن کو ذرا ملاحظہ فرمائیے نہ شکوہ سلطنت باقی نہ کچھ رواج علم ایسا تھا اور اُسپر شبکیہ پیر سند کا
خطاب شہرت میں کیا کچھ کر دکھلایا کیا مصرع ہے رع در ماندگی میں غالب کچھ بن پائے تو جانو۔
ماہم سعدی علیہ الرحمہ کی اور ہی شان ہے آپ کے وجود باوجود جس قدر زمانہ فخر کرے
بچا ہے۔ جو باتیں گلستان اور بوستان میں پائی جاتی ہیں وہ اس زمانہ میں بڑے بڑے طبعی اقدار
مذہبوں اور وزراء کی پیچون میں لمنی و شوار سے

زسیر جان فرایت تن فردہ زندہ گردد
نکلام باغ اے گل کہ چین خوش است بویت
درس و تدریس کا حاصل کیا ہے یہی کہ گھر بیٹھے گرم دوسرے زمانہ سے واقفیت ہو۔ مادہ فرست
و ذکاوت میں ہیجان ہو عقل پر تاب آئے ذہن رسا ہو۔ مختلف اشیا کا علم حاصل ہو غایت
تمام پرلہو کہ دنیا میں کس معنی پر فطرت انسانی کیا کیا کرشمے دکھاتی ہے۔ رواج کس کو کہتے ہیں

اور اُسے کیا نتیجے مل سکتے ہیں اعلیٰ درجہ کے کتب بینی کو بھی ملے اسکے کہ اصولی ہیں تا تجربہ کار فلسفی اور کوئی خطاب بہتر با نشان نہیں ملتا جب تک کہ صحیفہ قدرت کا بذات خاص مطالعہ نہ کیا جائے۔ جب یہ حال ہے تو آپ ہی بتلائیے کہ ایسی کتاب کی کیا وقعت ہوگی اور اُسکے پڑھنے سے کیا واقفیت برپا ہوگی جسین فطرت و عادت کا کچھ بھی خیال نہیں رکھا گیا جو دل میں آیا لکھ دیا نہ جو دست طبع دکھائی گئی نہ منکر سے کچھ کام لیا گیا۔ نہ مشکل کو حل کرنے میں عقل پر زور ڈالا گیا سوائے اُس کتاب کے دنیا میں اسکی مثال نہیں ملتی معلوم ہوتی اور بحران اوراق کے باقی کا کُنات میں اُسکا وجود منقود اصول اگر کمزور اختیار کیا گیا ہے خیر یہ بھی جائز۔ مگر اُس پر قائم تو رہیے۔ یہ کیا کجی تھی کبھی وہ اداے مطلب کا یہ کیا طرز ہے۔ آئندہ اپنے اپنے موقع پر انشاء اللہ معہ نقل مضمون اصل کتاب پر پوری بحث کی جائے گی۔

مثنوی میں بالکل قاعدہ تاریخ نویسی کا ملحوظ نہیں رکھا جاسکتا کچھ شاعری وغیرہ کی چاشنی ضرور دینی چاہیے مگر اتنی کہ خوبی عبارت کے ساتھ ساتھ اگر فطرت و عادت وغیرہ کا بھی خیال نہ نظر ہے تو کیا خرابی ہے جو مشکل کہ منکر سا کے ذریعہ سے بطریق حسن اور موافق عادت یا اُسکے قریب قریب حل ہو سکتی ہے وہ بعید از قیاس لیلوں سے کیوں انجام کو پہنچائی جائے جن پر سی وغیرہ کی مدد لیجئے مگر موقع محل و قواعد مسلہ کا ضرور لحاظ رہے اور تناقضات کا بھی کہ ایک وقت تو ملار اعلیٰ پر صدر نشین کر دیا اور دوسرے موقع پر اُسکو بلا وجہ معقول سفلیں کا رستہ دکھا دیا یہ ہرگز جائز نہیں رکھا جاسکتا۔ سحر البیان مطابق اصول بالکل کھٹی گئی ہے نہ خوب عبارت میں اسکی وجہ سے فرق آیا اور دلچسپی میں کمی واقع ہوئی بلکہ نکتہ فہم کے بے قند مکر کا مزہ دیتی ہے اور نسیم نے جو اسکو بالاسے طاق رکھا تو کوئی نذرت عجیبہ پیدا نہیں کی پھر کوئی وجہ نہیں کہ بگڑتا رہی کیجائے کچھ ہاتھ آئے تو مضائقہ نہیں جبکہ گھر جائے تو اچھی راہ چھوڑنی محفل سے بعید ہے ایک صاحب کا قول ہے کہ قصہ گوئی کوئی آسان چیز نہیں ہے یہ اسوجہ سے لکھا گیا کہ مذکور الصدر نکات کا الزام رکھنا کوئی معمولی بات نہیں ہے ورنہ ہر کہ و مہ اور دوسری

باتین بلاربط ملا سکتا ہے۔ لیجئے قصہ ہو گیا۔ قصہ کے یہ معنی ہیں کہ خیالی سرگزشت ایسے
 پیرایہ میں بیان کی جائے کہ واقعہ میں اور اس میں تیز نہ ہو سکے۔ جو باتیں کہ فطرتاً یا عادتاً امور
 دنیوی میں اکثر پیش آتی ہیں یا آسکتی ہیں وہ ایسی خوش ہلوی کے ساتھ ادا کی جائیں کہ وہی
 وہ چیز بالذات موجود رہے۔ اگر دربار شاہی ہے تو شان و شوکت و عجب و اوصافی
 اور سجاوٹ جبکہ نوازمات موجود اگر ذکر باغ ہے تو درخت و گل و بلبل بہار و خنیزان
 ہنس و خوشی سر و قمری نسرتین و نسترین سنبل و سوسن نہ یہ کہ دربار تو شاہی ہے
 اور حاضرین کے خیال ایسے کہ اپنے گھر کی مجلس عیش و نشاط میں بیٹھے ہوئے ہیں باقی آئندہ

راقم منظر الحق دہلوی

از ریاض الاخبار مطبوعہ ۱۶ جون ۱۹۰۵ء

گلزار نسیم

از حکیم برہم

اس مشہور شہنشی کا ایک نسخہ ہمارے پاس لکھنؤ سے آیا ہے ہم نے اُس پر ایک مختصر سلا ریو یوفتہ میں کر دیا تھا مگر بہت ترلوکی ناتھ صاحب (جنھوں نے یہ اڈیشن چھپوایا ہے اور جو لکھنؤ کشمیری محلہ سے ۶ روپیچے ہیں) کے کئی خط ریو یو کے لیے آئے ہیں کہ ہم ریاض الاخبار میں کچھ تحریر کریں۔ ہم نے دیکھا کہ حضرت شہر نے اس پر ایک ریو یو کر دیا ہے۔ جس میں دو ایک اعتراض سوا اکثر اعتراض یا شک اس قابل تھے کہ ہر شخص اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا اور جناب شہر کا ممنون ہونا مگر افسوس ہے کہ ہمارے ملک میں حق بات پر کبھی جہنمیں گنجائی جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہزاروں غلطیان زبان میں بڑھ گئیں اور بڑھ۔ ہی ہیں بعض صحاب کو یہ عار ہے کہ کوئی قصباتی شخص زبان پر ایک حرف لکھنے کا مجاز نہیں ہے بعض صحاب اس بات پر تازان ہیں کہ گذشتہ دور میں جو کہ شاعر لکھ گئے کہ گئے وہ الہام کی وقعت رکھتا ہے اُس پر کلمہ پنی یا شک ظاہر کرنا قابل ملامت اور نفرت ہے شہر نے کیا لکھا ہے اس کی نسبت ہکو اس وقت مجھ سے کہنے کی ضرورت نہیں ہے آج ایک مہرسلہ ہم درج کرتے ہیں جس میں چند اعتراضات شہر کی تائید کی گئی ہے ہکو بھی سخت افسوس ہے کہ او دھنچ کے زیرین صفحات پر اس قدر غیر قابل اطمینان جواب ہم کیوں لکھ رہے ہیں۔ او دھنچ نے آج تک جس قدر اعتراض کئے ہیں ان کا لنگر کسی سے

اٹھ نہیں سکتا مگر خدا جلے کن صاحب نے ایسے کمزور جواب اودھ پنج میں چھپوائے ہیں جنکو دیکھ کر ہلکھوخت تعجب ہے جناب چاک بست اپنی قابلیت اور اعلیٰ لیاقت کے اعتبار سے قابل قدر شخص لکھنؤ کے انشا پردازوں میں ہیں اور ہلکھو مسید ہے کہ وہ ایک وقت میں بہت کچھ ترقی کر جائینگے ! مگر نوجوانی کی اسنگوں میں ذرا قلم حدادب سے آگے نہ بڑھتا ہے۔ ایک مرتبہ انھوں نے - شرر - حالی - آزاد - سرشار کا مقابلہ کیا تھا جسکو دیکھ کر تمام فاضل انشا پردازوں کو حیرت ہو گئی تھی کہ یہ کیا لکھ گئے ہیں دو چار صاحبوں نے ہمارے پاس مراسلہ بھیجے ہیں مگر اس خیال سے کہ ہمارے دوست سرشار اب دنیا میں جمع چوبہ نہیں ہیں انکا ذکر مناسب نہیں۔ تاہم بہت اصرار لوگوں کو ہے کہ اُسے ضرور کچھ لکھا جائے۔ مگر ہلکھو حیرت تھا کہ کیا لکھیں جبکہ دنیا جانتی ہے کہ ہمارے دوست سرشار کا علم اور انشا پردازی بمقابلہ شرر و حالی کے سیطرہ کی کوئی سفارش نہیں کرتی اس سیطرہ گلزار نسیم کے دیباچہ میں سرشار کے متعلق عمدہ صبا وغیرہ شعرا کے کلام سے نسیم کے کلام کے مقابلہ میں فضول وقت صرف کیا ہے اور اس معاملہ میں اُنکا نام حالی صاحب کے نام کے پیچھے ضرور لکھ لینا چاہیئے شرر نے انصاف کی نظر ڈالی ہے تو انکو بھی اب گلزار نسیم کی شاعری پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ نسیم نے اگر غلطیاں کیں تو گرفت کا موقع اب نہیں ہے ایسے کہ جس زمانہ میں اُنکی شاعری کا شباب تھا اُسوقت یہ نکتہ سنجیدگان اور نازک خیالیان مضامین آفرینیان نہیں تھیں جو آخر دور میں جناب امیر مینائی مرحوم نے ختم کر دیں اور اور شاعروں میں کوئی شاعر بھی ایسا نہ نکلتے گا جو اپنے کلام کی صحت کا دعویٰ کرے یہ بات کچھ خالص سخن ہی کو حاصل تھی بہر حال اس حالت میں کہ جناب شرر نے غلطیاں دکھائیں انکو کچھ جواب دیا گیا ہے۔ سر اسر ضد سے کام لیا گیا ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ شرر کو گالیاں دی گئی ہیں اس بات کا ہم عتراف کریں گے کہ حالی کے کل عترض لغو فضول ضرور ہیں اسکا جواب ۱۸۹۷ء میں اودھ پنج بخوبی دیا چکا ہے۔ چاک بست کو اس کی ضرورت بھی تھی ہم آئندہ اسفصل بویو کریں گے۔

اثر ریاض الاخبار ۱۷- جون مراسلات

۱۹ - گلزار نسیم

۱۱- مئی ۱۹۰۵ء کے اودھ پنچ مین ایک مضمون نسیم کی نگین بیانی و حضرت شہر کی شرفستانی کی سرخی سے طبع ہوا ہے گو اس مضمون سے اڈیٹوریل کالم پڑھیں مگر ہم ایسے محل مضمون کو اپنے لائق دوست اڈیٹر صاحب اخبارند کو کی انشاپردازی کا نمونہ ہرگز نہیں خیال کر سکتے اسلئے کہ انکی خداداد قابلیت ذہانت اور طباعی کے ہمین ہمیں تمام اہل ملک قائل ہیں ان مضمون کے دیکھنے سے ہر کو معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نویس صاحب کو نہ تو کچھ استعداد علمی ہے نہ انہیں شعر کہنے اور سمجھنے کا مادہ ہے اور نہ کچھ زبان دانی سے بہرہ ہے اس مضمون میں دیگر اغلاط زبان کے سوا جو عرضات میں پیش کئے گئے ہیں وہ بالکل بے موقع اور غلط لکھے گئے ہیں میں اس مضمون کو تو چھوڑ دیتا ہوں کہ یہ مضمون کسے لکھا اور ہمارے دوست نے کیوں ایسے مضمون سے پہنچ کے صفحات سیاہ کیے مگر اسکے مضامین سے بحث کرتا ہوں کہ اس مضمون کا حاصل یہ ہے کہ نسیم کی لغزشوں اور حضرت شہر کے اعترافات (جو کسی طرح اٹھ نہیں سکتے) کسی نا فہم نے خامہ فرسائی کر کے اس پھر مضمون کے ذریعہ سے پبلک کو دھوکا دینا اور اصل غلطی کو چھپانا چاہا ہے اسوجہ سے میں ایک سرسری نظر میں ان نثری مضمون نگار صاحب کا پردہ فاش کیے دیتا ہوں۔ گلزار نسیم کے اس نئے اڈیشن پر جسے پنڈت بجن نرائن صاحب چک بست نے شائع کیا ہے مولانا محمد عبدالحکیم صاحب

شرع نے اپنے رسالہ دلدل زمین ایک ریویو لکھنے کے نسیم کی واقعی غلطیاں اور شرمناک کوری کی بعض خوبیاں بھی کی تھیں اور اس مضمون کے متعلق جو غلط خیالات پیدا کرنے چاہے تھے ان کے دور کرنے کی کوشش کی تھی مولانا نے نہایت تحریر میں انصاف اور متانت سے بحث کی تھی اور جو اعتراضات کیے ہیں انکو سچ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی شخص نہیں اٹھا سکتا بلکہ علم شعرا لکھنؤ کو اپنا اتفاق ہے اس پر کسی گناہ شخص نے او وہ پنج کے دامن میں چھپ کے ایک طویل مضمون شائع کیا ہے جس میں سوائے اسکے کہ ذاتیات پر بعض حملے کیے گئے ہوں اور کچھ اس سے زیادہ اعتراضوں میں سے صرف دو چار کا جواب دے کر اس کے کلام میں تصرف کر کے پڑانے اشعار کو عمدہ غلط کر کے یا غیر متعلق اشعار کو متعلق کر کے دیا گیا ہو۔ اور کچھ نہیں ہے اور حیرت کی یہ بات ہے کہ بعض کشمیری پنڈتوں کو اسپرنا بھی ہے اسکا فیصلہ اس قسم کی فضول تحریروں اور گالیوں دینے سے نہیں ہو سکتا اصلی فیصلہ یوں ہو سکتا ہے کہ حضرت شرع کے اعتراضوں اور نیز اپنے ان چند جوابوں کو اس عہد کے مشہور اور مستند شعرا دہلی اور لکھنؤ کے پاس بھیج دیجئے خود ہی معلوم ہو جائیگا کہ ان اعتراضوں کو کوئی اٹھا بھی سکتا ہے کہ نہیں۔ لکھنؤ میں تو خاندان امیں کے سخن دان یادگار ان دبیر مرحوم میں سے حضرت اوج مرزا محمد ہادی صاحب بی۔ اے۔ اور اسکے علاوہ حضرت جلال و جناب نسیم وغیرہ ہیں۔ دیگر بلا دین حضرت ریاض۔ جلیل۔ حکیم رحیم ایسے سخن دان موجود ہیں ہلی کے پڑانے اساتذہ میں سے حضرت ظہیر حیدر آباد میں ہیں ان لوگوں کو تکلیف نہ بجائے اور انکا فیصلہ اصلی فیصلہ تصور کیا جائے ورنہ یوں گالیوں دینے اور بے دلیل سخن پروری کیسے آجنگ کوئی کامیاب نہیں ہوا۔ اس تنگ خیالی کو ملاحظہ فرمائیے کہ مولانا شرمناک کی الحال ہندو مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو انھیں طعنہ دیا جاتا ہے کہ چونکہ ہندو مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لہذا گلزار نسیم پر نہایت توجہ کے ساتھ ریویو کیا گیا ہے۔ ان بزرگ کے نزدیک اتحاد کے معنی یہ ہیں کہ

نہ مسلمان کسی ہندو کی کتاب پر مصفا نہ ریو یو کریں ہندو کسی مسلمان کی کتاب پر ماثرا اللہ ان باتوں سے تو پتا چلتا ہے کہ ہمارے دوستوں نے چشم بد دور انگیزی میں خوب ترقی کی ہے۔ مولانا نے مثنوی گلزار نسیم کی یہ دو جہتیں دکھائیں تھیں کہ شاعرانہ خوبصورتی کے لحاظ سے وہ علیٰ درجہ کی مثنوی ہے مگر غلطیوں کے لحاظ سے دیکھئے تو اس سے بڑا نظم اردو میں نہ ملے گی یہ ہمارے مہربان کے نزدیک اجتماع ضدین ہے غالباً آپ کے نزدیک حسین ایک عیب ہوتا ہے تو پھر کوئی خوبی نہیں ہوتی اور حسین کی خوبی ہوتی ہے تو پھر کوئی عیب نہیں ہوتا واقعی یہ تو اتنی ہی غلطی مولانا شری کی پکڑی کہ اس کے بعد کسی جواب کی ضرورت ہی نہیں باقی رہتی۔ مگر یہ اجتماع ضدین کھینچ دماغ کا جوہر ہے جو گلزار نسیم کے قدردان ہیں ہمارے دوست نے اگر ایسا دماغ نہ پایا ہوتا تو دلگداز کا جواب ہرگز نہ لکھ سکتے۔ گلزار نسیم کو مٹر چاک بست نے خود نسیم کی تصنیف ثابت کرنا چاہا ہے اور اس کی شہادت میں اپنے بھوئے پن کے قیاسات اور حکیم صاحب کی روایت پیش کی ہے مولانا نے لکھا ہے کہ منشی اشرف علی و صبا رحم کا بیان تھا کہ آتش نے امدی اور خودیہ فیصلہ کیا ہے کہ اسے کیا عجب کہ آتش نے تقن طبع لئے کہا ہوا اور غلطیاں کھینک کر نو عمر و بصورت مشاگرد کی طرف منسوب کر دیا ہوا سپر لکھا گیا ہے کہ یہ رویتیں بھنگیہ خانہ کی کہیں ہیں اور طعن کیا جاتا ہے کہ گھر سے آیا ہے مقبرائی۔ نہیں جناب نانائی نہیں آپ اپنی کہا رہی کی روایت پر اعتبار کیجئے لیکن اسکو تمام شعرا جانتے ہیں کہ کل صاحب مذاق سخن سخن کو یقین ہے کہ یہ مثنوی نسیم کی نہیں آتش کی ہے منشی امیر اللہ صاحب نسیم زندہ بیٹھے ہیں وہ مجھ سے فرماتے تھے کہ اسمین آتش کے سناگر دو نکا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور شریک ہے اور نسیم نے جو کچھ کہا اُسکا بہت حقور حصہ اسمین باقی ہے۔ دیگر بڑے بڑے اساتذہ موجود ہیں اُن سے جا کے پوچھ لیجئے مگر نہیں آپ کے نزدیک یہ سب بھنگیہ خانہ کی خبریں ہیں اور معتبر وہی ہے جو آپ نے اپنے پورانے کہا ہے سنا تھا اس سلسلہ میں پردہ عصمت کا نام لیکر پردہ کی بحث بھی چھیڑ

دی گئی ہے جسکو اس سے کوئی علاقہ نہیں مگر یہاں تو ذاتیات پر مگر کہ تا مقصود تھا چاہے کسی پہلو سے ہو۔ مگر میں سوچتا ہوں کہ مولانا نے اگر یہ لکھا تھا کہ پردہ کو مسلمان اپنے ساتھ نہیں لائے بلکہ ہندوستان میں اگر اختیار کیا تو کونسا گناہ کیا انکے دلائل کو تو آپ کیا معنی شاید دنیا میں کوئی نہ توڑ سکے گا اسکا کیا جواب ہے کہ مسلمان جن ممالک سے آئے ان میں خاندانہ نشین کا پردہ نہ کبھی پہلے تھا اور نہ اب ہے پھر مسلمانوں میں اس کا رواج ہوا تو کیونکر اور کہاں سے اس کے مقابل چین میں پہلے سے پردہ موجود تھا جسکو مولانا شمرنے ثابت کر دیا ہے اور چینیوں کا اثر مذہب بودھ کے ظہور کے بعد ہندوستان میں بے انتہا پڑ رہا تھا پر کونسی خلاف قیاس بات ہے اگر کہا جائے کہ چینیوں سے ہندوؤں نے اور ہندوؤں نے مسلمانوں کو پردہ کو اخذ کیا آپکو اگر دعویٰ ہو تو آپ ہی ثابت کیجئے کہ ہندوستان میں آنے سے پہلے یا ان ممالک میں جہاں مسلمان آئے کبھی کبھی شمشیر کلیڈن کا رواج تھا کہ اس بات کا گلزار نسیم خاص پنڈت نسیم کی مثنوی ہے سب سے اہم مآذک اور نیا ثبوت جو مسٹر جک بست کو بھی نہیں سوچتا تھا مضمون نگار صاحب نے یہ دیا ہے کہ آسمین ایک مصرع ہے۔

(شب کی پوشاک بدلی ساری) یہاں ساری کا لفظ منجملہ اُن ہیودہ دور عایونکے ہے جسکی بنیاد پر نسیم کی رعایت لفظی کے میدان میں ٹھوکرین کھانے کے لحاظ سے امانت سے زیادہ نمبر لٹنا چاہیے مگر ہمارے دوست کو اس مصرع میں خاص ہندو اور ہندو بھی کون کشمیری پنڈت (نہیں جناب میں تو کہتا ہوں کہ خاص انخاص پنڈت نسیم کے گھر) کا جلوہ نظر آتا ہے کیونکہ آپ کے نزدیک تو سوا کشمیری پنڈتوں کے اور کسی قوم میں ساری کا رواج نہیں اور میں ایسا سمجھتا ہوں کہ اس مخصوص گھر کے سوا اور کہیں ساری نظر نہ آتی ہوگی مگر میرا تو یہ خیال ہے کہ یہ مثنوی اس اعتبار سے کہ آسمین یہ اشعار

پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے یعنی کہ مطیع پنجتن ہے
کرتا ہے یہ دوزبان سے کسر حمد حق و مدحت پغنیہ

موجود ہیں کسی کشمیری پنڈت کیسا ہندو کی بھی نہیں ہو سکتی وہ کیا جانے کہ پیغمبر کون آؤ بھگت
کے کہتے ہیں نہ یہ مناسب اُسکے خیال میں آ سکتا تھا بلکہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ ہندو شاعر
مراعات لفظی نظم میں ظاہر کرنے سے قاصر ہے۔ پنڈت نسیم کے دیوان میں اگر کسی جگہ ہو گا
تو وہی خاص آتش مرحوم کا عطیہ جو اس اندہ کا عام قاعدہ ہے۔ اس کے بعد باوجودیکہ مولانا نے
خود ہی لکھا ہے کہ امانت نے رعایت لفظی کے بہتے بڑے بہت ٹھوکرین کھائیں مگر آپ نے
محض کلام پورے کر نیکے لیے دس بارہ شعر ایسے نظم کر دیے جنہیں رعایت نے عیب پیدا کر دیا ہے
دیکھنا اس بات کو چاہیئے کہ عمدہ قسم کی مستحسن رعایت بھی اُنکے کلام میں ہے یا نہیں اس لیے
کہ یہی مولانا شاعر کا دعویٰ ہے کہ اگر اُنھوں نے ٹھوکرین کھائیں تو اُنکی سی کامیابی بھی کیسکو نہیں
حاصل ہوئی ایسے اعلیٰ درجہ کے صد ہا شعریں پیش کر سکتا ہوں مگر نہ مجھے اتنی فرصت ہے
اور نہ اپنے مہربان کی طرح میں انجارات کے کالموں پر اتنا ظلم پسند کرتا ہوں ہمارے دوست کو
تعریف کر کے اپنا مطلب نکالنے میں بڑا ملکہ ہے چنانچہ مولانا نے جو دعویٰ کیا ہے۔ گلزار نسیم میں
اہل لکھنؤ کے نزدیک صد با غلطیاں ہیں اور اس مثنوی کی زبان لکھنؤ کی زبان نہیں ہے
اسکے معاوضہ میں وہ مولانا کی اس عبارت کو پیش کرتے ہیں کہ کوئی قیاس کی بات نہیں ہے
کہ آتش نے یہ مثنوی تفسیر طبع کے طور پر کہی ہو اور پھر نسیم کو دیدی ہو اسکا آخری فقرہ دلگداز
میں یوں ہے کہ (اور پھر نسیم کو ہمیں متعدد غرضیں دیکھ کر دیدی ہو) اگر صحیح عبارت نقل کر دیتے
تو معارضہ ثابت کرنا درکنار بڑھنے والا ہمارے دوست کو شاید فائر لعل کہتا اس سے ضرورت
ہوئی قطع و برید کا عمل کر کے جواب دیا جائے اب صحیح عبارت پیش کرنے کے بعد میں پوچھتا
ہوں کہ یہ کونسی بعید از عقل بات ہے کہ آتش کو اپنے کلام میں فرو گدشتین یا غرضیں نظر آئی
ہوں اب ذرا اعتراضات کے جو چند جواب دیے گئے ہیں وہ بھی ملاحظہ ہوں۔ نسیم کے مصرع
(شادی کو کہا حیا اٹھا کر) پر مولانا نے اعتراض کیا تھا کہ حیا اٹھانا ہیمنی ہے (برہ حیا
اٹھانا چاہیئے) اسکا جواب دیا جاتا ہے کہ حیا اٹھانا حیا اڑ دینا حیا اٹھ جانا لکھنؤ کی فصاحت بان ہے

مقول۔ مگر کوئی ثبوت) حیا کے ساتھ اُزادینا اور اُٹھ جانا دونوں صحیح ہیں مگر اُٹھانا نہ کسی پیر
 اور نہ لکھنؤ میں بول سکتا ہے اسکے بعد شرم اُٹھانے کا بخاور بھی بطریق ثبوت پیش کر دیا ہے
 اگر آپ کا حافظہ کمی کرتا ہو تو ایسی دو چار لفظیں بتا دیں سر اُٹھانا پاؤں اُٹھانا دم اُٹھانا میں
 پوچھتا ہوں ان الفاظ کے گنولنے سے کیا۔ حیا اُٹھانا صحیح ہو سکتا ہے ہرگز نہیں اس سے بھی
 زیادہ کمال یہ کیا ہے کہ امیر مرحوم کے مصرع کچھ نرعی شرم نہیں ہے کہ اُٹھا بھی نہ سکوں۔ گو
 سند میں پیش کیا ہے جسکے دیکھنے کے بعد جسمیں شک نہیں باقی رہتا یا تو نامہ نگار صاحب
 زبان دانی و شاعری سے بالکل مس نہیں رکھتے یا جان بوجھ کر دھوکا دیتے ہیں اور خود
 بیوقوف بن کر دوسروں کو بنا نا چاہتے ہیں۔ امیر مرحوم کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ نرعی شرم
 نہیں ہے جسے میں اُٹھا نہ سکوں یعنی برداشت نہ کر سکوں اُٹھانے کے معنی برداشت
 کرنے کے سب کے نزدیک جائز ہیں اور اگر نسیم کے مصرع میں بھی اُٹھانے کے یہ معنی
 ہوتے تو کوئی اعتراض نہ تھا اُٹھانا کے اگر یہ معنی ہوں تو کیسی حیا کو دوسرے شخص کا
 برداشت کرنا تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مگر نسیم نے حیا اُٹھانے سے یہ معنی لیے ہیں
 کہ شہزادے نے اپنی حیا کو بر طرف کر کے یا سامنے سے ہٹا کے شادی کی درخواست کی
 یعنی حیا اُٹھانا بمعنی حیا کو بر طرف کرنا یا بھڑ دینا۔

ریاض الاخبار - جولائی ۱۹۰۵ء

۲۔ گلزار نسیم

اجکل اودھ پنچ مین یہ بحث چھڑی ہے کہ مولوی عبد الحکیم صاحب شرر نے جو ہر ضلع
گلزار نسیم پر کیے صحیح ترین غلط ہیں اس ضمن میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ گالی گلچن کی نسبت لگئی ہے
مولانا شرر کی نسبت بہت سخت و سست الفاظ استعمال ہو رہے ہیں جنکو پڑھ کر منوسن متا ہے
کہ ہمارے مکرم و محترم منشی سجاد حسین صاحب کیون مقدار خفا ہو گئے ہیں اور شرر نے انکی کیا
خطا کی ہے شرر کیوں گردن زدنی و کشتنی ہیں اور شرر کے ساتھ کیوں ایسا سلوک کیا جاتا ہے
شرر نے اگر گلزار نسیم پر ریویو کیا تو کوئی خطا نہیں کی شرر نے اگر خوشامد نہ ریویو نہیں کیا تو
واجب التعذیر نہیں شرر کے ریویو پر اگر ہمارے مکرم و فاضل دوست کو سختی کے ساتھ کچھ لکھنا تھا
تو پہلے مشرچک بست کی ہیئت انگیز دلییری کچھ لکھنا چاہیئے تھا جنھوں نے انکس ورنہ ہوسا
خواجہ وزیر تاسخ سب کی تحقیر و توہین کی اور ایک حد تک سب کا درجہ نسیم سے گھٹا دیا یہ امر
مسئلہ ہے کہ نسیم کی کوئی بساط او حقیقت ان شعرا کے سامنے نہ تھی صرف اپنی قوم کے ایک
شاعر کی مدحی کے خیال میں مشرچک بست نے تمام لکھنؤ کے نامور شعرا پر بہت خراب و کمزور
اور بزدلانہ طعنے کیا ہے اور اس معاملہ میں جبک بست صاحب کا نام خواجہ حالی کے نام کے
پاس ہی ہنسنے والی ہے جب طبع اکو شاعری سے جس جس نہیں ہے ان فن فی القوم

تسلیم یافتہ نوجوان کو بھی شاعری سے کوئی غرض اور واسطہ نہیں ہے۔ ہم ڈیڑ صاحب درج پنج کا نام نامی اس وقت زبان پر نہ لاتے مگر ایک مضمون میں انھوں نے ہکومتیہ کیا ہے کہ ہم نے اودھ بن خ کا جواب درج اخبار کیوں کیا اسکے کئی جواب ہیں۔ اخبار آزاد ہے مضمون میں کوئی جگہ ایسا نہ تھا کہ جواب کے دائرہ کے باہر ہوتا مضمون میں نفسہ بہت مدلل اور لچھا تھا اور اسکی تردید بالکل غیر ممکن ہے ہکو یہ علم تھا کہ جس مضمون کا یہ جواب ہے وہ ہمارے لائق کرم فرما کا ہے اسلئے کہ ہمارے مگر کچھ ایسی کمزور بحث پر قلم نہیں اٹھاتے نہ ہم نے کبھی انکی تحریر کو ایسا کمزور اور سست لکھا جو اعتراضات شہر نے کئے ہیں گو موجودہ زمانہ میں انکا حرف حرف صحیح ہے مگر جس زمانہ میں نسیم کے اقتوت کی زبان اور طرز کلام اور تصرفات کو دیکھتے ہوئے ہم نسیم کی کوئی خطا نہیں دیکھتے ہمارے دوستوں کو صرف یہی لکھ دینا چاہئے تھا مگر نسیم کی غلطیوں کا جواب دینا اور غلط لفاظ کو تسلیم کرنا یہ ایک بڑی جرأت ہے ہمارے دوست اور عالی دماغ کرم نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہم نے شر کو دیہاتی لکھا گو ہمارے دشمن شر کی طرف نہ تھا مگر ہم یہاں پر تسلیم کرتے ہیں کہ اگر ہم شر کو دیہاتی لکھتے تھے شر کی کوئی توہین نہیں ہے۔ بلکہ شر کا فخر ہے کہ ایک دیہات کا باشندہ آج اس قابل ہے کہ جسکی کتابیں نساب تعلیم میں پڑائی جاتی ہیں اور جسکی لکھنؤ میں سند لیا جاتی ہے اور جو فخر لکھنؤ تمام ملک میں مشہور ہے اور اسکی طرح اودھ بن خ کی وقت اور عزت تمام ملک میں ہے حالانکہ وہ بھی ایک دیہاتی ڈیڑ اور دیہات کے رہنے والے آج کل فخر لکھنؤ ہیں اور اسوقت دیہاتوں کی وجہ سے اردو زبان کی ترقی ہوئی ہے کہنے کو جو دل میں آئے کہو مگر جب تھوڑی دیر اس مسئلہ کوئی غور کرتا ہو گا تو انصاف اُسکو سمجھا تا ہو گا کہ بیشک قصبات کی بدولت آج زبان کا یہ عروج ہے کیا شاعری کی دنیا میں کوئی آج ریاض جلیل و نسیم مضطر سے زیادہ شہرت لکھتا ہے کیا انکا کلام جناب جلال کی طرح روشن و شناس عالم نہیں ہے بلکہ کچھ زیادہ کیا شر کی تصانیف کا شہرہ تمام ملک میں نہیں ہے۔ اور لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے شہری ہونے کا خیال تو میر و مرزا تک تھا اور وہ نہ انکی ہی اسی کلام کا تھا اب اس فضول خیال کو دل سے نکال کر یہ

دیکھنا چاہیئے کہ شر کرنے جو اعتراض کیے صحیح ہیں یا نہیں ہمارے نزدیک شر کے اعتراض صحیح ہیں آتش نے لکھا تھا کہ دردِ دربان سے المضاف ہوا۔ مگر پھر انکی کسی نے تقنین کی اگر کوئی تقلید کرتا تو تو کا جاتا غلط لفظ غلط ہی ہے نسیم نے اگر حمل کہا تو غلط تھا جانا صاحب نے کہا تو کہا اگر نشی امیر احمد صاحب مرحوم لکھتے تو بھی یہ لفظ غلط ہی ہوتا اسپر اسقدر اصرار کیوں ہے جانا صاحب کا خط بھی دفترِ حج میں جنت سے آگیا۔ اور اسمین ہزاروں گالیاں بھی شر کو اور دیباٹیوں کو دیکھیں مگر دوست نے یہ نہ سوچا کہ اس سے ہم بھی تو متاثر نہیں ہم گلزار نسیم کی حالت دیکھنا پسند نہیں کرتے ہاں شر کے اعتراضات پر آئندہ کچھ لکھیں گے۔ آئندہ کے لئے ہم اپنے دوست، اڈیٹر صاحب اور دھچ سے التماس کرتے ہیں کہ وہ اس جھگڑے کو متا دین شر سے اگر کچھ کوئی بچ ہو اسکو دسے بھلا دین مگر ہمارا سکی توقع نہیں ہے کہ ایسا کوئی مال درمیان ہو سٹر چلے اور رائے طرفدار ضرور آتا وہ کہتے ہوئے کہ شر کو بھلا بر کہا جائے مگر انصاف شیوہ ایست ہاں اے طاغوت۔ ہم بھی اسکو نہ پسند کریں گے کہ کوئی شخص شر یا اڈیٹر صاحب اور دھچ کے خلاف سخت سست مضامین بھیجے اور ہم درج کریں۔ اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی نامناسب بات نہیں ہے۔ ہم نے جو لکھا ہے اپنے قدیم تعلقات اور نیازِ مندانہ و عون کی بنا پر لکھا ہے ورنہ ہم اسکا لکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے نسیم کی غلطیاں دیکھا کر شر کو زندہ و صبا کا جواب دینا تھا وہ حاصل ہو گیا اور اعتراضات کو سب نے تسلیم کر لیا اسکے ثبوت میں ہمارے پاس کئی خط آئے مگر حداد سے بڑھی ہوئی تحریریں ہنرِ درج مگر نا پسند نہ کیں۔

ریاض المآثر مطبوعہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۵ء

۲۱ - گلزار نسیم

انس ثنوی کے جدید ڈیٹیشن نے قیامت برپا کر رکھی ہے آتش مرحوم جانصاحب
 مغفور کی روحیں بقیار ہو گئی ہیں اور ہر ایک شاعر نسیم کی غلطیوں کو صحیح تسلیم کر رہا ہے اور
 شرکے و اسی اعتراضوں کی کوئی وقت نہیں کرتا کیوں اسلئے کہ نسیم لکھنوی تھے اور
 شرر قصبائی ہیں اور ہمارے شاعر دن کا علم و عقل اور شاعری کا موازنہ اسطرح کرایا گیا
 تو دنیا کی شاعری میں ایک شاعر بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا کون کہہ سکتا ہے کہ صرف ان پر
 کہ لکھنوی لوٹدیاں یا بعض متوسط درجہ کی خاتونین جو غلط الفاظ بولتی ہیں یا غلط استعمال
 کرتی ہیں وہ کتابی حیثیت سے صحیح سمجھے جائیں اور تمام دفعہ لغت اور علم السنہ کو گور کھ دھنڈ
 بنا کر دنیا کو موقع دیا جائے اسطرح تو اردو زبان کبھی دنیا میں صحیح و سلامت نہیں رہ سکتی
 لکھنوی تو کبوتر کو بوتر اور کاغذ کو قاغذ اور علی بنش کو علی بنش کہتے ہیں اور اسطرح سے
 صدیوں الفاظ کا استعمال ہوتا ہے مگر اسکو کوئی صحیح و قابل تسک نہیں سمجھتا آتش اور جانصاحب کی
 طرف سے خط و کتابت کر کے یہ ثابت کرنا کہ ہمارے شعرا عوام کی زبان کو مستند اور قابل تسک
 سمجھتے تھے اور علم لغت کو دریا برد کر دیے کے قابل جانتے تھے دراصل شعراء زمان پر حرف
 رکھتا ہے۔ جناب خواجہ حیدر علی صاحب آتش مرحوم و مغفور اور جناب جانصاحب کے خطوط
 اور نواب نوارش علیخان مرحوم کے گھر کی لوٹدیاں کی دستاویز کا کوئی اثر ان اعتراضات پر نہیں ہوا

جو گلزار نسیم پر کیے گئے ہیں اور جن کا اعادہ اب نہایت وضاحت کے ساتھ پیام یار میں ہوا
پیام یار میں جو اعتراض گلزار نسیم پر ہیں ان کے بڑے حصہ سے ہکو اتفاق ہے مگر جہاں جہاں
ہم نے مکرّم اڈیٹر صاحب اور دھرنج کی پالیسی سے بحث کی گئی ہے۔ یا ان کی نسبت کلمات سخت
استعمال کیے گئے ہیں ان سے ہکو سخت اختلاف ہے اور ہم فحشوں کرتے ہیں کہ ایسے الفاظ کا استعمال ایک
علمی زبان کی بحث میں کیوں ہوتا ہے۔ دنیا میں ہر شخص ایک رائے کی پرستش نہیں کر سکتا
اس میں اڈیٹر صاحب اور دھرنج کا کوئی قصور نہیں ہے۔ رہا یہ کہ گلزار نسیم کے جھگڑے میں ان کی رائے
کیوں جناب شریک ہو گئے وہ اس کا کوئی سبب ہو گا دنیا میں بہت سے روشن خیال ایسے
ہیں جو اس آئندہ کے کلام کو گو وہ غلط ہو قابل تسک خیال کرتے ہیں نواب مرزا خان صاحب نے جو ہم
اور شمس العلماء خواجہ الطاف حسین صاحب حالی کی صریح اور فاش غلطیاں کیجئے ہوئے بھی کوئی
انکشاف کر دیا طرفدار ان کی غلطی کو تسلیم نہیں کرتا اور ہمیشہ ہر شخص کو کچھ معنی پیدا ہی کر دیا کرتا ہے
ہم بھی کہیں گے کہ اس میں قابل الزام جو صاحب ہیں وہ جناب چک بست ہیں جنھوں نے تحقیقات
ہو یا چہ نہیں لکھا اعلان جنگ دیا اور مشہور استادوں کی توہین کی اور غلط روایات اور غلط قصص
وغرضی کہانیاں راج کر کے لکھنؤ والوں کا دل دکھایا ایسی حالت میں اگر نسیم صاحب کی فاش غلطیاں
دیکھا دیکھیں اور ثابت کر دیا گیا کہ یہ اس قابل تھے جن کو استادوں کے برابر گہری دیباچے تو کیا
بڑی بات جناب شریک کرنے کی۔ آئندہ کے لئے ہم چاہتے ہیں کہ جو صاحب بحث کریں وہ اصل
بحث پر خیال و توجہ رکھیں فضول باتوں کے ذکر نہ کرے کچھ کام نہیں مکمل سکتا۔

از ریاض الاخبار مطبوعہ ۲۰۔ اگست ۱۹۵۵ء

۲۲۔ گلزار نسیم

اس شہسوی کے نئے اڈیشن پر جو اعتراض کئے گئے ہیں اس کا جواب چک بست صاحب نے اردو سے متعلقین بہت صبر و سکون کے ساتھ دیا ہے ایک ایسی شہسوی کی تائید (جس کے جدید اڈیشن کو چک بست صاحب نے اپنا وقت صرف فرما کر مرتب کیا ہے) ان کا فرض ہے مگر ان کا فرض صرف گلزار نسیم کی تباہ و صفت ہی تک محدود تر ہے تو اچھلے خدا کرے وہ یہ بھی سمجھنے لگیں کہ شاعر کے کلام میں خصوصیت کے ساتھ تمام خوبیاں ہی نہیں ہوتیں ایک صاحب (زمانہ) میں نقاد لکھنوی کے نام سے ریویو کرتے کرتے ایسے خوش میں لگے ہیں کہ شہسوی سحر البیان سے گلزار نسیم کو لڑا دیا اور اُس پر صبر نہیں آیا تو سحر البیان کی مرست بھی کر دی ان باتوں سے اب کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ گلزار نسیم کی خوبیاں ہر شخص کو اپنا گرویدہ کر چکی ہیں۔ گلزار نسیم کی چھوٹی بھر اُس پر اختصار اور ترکیب الفاظ کی خوبیاں دلکشی کا سبب ہیں لیکن اس سے چشم پوشی کرنا دانا ہی نہیں ہے کہ جناب نسیم مرحوم کا شمار طبقہ شعرا میں اُس وقت اُستادوں زمرہ میں نہ تھا اس کے کسی سبب تھے (لکھنوی زبان اُس وقت آتش و ناخ صاف کر رہے تھے اور خود انھوں نے اپنے بچپن کے کلام میں جو دو چار محاورے قدیم زبان کے باندھ دیے تھے انکو ترک کر کے ایک نئی داغ بیل ڈال رہے تھے اور زبان اور اس کے محاورے علون میں خراہ رہے تھے بہت سے عوام اس اثر شہسوی کے اہل زبان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔

آمانت کے ہر کلام میں کیسے ہی عیوب چمک بست صاحب نکالیں مگر عموماً ان لوگوں کی قابلیت اور انکی زبان تسلیم کر لی گئی تھی اور انکو اس قسم کے موقع بھی حاصل تھے کہ وہ ایسا دعویٰ کر سکیں ان اصحاب کا کلام ہی ان کے دعویٰ کے ثبوت میں موجود ہے وہ زمانہ تو بہت دور رہا اسوقت بھی لکھنؤ میں کشمیر یونیورسٹی زبان کی سند کوئی نہیں لیتا ہمارے مرحوم دوست جناب شہار جھنوں نے اردو کی دنیا میں اپنے ڈنکے بجا دیے تھے اور جنکو یہ دعویٰ تھا کہ لکھنؤ کی زبان ہے انکو بھی یہ بات معلوم ہو گئی تھی اور او دھرنج نے ثابت کر دیا تھا کہ طباعی اور ذہانت اور چیز ہے اور زبان دانی اور شئے ہے (لکھنؤ میں کشمیریوں اور دیہاتیوں پر ایک ہی طرح نظر ڈالی جاتی ہے اگر یہ خیال کیا جائے کہ نسخ اور اسیر کہاں کے رہنے والے تھے تو دیہاتیوں کے احسان سے ابھی کچھ روز شہر والے اور سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ بالخصوص او دھرنج کے احسانات سے بہت دنوں تک چمک بست صاحب اور ان کے ہم خیال شہری شہید و شہیدی نہ حاصل کر سکیں گے اور ہر کو مسرت ہے کہ یہ احسان بھی کسی شہر والے کا نہیں ہے اصل کلام یہ ہے کہ جناب نسیم مرحوم کا شمار اُستادوں میں نہ جب تھا نہ اب ہے اور ان کے کلام پر جو اعتراض کیے گئے تھے وہ بہت سچ تھے اس لیے کہ وہ آتش کے شاگردوں میں تھے اور شاگردوں کے بعد داخل ہوئے اسوقت آتش اور ان کے شاگرد ترکیبون اور بندشون اور اس زبان کو ترک کر چکے تھے جو جناب نسیم نے گلزار نسیم میں لکھی ہے اور جس پر جناب شہید نے اعتراض کیے ہیں (ملک بھر پاس) اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ اسوقت کیسے زبان پر نہ تھے نسیم صاحب نے ایک سخت کام اپنے سر لیا تھا وہ ان الفاظ سے اس مثنوی کو نہ بچا سکے اور چونکہ محلات کی زبان اور خواص کی سمجھوتہ سے دور تھے اس لیے زبان کی خوبیاں مثنوی میں نہ پیدا کر سکے ان شاعرانہ حاسن استعارات اور تشبیہ کو انھوں نے خوب صرف کیا ہے ان کو چمک بست صاحب کا جواب کافی نہیں ہے اور بہت سی تاویلین ٹھیک بھی نہیں ہیں اس لیے کہ مقدمہ پر سرسری نظر ڈالیں گے حسین انھوں نے حالی صاحب کی

تقلید میں شعرا لکھنؤ پر بوجھار کی ہے اور چند فرضی قصے جناب سیم صاحب ہم کی تعریف میں
درج کر دیے ہیں یہی باتیں تحرک ہوئی ہیں کہ شنوی کی خوبیاں اور اس کے عیوب ظاہر کر دیے ہیں کہ
پھر کوئی ایسی جرأت نہ کر سکے۔

از ریاض الانباء مطبوعہ ۲۴ - اگست ۱۹۰۵ء

۲۳ - گلزار نسیم

مستر چک بست کو بڑی زحمت جناب سیم مرحوم کے حقوق کے اثبات میں اٹھانا
پڑی ہے کسی کا دتہ بڑھانے کے لئے یہ لازم ہے کہ اس کے معاصر شادیے جائیں مگر ہمارے
نزدیک مسٹر چک بست صاحب کی یہ رائے زیادہ قابل وقت نہیں ہے کہ ایک نسیم کی
برتری کی واسطے رند - صبا - وزیر - خلیل - آمانت وغیرہ کا درجہ اس قدر گھٹایا جائے
کہ انکی تحقیر و توہین ہو جناب آمانت مرحوم کے رعایت لفظی کا خاکہ اڑانے میں بہت کچھ
ہمت صرف فرمائی گئی ہے اور اپنے نہایت ناشائستہ الفاظ میں نکتہ چینی کیلگی ہے جناب
چک بست کو اسکی کچھ ضرورت نہ تھی کہ وہ صرف جناب نسیم کے کلام پر تقلید کرنے
اور اسکی خوبیاں نکار دکھاتے تو اچھا تھا آمانت مرحوم نے جو رنگ اختیار کیا وہ انکا خاص
حصہ تھا اور جس زمانہ میں وہ اس رنگ کی طرف متوجہ ہوئے اسوقت لکھنؤ میں اسکی ضرورت تھی

شعر کی سوسائٹی میں یہی رنگ پسند کیا جاتا تھا، رنگ مرجم کے کلام کو دیکھنا چاہیے ہر شاعر کلام میں انکی بہت موجود ہے، آمانت مرجم پر چوٹ کرتے کرتے منشی احمد علی صاحب ق کی مثنوی (ترانہ شوق) پر بھی ایک وار مسٹر چک بست صاحب نے کر دیا ہے۔

پاجی ہن شریفے سب اُجر جائیں بیزری ہوئے بیر کیڑے پڑ جائیں
اس شعر پر مسٹر چک بست صاحب فرماتے ہیں دلپہ نزدیک ان صاحب نے
نسیم کے ذیل کے شعر کا جواب دیا ہے۔

سُنبُل مرا تا زانہ لانا شمشاد اسے سولی پر چڑھانا
منشی احمد علی صاحب شوق کی مثنوی میں گو بہت شعر بے ضرورت نکلیں گے مگر اس عیب سے
گلزار نسیم بھی خالی نہیں ہے معلوم نہیں مسٹر چک بست کو اس اعلان جنگ کی ضرورت
کیا تھی منشی احمد علی صاحب شوق کا ایک شعر سراپا میں ہے۔

بچو دتھے شراب پیئے ولے مستی میں اُلٹ دیے پیالے

گلزار نسیم میں اس شعر کا جواب نہیں ہے کیا جواب چک بست اسوجہ سے ترانہ شوق کو
گلزار نسیم کا درجہ عطا کر دینا ایک مقام پر نسیم کے دو شعروں پر یہی اعتراض ہے اور انکی
رعایت لفظی کو جواب چک بست بست نہیں کرتے اس سیرج اگر وہ اور شعر کو بھی معذور
رکھتے تو زبردست تھا۔ وزیر خلیل۔ آمانت۔ شوق کے طرفدار و نگو گلزار نسیم پر یہ چینی کی
ضرورت نہ ہوتی نسیم کی زبان کے متعلق یہ نوٹ ہے کہ ٹکسالی زبان ہے مگر اس لیری کا
ثبوت کچھ نہیں ہے چند شعروں دیکھے گئے ہیں اگر مثنوی میں سو بچا ش شعر زبان کے شکل
آئیں تو کوئی کمال کی بات نہیں ہے ٹکسالی زبان کے لئے لازم ہے کہ زبان کی کوئی غلطی
نہو جواب نسیم نے زبان کا خیال کچھ بھی نہیں کیا ہے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے رعایت اعتبار
تشبیہ کی پابندی کی وہ جاننے تھے کہ زبان کے دائرہ میں میر قلم کام نہیں دے سکتا
اور نہ وہ سحر البیان کا رنگ اختیار کرتے ان کے ان شعروں کا کوئی جواب نہیں ہے اور کوئی

شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ لکھنؤ کی زبان میں یہ شعر کہے گئے ہیں۔
 دائیں دیکھا نظر نہ آئی بائیں دیکھا کہیں نہ پائی
 یعنی دائیں بائیں بکاوی کو تاج الملوک نے نہیں پایا۔ پناہی کے لیے جو کچھ اردو سے
 ملے میں مشرچک بست نے کہا ہے وہ انکی زبان میں شاید صحیح ہو مگر ذوق سلیم
 اور زبان سے واقف احباب کہہ سکتے ہیں کہ یہ زبان کہاں تک صحیح ہے۔

ریون نے ہوا سے تخت اُتارا ثابت ہوا ٹوٹا ستارا
 ستارہ ٹوٹنا ثابت ہوا مگر مصرع کی ترکیب نے جو اُچھن زبان میں پیدا کی ہے ظاہر
 زبان کو دائرہ سے نکال کر بھول بھولیاں میں الفاظ کو ڈال دیا ہے۔

جو گاتی تھیں ٹھٹھیں مثل آواز جبرے کو اٹھی وہ صورت ناز
 رعایت لفظی کے چکر میں اگر خلاف واقع ناز کا اٹھنا ثابت کیا ہے۔ ناز اٹھایا جاتا ہے
 ناز اٹھتا نہیں ہے صورت ناز بکاوی اٹھی یہ کہاں کی زبان ہے۔

ہے اب جو بیان سنگ ساری یوں پائے قلم ہولے بھاری
 پانوں بھاری ہونا حل کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ معلوم نہیں قلم کے پانوں بھاری ہونے سے
 کس قسم کا حل مراد ہے صرف رعایت لفظی نے یہ عیب پیدا کیا ہے۔

یہ در مانند چشم بنو اب ہو تلے سحر کو بند بیتاب
 بیتاب اس محل پر مبنی ہے یا برائے بیت۔
 کروٹ لیکر وہ عنبرین مو اٹھ چلنے کا سوچنا تھا پہلو

عنبرین موتاج الملوک کی صفت ہے اس شہوی میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ زوائد اور شہو
 داخل نہیں ہے مگر یہ صفت معشوق کی ہو سکتی ہے نہ عاشق جان باز کی۔
 لعل و گہرا ایک درج میں ہے شمس و قمر ایک برج میں ہے

دونوں ردیفوں میں (ہیں) چاہیئے۔ لکھنؤ کی ہی زبان ہے۔

کیا تیرے حل کا ڈھنگ پایا سر سون سا پتھلی پر چربایا
 دوسرے مصرع کا مطلب صاف نہیں ہے۔ پتھلی پر سر سون جانا ایک محاورہ ہے
 مگر بیان سیاق کلام سے اس مصرع کا کوئی مطلب نہیں ہے۔
 چندے رہا عجیب و نیک رخصت ہوئے رفتہ رفتہ ایک ایک
 (بدونیک) عجیب بھی قابل تعریف ہے حالانکہ عجیب میں سلاطین اور ملوک اور بھٹوں اور بالائی
 معلوم نہیں (بد) و بد کردار کون لوگ اس عجیب میں تھے۔ رخصت ہوئی یا رخصت ہوئے
 دونوں زبان کی حیثیت سے غلط رفتہ رفتہ ایک ایک رخصت ہو گیا یا رخصت ہوا
 بخت داغ پسر مقدار اس کو جنتی تھی ہمیشہ دختر اس کو
 اسکو ہمیشہ دختر جنتی تھی یہ زبان تو لکھنؤ کی نہیں ہو سکتی۔ ہاں نیزنگ بہار کشمیر ہو تو ہو
 اگر یہی ٹکسالی زبان ہے تو سٹرچک بست صاحب کا دعویٰ صحیح ہے۔
 ہر چند سنا گیا ہے اس کو اردو کی زبان میں سنخنگو
 ہر چند اسکو اردو کی زبان میں سنا گیا ہے غلط ہے۔ ہر چند یہ اردو کی زبان میں سنا گیا ہے
 صحیح ہے اس قسم کی سیکڑوں غلطیاں موجود ہونے پر ٹکسالی زبان کتنا سٹرچک بست کی
 دلیری اور جرأت کی تعریف کرنا چاہیئے۔

(ب)

ریاض الاخبار مطبوعہ یکم ستمبر ۱۹۵۷ء

۲۷ - گلزار نسیم

مشرچک بست جناب آمانت مرحوم کی زبان دانی پر حرف رکھتے ہیں خد کی شان
 کرامت مرحوم تو زبان سے ناواقف ٹھہراے جائیں اور نسیم مرحوم اہل زبان کہے جائیں۔
 جناب چک بست صاحب اس طرح امانت مرحوم کی حرف گیری کرتے ہیں مثلاً
 امانت مرحوم کے لیے تناسب لفظی کا شوق جنون کے درجہ تک پہنچ گیا ہے۔ لیکن چونکہ زبان پر
 قدرت کاملہ حاصل نہیں ہے اور طبیعت میں شستگی کا جو ہر نہیں لہذا جو شعرا اس رنگ میں
 کہا ہے اُسے بڑھکڑھنسی آتی ہے (یہ الفاظ جناب امانت مرحوم کی شان میں استعمال ہوئے
 ہیں اور پھر یہ توقع کی جاتی ہے کہ نسیم مرحوم کی سہل آہستگی میں آپ کی زبان میں ہلکے کو اہل
 لکھنؤ زبان کھولیں۔

سچ تو یہ ہے کسی فن کی تنقید کے لیے اُس سے واقفیت بھی ضرور ہے اگر کوئی شخص
 کہے کہ تاج محل میں نقص رہ گیا تو اُس کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ وہ فن انجینری سے بھی واقف ہو
 مشرچک بست بیشک بی اسے ہیں اور انکی تعلیم انگریزی قاعدہ سے مکمل ہے مگر
 انکو شاعری کے نکات اور اس کے فن سے کیا تعلق ہے۔ اگر کچھ بھی واقفیت ہوتی تو امانت
 مرحوم کی زبان پر وہ اعتراض کرتے۔ اس لیے کہ امانت مرحوم جس طبقے اور جس خاندان سے
 تعلق رکھتے تھے وہ اہل زبان ہونے کا دعویٰ کرتے اور اپنا کئے خاندان میں دعویٰ کرتے

اور فصیح البیان شاعر موجود ہیں۔ جو غیر مہذب الفاظ جناب امانت مرحوم کی شان میں
بستر چاک بست نے استعمال کیے ہیں انکو پڑھ کر کوئی شخص جو شائستگی پسند ہے صبر
نہیں کر سکتا۔

کہا جاتا ہے کہ امانت مرحوم کو رعایت لفظی کا جنون تھا مگر یہ نہیں دیکھا جاتا کہ امانت
مرحوم کے وقت میں سو سائٹی کا رنگ طبیعت کیا تھا اور رعایت لفظی اضافت سخن میں
داخل ہے یا نہیں جنون کی حکم چاک بست صاحب دوسرا لفظ بھی استعمال کر سکتے تھے
مگر دی خیالات پر وہ پروا نہ ڈال سکے زبان پر قدرت کاملہ ہونے کا ثبوت رعایت لفظی سے

تو ہو نہیں سکتا اسلئے کہ اس معاملہ میں نسیم مرحوم بھی کچھ سمجھتے نہیں رہے ہیں۔
اس بات کا جواب کوئی مہذب شخص نہیں دے سکتا کہ امانت مرحوم کی طبیعت میں شائستگی

نہ تھی اگر امانت مرحوم کی شائستگی پر حرف رکھا جاتا تو شاعری کی دنیا میں کوئی شاعر بھی
نہیں بچ سکتا اور اگر ذاتی افعال و اقوال پر یہ حلیہ ہے تو اسکا جواب اہل لکھنؤ دے سکتے ہیں۔ یادہ

لوگ جو خود لکھنؤ کی سپر اور لکھنؤ کا پشت پناہ تصور کرتے ہیں اتنا سمجھ بھی کر سکتے ہیں کہ شاہی
دربار میں امانت مرحوم کی وقت اور عزت اور سو سائٹی میں قدر و ثمرت بحیثیت ایک

شائستہ فرد ہونے کے امانت مرحوم کی مسلم ہے کوئی تنگ خیال بھی اس قسم کے کلمات انکی
شان میں زبان سے نہیں نکال سکتا۔ جن پر ایہ اور سیاق کلام میں جناب امانت مرحوم اور

جناب شوق پر بستر چاک بست نے اعتراض کیے ہیں اگر اسی رنگ میں جناب نسیم مرحوم
وہ اعتراض کرتے تو ہلکا فوس ہو تا مگر جہاں انھوں نے نسیم مرحوم کی حرف گیری کی ہے

وہاں برادری کا پاس بہت کچھ کیا ہے اور اس طرح گل فغانی فرمائی ہے۔ اس سلسلہ میں
عرض کرنا مناسب ہے کہ اگر نسیم سے بھی تناسب الفاظ کے ساتھ لطافت سخن قائم نہیں رہ

سکی تاہم انصاف فرمائیں کہ امانت مرحوم کے لئے جنون کا لفظ استعمال ہوا ہے اور نسیم مرحوم
کیواسے اسکے مقابلہ میں کوئی جنون تحتب سودا کا لفظ نہیں فرمایا حالانکہ آپ اسکے قائل ہیں

کہ نسیم مرحوم نے بھی اکثر ایسی خطا کی ہے جو شخص کثرت سے ایک عیب کا خوگر ہو تو اسکو بخون کنا اگر جائز ہے تو اُسکے مقابل کو بھی خطی کہنا سب سے امانت مرحوم کے لئے تو یہ کہا گیا کہ زبان پر قدرت کاملہ حاصل نہیں ہے اور نسیم مرحوم کیواسطے یہ رعایت جائز تھی گئی کہ لطافت سخن قائم نہ رہ سکی۔ ان خیالات کو دیکھ کر اگر مسٹر چک بست صاحب کی اصلاح پر قلم اٹھایا گیا تو کوئی بیجا بات نہ تھی۔ اسپر ہمارے دوستوں کو ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے فحش اور غصہ صرف کرنے کا ہر شخص کو حق حاصل ہے مگر بات وہ کہنا چاہئے جو سب پسند کریں نسیم مرحوم کی طرف داری اگر جائز ہے تو خواجہ وزیر اور رند اور صاحب خلیل امانت شوق کی طرف داری کیونکر ناجائز ہے۔ نسیم پر اعتراض کیے جائیں تو غصہ صرف ہو اور مسٹر چک بست نے تمام شعرا پر کُنڈ بھری جلائی تو اُنکے بازپس نہو۔ مسٹر چک بست اپنے دعویٰ کو بھی بھول جاتے ہیں فرماتے ہیں اکثر نسیم سے بھی تناسب الفاظ کی لطافت سخن قائم نہ رہ سکی۔ اکثر کا عکس خوب کیا ہے دونوں باتوں میں کونسی بات تسلیم کی جائے (قابل معافی) کا جملہ کتاب ہے کہ آپ کے نزدیک تناسب لفظی سخت جرم اور سخت گناہ ہے جسکا کفارہ ممکن نہیں ہے یہ آپ کی سخن سنجی پر ایک قطعی دلیل ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ فن شاعری میں آپ کو کامل عبور ہے نسیم قابل معافی اسولے ہیں کہ وہ برادری میں داخل ہیں۔ اور رند خلیل امانت مرحوم شوق لیسے لزم ہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔ مقدمہ لکھتے وقت حسب طرح جناب عالی صاحب کو اس بات کا خیال نہ تھا کہ کوئی اسپر نگاہ ڈالے گا اسطرح مسٹر چک بست صاحب بھی یہ سمجھے ہوئے تھے کہ کوئی کھنڈ والا ہے اور کون خیال کرتا ہے نسیم کا مرتبہ اسقدر بلند کرنا چاہئے کہ تاریخ اور آئین بھی لحد میں بھرا رہو جائیں افسوس ہے خلاف توقع ہر شخص کی نظر پڑ گئی اور وہ پردہ اٹھ گیا حسین قصب کا خوفناک چہرہ نظر آ رہا ہے

(احکیم برہم صفا)

از انجمن ارفر ج ۷ - نومبر ۱۹۵۵ء

۲۵ - گلزار نسیم اور قلم قل

اس بحث کے متعلق قلم قل رقم طراز ہے۔ اس بے لطف جھگڑے کی ابتدا شریعتی کی ہے۔ نہیں معلوم کیا ضرورت داعی ہوئی تھی کہ نسیم ایسے شاعر کا جس کی شاعری اپنا نقش و نگار ہے آج یہ اعتراضات تذکرہ کیے جائیں۔ جبکہ حضرت خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ یہ اصول روشن قلم فرما گئے ہیں۔

یہ مستان نوید سرودے فست بہ یاران رفتہ درودے فست
نسیم آج نہیں ہیں۔ انکی مثنوی زیر تصنیف یا ابتداء زیر طبع نہیں ہے پھر شاعر اعتراض کیا
وہ کیا اصلاح ہے جو منظور تھی

طبقة شعراء میں بحث مذہب و قومیت کبھی نہیں ہوتی وہاں صرف جُہ سخن پر حرفیاں بزم
پہچانے جاتے ہیں پس جب نسیم ایک نئے دورہ شاعری کے تابان شخص تھے تو کیوں انکی تابش کو
دُھندلا کرنے کی کوشش درکار ہے۔

کلام سلف میں سب سے پہلے دیکھے جانے کی بات جو ہے وہ یہ ہے کہ انکے عہد دورہ خیلا
اور معیار سخن کو کیا تھا اور ضرور ہے کہ کچھ لوگوں کو ہم جب شاعری یا کسی علم و فن کی بحث میں
دیکھیں تو ہمیں انھیں کے دور میں استغراق خیال سے اپنے آپ کو موجود فرض کرنا چاہیئے

اور پھر ہم انکی نرم مذاق میں حاضر ہو کر نگاہ کریں تو دیکھیں گے کہ انہر حیرات عتر افسوسکتی ہے یا نہیں۔ یہ تو ٹھیک نہیں ہے کہ ہم زمانہ موجودہ کے خیالات پر گذشتہ اشخاص کی فرو گذاشتین پر دین

(از ادب پنج مطبوعہ ۲۸- ستمبر ۱۳۵۵ء جلد ۲۹ نمبر ۳۹)

۲۶۹- اردوئے معلیٰ کی رائے

ہمصر مذکور عنوان گلزار نسیم کے قضاے سے متعلق جو رائے اظہار فرماتے ہیں اسکے چند فقرے حسب ذیل ہم درج کرتے ہیں یقین ہے انکو شعر صاحب اپنے تخلص کی طرح پس پشت نہ ڈالیں گے بلکہ زیب ناصیہ فرمائیں گے۔

عنوان اول سے متعلق گلزار نسیم کی تصنیف کو خواجہ آتش کے ساتھ منسوب کرنا خطا ہے بلکہ ہمارے نزدیک اس قسم کی بے بنیاد روایتوں کو درحقیقت صحیح سمجھنا اپنے تئیں مذاق صحیح سے بیگانہ ثابت کرنا ہے۔

شعراے لکھنؤ میں سے صرف خواجہ آتش ایک ایسے شاعر تھے جنکے کلام کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ اس میں آدرد سے آد زیادہ ہے۔ ایسی حالت میں انکو گلزار نسیم کا

مصنف ٹھہرانا جسکا ہر شعر اردو تصنع کی گویا ایک مجسم صورت ہے۔ بہ کیف نا واجب ہے۔۔۔
گلزار نسیم کی زبان بیشک لکھنؤ کی زبان ہے۔ اگر سہیں بعض غلطیاں بھی جو ہیں۔۔۔
لیکن یہی اس کے ان چند غلطیوں کی بنا پر یہ کہنا بھی غایت درجہ کی کوتاہ نظری ہے کہ نسیم کی
زبان لکھنؤ کی زبان نہیں ہے۔ یا یہ کہ ان غلطیوں نے گلزار نسیم کو مٹا دیا۔
(از حسرت موہانی)

از اتحاد جلد ۱۳ نمبر یکم جولائی ۱۹۰۵ء

(از مولوی عبدالحلیم صاحب تتر)

۲۷

گلزار نسیم پر دگلدارین جو اعتراضات کیے گئے، انکی تائید اور مستر ضوں کی تردید کے
لئے ہم سے کئی صاحب اصرار فرما رہے ہیں۔ افسوس وہ اس بات کو نہیں خیال فرماتے
کہ اب اس بارے میں کچھ لکھنا دگلدار کی شان و وضع کے بالکل خلاف ہے دگلدار نے
اپنا کام پورا کر دیا۔ اعتراضوں کے جواب میں اودھ پنچ کے صفحوں پر جو کچھ لکھا گیا وہ خود بتائے
دیتا ہے کہ ان اعتراضوں کے اٹھانے کی کوشش کماتنگ کامیاب ہوئی ہے۔ اور اگر کسی
صاحب کے دل میں کچھ شبہ رہ گیا ہو تو اسکا فیصلہ ریاض الاخبار کے سخن سنچ و مستند
اڈیٹر اور جناب بدر نے کر دیا۔ اتحاد اسی تنگ خیالی کو نوا اور بیہودہ خیال کرتا ہے گلزار نسیم
معارض کرنے سے اتحاد کی پالیسی پر کوئی اثر پڑے گا اس لئے اگر ضرورت ہوئی تو اس بحث کے متعلق
اتحاد کے صینیڈہ مراسلات میں ان حضرات کے مضامین شائع کر دیے جائیں گے جو دگلدار سے یہ
کام لینا چاہتے ہیں۔
اس بارہ خاص میں کشمیر دین کی باتوں پر عصر جدید کو اور نیز زمین برانہ ماننا چاہیئے

کیونکہ اسے قدرتی طور پر ایسا لکھنے کا حق حاصل ہے۔ ہندو دیا شنکر نسیم اور ہندو رتن ناتھ سرشار کشمیری برادری کے ہیرو ہیں اور وہ کشمیر درپن ہے یہ وہ جذبہ ہے جو تعلیم کا اور غیر تعلیم یافتہ سب کو برابر کر دیا کرتا ہے۔

(از سر)

از اتحاد جلد ۲ نمبر ۱۵ کراچی ۱۹۵۵ء

گلزار نسیم برہمنے ریویو کیا اور مہذب طریقے سے پبلک کو بتا دیا کہ اسٹونی مین باوجود ہزار باخوبیوں کے حد با غلطیاں ہیں اور اسکی زبان لکھنؤ کی مستند زبان نہیں اس بحث کو اودھ پنچ نے نہایت ناپاک اور گندے طریقے سے اٹھا لیا اور ہم ٹام ہیں کہ ہماری وجہ سے مہذب پبلک کو ایسے ہیودہ اور ناپاک الفاظ سننے پڑتے ہیں اسکے جواب میں ویسی ہی بد تمیزی خود بھی گوارا کر لینا ہمارا کام نہیں۔ اور نہ ہمیں اسکی لیاقت ہے۔ ہم اپنے گترم دوست حسن فضل صاحب بدر کی خدمت میں اُنکے شک گزار ہونے کے۔ عرض کرتے ہیں کہ براہ کرم وہ اپنا قلم روکیں۔ اور نہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ منشی تارا حسین صاحب مہتمم پیام پارسے جس کام کو ایک دفعہ سرکوب نکال کے پورا کیا تھا پھر پورا کرین کسی کو چھ دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ ہم اور منشی سجاد حسین صاحب خود ہی نپٹ لیں گے۔ اس سے آپ یہ خیال فرمائیں کہ میں ویسی ہی گالیان بک کے اور اسی طرح کے ناپاک کلمات استعمال کر کے اتحاد دیا دلگداز کے مہذب ناظرین کو تکلیف دے گا نہیں میں اس معاملے کو منشی سجاد حسین صاحب کی جسمانی معذوری کے ساتھ ایک اخلاقی و روحانی معذوری خیال کر کے غیر قابل لحاظ سمجھتا ہوں اور وہی کرونگا جو ایک شہدے کے مقابل میں ہر شریف آدمی کو کرنا چاہیئے۔ آپکے مکان کے سامنے ایک شہدا لکھڑا ہو کر گالیان دیکھا تو آپ اپنا دروازہ بند کر لیں گے۔ اسی طرح میں اودھ پنچ برہمنے دفتر کا

دار و ازہ بند کرتا ہوں۔ جناب منشی سجاد حسین صاحب کی خدمت میں التماس ہے کہ آئندہ براہ مہربانی اپنا تہذیب پر چڑھ میرے پاس نہ بھیجا کریں میں بڑھونگانہ جواب دینے کو مہی چاہے گا مجھے تبادلہ موقوف کرنا منظور نہیں۔ اتحاد اور دلگداز انکی خدمت میں برابر حاضر ہوا کریں گے۔ مگر جب تک اس تہذیب سے وہ مضامین شائع کرتے ہیں مجھے اپنا جلال جہان آزاد کھانے سے معاف رکھیں۔

لیکن نسیم کے کلام پر ریویو کرنے کا جو سلسلہ دلگداز میں جاری کیا گیا ہے وہ برابر جاری رہے گا۔ ابھی تو ششوی ہی پر ہمیں بہت سے اعتراض کرنے ہیں مگر اس سے غصہ حاصل کر کے ہم اُن کے دیوان پر بھی ریویو شروع کریں گے کسی اخبار یا رسالے میں اگر کوئی معقول بات کہی گئی یا معقول جواب دیا گیا تو اُس کا ضرور لحاظ کیا جائیگا ہم تسلیم کریں گے یا جواب دیں گے۔

(اودھ پنچ مطبوعہ ۱۰۔ اگست ۱۹۰۵ء جلد ۹ نمبر ۳۶)

۲۸۔ اودھ پنچ سے شتر غمزہ

(از منشی سجاد حسین صاحب)

جو منہ میں یار کے آئینے بک جاتا ہے آتش نہ لٹی ہی سمجھتا ہے نہ وہ رشکِ قمر سیدی
اس مرتبہ اتحاد میں جناب مولانا عبد الحلیم صاحب شہر خادوم قوم ادیب نکتہ پرور

سابقہ اوڈیر پردہ عصمت و اوڈیر حال دلگداز و اتحاد و اوڈیر مستقل المونخ و اوڈیر مستور العرفان
و مصنف (بدرا انسان کی مصیبت) نے حکم شہدے کا خطاب دیا ہے۔ عمرت دراز باد۔
اور یہ محض اس گناہ پر کہ ہم نے نسیم لکھنوی کی مشہور شہنوی گلزار نسیم پر بہت دھرمی
تقصیب مذہبی سے لبریز۔ مولوی شہر کے اعتراضات لائینی کی منصفانہ تردید کی جسار کی
بیزارش کہ ہم نہ گندہ دہن مولوی ہیں نہ سید مست بادہ ریاکاری و نہ شرعی
شہدے ہوتے۔ اب خوف ہے کہ کسی روز مولانا شہر و ضو کے سہو و سکرتین
اللہ میان سے نہ مراغہ کریں تو ہم کیا کریں گے۔ ہم تو سمجھے تھے اودھ پنچ مین جو مضامین
نکل رہے ہیں انکے جواب دینے کی اگر جرأت کیلنی تو ظرافت و لطافت کے پہلے مین
اجودت دکھائی جائیگی۔ مگر مولانا نے اپنے خلقی بیہوشی سے ہر ذائق کے مطابق
جواب دیا ع بد م کفی و خور ستم عفاک اللہ لکھنوی۔

مولانا شہر نے بھی پُر درد ہو کر پنچ کے تمام مضامین کا جواب گلزار نسیم کا سا مختصراً
مد نظر رکھ کر ایک لفظ مین دیدیا ہے۔ مولانا کے اور بہت سے اوصاف تو معلوم تھے
مگر یہ معلوم تھا کہ سلامتی سے مولانا بالواسطہ مشوق فرج بھی ہیں اور ذرا سی پیٹرن
گریٹ کے روٹھ جاتے ہیں اچھا ہوا کہ شاہی ہنوی ورنہ ہمیں شہر چھوڑ دینا پڑتا۔ پھر اور تو
ہم سے کچھ نہ بن پڑتا سیدھے حیدر آباد چلے جاتے کیا کہیں مولانا کی
یہ اداہین رہ رہ کر یاد آتی ہے کہ ہر کس انداز سے کہتے ہیں کہ کوئی اور صاحب
داخل دین ہم اور منشی سجاد حسین پیٹ لین گے (یہ ہم) تو دل مین کھپ گیا واقعی
اسمین بھی اک ادا نکلتی ہے ۵

عرب کے نمک مین کچے بہت شہر تھے پر ایک اونٹ مین پانی نہیں ادا تیری
مولانا نے یہ بھی لکھا ہے کہ اب ہم اودھ پنچ نہ لین گے۔ صورت سے بیزار ہیں
بہت اچھا صاحب۔ آپ اودھ پنچ سے ناراض ہو جائیے مگر یاد رہے یوں تو ممکن تھا

کہ اودھ بیچ آپ کی خدمت میں کوتاہی کر جاتا لیکن اب جب تک صفحہ ہستی پر اس کا وجود قائم رہے گا اس وقت تک یہ برابر آپ کی خاطر میں دخیل ہوتا رہے گا۔ آپ کو سننے کا لیان دیجئے مگر یہ بھی کہتا رہے گا ۵

اے بیچ بڑا مان نہ کچھ اسکے کہنے کا مشوق کی گالی سے تو عزت نہیں جاتی اور اگر عشق کامل میں اثر ہے تو دکھاوے کو آپ اس سے طوطے کی طرح آنکھیں پھیریں لیکن از روئے فطرت بغیر اسکے دیکھے آپ کو تسکین نہو گی کم سے کم ہفتہ میں ایک بار چھپا کر آپ کے دست مبارک کو ضرور بوسہ دے ہی دیگا سچ کہنا کیسی کمی ہے ع وہ لب پہ آئی ہنسی دیکھو مسکراتے ہو۔ آپ نے گو بیچ کے خلاف بہت سے سخت سست مضامین پر دے پر دے میں لکھے ہیں مگر چونکہ وہ اپنے نام سے نہیں شائع کیئے اور آپ یہ کہتے ہیں کہ (ہم انکے لئے ذمہ دار نہیں) اسلئے ہکو بھی آپ سے شکایت نہیں ۵

اس شوخ کی گالی کا بڑا مانئے کیونکہ جو ہنس کے یہ کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا اب بیچ ہمیشہ کے لئے آپ سے ظاہر طور پر یہ کہتا ہوا رخصت ہوتا ہے ۵ ہم تو بچے بنا ہیں تو دے گا لیان نہیں اپنی زبان دیکھ ہماری زبان دیکھ

کشمیری درپن بابت ماہ اگست ۱۹۰۵ء نمبر ۸ جلد ۳

(اڈیٹر کشمیری درپن)

دلگداز میں گلزار نسیم کے متعلق ابھی تک بحث جاری ہے یہ بحث زیادہ تر فطری ہو
 اسوجہ سے ہم اس کے نسبت کچھ عرض کرنا نہیں چاہتے ہاں شتوی مذکور کے متعلق مولوی
 عبدالحلیم صاحب شرر کے دو متضاد بیانات ناظرین کی دلچسپی کے لئے پیش کرتے ہیں پہلے کے
 پرچہ میں مولوی صاحب نے لکھا تھا کہ کوئی قوج کی بات نہیں ہے اگر آتش نے اس دلچسپی کی بنا پر
 جواہرین نوعمر شاگردوں سے لکھی اسی کی تحریک سے یا اس کی شوق اولین دیکھ کے اس شتوی کو
 لفظن طبع کے طور پر کہا ہو پھر اس میں متعدد لغزشیں دیکھ کے اسے بجائے اپنے اسی کی طرف
 منسوب کر دیا ہو جن دونوں یہ شتوی کہی گئی ہے ان دونوں شاعری کا یہ رنگ تھا کہ مناسب
 محاسن پر غالب خیال کیے جاتے تھے۔ اور شعرا کو کلام میں خوبیاں پیدا کرنے سے زیادہ فکر
 اس بات کی ہوتی تھی کہ کلام عیوب سے پاک ہو لہذا یہ خیال اس بات کا پورا اک محرم ہو سکتا تھا کہ
 آتش اس شتوی کو کہیں اور اپنے کم سن شاگرد کو دیدیں۔ اگر ہمارا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو مولوی
 عبدالحلیم صاحب کی طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس شتوی میں آتش کے بہت شاگردوں کا
 کچھ نہ کچھ حصہ ہے۔ اب جولائی کے دلگداز میں آپ کہتے ہیں کہ اعتراضوں کے تسلیم کرنے کے
 ساتھ ان کے (اڈیٹر ریاض الاخبار کے) اس ارشاد کی نسبت کہ (جواہر عترت شرر کے لئے)
 ہیں گو موجودہ زمانہ میں انکا حرف صریح ہے مگر جس زمانہ میں نسیم تھے اسوقت کی زبان اور
 طرز کلام اور تصرفات کو دیکھتے ہوئے ہم نسیم کی کوئی خطا نہیں دیکھتے ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں نسیم کو
 اتنا زمانہ نہیں گذرا کہ انکی طرف سے ایسی عذر داری جائز سمجھی جائے + + + + +
 ایسے تصرفات اور ایسی لغزشیں اگر اُس زمانہ میں جائز تھیں تو ضرور تھا کہ ان کے معاصرین
 اور دیگر شاگردان آناخ و آتش کے کلام میں بھی بائی جاتیں۔ اب ذرا غور طلب یہ امر ہے

کہ مولوی عبد کلیم صاحب کے یہ دونوں بیانات کما تک ایک دوسرے کی تفسیح کرتے ہیں۔ اگر غنوی
 آتش کی تصنیف ہو یا اگر اس میں حصہ۔ دہندہ خلیل کی شرکت ہو تو اسکے معائب کے ذمہ دار یہ سب
 شعرا ہیں اور اگر نسیم کے معاصرین کا کلام ایسے تصرفات اور ایسی لغزشوں سے پاک ہے تو
 گلزار نسیم میں انکی شرکت تسلیم نہیں کیجا سکتی معلوم ہوتا ہے کہ جلالی میں مضمون لکھتے ہوئے راج
 ولے مضمون کا مولانا کو خیال نہیں رہا کیا ہوا ؟ غلبہ ذکاوت سے کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے
 مگر ہجو خوشی یہ ہے کہ اس بحث میں اودھ پنچ نے نہایت ہی بے تبصری سے کام لیا ہے منشی
 سجاد حسین صاحب ایسے منصف مزاج انشا پر دان سے امید بھی ایسی ہی تھی گو کہ منشی صاحب
 موصوف کی صحت میں فرق آگیا ہے مگر خلقی ذہانت اور طبیعت داری میں فرق نہیں آیا ہے
 اور جس زور کے مضامین آپ کے قلم سے اس بحث میں نکلے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ علما
 و محققانہ لیاقت کے ساتھ آپکا آئینہ دل مذہبی تعصب کے زنگ سے صاف ہو گیا گت ۱۹۰۵ء
 کے اتحاد میں جو یہودہ گستاخی مولوی عبد کلیم نے منشی صاحب کی خدمت میں کی ہو سکا جواب بس
 یہی ہے کہ ۱۔ اللہ ہے نگہبان اعلیٰ کی آبرو کا + منہ پر پڑا اسی کے جسے فلک پہ تھوکا
 علاوہ اڈیوریل مضامین کے۔ اودھ پنچ میں ایک ایسے شخص کا مراسلہ شائع ہوا ہے جسکی علمی
 لیاقت ذہانت اور قابلیت سے حضرت شہر اور انکے ساتھیوں کو بھی انکار نہ ہوگا۔ ہمارے مراد منشی
 احمد علی صاحب شوق سے جو آپ ان چند بزرگوں میں سے ہیں جنکی ذات پر لکھنؤ کو ناز ہو۔ آپ مدت
 تک اخبار آراء کے اڈیٹر نامور رہے ساتھ رہے ہیں اور پنچ میں جو آپ کے مضامین نکلے ہیں انکا شمار
 ہر صورت سے اردو کے اعلیٰ لٹریچر میں کیا جاتا ہے۔ علاوہ بریں آپ ایک کلمہ مشق اور مشہور
 شاعر بھی ہیں۔ چنانچہ منشی ترائے شوق آپ سے یادگار ہو اور یہ منشی گلزار نسیم کے طرزمین آپنے
 تحریر فرمائی ہے لکھنؤ میں یہ مشہور ہے کہ ترائے شوق گلزار نسیم کے جواب میں لکھی تھی اور اسلئے شاید مولوی
 عبد کلیم صاحب شوق کو حضرت شوق سے حمایت کی امید تھی آپ نے جو مراسلہ پنچ میں اس بحث کے
 متعلق بھیجا ہو اور جسکو منشی سجاد حسین صاحب نے قول فیصل مانا ہو ہم جیسے رج ذیل کرتے ہیں۔

Rashid ul Hameed, S.S. 1911

1911

حصہ دوم ظریفانہ مضامین

پنڈت حیدر شنکر نیش
اور خواجہ دریا علی اسم

(از منشی سجاد حسین صاحب)

دنیا میں کسی مشہور ہر دلفریز تصنیف اور کام کے واسطے احمد کی پگڑی محمود کے سر
کرنے کی بہادری کے کالطف تو عموماً ہر ملک کے لوگوں کو ہوتا ہی ہے۔ چنانچہ انگریزی
خطائے سخن کا مسئلہ مشہور ہی ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں ایک کم علم ہرن چرلے والا اور

یہ شاعری - ہونو یہ اسکے دوست کی فلسفی دماغی قابلیت ہے جس نے اس کلام کو اس پر
ہونچا یا کہ کوہ کندن و الون نے مختلف تا ویلون ترکیبون سے یورپ سے لیکے امریکہ
تک بال کی کھال ٹوشکا فون جل اور زبر و بینات و اہیات خرافات جھگڑا نکال کے
سر سے زمین کھو ڈالی اسپر ح اردو میں بھی گزرا نسیم کی تصنیف کا جھگڑا بیض لوگوں نے
اس مدت دراز کے بعد جب مثنوی کو شائع ہوئے اسکی تقلید کیے ہوئے اسکے جواب
کے ہوئے زمانہ گزر چکا اور کسی کو اس خیال کے اظہار میں بوجہ بازیست اور ناواقفیت
طرز سخن مجال نہیں ہوئی کہ اس فرسودہ بے حقیقت بات کو مرد میدان بننے زبان پر لائے
یا سمجھا دے انکے سامنے پیش کر سکے - بیٹھے بٹھالے بیکاری کا مشغلہ فحول جھگڑا نکال لائے
باسی کڑھی مین اُبال آیا - جب غلط نویسون اور ارزان چھاپنے والے مطبعوں کی مہربانی
سے مثنوی بہت کچھ مسخ ہو چکی اور نہ مثنوی نے بھی مصنف کے عقیدے کے مطابق مسئلہ
تسلیح کا کامل ثبوت دیدیا تو بعض لوگوں کی طبیعتوں کو اتحاد کے کچے گھرے کی بدھنی سے
جٹو مین اُٹھو جانے کی کجی دی - یعنی شاگرد نسیم اور استاد آتش کی تصنیف کو قیاس اور
بدگمانی کی کوئڈی مین تعصب کے بھنگ گھوٹنے سے اس مثنوی کی مادیو بوٹی کو
ایسا پیا چھانا کہ اب ایک مصنف کا نام دیا شکر نسیم نہ رہا بلکہ استاد حیدر علی آتش کی شرکت
غالب مثل بل بیسیو کے نشہ دھوان و عبا کرنے کی غرض سے طرفہ بھون -

حیدر شکر نیش - دیا علی اہم - نامے تیار ہو گئی جیسے انگریزی مین
شکسپیر اور بیکن کے امتزاج سے شکسپیر اور بیکن کا ولایتی نسخہ دنگی بازو دنگی
زبان پر ہے - اسپر ح یہ بھی بن گیا اب اگر کوئی - اسکے -

ہر شلخ مین ہر شگوفہ کاری مشرہ ہو قلم کا حمد یاری

اسکے ابتدائی شعر سے ثابت کرے کہ اسکے ہر ہر لفظ سے پیدا ہے کہ یہ مثنوی مہندو
ہندت کی کہی ہوئی ہے اور اس مین وہ مذہبی نظائیں نظر آتیں جیسے مری ہیں کہ

خواجہ صاحب بوجہ مسلمان ہونے کے انکی جانب خیال ہی نہیں کر سکے اور وہ لوگ جو اسکو
آتش کا کلام کہتے ہیں خود جان ہی نہیں سکے تو محض آئینہ فروش شہر کو ان گشتن ہے اور
اگر ہا بھی کج بخشی ہٹ دھرمی سے چند جہلا کے سلسلے کسی نے کہ کیا کہ یہ بھی مسلمان آتش کی
طبیعت داری تھی کہ بطور تفتن (بجائے ہندو شاگرد) ابتلا سے فتویٰ میں تبرکاً لفظ لائے
اور شکوفہ کاری بجائے گل کاری محض غلطی سے باز ہوا تو ایسی خاک بیزی ہے جس سے
گلے مردے اکھاڑنے والی بناشی اور سیکڑہ باش بندت کی خاکستر لاش کو بر باد دی کے
سوا کچھ نتیجہ نہیں۔ اگر نسیم مسلمان ہوتے تو بوسیدہ کفن ہی پہلے پڑتا تو بوجہ خاک بڑان
دشمنان کے سوا اللہ کا نام ہے۔

ازادہ پنج مطبوعہ ۱۳۰۵ء جولائی ۱۹۰۵ء

جان صاحب کی فریا جنت کی ڈاک

کل بارہ بجے شب کو ایک فرشتہ ایک لفافہ دیگیا جس میں بجائے مہر کے چشمہ عور
لگی ہوئی تھی۔ اس لفافہ کے اندر ایک غزل رکھی ہوئی تھی جو لکھنؤ کے مشہور ریختی گو
جان صاحب کی زور فکر کا نتیجہ تھی چونکہ اس غزل کے شروع میں برائے (اشاعت در
اودھ پنج) لکھا تھا اسلئے ہمارا فرض ہے کہ مجسہ اسکو شائع کر دیں پیشتر د لکڑا زمین بھجی
گئی تھی مگر وہاں سے واپس آئی۔ اب غزل ملاحظہ ہو۔

بہر زبان ان ایرے غیرے تمام اس لکھنؤ میں آکر
خدا ہی سمجھو گا اس باجی محل بگڑا ہو جتنے میرا
نہ جانہ میری رحم کھایا نہ اپنی ذلت کا دھیان آیا
ہر طرف محزون یہ دھاتی سمجھ رہا تھی ہر ٹپکی
دھاتی نصاحت ہو شاعری لفت ہو ملاؤنگو مبارک
میں صاف نکلے کی چٹ کستی ہوں نظم میں محل کیا ہو
ہزار گوشہ میں مینا کی یہ حل قائم نہیں رہیگا
خراب مٹی ہو شاعر دلی اُجر کیا شہر لکھنؤ کا
موا تصرف یہ کیا بلا ہو یہ وہ زمانہ ہو باجی امان
سزا ہو انکی دہاتیو نکو جھوٹے برکار سر حرط ہایا
زبان سے خال نکوس نہیں ہو حسد کی ہر لیں کی گشت
جو یہ قصب کھلا کھلا ہو چدیکا ڈھنک اتحاد کا کیا
جو ایک بجلو کوئی کہے گا میری زبان سے وہ دس سنے گا
یہ چھٹی مضمون نگار ان ہیں کہ غیر کی آرمین ہیں لکھتے
وہیں ہندی ہند کی کسی ڈاکے رکھ دلی ہجیان میں

دو گانا جانی یہ وہ شہل ہو ملے شہید غریب ان لگا کر
کرونگی سو امین سارے عالم میں غوب نکو سے بنا کر
گرا یا میری زبان کا یہ حل میں بیکار یہ بڑا کر
جہان ہوئی بحث شاعری کی چار فصل میں تہ دبا دبا کر
جو دھاتی سنو کی آرزو ہو رہن غریب کی محل میں جا کر
اگر نہ مانو اٹھاؤں تیسوں کلام صاحب ابھی مٹا کر
ہیں جنکی آنکھیں وہ غور ہی دیکھیں ملا دو انی را اٹھا کر
زبان بھتی مستند جہانی وہ ان دھاتی بس رہیں کر
گواہیان دیتے ہیں مسلمان چھوٹے قرآن اٹھا کر
یہ تال بے مال کیوں ناچیں کیا خراب نکو منہ لگا کر
ہو امین اپنی باز دھتی ہیں نسیم کا مضحکہ اڑا کر
یہ کچھ یواریٹھ جائیگی ایک دن آب بچس بچسا کر
محل کی ٹونڈی نہیں ہو میندی جمی منہ میں بچائے نکو کر
چلے تو ہیں ناچو کو صاحب مگر ہیں نکو گھٹ میں بچسا کر
نہ جاننا یہ منہ کی آرمین پنچ مرزا سے منہ کی کھا کر

(جان صاحب جلی)

انادودھ پنج مطبوعہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۵ء

جنت کی ڈاک

آتش کا خط ستر کے نام نمبر

مولانا (۹) شرر عشق اللہ۔ جھسکا آپ سے نہ تعارف حاصل ہو سکا ہے۔
آپ کا نام سنا تھا۔ کل شب کو زمر دین محل میں جلسہ تھا اور وہ بھی واجد علی شاہ کی کھٹولی لگے
کیا کیا سامان تھے قدم قدم پر ناز و انداز جاتی ہوئی حوریں پر ابا بندھے ہوئے کھڑی تھیں۔
غلمان شرب طور کے جام تقسیم کر رہے تھے۔ سامنے نرگوں تر موچین اور ہی تھی گلہائے
فردوس سے دماغ منظر تھا۔ ایک تالہ عالم حور۔ قلعی لکھنوی کا یہ شعر کارہی تھی
نکتہ چینیوں کے سوا کوئی نہیں قدر شناس۔ آپ بربادی اور باب ہنر و یکھن تو
غرض کہ عجب سما تھا واسطہ ٹھیکو تو رنگیلے یا جان عالم کے وقت کا لکھنوی لایا گیا (نام یہ
لکھنوی نہیں جسکی آپ لوگوں نے سنی تباہ کر رکھی ہے) مان یہ کیفیت دلوگوں کا رہی تھی کہ
اتنے میں دور سے شور و غل کی آواز آئی اور اس کے دو چار منٹ بعد جان صاحب لکھنوی کے
مشہور ریختی گوسر پیٹے داخل محفل ہوئے۔ اچھا اس صورت میں داخلہ کہ گانا وغیرہ
سب غت رہو اور کل حاضرین محفل پر ایک سکوت کا عالم طاری (کہا ہے کیا) کی
چاروں طرف سے صدا بلند ہوئی مگر جان صاحب بہن کہ کسی کی سننے ہی نہیں اور آج کل
پھیلا پھیلا کے کوسے جاتے ہیں کہ یا خدا بننے میرا حل بگاڑا ہو اس سے تو ہی سمجھ (اور جس
شخص کو برا بھلا کھ رہے ہیں کسی کا نام تو سمجھ میں نہیں آتا ہی) (دبر انشتر) سانسٹانی
دیتا ہی۔ خیر وہ جلسہ نقص سرود تو برخواست کیا گیا پوچھا گیا کہ آخر کون ہوا دل کسے بگاڑا

تب انھوں نے سب کچھ کیا حال کہ سنا یا کہ میان شر نے نسیم لکھنوی پر اعتراض کیے ہیں
 انکا مضحکہ اودھ پنچ میں اڑا یا گیا تو شر نے ایک مضمون بدر کے نام سے ریاض الاحبار میں نکالا
 اس میں اپنی بہت کچھ تعریف کی اور بہت کچھ جلی کٹی بھی سنائی اور میرے شعور میں تصرف کر کے
 حل کو گاڑ کر یہ (حل) بنا دیا۔ اودھ پنچ نے اس فی بطن القائل کی خوب دھجیان اڑائیں
 اور لکھنے والے کو بدر الشکر کا خطاب دیا۔ یعنی جس طرح اکثر بڑے لکھوے میں جھجھل
 میں صا رہا کرتی ہے اس طرح حضرت شر کے پیچھے (بدر) کا دم چھٹا بانڈھ دیا۔ لگی بارون
 ہزار گوشن کی طور پر مجھے اودھ پنچ دکھایا۔ بس آگ ہی تو لگ گئی غصے میں سر پیٹتے تم لوگوں کے
 خرابی میں ہوشا ہوں۔ چونکہ اپنے اپنے مکان میں کوئی انہیں تھا لہذا یہ پتہ لگاتے لگاتے
 موا تصرف سے میں ہونا چاہا ان سب ہی جمع تھے۔ غالب۔ ذوق۔ رند۔ صبا۔ نسیم
 انام۔ قلیق۔ آسیہ وغیرہ محض تخلص کے شاعر نہیں تمام شعرا۔ دہلی و لکھنؤ کا جھگڑا تھا
 (کیونکہ شاعر ہمیشہ جنت بھیجے جاتے ہیں) خیر یہ تو جہ معترضہ تھا جا نصاب کی تسکین کر دی
 گئی کہ (یہ) کا لفظ خود ہی حل کا ذب کا پتہ دیتا اور انامی یعنی غیر شاعر کا چھوڑ بن ظاہر
 کرتا ہے آپ کیوں بڑھتے ہیں خاص اہل شہر تو آپ کے کلام کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتے
 ہیں۔ مگر اسپر بھی انکا غصہ فرو نہوا انھوں نے سختی کھرا اودھ پنچ میں بھیج دی غالباً وہ
 چھپ گئی ہو۔ اب یہاں ہم لوگوں کو یہ شوق پیدا ہوا کہ بھی دیکھیں یہ میان شر کون ہیں
 جنھوں نے نسیم لکھنوی پر اعتراض کرنے کی جرأت کی۔ فرشتے بلائے گئے تحقیقات کا حکم
 دیا گیا وہ گھنٹے بھر کے اندر دنگلاز کے وہ پرچے لے آئے جس میں اعتراضات شائع ہوئے
 ہیں۔ اعتراض پڑھے گئے اور سخن فہمی اور زبان دانی پر خوب بارون نے قہقہے لگائے
 خصوصاً رند۔ وصبا وغیرہ تو بہت جین جین ہوئے اور ان لوگوں نے کہا کہ ہکو جنت میں
 یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہو کہ ہم لکھنؤ سے آئے ہیں۔ افسوس لکھنؤ کی یہ حالت ہو گئی
 کہ وہاں کے باشندے گلزار نسیم کے سمو لی شعور نہیں سمجھ سکتے۔ مگر سب اس فکر میں تھے

کہ آخر یہ حضرت شرر کو ن بزرگوار ہیں کہ اتنے میں سید محمود جو شراب طہور کے شناسم
 چونکے تو پوچھا گیا کہ حضرت آپ کو تو کئے ہوئے الجھنی یاد عرصہ نہیں گذر آپ بتا کہ آپ
 کہ میان شرر کو ن ہیں آپ کا نام سنا تھا کہ سید محمود نے ایک فراموشی قہقہہ لگایا اور آپ کا
 حال اس طرح بیان فرمایا۔ میں اپنی طرف سے کچھ تصرف نہیں کرتا جو انھوں نے کہا صاف
 صاف لکھے دیتا ہوں سید محمود نے کہا کہ حسن مانے میں پیٹت رہتا تھا سرشار فسانہ آباد
 لکھ رہے تھے اسوقت ایک خاص طبقے میں انکی بہت شہرت ہو گئی تھی اور کوئی ناول لکھنے
 والا اسوقت نظر نہیں آتا تھا۔ اتنے میں ایک صاحب کہیں باہر سے لکھنؤ میں وارد ہوئے
 عبدالحکیم صاحب نام اور شرر تخلص اور کچھ دنوں کے بعد اپنے نام کے آگے مولوی لکھنے لگے
 اور آخر میں مولانا ہو گئے۔ گو کہ ان صاحب کا کبھی کوئی شعر نہ سنا تھا مگر آپ کے پیکر شہرت پر
 تخلص ہمیشہ بد گوشت کی طرح نظر آتا رہا غرض کہ شرر صاحب نے تاریخی ناول لکھنا شروع کئے
 اور ان ناولوں میں فتوحات اسلام کے افسانے لکھے۔ صلیبی لڑائیوں کی روایتیں لکھیں
 مسلمانوں کو عیسائیوں کے خلاف جوش دلایا۔ محمود غزنوی کے حملوں کے قصے لکھ کر ہندو مسلمانوں میں
 تعصب کی آگ بھڑکائی اس طرح اکثر ناول ایسے لکھے کہ جنہیں شیعہ سنیوں کے جذبات مخالفت
 میں لانے کی کوشش کی گئی تھی ان شرر افغانیوں نے آتش نفیض و حسد کو خوب تیز کیا
 اور ایک متعصب فرقے میں آپ کی خوب شہرت ہو گئی تو اور لوگ کہنے لگی کہ ابھی تک تو
 سرشار ہی فن ناول نویسی میں کیا سمجھ جاتے تھے اب حضرت شرر بھی برے بیت پیدا
 ہو گئے۔ مگر اس لکھنؤ کی بے تعصبی و مشہور ہے۔ انھوں نے کہیں شرر صاحب کو نہیں مانا
 کیونکہ نہ انکو تحریریں پسند تھیں نہ آپ کی زبان جو کہ خاص دیات کی گڑھی سے دھوئی ہوئی ہو
 مگر دیات میں آپ کے بہت سے مرید ہو گئے اور آپ کے کھانچوں قدر دان پیدا ہو گئے
 ہر طرف سے یہ آوازیں آنے لگیں کہ (شرر بھٹے ناولسٹ اب ڈر کا ہے کا) اس کے بعد
 آپ نے ایک اور رنگ بدلا یعنی پردہ کے خلاف ہو گئے۔ ایک پرچہ پردہ عصمت کے نام سے

تب انھوں نے پردہ کے خلاف مضامین لکھنے لگے۔ کسی کی دیوار گر پڑی اور کوئی آدمی کچل کر
 اپنی ہڈیاں پھینکا۔ پردہ خور اگر پردہ عصمت میں لکھتا یا کہ پردہ کیسی خراب چیز ہے جو دیوار گری وہ پردہ
 دیوار پٹھی اگر پردہ کی رسم نہ ہوتی تو یہ دیوار بھی ہوتی اور ایک آدمی کی جان مفت میں نہ جاتی
 کسی کو برسات میں اس کے پردہ ڈالے ہوئے چلتے دیکھا اور آپ بگڑ گئے یہ کہنے لگے
 کہ انیسویں صدی میں بھی پردہ سے ہاتھ نہیں اٹھاتے اور ہاتھ سے پردہ نہیں ہٹاتے
 کبھی کسی کو آدم کی کیری خریدتے دیکھا آپ ٹھہر گئے اور وعظ دینے لگے کہ دیکھو ہم کی کیری
 تو تم یہ دیکھ کر خریدتے ہو کہ اس میں پردہ تو نہیں پڑ گیا ہے۔ مگر بتاؤ افسوس کی بات ہے
 کہ اپنے خاص گھر کا پردہ نہیں دور کرتے افسوس افسوس۔ کہیں کسی عیس کی ڈیوڑھی
 ٹاٹ کا پردہ پڑا دیکھا وہاں جم گئے اور دربان سے کہنے لگے کہ دیکھو ہندوستان میں
 تو چین سے پردہ آیا ہے۔ عرب میں کبھی پردہ نہیں تھا وہ پردہ جسکو انگریزی میں
 اسکیوٹرن کہتے ہیں۔ تم کیسے مسلمان ہو کہ پردہ کے خلاف نہیں اگر تم میں ذرا بھی
 جوش مذہبی ہے تو اس ٹاٹ کے پردہ کو نوچ کر پھینک دو اسکو بھونک دو اسکو نیست و نابود
 کر دو۔ غرض کہ اس طرح آپ پردہ عصمت کی آرٹ میں خوب اس قدیم رسم کی پردہ دری کیا گئے
 مگر پتھر سے ہی دن میں (پردہ عصمت) سے آپ کو شرم آنے لگی اور اسکو چاک کر کے دیوین
 پردہ کی طرح پھینک دیا۔ کچھ روز خاموش رہے۔ اس کے بعد دم چورانے کی طرح پھر شرفشانی
 شروع کی۔ یعنی اتحاد جاری کیا اب صلح کھل گئی۔ کہیں لڑائی ہو آپ اتحاد کی قزوی لیے ہوئے
 موجود اور فریقین کو گالیاں دے رہے ہیں کوئی مانے نہ مانے آپ یہاں فیصلے کو جھگڑا مثلاً یہ کہ
 یہ تیار۔ ہاں ان انقلابات کے زلزلے میں دنگ لڑا کی باسی کڑھی میں وقتاً فوقتاً ابل آتا رہا جب
 اتحاد کے ساتھ ساتھ دنگ لڑا کا جھگڑا بھی چرچون کرتا ہوا میدان سخن میں لایا گیا مختصر یہ کہ شرم
 نے خوب خوب ظاہری رنگ بدلے مگر وہ اپنا باطنی رنگ کبھی نہ چھوڑا اور کس طرح اسکو چھڑکتے
 ہیں۔ اسپر تو انکی شہرت کا دار و مدار ہے۔ فارسی کا استاد انھیں کے لیے کہ گیا ہے

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
سے انداز قدرت می شناسم

جبکہ سید محمود نے یہ دلچسپ داستان ختم کی تو اسوقت سب حاضرین کو معلوم ہوا کہ آپ کون بزرگوار ہیں اور آپ کا کام کیا ہے۔

مگر کسی پر یہ راز نہیں کھلتا تھا کہ باوجود حامی اتحاد بننے کے آپ نے پنڈت دیپ شنکر نسیم کی روح کو اسقدر کیوں صدمہ پہنچایا اور ایسے اعتراضات کیوں کیے جن سے تعصب کوڑھ کی طرح ٹپکتا ہے۔ اور پھر شروع میں آپ کا یہ اعلان کہ آپ کا مقصد عرض کرنا نہیں ہے بلکہ ایک منصفانہ رپورٹ لکھنا۔ آپ کی تحریر کے بالکل خلاف پڑتا تھا۔ یا ریاض الاخبار میں جو مضمون لکھا تھا اور جو جان صاحب یہاں اٹھالائے تھے انہیں تو آپ نے بالکل پردہ تہذیب اٹھا دیا تھا اور ہندوؤں کو عموماً اور کشمیری پنڈتوں کو خصوصاً۔ اولو کے میلے کی وضع تہذیب کی ساری کو اٹھائے انگلیاں ملکا ملکا کے فحش بکا ہے۔ کجا اتحاد کی بیٹھی میٹھی باتیں اور کجا یہ زہر اگلتا۔ یہ عقدہ نہیں کھلتا تھا اسکی تفتیش کے لیے اعلان لکھنے والے فرشتے جلائے گئے اور ان سے کہا گیا کہ تم اپنا دفتر یہاں کھول کر بتاؤ کہ یہ دلدل زمین جو تحریر نکلی ہے اسکا اصلی سبب کیا ہے اور لکھنے والے کا اصلی منشاء کیا ہے یہ کہنے کی دیر تھی کہ انھوں نے ایک بیاض نکالی اور کل کچا چٹھا اسطرح بیان کیا کہ سال دو سال سے لکھنؤ میں ایک نئے فشن کے انشا بردار حضرت چک بست پیدا ہو گئے ہیں۔ انھوں نے حالی اور شرر کی چٹھا کرنے کا بیڑا اٹھا لیا ہے۔ حالی تو ایک متین آدمی ہیں۔ وہ خود تو جناب چک بست کے اعتراضات کا جواب دیتے نہیں اپنے مریدوں سے کھولتے ہیں۔ مگر شرر صاحب تو ریگستان سخن میں اعتراضات کی گرامری سے بلبلا اٹھتے ہیں۔ چنانچہ جناب چک بست نے ایک مضمون شمیم درپن میں پنڈت رتن ناتھ شرر پر بھی لکھا تھا اور شرر صاحب کے جوہر خوب خوب چمکائے تھے اور ایک موقع پر شرر صاحب کی لیاقت و شہرت کا پردہ اچھی طرح فاش کر دیا تھا۔ یہ مضمون شرر صاحب کے دل میں

تیرنیکش کی طرح کھٹکتا رہا اس فکر میں تھے کہ چک بست کی ایسی گرفت کروں کہ عمر بھر تو یاد کر رہوں۔ غرض کہ حال میں جناب چک بست نے گلزار نسیم کا شگوفہ چھوڑ دیا۔ پھر کیا تھا پھر تو شرر صاحب کو اچھی طرح سے پنج بجی چھوٹی اور انکھیں بند کر کے اور چکپا کے آپ نے گلزار نسیم پر چالیس پچاس اعتراض جڑ بھی تو دیے اور کہا کہ تو سہی حضرت چک بست کی محنت خاک میں ملا دوں اور نسیم کا نام سخنوروں کے دائرے سے خارج کرادوں اور آخر میں دس پانچ اعتراض تصرف بیجا کے جناب چک بست پر جڑ دیے اور یہ تو ظاہر ہے کہ بدحواسی میں جو اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ کس رنگ کے ہوتے ہیں وہی رنگ ان اعتراضات کا ہے۔ کہیں کچھ کہتے ہیں پھر اس کے تردید کرتے ہیں کبھی کسی شاعر کو لے مرتے ہیں مگر ہمیشہ بے سُر لاپتے ہیں۔ جب اعمال بد کے فرشتوں نے رپورٹ پیش کی اعتراضات کی تمام قلعی کھل گئی۔ اور اصلی کیفیت معلوم ہو گئی خیر یہ تو مہذب ہے آپ اصل مطلب سُنئے جبکہ لُئے میں نے یہ طولانی خط لکھا ہے یعنی اگر دیاشکر نسیم پر اعتراض کیئے تھے تو آپ کی شرر ریزی انہیں تک محدود رہتی آپ نے سیری شہرت میں داغ لگانے کی کیوں فکر کی ہے اور سیرے شاگردوں کا نام کیوں بدنام کیا ہے

باقی آئندہ

خواجہ حیدر علی آتش لکھنؤی در حال وارد و فروزین

از ادوہ پنج مطبوعہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۵ء جلد ۲۹

جنت کی ڈاک

آتش کا خط شر کے نام نمبر ۲

آخر بیٹھے بیٹھے یہ آکھو سوچی کیا یہ قبر کے مُردے اکھٹے کیوں شروع کیے اور پھر اگر ایسی حرکت کی بھی تھی تو سلیقہ کے ساتھ کی ہوتی۔ زبان لکھنؤ پر آب کی جان جاتی ہو۔ اہل لکھنؤ چاہے آب کو منڈ لگا مین یا نہیں۔ گر آب۔ ع لے دیکے اپنے یا روٹکو) انکی طرف سے لڑنے کو موجود۔ خیر اگر آکھو لو لگا کر شہیدوں میں ملنا ہی منظور تھا تو اسی رنگ پر قائم رہے ہوتے۔ نسیم ہندو تھے انکی مخالفت آکے مسلک کا جزو اعظم تھی انکو خوب جی کھول کے گالیاں دی ہوتیں۔ مگر کسی کے تو ہونے رہے ہوتے واللہ کفضب کیا کہ مجھ کو اور میرے تمام سر پر آوردہ شاگردوں کو ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا ابکی طبیعت کا اونٹ تو کسی کل بیٹھتا ہی نہیں۔ بندہ نواز ابکی شوخی بھی اہل بل و نثار کی شوخی سے کم نہیں۔ آپ کسی شہسوار سخن کی ران خیمے نہیں دیتے۔ نسیم بھی بر طرف مین بھی بر طرف رند بھی بر طرف خیل بھی بر طرف صبا بھی بر طرف پس اک آپ بر طرف آپ نے اپنے بزرگوں سے سنا ہو گا کہ میں نے اور میرے شفیق شیخ ناسخ نے لکھنؤ کی زبان کو دہلی کی غلامی سے آزاد کیا جو کچھ میری زبان سے نکل گیا اُس پر اہل لکھنؤ ہمیشہ ناز کرتے رہے مگر آپ کس ڈھٹائی سے فرماتے ہیں کہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ آتش نے اس شغوی کو تعفن طبع کے

طور پر کہا ہو پھر اس میں متعدد لغزشیں دیکھ کے اُس نے بجائے اپنے اسی کی طرف منسوب کر دیا۔
 کیونکہ حضرت منطقی تو آپ بڑے ہونگے۔ فرنگی محل میں نہ سہی دہلی ہی میں سہی۔ آپ کی
 یہ ثابت کرنے میں تکلف نہیں ہوتا کہ چین سے ہندوستان میں پردہ اڑ آیا۔ مگر یہ کچھ
 آپ نے میری شان میں فرمایا ہے۔ اس کے معنی بھی آپ سمجھے کہ نہیں اس کے معنی یہ ہوئے
 کہ اپنی لغزشوں کا جھکو علم ہو گیا تھا انکو دور نہ کر سکا اور مجبوراً میں نے۔ منوچی نسیم کے یہ منڈی
 یہ تو آپ نے میری بڑی قدر دانی کی اور لکھنؤ پر بڑا احسان کیا۔ ماسے میں وہ ہوں کہ جھکو
 میرے معاصرین خدائے سخن کہتے ہیں۔ میرے تیز نشتر و نکی چار دانگ ہند میں شہرت تھی
 مگر آپ نے خوب داد دی کہ مجھ سے سہو انہیں غلطیان رہ گئیں بلکہ غلطیوں اور لغزشوں کا
 علم ہونے پر بھی میں انکو دور نہ کر سکا۔ اس فہم کے اس سمجھ کے قربان۔ اور پھر
 لغزشیں جیسی ہیں وہ آپ کے مضامین سے ظاہر ہیں مثلاً گلاز نسیم کا مصرع ہو۔ ع
 بجلی سے لہر سے تھا ہم آغوش۔ آپ فرماتے ہیں کہ لہر کی جگہ لہر یعنی ہائے متحرک
 ساتھ اُردو میں غلط ہے (اُردو میں غلط ہو اور انگریزی میں جائز ہے) کیونکہ صاحب
 جسوت جھکو (اس غلطی) کا علم ہو گیا تھا تو میں اسکو یوں نہیں بدل سکتا تھا کہ ع
 تھا بجلی سے لہر سے ہم آغوش۔ یادو ر مصرع ہوا کہ ع بجا وہ ہوا کہ اکا کہ با جا۔
 آپ فرماتے ہیں کہ برہم۔ ہوا کی جگہ پر (بجا ہوا کہنا بہت ہی مبتذل بازار سی زبان ہے
 اور بازار بھی لکھنؤ نہیں کہیں اور کا) (یہ لکھنؤ نہیں) بھی کیا خوب ہمارے وقت میں تو
 یہ کہا جاتا کہ لکھنؤ کا نہیں۔ اب آپ ہی پردہ عصمت پر مانتہ رکھ کر فرمائیے کہ میں کہ
 زمین بجا ہوا (کو برہم ہوا) نہیں بنا سکتا تھا اور وہ کو نسا اعتراض ہے جسکو میں تو میں
 ایک لیاقت کا شخص بھی۔ دم زدن میں دو چار لفظ بدل دینے سے دور نہیں کر سکتا۔
 مگر آپ کو یہ لکھنے میں ذرا تکلف نہ ہوا کہ جھکو اپنی لغزشوں کا علم بھی ہوا اس پر بھی میں انکو دور نہ
 کر سکا اس حماقت کی اور تو کوئی وجہ ہو نہیں سکتی یا تو آپ یہ کیلئے کہ جھکو نسیم سے دشمنی تھی

مگر آپ ایسا کہ نہیں سکتے کیونکہ آپ قبول چکے ہیں کہ مجھ کو اس معنہ شاکر دے خالص کی تھی کہ میں نے انکو فریب دیا یا محض لغزشیں اسیلے رہے دین کہ جب لکھنؤ میں جیل کی تار کی پھیلے تو میان شران آتشی لغزشوں سے فائدہ اٹھا کر جیلنوں کی دُم کی طرح چمکین - لیکن ایسا ہونہیں سکتا صاحب اتحاد بلکہ ہندوؤں کی درپردہ جڑ کا نشانے قابل فخر بزرگون کو بڑا بھلا کہنا آپ کے وقت کے مسلمانوں کو مبارک ہو -

اگر طریقت اسلام درجہ انست ہزار خندہ کفر است بر مسلمانان ہمارے وقت میں ہندو مسلمان شیر و شکر کی طرح ایک دوسرے سے ملے جلاہتے تھے - اگر کوئی ہندو صاحب کمال ہوتا تو اہل اسلام اس کی قدر دانی کرتے تھے - اور اب بھی شرفاء لکھنؤ کا یہی دستور ہے - کم نظری اور تنگ خیالی اور ونکو مبارک رہے - یہ جملہ معترضہ تھا باز آدم بر سر مطلب پس جس حالت میں آپ اس بات پر قرآن اُٹھانے کو تیار ہیں کہ گلزارِ سیم میری تصنیف ہے تو کس پہلو سے فرماتے ہیں کہ اسکی زبان لکھنؤ کی مستند زبان نہیں ہے تو پھر کسی زبان مستند ہو سکتی ہو - آخر کس نے آپ نے یہ مضمون لکھا - جب بست بیچا ہے سے آپ کو بغض نکالنا تھا تو میں نے کیا کیا تھا آپ تو آپ مجھ سے میرے شاکر و منہ اور آپ کے بزرگون تک سے علیک سلیک حتیٰ بھراس گھبراہٹ کے کیا منے - اعمال بد کے فرشتے کہتے ہیں کہ آپ حیدر آباد سے حضرت سکینہؓ کے قصے میں بہت تعجب کے ساتھ بھاگے معلوم ہوتا ہے کہ ہوش و حواس کی بھجی وہیں چھوٹ گئی یا اسٹیشن پر رہ گئی آپ نے طب کا رزلویشن تو کانفرنس میں بڑے جوش و خروش سے پیش کیا تھا - بہتر ہے کہ تھوڑے روز تک شیر بادام چلے اور نہ یہ اسہال دماغی کی شکایت رفع نہوگی مانا کہ آپ شاعر ہیں - ناولسٹ ہیں - مولانا ہیں مگر دوا داء و کرنا عیب نہیں ہے - اگر آپکی عنایت میری ہی ذات تک محدود رہتی تب بھی چند ان ہرج نہ تھا مگر آپ نے تو غضب کیا کہ لکھنؤ کے تمام سربراہ اور وہ شعر پر

کلوخ اندازی شروع کر دی مجھ سے تو آپ اس امر سے انکار کر ہی نہیں سکتے کہ ریاض الاخبار میں جو مضمون چھپلا تھا اور جسے آخر میں کسی صاحبِ خروے کا نام لکھا ہوا تھا، وہ آپ ہی کا تھا۔ آپ لاکھ چھپائیں مگر ہم تو بیابانی کے تیکے کی صد پہچانتے ہیں آپ نے اسمین اپنی بڑی تعریف کی تھی اور دلدلدار میں بھی کھلم کھلا آپ نے اپنی تعریف کی کہ ہمارا گلزار نسیم والا مضمون لوگوں کو پسند آیا مگر میں اس کا قائل نہیں اپنے منہ میں مٹھو بنے میں کیا فرامتا ہے۔ ع
 خطوط نفس کے یاد چوزن پستان خود مالہ۔ بات تو یہ ہے کہ جب کوئی دوسرا بھی تعریف کرے
 خیر صل مطلب یہ ہے آپ نے ریاض الاخبار والے مضمون میں لکھا ہے کہ گلزار نسیم میں آتش کے
 تمام شاگردوں کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہے اور نسیم کا بہت ہی کم حصہ اسمین باقی ہے۔ یک نشہ
 دوشد۔ آپ خود ہی غور فرمائیں کہ اس سے بڑھ کر میرے شاگردوں کی اور میری کیا ذلت
 ہو سکتی ہے کہ جس مثنوی کی تصنیف میں وہ سب شریک ہوں اسمین اس قدر غلطیاں اچھلائیں
 کہ آپ ایسے خالک اڑانے پر تیار ہو جائیں اور اسی مثنوی کی نسبت یہ کہا جائے کہ غنی غلیان
 اسمین ہیں اتنی کسی اردو نظم میں نہ ملین گی۔ آخر اس کا جواب آپ کے پاس کیا ہے۔ میں تو
 یہی کہوں گا کہ آپ نے اب دلدلدار کو بھی۔ اتحاد کی پالسی پر لانا چاہا ہے۔ یعنی ظاہر میں تو آپ نے
 لکھنؤ کی زبان کی طرف دلی کی ہے لیکن باطن میں شعرا و لکھنؤ کا خالک اڑایا ہے واہ خفت
 واہ بنتے تو ہیں آپ لکھنؤ کے اور اہل لکھنؤ کی خدمت میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتے۔ اور
 کیا کہوں آپ اچھے شہسوار سخن ہیں کہ اپنی ہی فوج کو مارتے ہیں —

خواجہ حیدر علی آتش لکھنوی (حال وارہ
 فردوس برین)

اودھ پتی مطبوعہ ۳۔ اگست ۱۹۰۵ء

آتش کا خط شرر کے نام نمبر ۳

ہاں صاحب آپ کے خیالات کا گور کھ دھندا تو کسی طرح سمجھ ہی میں نہیں آتا
 کبھی آپ نسیم کی روح کو صدمہ پہنچانے اور کبھی آپ سیری اُستادی میں دلغ لگانے
 کی فکر کرتے اور کبھی سیرے تمام شاگردوں کی شہرت خاک میں ملا تے ہیں اسکی وجہ سمجھ میں
 نہیں آتی۔ سنا ہوں کہ آپ کی تصنیفات دو گدھوں کے بوجھ سے کم نہیں۔ ایسے یہ نہیں کہ
 سنا کہ آپ کو زبان پر اتنی قدرت نہیں حاصل ہے کہ اپنے خیالات صاف طور سے
 ظاہر کر سکیں۔ بیشک آپ کی انشا پردازی کا رنگ طرفہ بخون ہے کیا کون مجبوراً آپ کے
 یہ مضامین پڑھتے پڑھتے زبان خراب ہوئی جاتی ہو۔ بھلکھو ہنسی بھی آتی ہو۔ اور رقت بھی
 افسوس لکھنؤ کی یہ حالت ہو گئی کہ آپ سے انشا پرداز گلزار نسیم کی زبان برا عرصہ کرنے کی
 جرأت کریں خدا نخواستہ اور تصانیف تو آپ کے سیری نظر سے گزرتے نہیں ان مضامین
 میں آپ نے ایسی غلطیاں کیں ہیں کہ ہمارے وقت کے لکھنؤ کا طفل کتب بھی نکر تا اول تو میں
 یہ دیکھتا ہوں کہ آپ نے موقع بموقع انگریزی الفاظ بے ڈھڑک استعمال کیے ہیں۔
 اس سے آپ کا یہ مطلب ہو کہ میں انگریزی بھی جانتا ہوں مگر آپ کے اظہار
 بھیر میں زبان کا خون ہوا جانا ہے بیشک وسعت زبان کے لحاظ سے
 استعمال کرنا جائز ہے مگر ایسے الفاظ استعمال کرنا جنہ متروک الفاظ
 دانشمندی ہے۔ میرے شفیق غالب اس وقت سیرے پاس تھے
 ایک مرتبہ اپنے سہرے میں نمبر کا لفظ استعمال کیا تھا اس وقت

چکیا تھا کہ انگریزی لفظ کا استعمال کرنا کیا معنی لگا آپ کے زمانہ میں ہر شخص شربے مہار ہے
 مطلب تو صرف اس قدر ہے کہ عرب کا ناول لکھنے چاہے زبان کی لطافت مٹی میں مل جائے
 آج آپ ملاحظہ فرمائیں کہ آئے ساتھ سطور میں تین جگہ انگریزی لفظ (ایڈٹ) استعمال کیا ہو
 (دیکھو دگداز بابت پارچہ صفحہ ۱۱) تو لفظ (ایڈٹ) تو یہ (ایڈٹ) کے معنی جانتا نہیں
 سید محمود صاحب سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ (ایڈٹ) کر نیکے معنی ترتیب دینے کے
 ہیں آپ آسانی سے اس غیر مانوس اور غیر فصیح انگریزی لفظ کے استعمال سے پرہیز کر سکتے تھے
 اس طرح آپ نے دس گیارہ جگہ - مشرچک بست لکھا ہے - کیونکہ بندہ نواز یہ کس لکھنؤ کی
 اردو ہے (آپ چک بست صاحب) لکھ سکتے تھے - (جناب چک بست) لکھ سکتے تھے
 غرض کہ یہ مفہوم آپ میں طرح اردو الفاظ کی مدد سے ادا کر سکتے تھے آپ نے مفت میں
 انگریزی زبان کے آگے کا سہ گدائی نیکر اردو کی آبروریزی کی - یہ گنگا جمنی اردو لکھنے سے
 ابکا کیا مقصد ہے اگر آپ کی زبان کسی موقع پر کوتاہی کرے تو انگریزی لفظ استعمال کرنا مجبوری
 میں داخل ہے مگر اس ڈھٹائی سے انگریزی الفاظ ٹھونس دینا آپ ہی کا کام ہے - یہ تو
 وہی ہو کہ جیسے کوئی شخص غرارہ دار با کجامہ ہیٹ اور جاکٹ پہن لے - اور طرہ یہ کہ
 انگریزی الفاظ استعمال کرنے کا تو آپ کو اس قدر شوق ہے مگر انگریزی الفاظ کے مفہوم سے
 بوجہ کم علمی آپ واقف نہیں سید محمود نے جب آپکا مضمون پڑھا تو اکثر جگہ مسکرانے لگے
 کیا کہو نے پوچھا اس کے سننے کیا تو کہنے لگے کہ ہمارے مولانا انگریزی الفاظ تو بے تحکان
 تے ہیں مگر انکا مفہوم نہیں سمجھتے چنانچہ انھوں نے تنبیہ ادا و اعتراض کیے - اعتراض
 ایک مقام پر (مشرچک بست صاحب تحریر فرمایا ہے) (دگداز ماہ اپریل
 بندہ اسی کا نام ہو سید محمود فرماتے ہیں کہ ہر انگریزی خوان طفل مکتب
 عد صاحب یا (اسکوائر) کا لفظ نہیں استعمال کیا جاتا یا آپ کو
 ک بست) مشرچک بست صاحب کو کوئی سنی بھی نہیں پھرتا

دخل در مقولات اسید کا نام ہو یہ جان صاحب کا شعر نہیں ہو کہ آپ (صل) کو بگاڑ کر یہ (صل) بنا دیجیے۔ یہ غیر زبان ہوا اسکا جواب دیجیے ورنہ آج سے اُردو لکھنا چھوڑ دیجیے اور اگر یہ نہ کیجیے تو کم سے کم انگریزی الفاظ کے استعمال سے تو کنارہ کشی کیجیے۔

اعترض نمبر ۲) آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ (عام پبلک پر ظاہر کر دیا جائے) یہ عام پبلک بالکل غلط ہے۔ پبلک کے معنی خود عوام الناس کے ہون پھر عام پبلک (کنا) بالکل محل و بے سنی ہے۔

خیر یہ توسید محمود کے اعتراض تھے انکی عذر خواہی تو آپ اسطرح کر سکتے ہیں کہ بغیر کسی زبردستی وان کے دکھائے ہوئے مضامین شائع کر دیے گئے مگر آپ نے اُردو کی غلطیاں ایسی کی ہیں کہ معاذ اللہ قدم قدم پر ٹھوکرین کھائی ہیں مجھکو تو آپ کے یہ دو مضمون پڑھتے ہوئے ابھن پیدا ہونے لگی میرا مقصد آپ پر اعتراض کرنا نہیں ہو میں صرف آپ ہی کے بھلے کے لئے آپکی لغزشیں پیش کیئے دیتا ہوں کہ آئندہ ایسی غلطی نہ کیجئے گا آگے آپکو اختیار ہے فہمائش نمبر (۱۱) آپ تحریر فرماتے ہیں کہ قابل غور اس صفحہ کا وہ دیا جا رہا ہے۔ جو شائع کرنے والے کی لیاقت و قابلیت کو ظاہر کرتا ہے (بندہ نواز قابلیت و لیاقت) کے بعد کو محض آپکی عدم قابلیت ظاہر کرتا ہے فصاحت زبان کے لحاظ سے تو یہ فقرہ یوں ہونا چاہیئے تھا کہ جس سے لکھنے والے کی قابلیت اور لیاقت کا اظہار ہوتا ہے) لیکن اگر آپکی کی بندش الفاظ قائم رکھی جائے تب بھی (کو) آپ کے تخلص کی طرح بالکل حشو معلوم ہوتا ہے بس اسقدر کافی تھا کہ قابل غور وہ دیا جا رہا ہے جو شائع کرنے والے کی لیاقت و قابلیت ظاہر کرتا ہو یہ (کو) کا اور (کی) بھرتی کے لئے استعمال کرنا خاص ایسے دیہات کے

۱۵ اور دھبہ خراب صاحب آپ سے بیشتر اس دنیا کے لوگ اس بے لگاہت پر اعتراض کر چکے ہیں۔ کشمیری درہن مین ڈاکٹر بیچ بہادر سہرو نے بھی یہی اعتراض کیلئے۔ حالانکہ ابھی تک اسکا جواب نہ خود حضرت شرن نے لکھا نہ کسی عاجز دے کے نام سے لکھا یا ہے۔

زبان دانوں کا حصہ ہے۔

فہمائش نمبر (۲) آپ لکھتے ہیں تعجب کی بات نہیں اگر آتش اس لبتگی کی بنیاد جو انھیں
نوعمر شاگرد سے تھی اُسی کی تحریک سے یا اُسکی مشق اولین دیکھ کے اس مثنوی کو تفنن طبع کے
طور پر کہا ہو۔ پھر اس میں متعدد لغزشیں دیکھ کے اسے بجائے اپنے اسی کی طرف منسوب کر دیا
یون تو ماشاء اللہ یہ تمام فقرہ اسلوب بیان کے لحاظ سے نور کے سابقے میں ڈھلا ہوا معلوم
ہوتا ہو۔ مگر آخری فقرہ میں یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ (اسے) اور (اُسی) کی ضمیریں کس طرف
بھرتی ہیں۔ خدا جانے آپ کا یہ مطلب ہے کہ مثنوی کو بجائے اپنے (نسیم) کی طرف منسوب
کر دیا یا نسیم کو بجائے اپنے مثنوی کی طرف منسوب کر دیا کیون صاحب اسی کا نام زبان دانی ہے
معمولی خیال بھی آپ بشر میں بھی طرح نہیں ادا کر سکتے دیکھئے اگر کوئی لکھو والا یہ مطلب ادا کرنا
چاہتا تو وہ اسطرح لکھتا کہ چونکہ آتش کو نسیم سے خاص لبتگی تھی لہذا تعجب نہیں کہ انھوں نے
اس نوعمر شاگرد کی تحریک سے یا اُسکی مشق اولین دیکھ کر یہ مثنوی تفنن طبع کے طور پر کہی ہو
لیکن اپنی اس تصنیف میں متعدد لغزشیں دیکھ کر اسے بجائے اپنے نسیم کی طرف منسوب
کر دیا ہو) (سمجھ مولانا۔

فہمائش نمبر (۳) آپ فرماتے ہیں (جن دنوں) یہ مثنوی کہی گئی اُن دنوں
شاعری کا یہ رنگ تھا الم (یہ محض جن دنوں) یہ کہا کی زبان ہو۔ اگر فصاحت کا
خیال ہے تو یہ لکھئے کہ جس زمانے میں یہ مثنوی کہی گئی الم اور اگر یہ منظور ہے کہ آپ کا
طرز تحریر کسی قدر دیباچی زبان دانی کا پہلو مارتا ہے تو یہ کیئے کہ (جن دنوں میں یہ مثنوی
کہی گئی) محض جن دنوں تو نہ صرف ونحو کے قاعدے سے ٹھیک ہے نہ لغت کی رو سے
جائز ہے نہ روزمرے محاورے کے لحاظ سے غالباً آپ نے (میں) اس لیے زبان سے
نہ نکالا کہ کوئی بکری نہ کہے مگر یہ بھی بزدلی ہے لہذا ان رو باہ بازیوں سے باز آئیے۔

فہمائش نمبر (۴) آپ لکھتے ہیں کہ موازنے سے پیشتر ضرورت تھی کہ گلزار نسیم پر

ایک معقول ریو یو کیا جائے) حضرت یہ جملہ یوں ہونا چاہیے۔ موانے سے پیشتر یہ ضرورت تھی کہ الم معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام سے آپ یہ (اٹھا کر (حل) کے پہلے بقول نسیم پیش خمیہ لے آئے شاباش کیا ہونا ہوا۔

فہمائش نمبر (۵) اس کے بعد آپ تحریر فرماتے ہیں (ہر قسم کی خوبیاں ہمیں سنے نکال کے دکھائی جائیں) کیوں صاحب یہ (نکال کے) کا یہاں کیا لگ ہے۔ شغوی گلزار نسیم بھی کوئی ناٹھی ہو اور اسکی خوبیاں ارویائیں ہیں کہ آپ کے سامنے نکال کے) پیش کی جائیں سلامتی سے اختصار بھی آپ کے نراج میں بہت ہے کہ ضروری الفاظ چھوڑ جاتے ہیں اور طوالت سے بھی مقدار عشق ہے کہ موقع موقع کل طویل ہوتے جاتے ہیں اگر آپ صرف اس قدر تحریر فرماتے کہ ہر قسم کی خوبیاں ہمیں دکھائی جائیں تو کیا قباح تھی۔

فہمائش نمبر (۶) پھر آپ قطر ازاں ہوتے ہیں (کہ اس کام کو مشرچک بست نے کیا ہی اگر بہت ہی ناقص الم (چرواہی) (کو) (آپکا) عبارت میں خواہ مخواہ دھنسا پڑا ہے۔ لکھنؤ والے یوں لکھتے۔ یہ کام مشرچک بست نے کیا الم)۔

فہمائش نمبر (۷) ایک اور جملہ ملاحظہ ہو (سچ یہ ہے کہ امانت نے تناسب الفاظ کی فکر میں اپنے تئیں بدنام تو بہت کیا مگر اس صفت کے پیچھے پڑ کے ٹھوکرین بہت کھائیں تو کامیاب بھی سب سے زیادہ وہی ہوئے ہیں) آپ ہی ایمان سے فرمائیے کہ اس جملہ میں (تو) (مگر) اور (ہیں) کا استعمال کس قدر بے موقع ہوا ہے۔ دیکھیے اس جملے کو اہل زبان یوں ترتیب دیتے ہیں (یہ سچ ہے کہ امانت نے تناسب لفظی کی فکر میں اپنے تئیں بدنام بہت کیا اور اس صفت کے پیچھے پڑ کے ٹھوکرین بہت کھائیں مگر کامیاب بھی سب سے زیادہ وہی ہوئے) حضرت آپ مضمون لکھتے ہیں تو کسی شہر والے کو دکھا لبا کیجئے ورنہ ایسے اُلجھے ہوئے فقرے لکھنے سے فائدہ۔ افسوس ہے کہ اگر آپ مشورہ بھی لیتے ہیں تو اُجداد دیا تیوں سے اور یہ نہیں جانتے۔ ع او خوشن گم است کہ ابرہری کند۔

فہمائش نمبر (۸) آپ لکھتے ہیں کہ (افسوس بات کا ہو کہ اسکے دوسرے رخ یعنی شہنوی گلزار نسیم کے عیوب کی طرف سے جیشم پوشی کی ہو) یہ پڑھ کر کتب جانتا ہے کہ پہلے (اسم) لایا جاتا ہے اسکے بعد اسکی ضمیر مگر آپ نے اس قاعدہ کو بالکل تہ وبالا کر دیا ہے۔ واہ مولانا وا۔ بہ جہ یون ہونا چاہیئے (افسوس بات کا ہے کہ گلزار نسیم کے دوسرے رخ یعنی اسکے عیوب کی طرف سے آئے)

فہمائش نمبر (۹) آپ پھر تو سن خامہ کو یون جولا نگاہ سخن میں لاتے ہیں کہ حبقدر یہ شہنوی ایک عمدہ ریویو کی محتاج ہو اور دو کی اور کوئی نظم نہیں (کیون صاحب اس حصے میں (ایک) کی کیا ضرورت تھی۔ کیا اور شہنویان (دو عمدہ ریویو کی محتاج ہیں اور یہ شہنوی ایک عمدہ ریویو کی محتاج ہے معلوم ہوتا ہے علم ریاضی میں بھی آپ کو کچھ دخل ہے (جیہی) (ایک) (اور دو) آپ کو یاد آجاتے ہیں مگر یاد رکھیے گا کہ جہاننگ زبانی نقل ہو چکی ایک نہ چلے گی۔

فہمائش نمبر (۱۰) آگے چل کر آپ نے اپنے ہند کی قلم کو یون اڑایا ہے کہ (اپنی قوم و گروہ میں ہیر و پیدا کرنے کی ایسی ہوس ہوتی ہو کہ انصاف کو بالکل ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتے ہیں) یہاں پر حسب معمول دکی صاحب خواہ غواہ ڈٹے بیٹھے ہیں۔

فہمائش نمبر (۱۱) پھر آپ یون کلفشانی کرتے ہیں کہ اُس سلسلے کو ہم نے ابھی ختم نہیں کیا ہے، ہندہ پروہا گر پھر اس فقرے کو کھٹے گا تو اس طرح کھٹے گا۔ یہ سلسلہ ہم نے ابھی ختم نہیں کیا ہے۔
فہمائش نمبر (۱۲) پھر آپ کسٹ شائی سے فرماتے ہیں کہ ہم گلزار نسیم کے حاسن کو نہیں بتا سکتے مگر آپ موقع بہ موقع (کو) ضرور لائینگے۔ حضرت یون کہنے میں کیا ہرج ہے (کہ ہم گلزار نسیم کے حاسن نہیں بتائیں گے۔

فہمائش نمبر (۱۳) اسی طرح آپ تحریر فرماتے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ مٹر چک بست ان عیوب کے مٹانے کی کوشش کرتے

خواجہ حیدر علی آتش لکھنوی (حال وارد فرورس برین)

۱۱ دھپچ مطبوعہ ۱۱۔ اگست ۱۹۰۵ء

آتش کا خط شر کے نام نمبر

فمائش نمبر (۱۴) آپ فرماتے ہیں کہ (انکے) یعنی محاسن کے) حیطہ تحریر میں لانیکے لئے ضرور ہے کہ ایک ضخیم کتاب لکھی جائے) میں پوچھتا ہوں کہ ضرور ہے) اس فقرے میں کس پہلو سے صحیح ہے۔ یا تو آپ یہ لکھتے کہ انکے حیطہ تحریر میں لانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک الم) یا یہ لکھتے کہ انکے حیطہ تحریر میں لانے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ الم) یہ آپ کس وقت کی اور کمانکی زبان لکھ رہے ہیں۔ اگر آپ کے نزدیک لکھنؤ کی ہی زبان ہو تو واقعی نگار نسیم کی زبان لکھنؤ کی زبان نہیں۔

فمائش نمبر (۱۵) باج کے دگلدار میں جو مضمون نگار نسیم میں آپ نے خاک اڑائی کی تھی اسکی کیفیت تو آپ دیکھ چکے کہ باج صفوں میں شرہ غلطیاں ہیں۔ اب اپریل کے دگلدار میں جو کچھ آپ نے گفتاشانی کی ہے اسکی حالت دیکھو آپ فرماتے ہیں کہ (اس بحث (کو) مکر رہیٹر دیا ہے) میں دیکھتا ہوں کہ (کو) سے بے طرح آپ کو افس ہے۔ کیونکہ نو وطن کی ہر ایک چیز غریب ہوتی ہے اس میں چاہے زبان ہو یا طر زبان۔ لیکن اگر قلمی لکھنوی بے کا حقوق ہے تو اس خلقی زبان کو ترک کیجئے اور (کو) کو سلام کیجئے۔ اور جس فقرے کا میں نے اشارہ کیا وہ اگر بھر لکھے گا تو اس طرح لکھے گا کہ وہ بحث مکر رہیٹر دی ہے

فمائش نمبر (۱۶) آپ لکھتے ہیں کہ ان اعتراضوں کے اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیئے اور نسیم نے سچ کہا ہے ع جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔

آپ لاکھ لکھنؤ کی زبان کے سر پرست بننے کی کوشش کریں اور اپنے تئیں لکھنوتی مائن لیکن جہاں آپ بولے کہ تمام حقیقت حال آئینہ ہو گئی۔ اس فقرے میں (کوشش کرنی چاہیئے)

سے صاف دہات کی زبان کی بڑاتی ہو۔ اگر آپ کے زمانے کا کوئی لکھنؤ والا یہی مطلب ادا کرنا چاہتا تو وہ یوں لکھتا کہ (کوشش کرنا چاہیئے) ہماری وقت میں اکثر (کوشش کرنی) بھی زبان سے نکل جاتا تھا لیکن منشی امیر احمد صاحب نیائی سے معلوم ہوا کہ اب یہ محاورہ تمام فصحاء لکھنؤ نے ترک کر دیا ہے اب جو کسے گا وہ یہی کہے گا کہ (کوشش کرنا چاہیئے) منشی امیر احمد یہ بھی فرماتے ہیں کہ کوئی صاحب جنکا نام میان جلال ہو اس وقت اساتذہ لکھنؤ میں شمار کیئے جاتے ہیں انکے زیر اہتمام ایک رسالہ (دستور لفظی) کے نام سے شائع ہوا ہے جسکے گیارہویں صفحے میں صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ (در حالیکہ مفعول کسی فعل کا مؤنث ہو تو اس حالت میں جو بعضی علامت مصدری یعنی نا کے الف کو ایسے معروف سے بدل کر بولتے ہیں جیسے بات کرنی چاہیے۔ جان دینی دشوار ہو گئی۔ راہ چلنی آسان نہیں نیند آنی مشکل ہے۔ یہ محاورہ خاص فصحاء دہلی یا متقدمین لکھنؤ کا ہے۔ فصحاء متاخرین لکھنؤ اس طرح نہیں بولتے۔ مفعول خواہ مؤنث ہو خواہ مذکر کسی حال میں یہ علامت مصدری کو تغیر نہیں دیتے یعنی بات کرنا جان دینا راہ چلنا۔ نیند آنا ہی بولین گے۔ بات کرنی جان دینی۔ راہ چلنی۔ نیند آنی۔ نہ کہیں گے، بندہ پرور ملاحظہ کیا آپ نے کہ فصحاء لکھنؤ کی زبان کا رنگ کیا ہے۔ اگر آپ کو شرفنا لکھنؤ کی صحبت کا موقع نہیں ملتا تو اس قسم کے رسالے ہی پڑھ لیا کیجئے جو مبتدیوں کے لئے اصلاح زبان کی غرض سے شائع کیئے جاتے ہیں۔ مانا کہ آپ کی (عمر عزیز) بہت گزر گئی ہو۔ اس وقت قدیمی اور خلقی طرز بیان کا ترک کرنا دشوار ہے لیکن آپ کو کوشش کرنا چاہیئے۔

خاموش نمبر (۱۷۱) آپ تحریر فرماتے ہیں۔ دہلی والے گلزار نسیم پر اعتراض کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اعتراض عام اہل لکھنؤ اور لکھنؤ کی مستند زبان پر ہے۔ اس لئے ضرورت بھی ہے کہ عام سبک پر ظاہر کر دیا جائے کہ گلزار نسیم میں اہل لکھنؤ کے نزدیک صد غلطیاں

ہیں) خیر یہ تو سب صحیح مگر یہ فرمائیے کہ (ضرورت) کے بعد بھی) کی کیا ضرورت ہے یہ قدر لکھنا کافی تھا کہ (اس لئے ضرورت ہے کہ اہل) مین لکھنا ہوں کہ آپ نثر میں تو اس قدر بھرتی کے الفاظ رکھ دیتے ہیں خدا نخواستہ جب پاس تخلص سے کبھی نظم کہنے کا اتفاق ہوتا ہو گا تو قیامت ہی کرتے ہو گئے۔ یہ تو زبان کے متعلق فہمائش تھی۔ میرا ایک سوال آپ سے اور ہے۔ وہ یہ کہ اگر آپ کا دعویٰ صحیح ہو تو مین آپ کو خدا و رسول کا واسطہ دیکر لکھتا ہوں کہ مہربانی کر کے آپ یہ تحریر فرمائیے کہ کس لکھنؤ والے نے یہ لکھا ہے کہ گلزار نسیم مین صد زبان کی غلطیاں ہیں اور کس نے اُس نے گلزار نسیم پر اعتراض کیا ہے یوں تو دلی والوں نے انٹر لکھنؤ کی زبان پر اعتراض کیا ہے۔ مگر اُس نے دلی والے کا نام بتائیے جس نے گلزار نسیم پر اعتراض کیے ہوں اور وہ ایسے اعتراض ہوں جو سوائے گلزار نسیم کے کسی اور لکھنؤ کے شاعر کے کلام پر عائد نہ ہوتے ہوں مثلاً میر احمد مینائی فرماتے ہیں کہ شیخ ابراہیم ذوق کے قابل فخر شاگرد محمد حسین آزاد نے اپنی مشہور روزگار کتاب ابحیات مین گلزار نسیم کی تعریف کی ہے۔ اب آپ اُس نے دلی والے کا نام بتائیے جس نے اعتراض کیے ہیں۔ خیر کجا بود مرکب کجا ختم۔ اب اصل مطلب سنئے۔

فہمائش نمبر (۱۸) آپ فرماتے ہیں کہ میرا مقصد اعتراض کرنا نہیں ہے بلکہ صرف دو مقصد ہیں) حضت جو مطلب آپ ادا کرنا چاہتے ہیں وہ اس فقرے سے نہیں ادا ہوتا آپ کو یہ لکھنا تھا (میرا مقصد حضت اعتراض کرنا نہیں ہے اہل) نسیم تو زبان پر حکومت نہیں رکھتے مگر آپ ماشاء اللہ (آپ کی) (حکومت) خوب بڑھی ہوئی ہے کہ نثر میں اپنا مطلب نہیں ادا کر سکتے۔

فہمائش نمبر (۱۹) آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اب مین شہسوی کے اشعار نقل کر کے لوگوں کے شبہات و اعتراضات پیش کیے دیتا ہوں) یہ آپ نے نہ تحریر فرمایا کہ

(لوگون) سے آپ کی کیا مراد ہے۔ باہر کے لوگون سے مراد ہے یا کسی اور قسم کے (لوگونسی) فہمائش نمبر (۲۰) آپ (پان کے بیڑے) والے اعتراض کے بارے میں فرماتے ہیں کہ (مشرچک بست نے آتش کی جو اصلاح نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُستاد نے یہ دونوں غلطیاں نکال دی تھیں مگر نسیم نے..... اپنا ناقص مصرع قائم رکھا) سیاق کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ یہ مطلب ادا کرنا چاہتے ہیں کہ اُستاد نے یہ دونوں غلطیاں دور کر دی تھیں لہذا انکو یہ لکھنا چاہئے تھا کہ اُستاد نے دونوں غلطیاں نکال لی تھیں، مگر انکو اپنا خلقی طرز سخن یا وہ آگیا اسکا کیا علاج ہو (غلطی نکالنے) کے معنی تو اعتراض کرنے کے ہیں۔ غلطی نکال دینا۔ بیشک غلطی دور کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ میں نسیم پر اعتراض نہیں کر رہا تھا بلکہ انکی غلطیاں دور کر رہا تھا۔ اس سلسلہ میں پھر آپ سے پوچھوں گا کہ جب میں نے (خود قرض طبع) کے طور پر مشغولی کسی تھی تو پھر نسیم کیونکر اسے اصلاح کے لئے میرے پاس لائے۔

فہمائش نمبر (۲۱) آگے چل کے آپ لکھتے ہیں کہ خیر انکی (نسیم کی) خوشی مگر خرابی یہ کہ ذمہ دار لکھنؤ قرار دیا جاتا ہے۔ کیون صاحب یہ محض (خبرابی یہ) کے کیا معنی ہیں۔ یہ کہاں کی زبان ہے انکو لکھنا تھا (مگر خبرابی یہ ہے کہ اطمینان) فہمائش نمبر (۲۲) ایک اعتراض سے متعلق آپ تحریر فرماتے ہیں کہ۔ قطع نظر اسے پہلا مصرع بہت بھونڈا ہو (لکھ) کی جگہ (لکھڑ) یعنی ہمارے متحرک کے ساتھ موزون کر دیا گیا ہے)

اب آپ ہی انصاف سے فرمائیے کہ یہ پورا جملہ کس قدر بھونڈا ہے اور کتنے لفظ میں بے موقع اور بے محل استعمال ہوئے ہیں جس صورت پر اس جملے کے الفاظ ترتیب دیے گئے ہیں اس کے مطابق بین لفظ (یعنی بالکل بے معنی نظر آتا ہے)۔ اور بے متحرک کے ساتھ

بھی بالکل بے محل استعمال ہوا ہے۔ دیکھئے اہل زبان اس خیال کو یوں ادا کریں گے قطع نظر اسکے کہ پیدلا مصرع بہت بھونڈا ہے (لمر کی جگہ کہہ موزون کر دیا گیا ہے یعنی لمر) میں حرف ہا کو متحرک بنا دیا ہے)

فہمائش نمبر (۲۳) اب ایک اور جگہ ملاحظہ ہو آپ فرماتے ہیں کہ رعایت لفظی کے الزام کو دور کرنے کے بعد بھی مضر جب بست نے تسلیم کر لیا ہے، اس قع پر بھی آپ اپنا مطلب ظاہر نہ کر سکے جو الزام دور کر دیا گیا وہ کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے آپ کہنا یہ چاہتے تھے کہ مضر جب بست نے رعایت لفظی کا الزام دور بھی کرنا چاہا ہے لیکن ایک حد تک تسلیم بھی کر لیا ہے

فہمائش نمبر (۲۴) پھر آپ فرماتے ہیں کہ اس رعایت کے شوق نے نسیم لکھنوی کے کلام میں بہت سے بد ناعیوب ہی نہیں پیدا کیے بلکہ بعض موقع پر انھیں ابتذال اور فحش گوئی پر بھی آمادہ کر دیا، بندہ نوازیہ لکھنوی اُردو میں ہے اسے پُرانے لوگ گدا میر اُردو کہتے تھے۔ لکھنؤ والا یہ مطلب ادا کرے گا تو یوں کہے گا کہ اس رعایت کے شوق کی وجہ سے نسیم لکھنوی کے کلام میں بہت سے بد ناعیوب ہی نہیں پیدا ہو گئے ہیں بلکہ بعض موقع پر ابتذال اور فحش گوئی کی بھی نوبت آگئی ہے۔

فہمائش نمبر (۲۵) ایک موقع پر چنہ عترت شائش کرنے کے قبل آپ فرماتے ہیں۔ رعایت نے کیا کیا خرابیاں پیدا کی ہیں۔ یہ محض لفظ (رعایت) آپ نے کس رعایت سے استعمال کیا ہے۔ آپ کا مطلب تو یہ ہے کہ رعایت لفظی کے شوق نے کیا کیا خرابیاں پیدا کی ہیں۔ واللہ آپ کا یہ اختصار قیامت کر تلے۔ اپنے نزدیک آپ گلزار نسیم کا جواب نہیں لکھ رہے تھے۔

خواجہ سعید علی آتش لکھنوی (حال مارو فردوس برین)

(ادارہ پنج مطبوعہ ۲۴ - اگست ۱۹۰۵ء جلد ۲۹)

آتش کا خط شر کے نام نمبر (۵)

(دگلدا ماہ اپریل ۱۹۰۵ء - گلزار نسیم)

فمائش نمبر (۲۶) آپ فرماتے ہیں (شاعر نے کسی مضمون کے ادا کرنا کی کوشش کی ہے۔ مگر ضروری الفاظ کے چھوڑ دینے سے مطلب خبط ہو گیا ہے (کیون صاحب الفاظ کے بعد کے کیا معنی رکھتا ہے۔ آپ یہ کہہ سکتے تھے۔ ضروری الفاظ چھوڑ دینے سے مطلب خبط ہو گیا ہے (غالباً یہ) (کے) بھی کو) کا بھائی ہے جیسی ایکو اس سے اس قدر اُنس ہے۔

فمائش نمبر (۲۷) آپ فرماتے ہیں کہ جب تک کسی خاص نگین کو دکھاکے یہ نہ کہا جائے اتم اہل زبان یہ مطلب اس طرح ادا کرینگے جب تک کوئی خاص نگین دکھاکے یہ نہ کہا جائے۔

فمائش نمبر (۲۸) آپ لکھتے ہیں کہ اس میں بری کی جگہ (پر بیان) چاہیئے جو نہایت ہی ذیل قسم کی غلطی معلوم ہوتی ہے (کیون مولانا یہ جو) کی ضمیر کس رخ پھرتی ہے اس جملہ کی ترتیب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ (جو) کی ضمیر اس پورے فقرے کی طرف پھرتی کہ اس میں بری کی جگہ پر بیان چاہیئے) مگر اس سے آپ کا مطلب خبط ہوا جاتا ہے۔ یعنی اس سے یہ

معنی پیدا ہوتے ہیں کہ آپ کا یہ تحریر فرمانا کہ (بری کی جگہ پر بیان چاہیئے) نہایت ہی ذیل قسم کی غلطی ہے۔ گو یہ بہت درست ہے کہ آپ کا ایا لکھنا نہایت ذیل قسم کی غلطی ہے

مگر آپ کا مطلوب تو کچھ اور ہے۔ سنئے اگر پھر بھی ایسا جملہ لکھنے کا اتفاق ہو تو یوں لکھئے گا

اس میں بری کی جگہ پر بیان چاہیئے (محض بری) لکھنا نہایت ذیل قسم کی غلطی ہے۔ فمائش نمبر (۲۹) آپ برہم ہو کر فرماتے ہیں کہ (برہم ہو کی جگہ پر) (نیجا)

مواکنا میرے خیال میں بت بٹ بدل بازی زبان ہو اور بازار بھی لکھنؤ نہیں
 کہیں اور کا۔ اس آخری فقرے کا اختصار غضب کا ہے خیر بیان بھی مختصر یہ کہا
 جاتا ہے کہ اس فقرے کو یوں لکھنا چاہیے تھا کہ (بازار بھی لکھنؤ کا نہیں کہیں اور کا
 فہمائش نمبر (۳۰) آپ کوکل کر فرماتے ہیں مگر (دست پانا) قابو پانا کی جگہ
 ہرگز نہیں جائز ہے۔ سٹر محمد لکھتے ہیں کہ اس مصرع کی زبان صاحب لوگوں کے برا
 اور خانساں کی زبان ہے بندہ پرور اگر سید لکھنؤی بنے گا خیال ہے تو اس جملہ کو
 یوں لکھنا چاہیے۔ مگر دست پانا) قابو پانے کی جگہ ہرگز جائز نہیں ہے۔
 فہمائش نمبر (۳۱) آپ کے دماغ کے کوہ آتش فشان سے ایک مقام پر یہ مادہ
 خارج ہوا ہے کہ اردو میں صرف مادی مشینوں کی نسبت کل کا لفظ مستعمل ہے
 (یہ مادی مشین کیا بلا ہے۔ سٹر محمد سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ (مشین) کا لفظ
 انگریزی زبان میں (کل) کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے آپ نے (مشین) کے قبل
 مادہ کس لیے جمع کر دیا ہے۔ کیا آپ نے روحانی مشین بھی دیکھی ہے بندہ نواز اگر
 اس موقع پر صرف (مشین) کہتے تو زبان کا کونسا پڑا لگتا جاتا تھا آپ کو انگریزی
 الفاظ کے ترجمے سے بہت افس ہے مگر اس موقع پر تو وہ یہ عیب انشا پر داری
 بھی آپ کی پردہ پوشی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ انگریزی میں بقول سید محمد کے کوئی انگریزی ہے
 مگر بیٹھوڑی۔

(میٹر بل مشین) نہ کیئے گا۔ یہ آخر آپ نے کونسا کارخانہ کھولا ہے جس میں ایسی مشین
 اور ترکیبیں ڈھل کر نکلتی ہیں غالباً لگداز پریس کی طرح یہ بھی انسانی لگا ہون سے
 یہاں ہے۔

فہمائش نمبر (۳۲) آپ ایک مقام پر نہایت وحشت کے ترجمے فرماتے ہیں
 تفنگ کے چلنے سے انسان کی چال کو کیا علاقہ مگر صرف اس وجہ سے کہ بندہ تو بھی

چلا کرتی ہے اسے سوزون کر دیا (مین پوچھتا ہوں کہ یہ (اُسی) کی ضمیر کس لفظ کی طرف پھرتی ہے۔ انفلک کی ترتیب سے تو ظاہر ہے کہ (اُسے) بندوق کے لئے استعمال کیا گیا ہے لیکن یہ آپ کا مطلب نہیں ہے بندہ نواز ایسی نحو و صرف کی جاہلانہ غلطیاں کرنا شان مولویت کے خلاف ہے) دیکھئے اس آخری جملے کو یوں لکھنا چاہیئے تھا مگر صرف اسوجہ سے کہ بندوق بھی چلا کرتی ہے ایسا سوزون کر دیا گیا)

خمائش نمبر (۳۳) ایک مقام پر آپ کے شیشہ فکر سے یوں شراب سخن ٹپکتی ہے کہ اس کے معنی شاید یوں کہے جائیں کہ محل کے بنتے ہی جام شراب کا دور چلنے لگا۔ یہ جام شراب کا دور چلنا خاص دیہات کی فصاحت ہے اگر اہل لکھنؤ اس خیال کو ادا کریں گے تو یا یہ کہیں گے کہ (محل کے بنتے ہی جام چلنے لگا) یا یہ کہیں گے کہ شراب کا دور چلنے لگا آپ کو شاید یہ شعر یاد نہیں۔

ساتیا یان لگ رہا ہے چل چلاؤ جب تک بس چل سکے ساغر چلے
آپ کے نزدیک یہ کہنا چاہئے تھا۔ دور ساغر شراب چلے۔

خمائش نمبر (۳۴) آپ کے شعر و گریہ سے بہت بھڑکتے ہیں مگر آپ کے ذیل کے فقرے میں دونوں ساتھ ساتھ ببلارہے ہیں) آپ فرماتے ہیں) اگر دخت رز کا آنا محمود کا آنا نہیں تھا تو پھر حلالہ اس سے کیوں ملی۔ کیونکہ وہ تو کشتی میں ہے اور ابھی نہیں اُکی ہے) اول تو تمام جملہ اوٹ کے کو مان کی طرح کا واک واقع ہوا ہے اسپر شرگر بہ سے نجات پانا منظور ہے۔ تو اس جملے کو اس طرح لکھئے اگر دخت رز کا آنا محمود کا آنا نہیں تھا تو پھر حلالہ اس سے کیوں ملی کیونکہ وہ تو کشتی میں بھتی اور اس وقت تک نہیں اُکی تھی) خمائش نمبر (۳۵) (اب اس سے بڑھ کر شرمناک) غلطی لائحہ ہو آپ تحریر فرماتے ہیں کہ شرکادلی تو چونکہ ادھی پتھر کی ہو گئی تھی اسلئے گر ان ہوئی الم) کیوں صاحب یہ (تو چونکہ) کس جانور کا نام ہے۔ یہ تو شرگر بہ بھی نہیں ہے یا (محض تو) لکھئے یا صرف

(چونکہ) لکھے۔ یہ دونوں کا اجماع کیا معنی رکھتا ہے۔ یہ تو وہی ہے کہ جیسے
(چون چونکہ) لکھے (دیکھے) اہل زبان اس جملے کو اگر لکھیں گے تو یا اس طرح
لکھیں گے کہ خیر کا ولی تو آدمی پتھر کی ہو گئی تھی الم یا اس طرح کہ (خیر کا ولی چونکہ وہی
پتھر کی ہو گئی تھی الم)۔

فہمائش نمبر (۳۶) شترگر بہ بر اعتراض کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ (افسوس معلوم
ہوتا ہے کہ اس نقصان نے کیسے اچھے شعر کو مٹا دیا۔

علاوہ اسکے کہ اس جملے کے آخری فقرے میں حسب معمول آپ کے قدیم عنایت فرما
(حضرت کو) تشریف رکھتے ہیں اس موقع پر (نقصان) کا استعمال میری سمجھ میں
نہ آیا۔ آپ کا مطلب تو یہ ہے کہ اس نقص (نے) کیسے اچھے شعر کو مٹا دیا اور لکھتے
ہیں آپ (نقصان) کیا یہ آپ نے نقص کی جمع بنائی ہے یا کوئی نیا معاورہ
ابجاد کیا ہے آخر آپ کو بے موقع لفظ نقصان استعمال کرنے سے کیا فائدہ
ہوا اگر یہی حال ہے تو دعویٰ زبان دانی (بے سود ہے) دیکھے اہل زبان
یہ مطلب اس طرح ادا کریں گے (افسوس معلوم ہوتا ہے کہ اس نقص نے کیسا اچھا
شعر مٹا دیا)

خواجہ حیدر علی آتش (حال دار)

فردوس برین

(اودھ پنج مطبوعہ ۳۱۔ اگست ۱۹۰۵ء جلد ۲۹)

آتش کا خطر شر کے نام نمبر (۷)

فمائش نمبر (۷۳۳) آپ فرماتے ہیں کہ (صاف ظاہر ہے کہ یہ پیغام کی جگہ اصل میں (انعام) کا لفظ ہو گا) افسوس کہ اچھوتی کے الفاظ استعمال کرنے سے سیری ہی نہیں ہوتی۔ آپ یہ کہہ سکتے تھے کہ صاف ظاہر ہے کہ (پیغام) کی جگہ (انعام ہو گا) یہ کا (لفظ) کی کیا ضرورت تھی اگر آپ (انعام) کو لفظ نہ بتا دیتے تو کیا کوئی اسے جملہ خیال کر سکتا۔ یہ طوالت پسندی کی وجہ ہے کہ اچھوتی انیسیم کا اختصار کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔

فمائش نمبر (۳۸۸) ایک شعر کی نسبت آپ فرماتے ہیں کہ شہین۔ میں سمجھتا ہوں دوستہ (کی جگہ) دوستہ ہو گا یہ میں میں بھی کیا خوب ہے۔ جب کسی بزرگ شخص کی گردن پر چھری پھیری جاتی ہے تو وہ ایسی ہی آواز نکالتا ہے۔ میری شفیق ذوق کا مصرع ہے ع تو کہے میں۔ میں کہوں میں کی چھری گردن پر۔

غالباً آپ نے اسی مصرع کا نتیجہ کیا ہے۔ دیکھئے اک ذرا اسی اصلاح میں آپ کا یہ جملہ درست ہو جاتا ہے۔ یوں تحریر کر سکتے تھے کہ میں سمجھتا ہوں کہ شہین دوستہ کی جگہ دوستہ ہو گا جائے استاد خالی است)

فمائش نمبر (۳۹۹) آپ مادی لہجہ میں فرماتے ہیں کہ اس انڈیشن میں جہاں اصلاح شائع کیا گیا ہے ایسی فروگزاشتیں ہرگز قابل معافی نہیں۔ مگر خرابی تو یہ ہے کہ اصلاح درکنار (اس انڈیشن میں جہاں کہیں تصحیف کیا گیا ہے اور کسی قسم کی تصحیح و اصلاح

کی کوشش کی گئی ہے وہاں بجائے بنانے کے شعر غارت کر دیا گیا ہے)۔
 خیاں جالی آپ خود ہی انصاف کیجئے کہ اس جملہ کی ترکیب کس قدر کا واک واق ہوئی ہے
 اول تو دو جملہ (اس انڈیشن مین) استعمال کیا گیا ہے۔ یہ کتنا جھوٹا معلوم ہوتا ہے
 دوسری مرتبہ (اس انڈیشن مین) بالکل بیکار ہے علاوہ برین یا پنج سات لفطین
 اور آپ نے بیوقوف اور فضول استعمال کی ہیں اب فرماتے ہیں مگر خرابی تو یہ ہے
 کہ اصلاح درکار ناظم کیوں صاحب بیان (مگر) کی کیا ضرورت ہو اور (مگر)
 کی دم مین جو یہ پنج سات الفاظ بندھے ہوئے ہیں انکی کیا ضرورت ہے کہ اتنا آپ کو سمجھا
 جائے قدم قدم پر ٹھوکر کھائی ہے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اصلاح دیکر آپ کا مطلب ظاہر
 کر دیا جائے۔ دیکھئے فصحاء لکھتے اس جملہ کو اس طرح ترتیب دیگے۔ اس انڈیشن مین
 جو اس اتہام سے شائع کیا گیا ایسی فروگزشتیں ہرگز قابل معافی نہیں ہیں۔ اور لطف
 یہ ہے کہ جان کہیں اس قسم کی تصحیح یا اصلاح کی کوشش کی گئی ہو وہاں بجائے بنانے کے
 شعر غارت کر دیا گیا ہے) تعجب ہے کہ اس موقع پر آپ نے یہ نہ کہا کہ شعر کو غارت
 کر دیا گیا ہے)

فہمائش نمبر (۴۰) آپ فرماتے ہیں کہ مسٹر چک بست صاحب نے اس نئے
 انڈیشن کو خود مصنف صاحب کے اصلی انڈیشن کے مطابق درست کر کے شائع کیا ہے،
 مسٹر چک بست صاحب کی ترکیب پر تو سید محمود صاحب بھی حسب معمول
 اس جملے میں جلوہ افروز ہیں۔ مگر سب پر طرہ یہ جملہ ہے کہ مصنف صاحب کے اصلی
 انڈیشن (۱۸) کیوں خست (یہ مصنف صاحب کا اصلی انڈیشن) کیا شئے ہے) یا تو کیئے
 کہ مصنف صاحب کا انڈیشن) یا یہ کیئے کہ (اصلی انڈیشن) دونوں کے ایک ہی معنی
 ہیں کیا مصنف صاحب کا کوئی نقلی انڈیشن بھی تھا جس کے مقابل میں آپ مصنف صاحب کا
 اصلی انڈیشن پیش کرتے ہیں دیکھئے یہ جملہ اس طرح لکھنا چاہیئے کہ (چک بست صاحب نے

یہ نیا انڈیشن خود مصنف صاحب کے انڈیشن کے مطابق الہ۔

فہمائش نمبر (۴۱) آپ فرماتے ہیں مگر حالت یہ نظر آئی کہ جو غلطیاں الہ (بندہ نواز) یہ شرفاء لکھنؤ کی زبان نہیں ہو۔ سید محمود صاحب فرماتے ہیں کہ یہ (سیر اور خانسا مان) لوگوں کی زبان ہے۔ شرفاء لکھنؤ یوں کہیں گے کہ مگر یہ حالت نظر آئی۔

فہمائش نمبر (۴۲) آپ فرماتے ہیں کہ جو ٹنٹس پہلے مصرع میں ہے وہی دوسرے میں بھی رہنا چاہیے (کیونکہ سٹر (یہ آپ ہی کی تقلید ہے) یہ ٹنٹس) کیا بلا ہے سید محمود صاحب فرماتے ہیں کہ فارسی میں اسکا مترادف لفظ (زمانہ) موجود ہے۔ پھر آپ نے خواہ مخواہ انگریزی لفظ کیونکہ استعمال کیا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ موقع موقع انگریزی الفاظ استعمال کرنے سے لوگ اس مغالطہ میں آجائیں گے کہ آپ انگریزی زبان سے واقف ہیں بندہ نواز آپ کی انگریزی کی لیاقت کا پردہ تو سید محمود صاحب کے اعتراضات سے فاش ہو گیا۔ ایک نو آموز انگریزی دان بھی (سٹر چک بست صاحب) اور عام سیلک) نہ کہے گا آپ نے وہ مثل سنی ہو کہ ایک کو امور کے پر کھونس کر موروں میں جا ملا تھا اس طرح آپ اپنے مضامین میں انگریزی الفاظ کھونس کر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کو انگریزی زبان سے بھی مس ہے۔ مگر جو اس کوئے کا حشر ہوا اس سے آگے غیرت حاصل کرنی چاہیئے۔

فہمائش نمبر (۴۳) ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں کہ جب تک کوئی اور حرف بطنہ ملایا جائے مطلب ہی نہیں نکل سکتا۔ کیونکہ صاحب (مطلب) کے بعد ہے) کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو (کو) سے بھی کوئی تعلق نہیں رکھتا کہ آپ کو اس سے انس ہو یوں لکھنے میں کیا قبات ہو کہ جب تک کوئی اور حرف بطنہ ملایا جائے مطلب نہیں نکل سکتا،

فہمائش نمبر (۴۴) آپ ایک مقام پر رقت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ جس سے اصل مصرع کی

فصاحت بے تکلفی و سادگی جاتی رہی ہے اس جگہ کی ترکیب میری سمجھ میں نہیں آتی۔ سید محمود کہتے ہیں کہ انگریزی میں یہ قاعدہ ہے کہ جب دو چار برابر کے نغز استعمال کیے جاتے ہیں تو آخر میں حرف ربط (یعنی اینڈ) استعمال کرتے ہیں اسی کا نتیجہ آپ نے اردو میں کیا ہے کہ (فصاحت) کے بعد محض ایک خط کھینچ دیا ہے اور (بے تکلفی) کے بعد حرف عطف (یعنی و) ملا گیا ہے۔ انگریزی میں یہ ترکیب عام ہے مگر اردو میں محض غلط ہے اردو میں ایسے موقعوں پر ہر نغز کے بعد حرف ربط لانا واجب ہے۔ یعنی آپ کو اس طرح لکھنا چاہیے تھا کہ (فصاحت و بے تکلفی و سادگی جاتی رہی) اگر آپ کو یا آپ کے قدر دانوں کو اس میں عذر ہو تو شرار دو میں یا نظم میں ایسی ترکیب دکھا دیں جیسی کہ آپ کے جملہ کی ہے بندہ نواز انگریزی کی تقلید فضول ہے۔ انگریزی روش کی پیروی میں آپ اپنی چال بھی پھول جائیے گا۔ ہائے موقع پر مجھے اپنا شعر یاد آتا ہے ۵

کسی کی جب کوئی تقلید کرتا ہو میں دتا ہوں ہنسنا گل کی طرح غنچہ جہان اُسکا دہن بگڑا

فہمائش نمبر (۴۵) گلزار نسیم کا ایک مصرع ہے کہ ع قسمت سے مفر جو اب مان اسکے منے آپ بتلاتے ہیں کہ قسمت سے بھاگ کے بھی کہیں پناہ نہیں مل سکتی اور یہی اہل زبان کے محاورے میں بھی ہو اس فقرے میں دو جگہ آپ نے (بھی) استعمال کیا ہے حالانکہ کوئی معنی نہیں رکھتا اور اکثر (نوا موز شاعر) جب دیکھتے ہیں کہ سیطرح مصرعے کی چول بیٹھے تو (بھی) لے آتے ہیں خیر وہاں تو اتنا اطمینان ہو جاتا ہے کہ (بھی) کی بدولت مصرع موزون ہو گیا لیکن اچھا (بھی) کا ناموزون استعمال گناہ بے لذت سے کم نہیں۔

فہمائش نمبر (۴۶) گلزار نسیم کا ایک شعر ہے۔

چلیے گا تو ساتھ میں بلا عذر رہیے گا تو بندگی میں کیا عذر

اس نئے انڈیشن میں یہ مصرع اس طرح چھپ گیا ہے ۵

چلتے گا تو ساتھ میں بلا عذر رہیے گا تو بندگی میں کیا عذر جسکی آنکھوں پر تعصب کے پردے نہ پڑ گئے ہوں گے وہ دیکھ سکتا ہے کہ (ہین) میں صرف ہا کا شوشہ (ء) مٹ گیا ہے اسوجہ سے (میں) پڑنا جاتا ہے مگر آپ مولوی ہو کر اور مسلمان ہو کر حضرت چک بست کو اس تصرف بجا کا لازم قرار دیتے ہیں کہ انھوں نے (ساتھ میں کو ساتھ میں) بنا دیا افسوس صد افسوس اڈیتر اتحاد ہو کر امیں نفاق پسند طبیعت رکھنا آپ ہی کا کام ہے خیر اس قصے سے توجہ دلان مجھے مطلب نہیں۔ میں آج کو یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اپنے اس محل الزام کو انفاظ کا کیسا جھوٹا لباس پہنا یا ہے آپ فرماتے ہیں کہ (ساتھ میں نے اس بے تکلفی کو خاک میں ملانے کے بعد شعر کو کیسا غارت کر دیا) بندہ پروریہ خیال اس سے بڑا نفاق میں نہیں ادا ہو سکتا تھا جیسا کہ میں پیشتر لکھ چکا ہوں۔ گڈامیلر دو اسی کا نام ہے دیکھئے یہ خیال اس طرح ادا کرنا چاہیے تھا کہ (ساتھ میں) کی وجہ سے وہ بے تکلفی خاک میں مل گئی اور شعر غارت ہو گیا)

فہمائش نمبر (۴۷) گلزار نسیم کا شعر ہے —

چلتے تھے ادھر سے دو جواری ایک ایک کی کر رہا تھا خواری

آپ فرماتے ہیں کہ پہلے مصرع میں (جاتے تھے) کی جگہ (چلتے تھے) بنایا گیا ہے) خدا جانے کون فرشتہ آپ سے کہ گنا کہ اصل شہنوی میں (جاتے تھے) تھا اور حضرت چک بست نے (چلتے تھے) بنا دیا نسیم خود مجھ سے کہتے تھے کہ انھوں نے (چلتے تھے) نظم کیلئے علاوہ برین (چلتے تھے) میں کیا قیامت ہے کہ آپ اس قدر گرم ہو کر فرماتے ہیں ایسی اصلاحوں سے شہنوی کو بہت بڑے اور گہرے زخم لگے ہیں) ماشاء اللہ آج کو دعویٰ زبانی بھی ہے۔ ایسے شاید آجکا یہ خیال ہو کہ جاتے تھے کے بدلے (چلتے تھے) کہاں کی زبان ہے۔ مگر یہ خیال کچا سمجھ نہیں ہو۔

ہمارے وقت کی زبان تو درکنار آپ کے وقت کے شعرانے بھی جاتے کے بدلے
(حلتے) استعمال کیا ہے تو اب مرزا داغ میرے سامنے اس وقت بیٹھے ہیں وہ
اپنا شعر سننا پیش کرتے ہیں ۵

حسرتیں لیکے اس بنم سے چلے واپس ہاتھ ملتے ہی اٹھے عطر کے ملنے والے
علاوہ برین نسیم کے شعر میں (چلتے تھے) ہی زیادہ فصیح ہے
فہمائش نمبر (۴۸) آپ فرماتے ہیں کہ (گو انکے علاوہ اس متنوی میں اور بھی بہت
شبہات ہیں) مگر یہ قید لغزشوں کا ظاہر کر دینا میں کافی سمجھتا ہوں (کیون
حضرت کیا شبہ) اور لغزش مترادف الفاظ ہیں کہ آپ دونوں کو ایک ہی مضمون میں
استعمال کرتے ہیں (شبہ) کے معنی تو یہ ہیں کہ کسی شے کی نسبت یقین کا درجہ
نہ ہوا ہو اور (لغزش) کے معنی یہ ہیں کہ تسلیم کر لیا گیا کہ کسی شے میں عیب موجود ہو
مگر آپ نے دونوں کو خلط ملط کر دیا ہے - واہ مولو صاحب وا -

فہمائش نمبر (۴۹) آپ فرماتے ہیں کہ انکا جوش ممکن ہے کہ ان شبہات کو میرے
دل سے مٹا دے اب اس آخری (کو) کو بھی چھاتی برقرار رکھ کر سلام کیجئے اور اپنے
جملے کو یوں ترتیب دیجئے - انکا جوش ممکن ہے کہ وہ شبہات میرے دل سے مٹا
دے (الم) بندہ نوازیہ دوسرا مضمون بھی آپکا خاتمہ پر آگیا - سرسری نظر سے دیکھنے
سے جو لغزشیں دکھائی دیں انکے متعلق آپکو فہمائش کر دی گئی - اس سے آپکو یہ معلوم ہو گیا ہوگا
کہ زبان دانی کتنی مشکل چیز ہے - نسیم نے تقریباً پونے دو ہزار شعر کے متنوی کیے ہیں -
اس میں آپ نے تیس چالیس غلطیاں بڑی کوشش سے نکالی ہیں - حالانکہ آپکا ایک
اعتراف بھی صحیح نہیں ہے اور جو کچھ آپ نے لکھا ہے - اس سے آپکی لاعلمی کا اظہار ہوتا ہے
مگر آپ کے واسطے یہ امر قابل غور ہے کہ ان دو مضامین جنکا حجم ۶ صفحاتوں سے
زیادہ نہیں ہے پچاس لغزشیں جو دہین افسوس افسوس باقی آئندہ - خواجہ عبد علی آتش لکھنوی (حال وارہ
فردوس برین)

ادب و پنج مطبوعہ ، ستمبر ۱۹۰۵ء جلد ۲۹۔

جنت کی ڈاک

آتش کا خط شر کے نام نمبر (۷)

میان شر۔ مایح اور ابریل کے دلدل زمین جو مضمون آپ نے گلزار نسیم کی شہرت پر خاک ڈالنے کی غرض سے شائع کیے تھے اور غلبہ و کاوت سے نسیم کی زبان پر بھی اعتراض کئے تھے۔ اعتراض جس پایہ کے تھے انکی قلمی بھی طرح کھل گئی ہوگی۔ میرا صرف منشا یہ تھا کہ آپ پر یہ ظاہر کر دوں کہ آپ دو سطرین ہی صحیح نہیں لکھ سکتے ہیں چنانچہ آپ کے دو مضمونوں میں جنکا ذکر ابھی کر چکا ہوں اور جنکا حجم ۶ صفحے سے زیادہ نہیں ہو چکا اس غلط بیان زبان اور محاورے کی موجود ہیں۔

سبحان اللہ انشاء پر داری کا یہ رنگ اور زبان دانی کا یہ دعویٰ کہ تمام اساتذہ لکھنؤ کے مرشد بنکر آپ نے نسیم پر اعتراض شائع کرنے کی جرأت فرمائی رع این کار از تو آید و مردان چنین کنند۔ میں تو ہی کو روٹا تھا کہ افسوس اب لکھنؤ کی یہ حالت ہو گئی کہ وہاں آپ کے ایسے انشاء پر دان و حوالے زیادہ ملی کرین۔ لیکن کل ایک اور تازہ گل کھلا اعمال پر کے فرشتے جولائی ۱۹۰۵ء کا دلدل از اتفاقیہ میرے پاس لے گئے اس میں بھی آپ نے۔ گلزار نسیم پر کچھ گفشتانی کی ہے اور تحسین اور شائش ریوڑیان ہائے شے کے بعد آپ یہ تحریر فرماستے ہیں تحلف میں کیا ہے کہ تو رے کہہ۔ کہہ۔ اور خلیل۔ وغیرہ کا جو دور تھا اسکے آخری شخص نسیم ہیں۔

بندہ نواز یہ آپ نے خوب کسی سید محمد فرماتے تھے کہ آپ تاریخی افسانہ لکھتے ہیں مگر اس موقع پر تو آپ نے تاریخ کو افسانہ بنا دیا ہے۔ کیونکہ حضرت اسی کا نام تحقیق ہے جن کو گون آپ کے کان میں یہ بھونک دیا تھا کہ گلزار نسیم میں نے تعفن طبع کے طور پر کہی ہے اور میں نسیم کا بہت کم حصہ ہے انھوں نے آپ سے یہ فرمایا کہ زند و صبا وغیرہ کے دور کے نسیم آخری شخص تھے کہ اولین شخص تھے ابھی تو لکھنؤ میں میرے بہت سے شناسا اور دوست موجود ہیں جو میرے مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے اور جنکو میرے شاگردوں کی کیفیت ابھی طرح سے معلوم ہے آپ نے انھیں سے اس امر کی نسبت مشورہ کر لیا ہوتا کہ نسیم کا میرے شاگردوں میں کیا پایہ تھا اور آیا وہ میرے شاگردوں کے دور کے آخری شخص تھا۔ مجھ کو بھی طرح یاد ہے کہ نسیم و خلیل و صبا ایک ہی سال میں میرے شاگرد ہوئے اور ان کے بعد زند نے مجھ کو غزل دکھانی شروع کی زند تو اس وقت میرے شاگرد ہوئے ہیں جبکہ گلزار نسیم تصنیف ہو چکی تھی اور اگر کوئی شخص میرے شاگردوں کے دور کا آخری یادگار ہے تو وہ زند ہے گلزار نسیم ۱۲۵۴ھ ہجری میں تصنیف ہوئی ہے۔ جیسا کہ اسکی تاریخ تصنیف سے ظاہر ہے یعنی توفیق قبول روزیش باد۔

اور **۱۲۵۵ھ** میں **زند و میرے شاگرد ہوئے ہیں**۔ زند بیشتر فیض آباد میں رہتے تھے اور میر خلیق کے شاگرد تھے میر خلیق کی شاگردگی کے زمانہ میں انکا تخلص تھا جب فیض آباد میں ہو گیا۔ صاحبہ جنت نصیب ہو گئیں اور میر خلیق فرخ آباد چلے گئے تو یہیں لکھنؤ چلے آئے جسوقت یہ میرے شاگردوں کے زمرے میں داخل ہوئے تو ان کی عمر ۲۸ یا ۲۹ برس کی تھی میرے کہنے سے انھوں نے تخلص بھی بدلا یعنی وفاسے اسم با سسے زند بن گئے۔ نیز اپنا پچھلا کلام انھوں نے دریا برد کر دیا۔ بالفعل جو کچھ غزل وغیرہ ان سے یادگار ہیں وہ میری ہی شاگردی کے زمانہ کی کہی ہوئی ہیں۔

سال ۱۲۵۵ھ و ۱۲۵۶ھ میں جو کچھ فیض آباد کی دوستوں نے فرمایا اسکا تصدیق میں دیر طے ہوئی ہے۔ جو کہ زند اپنے حالات زندگی کی نسبت اپنے دو ان اولین کے آفرین لکھا ہے وہ کہ میرے تخلص کی غلطی سے گلزار بنا ہوا ہے جسکو کہ شروع میں کچھ بھی مذاق ہے ۱۲۵۴ھ

اس حالت میں اگر نسیم نے یہ کہنا کہ ع تجھ پاس تو اک عصا ہے جانی -

تو کیا غلط کہا - تجھ پاس اور تجھ پاس کی ترکیب پر یہ سمجھ کر حرف رکھنا کہ زندہ - صبا
و خلیل وغیرہ کے دور کے آخری شخص نسیم تھے لہذا وہ ایسا محاورہ نظم کرنے کے مجاز نہ تھے
جو کہ زندہ وغیرہ نے ترک کر دیا تھا محض لاعلمی سے زندہ نے گلزار نسیم کے تصنیف ہونے کے
بعد برس بعد جو غزل کہی ہے اس میں یہ شعر موجود ہے ۵

پھر یہ کھٹکے لیکے آئے ہو مجھ پاس دور ہو سامنے سے نفرت ہے

اسی طرح سب اعتراضوں کا جواب ہو سکتا ہے - اس داستان کے سننے کے بعد
آپ پر اور آپ کے دریدہ دہن پر وہ پوشو خیر یہ ظاہر ہو گیا ہو گا کہ زندہ میرے شاگرد و
دور کے آخری شخص تھے نہ کہ نسیم ہاں آپ - کہ تجربہ سے قویہ ثابت ہوتا ہے کہ نسیم کا
انتقال زندہ - صبا و خلیل وغیرہ کے بعد ہوا - یہ بھی سرسرخ غلط ہے - جب دنیا سے یار سفر ہوا
تو اس وقت زندہ صبا و خلیل وغیرہ سب موجود تھے - مگر نسیم میرے سامنے اٹھ گئے تھے
ہاے وہ دن مجھے اب تک نہ بھولے گا جبکہ میں نے یہ خبر پائی کہ نسیم کو ہیضہ ہو گیا
سب جانتے ہیں کہ سولے شاعرے میں جانے کے میں بھی اپنے بوریے سے نہیں
ہلتا تھا بڑے بڑے رئیسوں اور امیر و نکو بہ حسرت رہ گئی کہ میں انکے بیان جاؤں جی
کہ امجد علی شاہ مجھے بلایا کئے - مگر میں نہ گیا اور یہ کہلا چکا کہ اگر وہ بادشاہ ہیں تو میں بھی
فقیری میں ملک سخن پر حکومت رکھتا ہوں - اگر انکو مجھ سے ملنے کی مٹا ہو تو میرے
جھوٹے تک آجائیں اور جسدن سے شیخ ناسخ مرے تھے اُس دن سے میں نے شاعر بن
بھی جانا ترک کر دیا تھا - لیکن جب نسیم کے وقت بیمار ہو جانے کی خبر سنی تو میں اسکے مکان پر
گیا اور خود اسکے بازو پر امام ضامن باندھا اور صحت کے لیے دعا کی مگر -

کسی طرح سے نہ ٹوٹا طلسم حیرت و یاس در قبول سے مگر اکے سر دعا - اٹھی

عہ اودھ پنج حضرت چک بست بھی یہ سندیش کر چکے ہیں ۱۱۲ +

دوسرے روز یہ خبر سنی کہ نسیم نے جنت کی راہ لی۔ اس روز تمام شعراے لکھنؤ میں ماتم تھا میرے اور میرے شاگردوں کے علاوہ لکھنؤ کے تمام سربراہ آئندہ شعر اخیازہ کے ساتھ تھے اور کہتے تھے کہ یہ جواہر گ شاعر اگر زندہ رہتا تو خدا جانے شاعری کو کیا علاج دیتا بھیر تو اک سکتے کا عالم طارسی تھا اور کبھی کبھی بیسیاختہ زبان سے نسیم کی غزل کا یہ شعر نکالتا تھا کچھ سوچ میں ہوں نسیم بولو آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہے خیر کیا ہو دم کب کی تان ختم۔ اب تو آپ پر یہ روشن ہو گیا ہو گا کہ نسیم کا انتقال میرے رب شاگردوں کے پیشتر ہوا ہے لہذا وہ میرے دور کے شاگردوں کے اولین شخص تھے۔

میں آپ سے کہتا ہوں کہ جب آپ معمولی واقعات سے اس قدر خبر ہن کر آپ کو یہ نہیں معلوم کہ زندہ میرے شاگردوں کے دور کے آخری شخص تھے کہ نسیم۔ تو پھر آپ تنقید و تحقیق پر قلم کیوں اٹھاتے ہیں کیا دلگداز کے پڑھنے والے بالکل سادہ لوح ہیں کہ وہ ایسے فرقہ وین آجائیں گے آپ اپنے تئیں مولوی کہتے ہیں اور اسلام کی عظمت کا راگ گاتے ہیں آپ کے لئے ایسا دروغ مصلحت انیز باعث شرم ہے۔ اچھی تو آپ شیخ ہیں اگر غلہ ازان ہوا تو اس سال سید ہو جائیے گا۔ سید سناے قوم کو کہتے ہیں کیا تب بھی آپ اس طرح اٹھ سیدھے تاریخی واقعات لکھ کر لوگوں کو کراہیجے گا۔

استغفر اللہ استغفر اللہ

یہ سلسلہ تو یہاں ختم ہوا اب میں پھر آہو ان لغزشوں کی طرف متوجہ کرتا ہوں جن سے کہ آپ کی تحریر علور ہتی ہر پچاس فہمائشیں تو لکھ چکا ہوں۔ اب اس مضمون میں جسمیں کہ آپ نے تاریخ ماضیہ کی اصلاح فرمائی ہے (جو غلطیاں آپ کی ہیں ان کی نسبت فہمائش ضروری ہے۔ اس بات سے میں بہت خوش ہوں کہ کبھی فہمائش کا اثر آپ پر اتنا ضرور ہوا کہ اس مضمون میں آپ نے بمقابلہ پیشتر کے کم غلطیاں کی ہیں

لیکن تاہم اب بھی بہت کچھ اصلاح کی ضرورت ہے اسی خیال سے چند ہما نشین
(سلسلہ قدیم قائم رکھتی ہوئی) درج ذیل ہیں -

خواجہ حیدر علی آتش لکھنؤی (حال
وارد فردوس برین)

اودھ پرنٹری مطبوعہ ۱۴ ستمبر ۱۹۰۵ء

جنت کی ڈاک

آتش کا خط شر کے نام نمبر ۸

(دیکھو دگلدار بابت ماہ جولائی ۱۹۰۵ء)

فہمائش نمبر (۵۱) آپ تحریر فرماتے ہیں کہ بجائے اسکے کہ تہذیب شناسگی سے جواب دیا جاتا یا کوئی بھی قابل لحاظ جواب دیا جاسکتا تھا نہایت بے عنوانی اور بد تہذیبی بحث ہونے لگی۔ کیون صاحب (یہ دیا جاسکتا) کا اس مقام پر کیا تنگ ہے ایسی ہی انشاپردازی جو کہ آپ کے قدر دانوں کو سکتے مین ڈال دیتی ہو۔ دیکھئے آخری جگہ اس طرح لکھنا چاہیے تھا کہ یا کوئی بھی قابل لحاظ دیا جاتا یا ملے۔

فہمائش نمبر (۵۲) آپ فرماتے ہیں جنھوں نے ہماری تحریر کو غور و انصاف کی نظر سے دیکھا (یہ) (کو) تو طاعون کے کیڑے کی طرح آپ کی سر زمین انشاپردازی سے نکلنے کا نام ہی نہیں لیتا خیر ہم بھی ٹوکنے سے باز نہیں رہیں گے۔ اس جگہ کو یوں ترمیم دینا تھا کہ (جنھوں نے ہماری تحریر غور و انصاف کی نظر سے دیکھی)

فہمائش نمبر (۵۳) کسی اخبار کے ادبیر کی نسبت آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے خیال میں اسکا فیصلہ کافی ہے اس لئے کہ شاعری کی دنیا میں کسی اخبار کو وہ وقت و مقام

نہیں نصیب ہے جو انھیں حاصل ہو) کیون مولانا آپ ہی ایمان سے فرمائیے کہ ایسا جس کو کسی کہ نہ مشقِ انسا پر داز کے قلم سے نکلے گا یہ (انھیں) کی ضمیر کسکی طرف پھرتی ہے۔ سیاقِ کلام سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ (انھیں) سے آپ کی مراد ڈیٹر صاحب (ہیں مگر صرف و نحو کے قاعدے سے انھیں کی ضمیر (اخبار) کی طرف گردن اٹھائے ہوئے ہے آجکا مافی الضمیر کچھ ہے اور (انھیں کی ضمیر) کچھ کہتی ہو دو ٹکامین مرغی حرام اسی کا نام ہے یہ آپکا قصور نہیں ہے جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو خدا زبان میں لگنت پیدا کر دیتا ہے پس وہ کہتا کچھ ہے اور زبان سے کچھ نکلتا ہے۔ چونکہ یہاں آپ زبان کے بدلے قلم کو گناہگار کر رہے ہیں۔ اسلئے زبان قلم میں لگنت پیدا ہو گئی ہے آپ لکھتے کچھ ہیں اور قلم سے کچھ نکلتا ہے خیر یہ مولانا تک رو یا جائے آپ اُستاد و فنی اصلاح پر غور کیجئے۔ یا تو اس جگہ کو اس طرح لکھیے کہ شاعری کی دنیا میں کسی اخبار کو وہ وقت دستاویز نہیں حاصل ہے (جو نکلے اخبار کو حاصل ہے) یا اخبار کو ردی سمجھ کے الگ کیجئے اور یوں لکھئے کہ شاعری کی دنیا میں اور کسی کو وہ وقت دستاویز نہیں نصیب ہے جگہ انھیں حاصل ہے)

فہمائش نمبر (۵۴) آپ تحریر فرماتے ہیں کہ ایسے تصرفات) اور ایسی غرضیں اگر اسی زمانے میں جائز تھیں (تو ضرور تھا کہ انکے معاصرین کے کلام میں بھی (پائی جاتیں) اول تو یہ تصرفات) کے لئے (جائز نہیں) بھی کیا خوب ثانیاً (معاصرون) نے واقعی نے تمام فقرے میں جان ڈال دی ہو نصاحت اس کا نام ہو اور جدت تو معاصرون) کے صا د چشم سے اشک مذلت کی طرح ٹپکی پڑتی ہے۔ آج کو یہ دعوے ہیں کہ میں نئے الفاظ استعمال کرتا ہوں۔ پھر آپ معمولی لفظ (معاصرین) کا ہے تو مثال کرتے۔ مگر باندی وضع کے معنی یہ ہیں کہ آج سے (حاضرین) کے بدلے حاضرین) اور (سامعین) کے بدلے (سامعون) اور شائقین) کے بدلے (شائقون) ہی استعمال کیا کیجئے۔

زبان ہو جسکے آپ سر پرست بنتے ہیں لکھنؤ کا کچرا کچرا بھی بیر لوگ) اور خانسا مان لوگ) اپنی زبان سے نہ کہے گا۔ یہ واقعی بیرون اور خانسا ماؤن کی زبان ہے۔

فہمائش نمبر (۵۸) (کہئے تو) کے محاورے کے استعمال پر آپ حرف دھرتے ہیں اور اس مطلب کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ آتش و ناسخ کے وقت سے یہ الفاظ متروک ہیں۔

کیون حفت یہ (الفاظ) یہاں کن معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ (کہئے تو) دو لفظوں سے مرکب ہے۔ (نہ کہئے) کا استعمال آتش و ناسخ کے وقت سے متروک ہے۔

نہ (تو) کا کہنا آج کو یہ چاہئے تھا کہ آتش و ناسخ کے وقت سے یہ محاورہ متروک ہے مگر غلبہ دکاوت سے کہہ گئے کہ یہ الفاظ متروک ہیں ع ماشاء اللہ چشم بدور۔

فہمائش نمبر (۵۹) آپ فرماتے ہیں کہ (ضد انس و جان) کی جگہ پر ضد انس و جانی جاہل کے سوا کسی پڑھے لکھے کی زبان سے نہ نکلتے گا۔ یہ حالت کی گفتگو تو آپ کو مبارک ہے میں اس قدر عرض کروں گا کہ جگہ کے بعد پر لانا محض برکٹی اور انا ہے۔ محض اس قدر لکھنا کافی تھا کہ ممکن نہیں۔ کہ ضد انس و جان کی جگہ ضد انس و جانی کسی پڑھے لکھے کی زبان سے نکلتے

فہمائش نمبر (۶۰) افسوس آپ فرماتے ہیں کہ خواب کردن فارسی کا محاورہ ہے اردو میں سونے کے عمل پر خواب کرنا۔ کہنا غلط ہے۔ تحقیقات کا یہ حل اور نسیم پر اعتراض جڑنے میں

آندھی۔ بندہ پرور میرا یہ شعر آپ نے شاید نہیں دیکھا ہے
انتظار ملک الموت میں میدار ہوں میں
بخت خفتہ کو میرے خواب گران کرے دو

آپ نسیم پر کیا اعتراض کرتے ہیں کہ میری زبان پر اعتراض کرتے ہیں) فہمائش نمبر (۶۱) آپ بدنام سکر اسٹ کے ساتھ فرماتے ہیں کہ لیکن خیر اگر خلاف محاورہ زبان اختیار کی تھی تو تذکیر و تائیف کا لحاظ رکھتے۔ کیون صاحب۔ یہ لیکن خیر کیا بلا ہے

عہ اودھ پنچ۔ خواجہ صاحب۔ مدت سوئی حضرت پاک بست ابکا ہنراس ہنراس کی تردید میں پیش کر چکے ہیں۔

ہم نے سنا ہے کہ اسکے جواب میں حضرت شکر لکھنے والے ہیں کہ آتش کا کلام مستند نہیں ہے ۱۲

اس مقام پر جو۔ لیکن) کے معنی ہیں ہی خیر) کے ہیں پھر یہ (لیکن لیکن اور خیر خیر) سے کیا مراد ہے یہ بھی توجہ کر کا جواب ہے۔ یا یوں کہئے کہ خیر اگر خلاف محاورہ زبان اختیار کی تھی الم۔ یا یوں کہئے کہ (لیکن اگر خلاف محاورہ زبان اختیار کی تھی الم) لیکن خیر) تو کوئی چیز نہیں۔

فہمائش نمبر (۶۲) آپ فرماتے ہیں کہ بکا دلی کو قرار تو دیا نقش اور پھر اس کے ساتھ فرماتے ہیں (بائی) زبان کو یہ کس قدر ناگوار گذرتا ہے۔ کیون صاحب آپ کیا زبان سے سنتے ہیں؟ تو پھر یقینی طور پر آپ کان سے گفتگو کرتے ہو گئے۔ اہل لکھنؤ تو جب کسی ریب کی عدم فصاحت کا ذکر کریں گے تو یہ کہیں گے کہ کانوں کو کس قدر ناگوار گذرتا ہے مگر آپ کے انشا پر داسی کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔

فہمائش نمبر (۶۳) آپ فرماتے ہیں کہ مطلب چاہے خط ہو جائے کوئی مضائقہ نہیں) بندہ نواز اہل لکھنؤ کہیں گے کہ مطلب چاہے خط ہو جائے کچھ مضائقہ نہیں غالباً (کوئی) آپ نے اس لئے استعمال کیا کہ اسے (کو) سے صوری تعلق ہے۔ دیکھئے بندہ آپ کے ان تین صفحے کے مضمون میں بھی سارا غلطیاں موجود ہیں خوب آپ نے خانہ سخن کو تین تیرہ کیا میں فہمائش کرتے کرتے تھک گیا۔ مگر آپ کی نیت غلطیوں سے نہیں سیر ہوتی۔ اس موقع پر مجھے اپنا شعریاد آتا ہے

اثر کرتی نہیں تعلیم تیرہ روز گاروں کو اُدھر ٹپے ہوئے شاعر نے کی وہ زلف ادھر مٹی
خواجہ حیدر علی آتش لکھنؤی (حال وارد
فردوس برین)

۱۰ اودھ پنچ حضرت چک بست بھی اپنے دندان شکن۔ مگر دلاویز لہجے میں اس کو مٹی گر تھپہ پر غرض کہ جے میں
۱۱ اودھ پنچ دیکھئے یہ اعضا کا انقلاب کما تک ترقی کرتا ہے ۱۱

۱۲ اودھ پنچ بجاہے یہ (کو) کی مادہ ہے ۱۲

۱۹۰۵ء ستمبر ۲۸ - پانچ مطبوعہ ۲۸ - ستمبر ۱۹۰۵ء

تیسری ڈاک

آتش کا خط شر کے نام نمبر ۹

بیان شر - کل میری نظر سے اردو سے ملے کا وہ پرچہ گزرا جس میں کہ آپ نے حضرت چک بست کے مضمون کے جواب میں جواب الجواب شائع کیا ہے اس مضمون کی دو تین باتیں مجھے بہت پسند آئیں اولاً یہ کہ اس مرتبہ آپ نے بہت کم غلطیاں کی ہیں (مثلاً) کہیں سٹر چک بست صاحب (نہیں لکھا ہے نہ) عام پبلک لکھا ہے بلکہ میری فمائش کے مطابق آپ نے سٹر چک بست لکھا ہے انگریزی الفاظ بھی بہت کم استعمال کیے ہیں - اور بہت کم کیا مسمی صرف ایک مقام پر (الوسج) کا لفظ استعمال کیا ہے حالانکہ بقول سید محمود اس بر مانگریزی لفظ کا مترادف لفظ اردو میں (اوسط) موجود ہو خیر عادت چھوٹے چھوٹے چھوٹی ہے یہ کیا کم ہے کہ آپ نے اپنی غلطیوں کا اعتراف تو کیا - میں یہ دیکھ کر کبھی بہت خوش ہوا کہ اس مضمون میں (کو) بھی بہت کم بے موقع استعمال ہوا ہے - شاباشیں سطر میری فمائشوں پر عمل کیجئے گا تو اچھے اردو لکھنے والوں میں آپ کا بھی شمار ہونے لگے گا - حضرت واضح کہتے ہیں کہ اس مضمون میں غلطیاں کم ہونے کا ممکن ہے یہ سبب ہو کہ اردو سے ملے کو جو صاحب ترتیب دیتے ہیں انھوں نے جا بجا اصلاح فرادی ہو کیونکہ اردو سے ملے اصلاح زبان میں خاص طور سے سرگرم ہے مگر میں یہ نہ کہوں گا - آخر آپ انسان ہیں - حیوان نہیں - اگر نصیحت آپ پر کارگر ہوئی تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے بزرگوں کی نصیحت پر عمل کرنا عیب میں

نہیں داخل ہے۔ ہاں سب سے زیادہ مستحسن آپ کا یہ فعل ہے کہ آپ نے اس مضمون میں صاف طور سے تسلیم کر لیا ہے کہ گلزار نسیم ہیڈ ٹاؤن یا شکر ہی کی تصنیف ہو کیونکہ آپ نے یہ لکھ دیا ہو کہ اگر یہ رائے (یعنی یہ رائے کہ یہ مثنوی یا تو آتش کی کسی ہوئی ہو یا یہ کہ آتش کی اصلاح کی بدولت یہ ایک قابل قدر مثنوی ہو گئی) بھی مشرچک بست کے خلاف ہے تو میں اسکے واسطے لینے کو تیار ہوں) یہ ضرور ہے کہ دنیا والے آپ کو اس غلطی کے تسلیم کرنے پر بہت چھیڑ چھا کیونکہ آپ نے اپنے مارچ ولے دگلڈز میں اس دعوے کی تائید میں بہت کچھ خامہ فرسائی کی تھی کہ یہ مثنوی نسیم کی نہیں ہے۔ اور اپنے بزرگوں کا قدم بھی درمیان میں ڈالا تھا بیچارے مثنوی اشرف علی کی روح کو بھی میقار کیا تھا مگر دنیا والوں سے آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مجھے چک بست کی خاطر سے ایسا لکھ دیا ورنہ میرا دلی عقیدہ ابھی نہیں بدلا ہے اور اصل بات تو یہ ہے کہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں نے کُرسی کی وضع نہ ابھی وہاں کے باشندے اکثر ایسی باتیں کرتے ہیں کہ (باز ایدیشمانی) مجھ کو اس موقع پر ایک روایت یاد آئی جو کہ خالی از دلچسپی نہیں ہے۔

نواب سعادت علی خان کے دربار میں کسی شخص نے کہا کہ کُرسی کے لوگ سب جنم ہوتے ہیں۔ اس موقع پر ایک کُرسی کے بزرگ بھی موجود تھے وہ بہت مگرم ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ جھوٹ کہتے ہیں ہم اپنے بزرگوں سے سنتے آئے ہیں کہ کُرسی کے لوگ بڑے عقلمند ہوتے ہیں اور ایک صاحب کے عقلمند بننے آخری دور کے یادگاروں میں تھے وہ بھی کہتے تھے کہ کُرسی کے لوگ بڑے حائل ہوتے ہیں جن صاحب نے یہ بحث چھیڑی تھی انھوں نے اس دعویٰ کی تردید کی۔ آخر کار سعادت علی خان نے کہا کہ اچھا ہم اس بات کا امتحان کر رہے ہیں کہ کُرسی کے لوگ آیا عقلمند ہوتے ہیں کہ بیوقوف۔ چنانچہ ہفتہ عشرہ بعد نواب موصوف نے کُرسی کے دورہ کیا کُرسی کے اُمراء نے نواب کو بڑی دھوم دھام سے دعوت دی اور انواع اقسام کی چیزیں تیار کیں۔ مگر ایک اُستاد باورچی کھنٹو سے بلائے گئے تھے اُسی کی زبردگاری کُرسی کے باورچیوں نے لکھا تیار کیا تھا جب نواب دعوت سے غلوفا ہو کر رخصت ہوئے تو انھوں نے دل میں کہا

کہ یہ لوگ تو بڑے سلیقے سے پیش آئے انکو امن کتنا صحیح نہیں ہے۔ مگر نواب نے ایک ہی منزل طے کی ہوگی کہ باورچی خانہ کے منہم صاحب جو کہ کرسی کے خاک پاک سے تعلق رکھتے تھے ایک مرتبہ ایک طاق کی طرف گئے اور اُسین سے ایک پڑیا اٹھا کر سر پیٹنے لگے۔ لوگوں نے پوچھا کیا ہے کیا کہنے لگے کہ یہ مصالحہ پلاؤ میں ڈالنے کے لئے رکھا گیا تھا مگر بخت باورچی یہ خاص مصالحہ ڈالنا بھول گئے۔ نواب کو پلاؤ ہرگز نہ پسند آیا ہوگا۔ افسوس ہماری محنت پر پانی پھر گیا۔ یہ سُننا تھا کہ کرسی کے تمام بزرگ تاسف کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم لوگوں کی قسمت ہی میں بیوقوف بننا لکھا ہے۔ مگر یہ بزم تاسف پر باہمی کہ منہم صاحب ایک بار بول اُٹھے کہ ماریا ہے ماریا ہے! واٹھ کیا سوچھی ہے۔ دیکھو تو اس حماقت کی تلافی کیسی خوبصورتی سے کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور نواب سعادت علی خان جس طرف گئے تھے اُسی طرف روانہ ہوئے جب خباب کے خیمہ تک پہنچے تو حضور میں رسائی کی درخواست کی درخواست منظور ہو گئی اور منہم صاحب نواب کے روبرو حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ خداوند نعمت اگر یہ مصالحہ کی پڑیا بھانک لیجئے تو ہمارے حال پر بڑے عنایت ہوگی بخت باورچی اسے پلاؤ میں ڈالنا بھول گیا۔ اب بھی بھانک لیجئے تو مزہ آجائیکا کیونکہ کھانا ابھی ہضم نہوا ہوگا نواب یہ درخواست سُن کر مسکرائے اور کہنے لگے کہ واقعی تم نے ثابت کر دیا کہ کرسی کے لوگ کس قسم کے ہوتے ہیں۔ اس روایت کے بیان کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ نے اپنا دعویٰ واپس لیا ہے تو یک بست صاحب اسے اعتراضات کے مصالحہ کی باقی ماندہ پڑیا سمجھیں اور اسکے قبول کرنے میں تکلف نہ کریں۔

خواجہ حمید علی آتش لکھنؤی (وارد حال

فردوس برین)

ادرجہ مخبرہ ۲- نومبر ۱۹۰۵ء

جنت کی ڈاک

آتش کا خط شر کے نام نمبر ۱

میان شر و کسی نے سچ کہا ہے۔ ع۔ مارچہ خیالیم فلک درجہ خیال۔
انسان سوچتا کچھ ہے ہوتا کچھ ہے اور انسان پر کیا موقوف ہے ہر مخلوق کا یہی حال ہے
شیطان علیہ اللعین کو دیکھو۔ جب اس نے حضرت آدم کے ساتھ سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا
تو اس کا خیال تھا کہ میرا کیا کوئی بنا سکتا ہے۔ اور اس کا خیال ایک معنی میں سچا بھی نہ تھا کیونکہ تھوڑی
وقت سے اس وقت ضرور جا مل تھی۔ اسی عارضی وقت کی بنا پر اس نے یہ ارادہ کر لیا تھا
کہ گلزار بہشت کو ہمال کر دیا تو ہنگام۔ مگر فرج معشوق کی طرح زمانہ کا رنگ بدلتا رہتا ہے۔ وہی
شیطان اک دم زدن میں مردود و فلاح ہو گیا۔ نہ وہ وقت رہی نہ وہ مرتبہ۔ بلکہ جتنے عیوب تھے
وہ طشت ازبا م ہو گئے۔ بالکل رنگ ہی بدل گیا۔ اور شیطان پر کیا موقوف ہے جو کوئی
اپنی حد سے بڑھ کر بات کرتا ہے اسے خدا ذیل کرتا ہے جب کوئی ٹھہری کسی گھاگر پر بڑھ کر
لات مارتا ہے تو سنہر کی کھاتا ہے سوائے بھانگے کے کچھ نہیں بن پڑتا۔ اور جہان بھٹا شہر
ہوا وہاں پھر ٹھہر کھانے کے قابل نہیں رہتا۔

یہی کیفیت شیطان کی ہوئی اب کہیں ٹھہر کھانے کے قابل نہیں رہا اس وقت کے بعد
اگر اس نے تہیہ کر لیا ہے کہ میں فضا میں منہ کی ہمیشہ بیچ کنی کیا کروں گا اور نیک نیت
اور انصاف پسند و گون کے خلاف ہمیشہ شورش برپا کرتا رہوں گا تو کیا برا کیا آخر غصہ بھی تو

کوئی چیز ہے۔ اور خصوصاً ذات کے بعد جو غصہ آتا ہے وہ بیڈھب ہوتا ہے۔ وہ جامہ سے باہر کر دیتا ہے جھکو اپنا شر یا دگایا ہے
غوشی سے اپنی رسوائی گوارا ہو نہیں سکتی گریبان پھاڑتا ہے تنگ جب دیوانہ آتا ہے
غرض کہ اس عالم میں رنگ ساز کا یہی وتیرہ ہے کہ دل کے ارادے نہیں پورے ہونے دیتا
جھکو وہ زمانہ یاد آتا ہے جبکہ تنے بڑے زور کے ساتھ باج اور پر بل کے دگلدار میں گلزار نسیم پر
اعترافات شائع کئے تھے اور یہ لکھا تھا کہ گلزار نسیم مین صدر ما غلطیان ہیں اور ۳۷ —
اعترافات پیش بھی کئے تھے اور چونکہ اُس زمانہ تک لوگ تعین کسی قدر وقت کی نگاہ سے
دیکھتے تھے۔ لہذا تمھارے اعترافات غور کی نگاہوں سے دیکھے بھی گئے اور تمھارا بھی یہ خیال تھا
کہ چھوٹے دیگرے نیست) بھلا ان اعترافات کی تردید میں کون قلم اٹھا سکتا ہے۔ اور بہتوں کا
یہی خیال ہو گا۔ مگر تبصر بھی وہی مثل صادق آئی ع اور چہ خیالیم فلک در چہ خیال
اور وہی نے تعین ٹوکا۔ اور اودھ پنچ کیا معنی کل اساتذہ لکھنؤ کو تمھاری یہ حرکت ناگوار گذری
اور تلو صلاح دیکھی کہ تم اپنا دعویٰ واپس لے لو۔ اور نہایت تہذیب کے ساتھ تعین بہ صلاح
دیکھی۔ مگر تنے یہ صلاح نہ مانی اور اودھ پنچ کے اڈیٹر کو شہدا کہا حالانکہ جب تک اس قدر غصہ کی
وجہ نہ تھی ہندوستانی کے نامور اڈیٹر بابو گنگا پرشاد صاحب ورمانے
اس نازیبا حرکت پر تعین مذمت کی تو انکو بھی تم کا لیان دینے لگے مگر ہیلم اگست اتحاد دین
(جس میں تنے اڈیٹر اودھ پنچ کو شہدا کہا تھا) تنے یہ اعلان بھی شائع کیا تھا کہ نسیم کے
کلام پر ریویو کرنے کا سلسلہ جو دگلدار میں شروع کیا گیا ہے وہ برابر جاری
رہے گا ابھی تو مغربی پرہیز بہت سے اعتراض کرنے میں مگر اس سے
تر اغت حاصل کر کے ہم انکے دیوان پر ریویو شروع کرینگے (اتحاد دین اگست
۱۹۵۷ء صفحہ ۲) اور ایک حد تک اس اعلان کی پابندی بھی کی گئی۔

کہ دگلدار میں اڈیٹر یا بین اعترافات شائع بھی کئے گئے۔ چنانچہ کل پچاس ساٹھ

اعتراضات شائع کئے گئے۔ مگر ایسی صد ہا غلطیوں کی تصدیق تو ناممکن ہے۔ کیونکہ اس شرط کے پورا کرنے کے لئے کم سے کم (دو تین سو) اعتراضات کی ضرورت ہے۔ مگر باوجود اس زبردست اعلان کے تم سب کے دلگدازین (جو کہ آخر اکتوبر میں شائع ہوا ہے) لکھتے ہو کہ (دلگداز نے صفحات کو اس لغو بحث سے علیحدہ کئے لیتا ہے) آئندہ وہ جدید اعتراضات نہ شائع کریگا۔ آخر اس وعدہ خلافی کے کیا منہ۔ مرد تو اپنی بات کے لیے جان دے دیتے ہیں۔ تم سے اعتراضات بھی گڑے نہیں جاتے۔ سنا ہے ایک کہار تمہارا دوست ہے اسی سے کچھ اعتراضات (بنوالی) اعتراضات بند کرینے کے لئے تم یہ عذر پیش کرتے ہو کہ اب بحث کا رنگ لغو ہو گیا ہے اسلئے تم اپنا دامن لوگوں سے پاک رکھنا چاہتے ہو۔ مگر دیکھو تو کیا گت کے اتحادین تم اس بحث کو (لغو) قرار دے چکے ہو (کیونکہ اتحاد کے اسی نمبر میں تم نے اڈیٹر اودھ پنچ کو گالیوں دی ہیں) اور اسی نمبر میں یہ اعلان بھی شائع کیا ہے کہ اعتراضات کا سلسلہ برابر جاری رہیگا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ باوجود اس بحث کو لغو سمجھنے کے تم نے اعتراضات کا سلسلہ جاری رکھنا مناسب سمجھا۔ پھر اب یہ عذر لنگ پیش کرنا چہ معنی دارد۔ مرزا ستم ظریف مجھ سے کہتے ہیں کہ تم نے شیطان کی صلاح کے مطابق جدید اعتراضات کا سلسلہ بند کیا ہے اور غالباً صحیح وجہ یہی معلوم ہوتی ہے۔ مگر پچھتاؤ گے۔ شیطان نے تمہارے جدا جدا کے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہی سلوک تمہارے ساتھ بھی کیا یعنی بیشتر شیطان ہی نے حضرت آدم کو گیموں کا دانہ کھانے کی صلاح دی تھی۔ اور پھر شیطان ہی نے بہشت سے نکلوا یا بھی اسطرح شیطان ہی نے تمہیں لنگی دکھائی تھی کہ تم نے گلزارِ نسیم پر اعتراضات کیے اور اب اس مردود حقائق نے تمہیں یہ صلاح دی کہ اعتراضات بند کر دو۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تم علمی وقت کے بہشت سے نکلے گئے اور سب کی نظروں میں ذلیل ہو گئے۔ اور جسطرح حضرت آدم کے زوال کی داستان بھی تک نہیں فراموش ہوئی ہے اسطرح تمہاری ذلت بھی دائمی ہو

تم نے ستمبر کے دگلدار میں یہ بھی لکھا ہے کہ جوابات میں حامیان ثنوی سے سوالے
 لاطائل تاویلون جاہلانہ سخن پر رویون اور شہدوں کے ایسے گالی گلوچ کے
 کچھ کرتے دھرتے نہیں بن پڑا۔ مرد خدا ایک دن خدا کو ٹھہر دکھانا ہے۔ آخر اس جھوٹ کی
 کوئی انتہا بھی ہے۔ چک بست کا جواب جو جولائی کے اردوے سے ملے میں شائع ہوا
 تھا اس پر لاطائل تاویلون جاہلانہ سخن پر رویون اور شہدوں کی ایسی گالی گلوچ کا الزام
 لگانا تمھارا ہی کام ہے۔

چک بست کے انضمون کے علاوہ منشی احمد علی شوق کا مراسلہ اور دھرنج میں شائع ہوا تھا
 اس میں نہایت تہذیب و متانت کے ساتھ تمھارے محل دعوت کی تردید کی گئی تھی۔
 اردوے سے آئے کے اڈیٹر نے بھی تمھاری بے تکلیف مانگ کی اصلاح فرمائی ہے۔ آخر ان حضرات
 میں سے کسے شہدین کیا ہے جس کا شکوہ تم دگلدار میں کرتے ہو ناچ نہ آئے
 آنگن ٹیرا تمھارے ہی لئے کہا گیا ہے بیشک بحث کی ابتداء سے تمھاری
 تائید میں جو مضامین نکلے ہیں ان میں جاہلانہ سخن پروری اور لاطائل تاویلون کو عموماً دخل ہو
 اور مضامین جو تم نے ایک صاحبزادے کے نام سے خود اپنی تعریف میں شائع کیے تھے ان میں
 پورا (شہدین) اور (شہدین) بھی دیہات کا لکھنؤ کا انین۔ اور میں دیکھتا ہوں
 کہ اس بحث میں ایک مستند شخص بھی تمھارا حامی نہیں ہے۔ تم اپنی تعریف اپنے منہ سے
 کیا کرو یہ اور بات ہے۔ شہدین کا شکوہ تو محض اداسے معشوقانہ ہے۔ اصل بات یہ ہے
 کہ تم سمجھتے تھے کہ تمھارے اعتراضات کا کوئی جواب نہ دیگا تم تمام مسلمانوں کو اپنا ایسا متعصب
 سمجھتے تھے کہ وہ اس علمی مباحثے کو بھی مذہبی جھگڑے کی نظر سے دیکھیں گے۔ اور ہندوؤں کی
 ہستی تو محض تم اس لئے ضروری سمجھتے ہو کہ ان سے اتحاد کے چندہ کے پیارہ میں رو بہ وصول کرو
 تم نے اپنی شرافت کے ثبوت میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب کوئی سبقت بازار میں لوگوں اور عوام کے اظہار
 میں پہنچ جاتا ہے تو پھر گرفت سے باہر ہو جاتا ہے اور سوا اس کے کہ شرفا ان بازار میں شہد و فکری

ہاتھ سے اپنا دامن چھڑکے الگ ہو جائیں۔ کوئی جارہن بن پڑتا) دیکھو نیکی
 سند نہیں بھولے پن کی باتیں کرتے ہو۔ تم ان بازاری شہد و گئے ہاتھ سے اپنا دامن چھٹالو
 مگر اس دامن پر جو رسوائی کا داغ لگ گیا ہے اُسے کیونکر چھٹاؤ گے یہ دیہات کی ٹیڑھ کا دھبہ نہیں
 کہ دو چار روز میں چھٹ جائے بلا کسی شخص خاص کا نام ظاہر کیے ہوئے تم نہایت سیکسٹی کے لوجہ
 میں لکھتے ہو کہ دھکی دجاتی ہے کہ وہ شخص لکھنؤ کا پال شہد ہے لہذا خوشگئی میں اُسی
 کو قتل نہیں کیا جاسکتا آخر وہ شخص کس سے مراد ہے۔ مرنے کی نام تو لکھا نہیں۔ لکھنؤ کی فاکٹر
 عصمت آباد بیویان اپنے جنت نصیب شوہر کا ذکر (وہ شخص) لکھ کر کرتے ہیں۔ مگر
 ظاہر التمر تو یہ گمان ہو نہیں سکتا۔ پھر یہ وہ شخص کون ہے۔ تمہاری تائید میں جو مہذب
 مضامین منسلک رہے ہیں اور ضمیمہ (شہدین) نہیں ہوتا انہیں سے ایک کا ذکر خیر تم
 اس طرح کرتے ہو کہ فتنہ نے ایک غصہ فوٹ لکھا ہے جنہیں کہتے ہیں کہ لکھنے
 والے صاحب کی ذہانت پر تعجب ہے کہ وہ (ب) سے بے عقل وغیرہ سمجھے مگر حرفِ باب سے
 وہ باپ کو نہ پہچان سکے) اس جملے کے بعد نہایت جوش سے تم لکھتے ہو کہ کیوں منشی
 ریاض احمد صاحب تو لوگ پہچانتے ہیں یہ لکھ تو گئے مگر تم نے اس پہلو پر نہ غور کیا
 کہ اگر کوئی کہے کہ فتنہ کے مضمون نگار کی شکایت یہاں ہے آپ نے تو خوب پہچان لیا،
 افسوس تھیں زبان سے کہنا نہیں ہے۔

راقم خواجہ حیدر علی آتش راز
 فردوس برین)

اودھ پنج مطبوعہ ۹ - نومبر ۱۹۰۵ء

آتش کا خط شر کے نام نمبر ۱

دیکھو دگلدار ستمبر ۱۹۰۵ء

تم نے لکھا ہے کہ جوابات میں حامیان مثنوی سے سوالا طائل تاویلون جا ہلا نہ سخن پر ویوں اور شہد و نکلے ایسے کالی گون کے کچھ کرتے دھرتے بن نہیں پڑتا۔ لہذا اب دگلدار اپنے صفحات کو اس لغو بحث سے علیحدہ کیے لیتا ہے۔ آئندہ وہ جدید اعتراضات نہ کرے گا۔

یہ تو غیر عجوبہ اور (بہانہ بیار) میں سے ایک بہانہ ہے مگر اس دامن سینٹ کے بعد تم نے یہ کیا لکھا کہ اس کام کو (اعتراضات جڑنے کے کام کو) ان لائق و سخن فہم کا ملان فن کے لئے چھوڑ دیتا ہے جنہوں نے اسے اپنے ذمہ لیا ہے۔ یہ خوشامدانہ فقرہ لکھ تو گئے مگر اس پہلو پر نہ غور کیا کہ تم تو اپنی شرافت کا ثبوت دینے کے لئے اس (لغو بحث) سے الگ ہونے جاتے ہو سننے صاف طور پر یہ ہوئے کہ اب یہ بحث اس قابل نہیں رہی کہ کوئی مرد شریف اس میں حصہ لے۔ مگر اپنے احباب یعنی لائق و سخن فہم کا ملان فن کو یہ صلاح دیتے ہو کہ اس (لغو بحث) میں برابر حصہ لیتے رہیں۔ جیسا کہ اسی مضمون میں درپردہ خوشامد کے بعد تم لکھا کہ صاف الفاظ میں کہتے ہو کہ ہم دکن ریویو کے فاضل نامہ نگار پر غیور نقد۔ بی۔ اے۔ کی سختیوں کا اس کرتے ہیں کہ وہ اپنی تنقید کا سلسلہ برابر جاری رکھیں۔

جسکے سننے پہ ہوئے کہ اک تم تو شریف ہو اور باقی تمہارے لائق سخن فہم اور کا ملان فن

اسی قابل ہیں کہ وہ اس (نوجوخت) کا سلسلہ جاری رکھیں۔ آخر اسکا جوا تھا بے پاس کیا ہے جو وہ تھا اسے لئے کنارہ کشی کی ہو سکتی ہو۔ وہ اس کے لئے بھی ہو سکتی ہو۔ اگر تعین شرافت مانع ہے (تو اگر تم انکو شریف سمجھتے ہو) تو انکو بھی شرافت مانع ہو سکتی ہے۔ افسوس ہو تمہاری عمر عزیز کے چالیس سال گزر گئے مگر بات کرنے کا سلیقہ نہ آیا۔

خیر اس بحث سے کنارہ کشی کی وجہ تو اور ہی کچھ ہے اسکو تو باخدا جانتا ہے یا تمہارا دل ماننا ہے۔ اب رہی یہ شہدوں کی ایسی (گالی گلوچ) یہ ہمیشہ تمہارے انہما شرافت) کے لئے مانع ہوتی ہے (اور پردہ عصمت) بھی تعین اسلئے بند کرنا پڑا کہ تمہاری پردہ دری کی کوشش ہو انہما شرافت ہوتا تھا اسکے خلاف) شہدوں کی ایسی گالی گلوچ) شروع ہو گئی۔ با حضرت سکینہ کی شان میں جو تم نے گستاخانہ اور بیودہ مضامین لکھے تھے اور جنکو بڑھ کر سچے مسلمان کا خون اُبلنے لگتا ہوگا۔ ان مضامین کی تردید میں بھی تمہارے خیال کے مطابق شہدوں کی ایسی گالی گلوچ ہوتی اور اسکا اثر حیدر آباد میں عربوں کے رسالے تک پہنچا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تم سمجھو کہ یہ (گالی گلوچ) کوئی عملی صورت نہ اختیار کرے لہذا تم اپنی شرافت کے ٹٹو پر سوار ہو کر اٹھو چلے آئے۔ غرض کہ جو بات تم کہتے ہو اُس پر شہدوں کی ایسی گالی گلوچ ہونے لگتی ہو اور تم ٹھہرے مہذب اسلئے اس سے کنارہ کشی کر لیتی ہو اور بڑی بات تو یہ ہے کہ تمہارا اصول ہمیشہ (اتحاد) بلکہ ... رہا ہے اسلئے جہاں نفاق کی شکل پیدا ہوئی اور تم نے شرافت کا بور یا بدھنا سمجھا لا اور فرو چکر ہوئے۔ مگر تعین لوگوں کی خوشامد کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ اس مضمون میں تم نے منشی ریاض احمد صاحب اور پروفیسر نقاد کی کتنی خوشامد کی کہ لندن سیری آبرو بجلی ہے) (یا پہلے اتحاد میں حافظ میل حسن صاحب کی خوشامد کر چکے ہو اور در پردہ جو خطوط تم نے بھیجے ہیں اور اساتذہ لکھنؤ کے قدموں پر ٹوپی رکھی ہے اسکا حال تو اعمال بد کے فرشتوں سے معلوم ہوتا رہتا ہو۔ جب تم نے اعتراف نہیں کیا تھا تو کیا انھیں لوگوں کے برتنے پر کیئے تھے جنکی آج اس بخونڈے طریقے سے خوشامد کر رہے ہو۔ ایسا کرنا اہل آبرو کی وضع کے

خلاف بھلا تھے اودھ پنچ کو بھی کسی کی خوشامد کرتے سنا یاد کیا ہمارے وقت میں اکثر جیلے فقیر یہ صد لگا یا کرتے تھے کہ مسافر ہیں، سیکس ہیں، لاوارث ہیں، یتیم ہیں، ہماری مدد کرنا تو بہت میں داخل ہے (یہی کیفیت ایک حد تک تمھاری ہے کہ اس علمی مباحثہ کو مذہبی جھگڑا بنا کر اپنی سیکسی جٹا کر در بدر مدد کے خواہاں ہوتے ہو۔

دیکھو کچھ کھوکھو کے سیکھتا ہے۔ مگر تم کو بھی عبرت نہ حاصل ہوئی۔ خیر ابھی ہوش میں آؤ (سکینہ بنت حسین) (اور پردہ عصمت) دلے مضامین لکھنے کی بدولت جو کچھ تمھاری ذلت ہوئی وہ بھی حیا دار کیلئے اس امر کی محک ہو سکتی تھی کہ گھرا بچھوڑ کر حج کو چلا جائے۔ لیکن اس نفرت کا نتیجہ صرف اس قدر ہوا کہ تمہیں لوگ بے شرم اور متعصب سمجھنے لگے۔ اس نتیجہ برے پھنسے ہو یعنی تمھاری شہرہ اور زبان دانی کا پردہ فاش ہو گیا۔ اور یہ پردہ کیا فاش ہوا کہ روزی کے ٹھیکے میں ٹھیس لگی۔ تم کہتے گھر چھوٹا تھا تا نا دیکھو گے۔ افسوس ہے کہ تم نے اپنی ہستی پر نہ غور کیا اور اپنی بساط سے بڑھ کر تلے شروع کر دیے۔ اگر اپنے گوشہ عافیت میں بیٹھے ہوئے جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ کیا کرتے تو کوئی تم سے مخاطب بھی نہوتا۔ مزے سے بیابانی کے کیکے پر در زبیا کرتے۔ کچھ غلت سے نکلتا تھا اے لے قیامت ہو گیا۔ ہاے مجھے اپنی جوانی کا شعر یاد آ گیا ۵

نخلک کچھ غلت سے نہ کر ہنگامہ افروزی نثر ریاقوت کا ہنسک ہو مبتک ہو پتھر میں

خواجہ میر علیہ آتش لکھنؤی (صلل وارڈ)

(فردوس برین)

ازادہ پنج مطبوعہ ۱۶ - نومبر ۱۹۰۵ء

آتش کا خفا شر کے نام نمبر ۱۲

دیکھو دگلدار ماہ ستمبر ۱۹۰۵ء

اب تمھارے اس آخری مضمون کے متعلق چند نمائشیں راج بہن - پیشتر کے دو تین مضامین میں جبکہ حجم ۹ صفحوں سے زیادہ نہ تھا سم ۴ نوشرین شمار کرا چکا ہوں - اس مرتبہ جو ایک صفحہ دگلدار کا تم نے گلزار نسیم کے متعلق کیا ہے اس کی نوشرین بھی قدیم نمائشوں کے سلسلے میں ظاہر کیے دیتا ہوں -

فمائش نمبر ۶۴ اس ثنوی پر اعتراض کرنے اور اس کی تنقید کرنے کا سلسلہ دگلدار نے پھیل رہا تھا اس جہل میں اس کی کیا لگ ہے - اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ اعتراض کی (تنقید) بھی تم ہی کرتے تھے جو غفلت ازلی (دب) تمھارا شریک ہے اس سے اس امر کے متعلق مشورہ کر لیتا -

فمائش نمبر ۶۵ جس کے ساتھ ہی اردو کی لٹریچر دنیا میں تحریک ہو گئی (تحریک تو ضرور ہو گئی مگر نزلہ تم ہی پر گرا - مگر یہ نہ سمجھو کہ خض تحریک ہو گئی) اس موقع پر بے مضہے کنایہ چاہیئے تھا کہ (تحریک پیدا ہو گئی)

فمائش نمبر ۶۶ لہذا اب دگلدار اپنے صفحات کو اس نحو بحث سے علاحدہ کیے لیتا ہے)

واہ سے (کو) اسی کی بدولت لوگ تمھیں (شرراہینڈ کو) کہنے لگے ہیں -

میں تو صرف (کو) سے واقف ہوں۔ شرمحمد (شرائینڈ کو) کے فقرہ پر خوب فہم
لگاتے ہیں اگر یہ لکھتے کہ اپنے صفحات اس بحث سے اٹھ کر تو مفت میں روشنائی بخشتی
اور بیکار قلم نہ گھستا مگر تمہارا تو یہ اصول ہے کہ جان جائے مگر (کو) نہ جائے
فہمائش نمبر ۶۸) بلکہ اس کام (کو) اُن لائق سخن فہم کا ملان فن کے لیے چھوڑے
(دیتا ہوں)

اس مرتبہ حضرت (کو) کی شان نزول اور ہے مگر ہو (کو) اس (کو) کے کافی کی
کشش تھیں اپنی طرف اسی طرح کیجی ہو جیسے تنکے کو کہہ کر!۔ دیکھو یہ فقرہ یوں لکھنا تھا
کہ (یہ کام اُن لائق سخن فہم وغیرہ وغیرہ اب (کو) تمہارے اس فقرے سے اس طرح
اڑ گیا۔ جیسے گدے کے سر سے سینگ۔

فہمائش نمبر ۶۸) گرچہ یہ ہے کہ جب کوئی بحث بازاری لوگوں میں پہنچ جاتا
تو پھر گرفت سے باہر ہو جاتا ہے)

یہ فقرہ قابل گرفت ہے۔ بحث کا گرفت سے باہر ہونا چہ معنی دارد۔ بیشک ایک
معنی اس جگہ کے ہو سکتے ہیں وہ یہ ہیں کہ (وہ بحث قابل گرفت نہیں رہتا) مگر تمہارا
مطلب کچھ اور ہے وہ مطلب اُن الفاظ سے ادا نہیں ہوتا (بحث) کچھ کرسی کا ڈنڈا تو
ہو نہیں کہ تمہاری گرفت میں رہے۔ خدا جانے تم کس دھن میں گرفتار ہو۔ اور لکھتے کیا ہو
ذرا قلم بکڑنا سیکھو یہ ہر مقام پر تمہاری گرفت سے باہر ہو جاتا ہے۔

فہمائش نمبر ۶۹) بلکہ یہی دھکی نہیں دیجاتی ہے کہ وہ شخص لکھنؤ کا پاک شہدا ہے۔ لہذا
فحش گوئی کا لیان بکنے اور نقالی میں اسکا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دلگداز
اور دکن یو یو نے اپنی وضع کو نہیں چھوڑا) یہ (بلکہ ہی نہیں) کی خیر دوسرے
جملہ میں نکلنی چاہئے۔ یہی۔ یعنی یہ دھکی ہی نہیں دیجاتی بلکہ کچھ اور بھی کیا جاتا ہے۔ مگر فحش
مذہب ہے۔ اور دوسرا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ غرض کہ کل جملہ دیہات کی شرم کی طرح

ناہموار ہے۔ اسی ٹرک پر تمہارا قلم ہٹیا رہے کے ٹھوکی طرح چلا ہے۔ یہ حرف اسی کے نقش پا ہیں جنکو تمہارے مریڈ آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ ہاں یہ (وہ شخص) کس سے مل رہی (تمنا) اطمینان تو ضرور ہے کہ شخص مذکور مولوی بنین ہیں ورنہ پاک شہدے کے بدلے تم اسے شرعی شہدا کہتے)

فہمائش نمبر ۷) دکن ریویو نے تو اپنی وضع (کو نہ چھوڑا) یہ بات وہ بات (کو) صاحب پھر موجود ہیں۔ آخر یہ کیا بات ہے کہ (کو) تمہیں اس قدر غریب ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم نے اپنی شرمین (کو) جا بجا اس شدت کے ساتھ لکھ دیا ہے کہ ہر اک جگہ۔ کو کا پہلی کا بار معلوم ہوتا ہے۔ یہ کہنے میں کیا ہرج تھا کہ دکن ریویو نے اپنی وضع نہیں چھوڑی۔

فہمائش نمبر ۸) جنھوں نے... خیر آباد والے کارٹون کو دیکھا ہو گا یہ آخری (کو) ہے۔ مگر ہے (کو) اچھا اب اسے یون بدلو (جنھوں نے... خیر آباد... والا کارٹون دیکھا ہو گا۔ تمہیں ایمان سے کو کہ آت یہ فقرہ کتنا چست ہو گیا۔ خیر یہ تو پُرانا دانا ہے۔ اب یہ دریافت کرنا ہے کہ آخر (کو) سے تمہیں ہنس کیوں ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ دیہات میں (کو) کا استعمال بہت ہوتا ہے۔ مثلاً کو آؤت ہے کو چاؤت ہے اسوجہ سے تمہاری زبان پر یہ اس قدر جاری ہے۔ مگر غیر ذیل آنا ہے کہ اس نام کے آگے مولوی لکھتے ہیں تو شاید کسی اور پہلو سے تمہاری مولویانہ نگاہ میں (کو) کا حسن سما گیا ہو۔ مولویانہ نگاہ سے دیکھتے (کو) نہ صوری حیثیت سے قابل عشق ہے نہ معنوی حیثیت سے۔ یعنی صرف دھنوس کے لحاظ سے اور کو علامت مفعول ہے)

کیا اسکے کثرت استعمال سے تمہاری یہ مراد ہے کہ یہ علامت مفعول کے بدلے علامت شمر کر کھلائے صوری حیثیت سے (کو) عظیم الشان غانی حق کے نیچے سے مشابہ ہے۔ نیچے سے عشق ہو گا۔ تو نیچہ بندوں کو تم کو اس سے کیا غرض۔ عظیم الشان کی نسبت مشہور ہے کہ ذات کے نائی تھے۔ ممکن ہے تمہارے (مستبرائی) (نے) کو کی تم سے

اس پہلو سے سفارش کی ہو۔ مگر کوئی وجہ مقولہ اب تک نہ سمجھ میں آئی۔ مگر یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ اس صفحہ بھر کے مضمون میں یہی ساتھ فرشتے موجود ہیں گویا اس وقت تک جو ہمیں صفحہ گلزار نسیم کے متعلق تھے دیکھنا نہیں لکھے ہیں ان میں ۱۷۔ فرشتے ہیں افسوس صد افسوس

راقم خواجہ حیدر علی آتش لکھنؤی (حال وار دفتر دوس برین)

از اودھ پنچ مطبوعہ یکم فروری ۱۹۰۶ء

سال نو کا انوکھا خطاب

(از منشی سجاد حسین)

ہر سال مختلف حضرات کو مختلف خدمات کے صلہ میں مختلف خطابات ملتے رہتے ہیں۔ کوئی اپنی علمی خدمات کی بدولت شمس العلماء ہو جاتا ہے۔ کوئی پولیٹیکل خدمات کے صلہ میں خان بہادر۔ سی۔ آئی۔ اے وغیرہ ہو جاتا ہے۔ مگر کیا افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے شہر صاحب جو کہ اپنے تئیں ہرن مین کامل اور ہر کمال میں مرد یقین لکھواتے ہیں اب تک خطابات سے محروم رہے۔ اور کسی قسم کے اعزاز کا (طوق ندین) آپ کی کوئی گردن میں نہ ڈالا گیا۔ اس کمی کے پورا کرنے کے لیے اودھ پنچ کی سرکار سے شہر صاحب کو سال نو کی تمنیت میں ذیل کا اعزاز بخشا جاتا ہے۔ چونکہ آپ کے خدمات اور کمالات کو ناگوں ہیں

لہذا ایک خطاب سے آپ کی تسکین نہیں ہو سکتی تھی اسی خیال سے متعدد پیرایوں میں آپ کے سر پر اعزاز کھجوتا لایا جاتا ہے۔ (الف) کہ پہلی جنوری ۱۹۴۷ء سے آپ کو ذیل کے خطابات عطا ہوئے۔ فضیلۃ العلماء۔ فصیح الکمرسی۔ ٹینیسی۔ انجیر۔ خفاش الملک۔ طبلہ نواز جنگ۔ نانٹ کمانڈر آف دی آرڈر آف۔ پردہ عصمت۔ (ب) ٹائیگاہ کہ ایکسٹریٹس ضرب گوز شتر انجی سلامی لیکٹی۔

(۱) فضیلۃ العلماء۔ یہ خطاب آپ کو اس غرض سے دیا گیا ہے کہ باوجودیکہ آپ اپنے تئیں عربی و فارسی کا عالم سمجھتے ہیں۔ مگر آپ کی بیاقوت کا یہ حال ہے کہ آپ (قطرہ زن سیل) کی ترکیب کو غلط بتاتے ہیں۔ آپ (قطرہ زن) سے قطرہ بار مراد لیتے ہیں۔ اور آپ کو اسکی خبر نہیں کہ فارسی میں (قطرہ زن) شتابندہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ عربی کی آپ کی قابلیت جس قدر بڑھی ہوئی ہے اسکا ثبوت آپ کے اس مضمون میں ملتا ہے جو کہ آپ نے (سکینہ بنت حسین) کے عنوان سے لکھا تھا اور جس میں آپ نے اُن عربی کی کتابوں کی شہادت دی تھی۔ جنکی علما کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں۔ تاریخ میں آپ کو اس قدر دخل آئے کہ آپ یہ ثابت کر چکے ہیں۔ کہ ہندوستان میں چین سے پردہ آیا اور مسلمانوں نے ہندوؤں سے پردہ کی رسم سیکھی۔ حالانکہ انگریزی فارسی یا عربی وغیرہ کی تسمیہ تاریخ سے اس امر کی شہادت نہیں ملتی کہ ہندوستان میں چین سے پردہ آیا۔ نیز چین میں نہ کبھی پردہ کی رسم تھی نہ اب ہے۔ غرض کہ اسی قسم کے علمی خدمات کے صلہ میں آپ کو فضیلۃ العلماء کا خطاب دیا گیا۔ (۲) فصیح الکمرسی۔ یہ خطاب آپ کو ایسے دیا گیا کہ آپ فکر کر سکیں کہ اس سے تو آپ کو انکار ہے کہ آپ کرسی میں پیدا ہوئے مگر آپ یہ اعلان شائع کر چکے ہیں کہ آپ کا خاندان کرسی کا خاندان ہے۔ اور اب تک اپنی دہاتی وضع پر قائم ہے (بہر صورت کرسی کی خاک سے آپ کا تعلق ثابت ہے۔ اور کرسی کی زبان پر جس قدر آپ کو قدرت حاصل ہے اسکا ثبوت (بد انسان کی مصیبت) (اور میوہ قلم) کے مطالعہ سے مل سکتا ہے)

(۳) مینی لٹچر یہ خطاب آگیا اس غرض سے دیا گیا ہے کہ آپ بہت خیال اور بہتہ قد ہیں چنانچہ (مینی مرغی) کرسی کی گانٹھ گوبھی (د لگداز پر بس کے شیخ وغیرہ کی پھبتیاں آپ نے عموماً ہوا کرتی ہیں۔ اور اس میں ایک رعایت یہ بھی ہے۔ کہ آپ ہر سخن کے بھی کبھی نہ جانتے ہیں۔) خفاش الملک اس خطاب میں کئی رعایتیں ہیں اول یہ کہ جس طرح خفاش کو روز روشن سے دشت ہوتی ہے اسی طرح آپ روشن خیال حضرات کے دشمن ہیں۔ ثانیاً یہ کہ آپکا (اتحاد) بھی خفاشانہ ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کہتے ہیں ایک مرتبہ چہرہ ندون اور ہر ندون میں لڑائی ہوئی دونوں طرف سے خوب خوب محرکہ آریاں ہوئیں۔ چمکا دینے یہ ترکیب سوچی کہ جب چرند و طیور ہو تو وہ اپنے تئیں چرندون میں شامل کر لے اور اپنے انتون کو چرند ہونے کے ثبوت میں پیش کرے۔ اور جب چرند و طیور ہو تو ان میں شامل ہو جائے اور اپنے پروں کو چرند ہونے کے ثبوت میں پیش کرے۔ ایسی کیفیت شر حبیب کی ایک زمانہ وہ تھا کہ آپ نے منظور ہونا لکھ کر اور ہندو کو گایان دیکر مسلمانوں میں سوخ پیدا کرنا چاہا اور اپنے تعصب مذہب کو استواری ایمان کی شکل میں پیش کیا۔ ایک زمانہ پھر وہ آیا کہ آپ نے (سکینہ بنت حسین) محل اور کستان خانہ مضمون لکھ کر ایک خال فرقہ میں اپنا وقار بڑھانا چاہا۔ اب جب آپ نے دیکھا کہ ایسی اصل حقیقت ہنسا بنظاہر ہو گئی اور آپ کے مذہبی جوش کا پردہ پردہ عصمت کے ساتھ خاش ہو گیا۔ اور یہ دیکھا کہ دکن میں مولوی عزیز اللہ صاحب آپ کے مرنے (ہندو مسلمانوں کے اتحاد کے حامی ہیں تو آپ نے بھی روٹی کمان کی غرض سے اتحاد کالہ اور ہندو مسلمانوں شیعہ سنیوں کے میل جول کی خاطر اپنا کوشش کرنے لگے۔ غرض کہ جس طرف ہوا کار رخ دیکھا اُس طرف آپ بھی چنگاری کی طرح آگ پس خفاش کی حکایت آپ پر صادق آتی ہے اور (خفاش الملک) آپ کا مناسب خطاب ہے (طبلہ نواز جنگ) جو کہ بیابانی کے جنگ کے آپ بشتینی نہیں ہیں اور طبیعت بھی کبھی جنگجو واقع ہوئی ہے لہذا آپ (طبلہ نواز جنگ) آپ کے لئے ایک موزون

خطاب ہے (نمائے کھانا ڈراف دی آرڈر آف پردہ عصمت) کا خطاب آپ کو ان خدمات کے صلہ میں ملا ہے جو آپ پردہ درسی کی کوشش میں بجالائے ہیں۔
(ب) اکیس ضرب گوزنتر کی سلامی اس غرض سے آپ کے لئے تجویز کی گئی ہے۔
کہ آپ نے عرب کے متعلق بہت سے ناول لکھے ہیں۔

(مہر عدالت اودھ بیج)

(ازادہ پنج مطبوعہ ۹ - نومبر ۱۹۰۵ء جلد ۲۹ نمبر ۲۵)

گلزار نسیم پر تازہ اعتراضات

(شگرت رقم شاگرد شہر)

(منشی شجاع حسین شاہ)

جناب مستطاب تبسلیم بشد تعزیم گذارش ہو گش آپ نے شننا - آجکل ایک بڑے شاعر غزائے شننا دشلم اثبوت کے شاگرد اور شرکانے نشین بوم شوم سے بر شاتی میند کون کی طرح شور شرعایا شروع کیا ہے یہ شوخ و شنگ و شاہی کا شیرہ پیٹے ہیں اشعار (کوشش کاوش) کر رہے ہیں کہ مجھے اندیشہ ہے اگر اشعیرج شور و تشعب رہا تو جسطرح مشہور شخص شیخ علی بخش کے اڈیشن کیا ہو گئے

کس کوئی شاحب شکا رشاہین سناست اعمال ہوں جاوین۔ خیر تو ہے کہین شراب یا نشی شرابی
نہیں نوش کر گئے کہ اس قدر نشین کے خیر کرنے کا شوق پیدا ہوا۔

آپ شہر میں رہ کر شون کھینچے کہاں پڑے رہتے ہیں۔ آج کل تو جشکو دیکھے نشین کا
استعمال کرتا ہے۔ کیونکہ آج کل شعر شاعری کا بڑا زور شور ہے۔ اور کیونہو آتش لیشے
باشان و شوکت او شاد کے شاگرد رشید کشمیری بنات دیا شکر نام کی مشہور شش جہت
مشنوی کی شہرت کا شیر دھاڑ رہا ہے جشکی آواز شکر کے آج کل کے شغال شتر بے مہار کی طرح
شجر ایا ریگستان یعنی ریگزار کی طرح بھاگے جاتے ہیں۔ شتر ہیوں کی طرح یہ کیا بے ٹکی ٹانگ
لگانی شروع کر دی۔

اے شاحب کش میں ہی اکیلا نہیں جو اش نشین کے مرض میں مبتلا ہوں۔ انشاء اللہ
خان نے بھی میان مشن کی جو میں نشین کا بڑا خرچ کیا ہے۔ اب بتائے اگر میں نشین کا خرچ
زیادہ کیا تو کیا نشی شریکے زخم شکم پر آب شور چھڑکا شنے اگر آپ نے کبھی زیادہ شکایت کی تو
میں نانش کر کے کشی کو مجبور دیا ہے شور کی شزا دوں گا۔ جشکا اکو نشان و گمان بھی ہوں گا
خوب یاد آیا شیخ کہنے پر تو آپ شاکا ہوتے ہیں۔ کیون شاحب یہ (شام او وہ) نو لکھنور
پریش (گنگا پرشاد اور با پریش) کشمیری درپن (وغیرہ وغیرہ میں کیون نشین شامل کیا کیا
کوئی شب تو ہے کہ جشکو دیکھو نشین کی چاشنی شتر تیا ہے۔

یہ بھی جانے دیجیے اب مجھکو تو کہتے ہیں نشیم کو کش نہیں کہتے انکی کل مشنوی شہ
شین کی لغزشوں سے بھری پڑی ہے شینے کہیت

| | |
|---------------------------|-----------------------------|
| مہرب شہ ہوئی خموش | کی نور بشر سے چشم پوشی |
| دمی آنکھ جو شہ نے رونمائی | چشمک سے نہ بھائیوں کو بھائی |
| لشکر کش و تاجدار بھتا وہ | دشمن کش و شہر یار بھتا وہ |

کہا تا تک تشطیر کروں اور شینے۔ ہر چند کہ بادشاہ نے ٹالا اُس ماہ کو شہر سے نکالا

ایشی ہزاروں لغزشیں نسیم میں ہیں جسکو دعویٰ ہوا پکا تر و اب دے -
 اخاہ تو آپ نے گلزار نسیم پر اعتراض کیے ہیں - تھی مان اور کیا آپ سمجھتے نہیں -
 پیچ شاہباش

(راقم شرف رقم شاگرد شریف)

شرف کے جو مقابل زویل ہوتے ہیں وہی لڑائی میں اکثر ذلیل ہوتے ہیں

(ازاد دہچ مطبوعہ - ۹ - نوبر ۱۹۵۵ء جلد ۱۲ نمبر ۴۲)

شر کی شاعری

مولانا اودھ پتخ

والہد آپ کے نامہ نگار بھی عجب عالم بخیری میں بسر کرتے ہیں جسکو دیکھتے
 وہ کھڑ رہا ہے کہ مولانا شرف محض تخلص کے شاعر ہیں کوئی کتاب ہے کہ تخلص کا یہ گوشت نمض ہے
 وزن بیت ہے - یا تخلص کا گویا بیکار لکھائے ہوئے ہیں یا تخلص کی پھریری کان میں گاندہ
 کھونٹے ہوئے ہیں - یہ خدا کے بندے یہ نہ سمجھے کہ عتابناشد چیز کے مردم نہ گوید چیز با -
 ذرا سا لکھو تا برسات میں آگیا ہو - اسکا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہی ہے پھر بیان عبدالحکیم جو تخلص

عہ اودھ پتخ - یہ دیہات کا تادمہ ہے ۱۲ -

باندھے ہوئے اردو شاعری کے چھ گھٹوم ہے تو جسکی کوئی وجہ ضرور ہوگی آپ جانتے
ہیں کہ بندہ درگاہ توالد میاں کے یہاں سے فلسفی کا دماغ نکلے آئے ہیں۔ اور ذوق تاریخ
سے بھی شوق رکھتے ہیں لہذا یہاں فکر لاحق ہوئی کہ ناو لسنٹی کے دریاؤ کے درتیم میاں عبد حکیم
تخلص کی ماہیت دریافت کیجائے چنتین اس فکر میں غلطان پچان رہا۔ تمام باوقفت گلستر
اور رسائے دیکھ ڈالے مگر کسی میں اس دتیم کی شاعری کی آب و تاب نہ دکھائی دی ایک روز
اتفاق یہ رہیوں میں ایک پرچہ ملیا جس پر گلسترہ سخن لکھا ہوا تھا یہ ایک گلسترہ کا نام ہے
جو کہ گفتگو میں (اخبار تلمانی) کے ساتھ شائع ہوتا تھا۔ غرض کہ اسی گلسترہ کے ایک پرچہ میں شرکی
ایک غزل نظر سے گزری جس کے شروع میں لکھا ہوا تھا غزل طبع اذ جناب ابو نعیم محمد عبدالحلیم صاحب
شر۔ شر کا نام دیکھنا تھا کہ باچھین کھل گئیں اور دل میں یہ خیال گذرا کہ میاں عید احمد کا تخلص
محض اقلیدس کا نقطہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ شر۔ شراب سخن کی کھٹی سے نکلا ہے۔ اب غزل ملاحظہ
بعد مدت کے لکھا یار نے لوگر کا غزل بھول آیا ہے وہیں ٹپے پیمبر کا غزل
پہلا حسن تو اس شعر کا یہ ہے کہ مصرع اولیٰ پڑھا نہیں کہ یہ مصرع یاد آگیا ع۔
بعد مدت کے پھنسا ہے یہ پڑانا چند ٹول۔ علاوہ اسکے بندش الفاظ اور پاکیزگی زبان کا
یہ عالم ہے تو سچا انشد فصو صا (لوگر) ترکیب لے تو شعر میں جان ڈال دی۔ سفید کاغذ۔
سیاہ کاغذ۔ مہین کاغذ۔ دبیر کاغذ آج تک سنا تھا یہ (لوگر کاغذ) شر کے دماغ کی پیرل
سے نکل نکلا ہے۔ ہونو (لوگر) فراسیسی زبان کا کوئی مقلد ہے جو بغیر فراسیسی زبان کی دشمنی
دیکھے ہوئے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اور نینے خط کے معنوں میں کاغذ کا استعمال کس قدر مناسب
یہ خاص لکھنؤ کی مستند زبان ہے۔ جس کا پتہ گلزار نسیم میں نہیں ملتا۔ اتنا ہم کہیں گے کہ اگر
(کاغذ) کے بدلے (کاگد) کہا جائے تو شر کی مادری زبان کا جلوہ نظر آجائے۔ نیز۔ پیا سبر
(اور قاصد) کے بدلے پیمبر کتنا فصاحت میں شر ابور ہے۔ مولانا تو نوی معنوں پر مٹے ہوئے
ہیں جس طرح (اچھ) کے معنی صرح میں پائے ہیں اسی طرح (پیمبر) معنی انت میں قاصد کے ہیں۔

سب پر طرہ یہ ہے کہ دونوں مصرعون من ربط کس قدر ہے اگر ایک گندھی ہے تو دوسرا مولوی
دوسرا مطلع ملاحظہ ہو ۵

وصف تنگی دہن کا جو لکھا بر کاغذ ہو گیا غنجہ وابستہ سمٹکر کاغذ
اول تو (تنگی) (دہن) (مین) (دی) کا زور ملاحظہ ہو پس کسی کی طرح لٹکی پڑتی ہے۔ اور
(بر کاغذ) کی ترکیب تو (لوگر کاغذ) سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ آخر (بر کاغذ) کیسا
بلا ہے۔ مولوی صاحب نے تو غالباً (بر) کے معنی (اوپر) کے لے ہیں جس سے
کل مصرع کے معنی یوں ادا کیے جاسکتے ہیں کہ (وصف دہن کا جو لکھا اوپر کاغذ کے (مگر
مولانا کی طبع بکر کا منشاء یہ ہو کہ (بر) مین حرف با پر بجائے (زبر) کے کوئی اور علامت
رہے۔ لیکن قافیہ سے مجبور ہو گئے۔ چنانچہ تنگی دہن (غنجہ وابستہ) (اور سمٹ کر)
کی رعایت بھی موجود ہے۔

واہ مولانا واہ (قابو پانے) کے بدلے) دست پانا) تو جاہلانہ غلطی ہو (اور بر کاغذ)
عالمانہ خوش فہمی ہے۔

اور سینے کاغذ کا سمٹکر غنجہ ہو جانا بھی کیا خوب شاید مولانا کا مطلب ہو کہ کاغذ
سمٹ کر گندھی کی کٹی کی ڈانٹ بن گیا۔ تشبیہ تو اچھی ہے مگر اس خاص صورت کے
علاوہ یہ کہنا کہ کاغذ سمٹکر غنجہ ہو گیا ویسا ہی ہے جیسا کوئی شخص کہے کہ پیر پل سمٹ کے
گو لڑکا درخت بن گئی۔ یا بیابانی کا تکیہ سمٹ کے گھٹنا گھر بن گیا۔

ہاں ایک رعایت اس شعر میں خوب ہے (مینی کاغذ بھی ہے) اور بستہ بھی موجود ہے۔
مگر (بر کاغذ) کی ترکیب کا جواب ناممکن ہے۔ یہ خاص کر سی کے) بر اعظم کی زبان ہو۔
تیسرا شعر ملاحظہ ہو ۵

دل یہ جھڑ دم تحریر کیا شوق نے کیا لکھا کچھ بھی نہیں جسیر لکھا دُن بھر کاغذ
دیکھئے اس شعورین (کاغذ) کس قدر ضروری ہے پس استاد کا مصرع یاد آ جاتا ہے۔

عجیبہ سپستان فارسی ہندی بسوڑا سانپ کا - دوسرے مصرع میں دو نوں جگہ
 لکھا کا الف (گندمی کی ٹانگ کی طرح کمزوری) کے مرض میں مبتلا ہے بس دبا جاتا ہے
 (شوق کا جھڑپ) بھی ملاحظہ طلب ہے - نیز آخر میں (کیا) کتنا نصیح معلوم ہوتا ہے - یہ
 نکلتین (اور بندشیں) نسیم مرحوم کے کلام میں آتش کی اصلاح سے بھی نہ پیدا ہو سکیں -
 میر تو ب کچھ سنا آخر اس کینجٹ شعر کے سننے کیا ہیں اگر موجودہ زمانہ میں مولانا نے یہ شعر کہا ہوتا
 تو ایک منٹے پیدا بھی ہو سکتے تھے کہ حضرت شوق نے اودھ پنچ میں ایسا قول فیصل لکھا کہ شرنے
 جو کچھ صفحہ اعتراضات سے سیاہ کئے تھے وہ بے لکھے کے برابر ہو گئے - چوتھا شعر ملاحظہ ہو
 آب دو بول ہیں لگتے تو ہم رکھ لیتے سر پر سینہ پہ دل و دیدہ تر پر کاغذ
 سجان اشد و بکرم ہم رکھ لیتے کتنا طرف ظاہر کرتا ہے اور (بول لکھنا) تو خاص
 لکھنو کا سکہ ہے - نسیم نے (کلام بولنا) واقعی غلط نظم کیا ہے (بول لکھنا) صحیح اس اصول
 کے مطابق (خط لکھنا) غلط ہے - خط بولنا صحیح ہو -

نیز ترکیب الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی مرتبہ آب - سر پر سینہ پہ دل و دیدہ
 تر پر کاغذ رکھ لیے معلوم ہوتا ہے کہ آپکا مشوق گو کہ (دو بول) لکھتا ہے مگر پورے
 تاؤ پر لکھتا ہے کہ آپ اسے ایک ہی مرتبہ آدھے دھڑیر رکھ لیتے ہیں غالباً یہ (دو بول)
 بڑے جلی قلم سے لکھے جاتے ہونگے - پانچواں شعر ملاحظہ ہو
 نامہ بر قتل کیے نوپے کو تر کے پرے اب بھلا بھیجیں گے بول تو تھیں کیونکر کاغذ
 و اشد مولانا نے اپنے پنچہ فکر سے کیا شاعری کو نو چاکسوٹا ہے (بولو)
 دوسرے مصرع میں خواہ غواہ دہنسا پڑتا ہے - اور (کاغذ) تو حسب معمول (خط)
 کے متون میں اس شعر میں بھی استعمال ہوا ہے - نسیم کے اس مصرع پر (خاتم کے
 لیکن نبائے ہوئے) تو شر رکایہ اعتراض تھا کہ بغیر (انھوں نے) کے مصرع نامکمل ہے

عہ اودھ پنچ گروہ پھوڑی کہ وہ بھی کئی ٹوپی کے چنڈے کے پردے میں نمایاں ہے ۱۳ + + + + +

مگر اس شعر کے دوسرے مصرع میں یہ سوچا کہ (بغیر ہم) کے مطلب ضبط رہتا ہے۔

چھٹا شعر ملاحظہ ہو۔

دل سے پھر آیا تو پھر بھیجا پھر پھر بھیجا
یوں ہی کتنے دنوں کھایا کیا چکر کاغذ
والہ پہ مصرع کے (پھر پھر) سے شعر پھر کی بن گیا جیسے دوسرے مصرع میں یہ
ارشاد ہوتا ہے کہ کھایا کیا چکر کاغذ مگر اس (پھر پھر) سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ
حسن دماغ سے یہ شعر نکلا ہے وہ زمانہ کی الٹ پلٹ سے گنچکر بن کر رہ گیا ہے۔

اس شعر میں ایک اور حسن ہے کہ مصرع اولیٰ موزون پڑنا نہیں کہ (بھیجا) کا
الف ٹوٹی زیر پائی کے تے کی طرف سٹ سے نکل گیا) مقطع ملاحظہ ہو۔

خود شہر آؤ چلیں غلطیوں در جاناں پر
فائدہ کیا جو سیہ کرتے ہیں لکھکر کاغذ
بسم اللہ کہیں کھنڈ سے تشریف تو نہ جائے۔ در جاناں پر جائے کہ کہیں اور جائے۔
بیان بیشک تو اپنے نامہ اعمال کو دفتر نہ سیاہ کیجئے۔ ناظرین او دھڑنچ شہر کی شاعری کا رنگ
دیکھ چکے خدا کی غلٹ سے ان چھ شعروں میں تمام معائب شاعری موجود ہیں۔

مولانا نے یہ اعلان شائع کیا ہے کہ گلزار نسیم میں جتنی غلطیاں ہیں اتنی کسی شاعر کے
کلام میں نہیں ملیں گی۔ مولانا کا یہ دعویٰ صحیح ہو کہ نہ تو لیکن یہ ضرور صحیح ہو کہ جتنی غلطیاں
مولانا کے ان چھ شعروں میں ہیں اتنی غلطیاں کسی شاعر کے چھ سو اخبار میں بھی نہ ملیں گی
شاعر اور زبان باندنی کا یہ رنگ اور نسیم کی زبان پر اعتراض کرنے کے لئے یہ آدھی۔ بس جی
چاہتا ہے کہ ایسے کو کاغذی حادوس بھجوا دیجئے۔

(راقم دندان شکن۔)

لے پنچ۔ اس شعر میں اور رعایت ہے (یعنی بھیجا) دماغ کے اندر ہوتا ہے اور (چکر) بھی موجود ہے

اسی بھی دماغ سے تعلق ہے ۱۲ + + + + +

اودھ پنچ مطبوعہ - ۱۹ - اکتوبر - ۱۹۰۵ء

نکلا جو نہیں پنچ کا بنجر غلاف سے اڑنے لگے شرردم خارا شگاف سے برالسا اور اس کی مصیبت نسل

کسی استاد کا مصرع ہے ع قضا آتی ہے چو نی کی جب اُسکے پر نکلتی ہیں۔
یہی حالت آج کل شرر کی ہے ابھی کل کی بات ہے کہ حضرت کُرسی سے ریٹکتے ریٹکتے
لکھنؤ ہوئے۔ یہاں کچھ روز تک سیلابانی کے تیکے کی خاک چھانی رفتہ رفتہ ایسے
پر پُر زنگ کالے کہ ناولسٹ ہو گئے مگر خیر یہ جلتی کہ ابھی تک قبر کے مُردے اُکھاڑنے
میں مصروف رہتے تھے اور عروسِ سخن کے لئے مبالغہ و تحریف کے کفنِ کمسوٹ
کمسوٹ کے پیشوا تیار کرتے رہتے تھے۔ غرض کہ ٹیان کوڑی کی طرح گوشہ عافیت میں
بڑے رہتے تھے۔ نہ نسل کوئی مخاطب ہوتا تھا نہ یہ کسی سے بھڑنے کی جرأت کرتے تھے
مگر گذشتہ مئی میں گرمی کی شدت نے جہان اور اثربیدا کئے وہاں یہ تازہ گل کھلا یا
کہ شرر کے دماغ کی بھٹی کا ٹمپر بھر بڑا دیا پھر کیا تھا شربِ سخن اُبنو لگی ایسی اُلی کہ آخر کار
ٹوٹنے سے ٹپک پڑی اس شرب کا ٹپکنا تھا کہ چاروں طرف تعصب کی بو اڑی کرسی کی
ہولنے اس بو کو دور دور ہو نچا یا حتیٰ کہ حضرت پنچ کے بھی آرام میں خلل پڑا ایک بار چونک پڑا

اب کھتے کیا ہیں کہ ملاے بوکے دماغ پریشان ہوا جاتا ہے گندھی کے یہاں سے عطر
 مٹکا یا عطر ایسا ملا کہ مٹی کے تیل سے بدتر پھریری پر غور کیا تو دیکھا کہ کسی چور کی داڑھی کے
 تنکے پر پنبہ مینا لپٹا ہوا ہے۔ اور پنبہ بھی کس مینا کا وہی شراب سخن کے مینا کا
 پھر تو حضرت پیخ نے ایک لعل تیار کیا اور گلزار نسیم کے پھولوں سے ایک گلہ سنا کر
 سامنے رکھا۔ یہ لعل عجب جادو کا خلع تھا اور یہ گلہ سب سے عجیب طلسمی گلہ سب سے تھکا
 اسکی بواغ جنت تک پہنچی اور شراب کی شراب سخن سے جو تعصب کی بوجاروں طرف
 پہلی ہوئی تھی وہ کا فور ہو گئی۔ شراب کی نجاست پسند طبیعت کو یہ بہت ناگوار گذرا اور
 کہنے لگے کہ اب آتش نفاق کی آغ خوب تیز کرونگا اور دماغ کے دیگ بھیکے سے شراب
 فشن کوئی کے خم کے خم لکڑا کر سباز لندھاؤنگا اور یہی تعصب کی بواڑاؤنگا کہ نفاست
 پسند حضرات کو راستہ چلنا دشوار ہو جائے حضرت پیخ کے شاہانہ مزاج کو یہ ضد بہت گوا
 گذری اور زمین بیا نیوٹے لیے چمن کہلائے کہ ہر ہفتہ پھولوں کے ٹوکے کے ٹوکے
 اترنے لگے جتنی خوشبو سے دماغ مضر ہو گئے۔ مگر اپر شراب کے دماغ کی گرمی کم نہوئی اور کہنے
 لگے کہ مین ایسی بولی بولوں گا کہ ادھر پیخ کا ہر لعل جمن ویران ہو جائیگا یہ خیر بندہ درگاہ کی
 کا نوں تک پہنچ گئی پھر کیا تھا حضرت پیخ کی قدیمی رفاقت کا خیال آگیا ہمیشہ ایدار میاں
 نکل پڑی ہمت نے کہا پیخ کی توار کا لو باڑے بڑے مانے ہوئے ہیں اسکی چپک سے
 حالی کی آکھو نہیں اتنا چکا چوند کا عالم ہے۔ سرشار بھی اسکی کاٹ کے قابل تھے۔ دماغ
 اسی کا دماغ دلیر لیکے۔ پھر شراب کا کیا دم ہے۔ اک ذرا سی چکاری کی ہستی کیا ہے۔ اسی
 توار کا پانی اسے بھائیگا۔ ہمت پرواز کا تقاضہ ہوا کہ ہم بھی اپنی شمشیر سخن کے جوہر میں
 پھونک دیاں ہوا کہ شراب نے بہت عرب کے متعلق ناول لکھے ہیں۔ ذرا انکی خوبیوں کا پردہ فاش
 کر دیں۔ مگر عرب کے ناولوں کو گزشتہ خیال کر کے چھوڑ دیا۔ شیشی تحریک کے اصول پر یہ زمین
 لائی کہ شراب کوئی ایسا ناول چٹا جیلے جس میں ہندوستان کے متعلق شرف شانی کی کئی ہوا

یہ فکر ہوئی کہ ایسا ناول کہاں سے ملے اسی فکر میں غرق تھا اور عالم خیال میں خدا جانے کیا کام شروع کر رہا تھا کہ (بدرا النساء) کی آواز آئی کہ اللہ میری مصیبت پر نظر ڈالیے۔ یہ آواز آتے ہی کہ جھٹ آنکھ کھل گئی اور آنکھ کھلتی ہی کہا عجب عمدہ خیال بیان فرود تھا باقی آئندہ۔

راقم در ہر جگہ ہست حراش سخن ما
الماں تراش است تراش سخن ما

ادھر پرنچ مطبوعہ ۲۶ - اکتوبر ۱۹۰۵ء

نکلا جو زمین پنج کا خیر غلاف سے

اُٹنے لگے شرر دم خارا شگاف سے

(بدرا النساء اور اسکی مصیبت)

منسب ۲

بدرا النساء۔ یعنی بدرا اور النساء۔ یعنی وہ بدر جس میں (نسائیت) کا مادہ موجود ہے یہ تو بدرا النساء کی تشریح ہے۔ اب اور اسکی (مصیبت) کے کیا معنی۔ (مصیبت) تو خیر اعمال بد کا نتیجہ ہے۔ پیارے (داور) کے کیا گناہ کیا ہے کہ وہ بھی بدرا النساء کی مصیبت میں گرفتار آدو کی تو یہ ترکیب نہیں فارسی کی یہ ترکیب نہیں۔ ہونو فرانسسیسی ٹکسٹری کے

دسترخان سے یہ ریزہ چٹا گیا ہے (بدراٹنا اور اسکی مصیبت) چہ خوش یا یہی مثل ہوئی کہ جیسے کوئی کئے کرسی اور اسکے حق (آخر اس (اور) کی علت غائی کیا ہے یہ تو حضرت عبدلیم کے تخلص کطیرج بالکل بیکار ہے (خیر) اور پر غور کرنا فضول ہے۔

اب (بدراٹنا) کی وقت پیدا کرنے والی داستان ملاحظہ ہو جو تو مصیبت کی داستان مگر شرنے واقعات کا تانا بانا اس طرح کھتیا یا ہے کہ جبکہ دیکھنے سے بے اختیار منہسی آتی ہے۔ یہ تو غالباً ناظرین اودھ پنچ کو معلوم ہو گا کہ حضرت عبدلیم شرنے بہ (مصیبت) اُس زمانہ میں اپنے سرلی بھتی جس زمانہ میں کہ آپ اپنے تیشہ قلم کے نور سے پردہ کی دیوار گرا رہے تھے اس خلاف قدرت قصہ کے لکھنے سے آپ کی مراد یہ تھی کہ پردے کی خرابیاں (عام پبلک) پر ظاہر ہو جائیں مگر جہالت کی تاریکی میں جو بھی دور کی بسطرح اونٹ ہیشہ بند کی طرف بھاگتا ہے اسطرح اس قصہ کے ترکیب دینے کے وقت آپ کی کینہ پسند طبیعت کا شربے ہمارے حیدر آباد کی طرف بھاگا چنانچہ اس قصہ کا حاصل قرار دیا گیا کہ ایک صاحب (شوکت حسین) انہی ہو کو لیے ہوئے حیدر آباد سے آرہے تھے۔ آثارسی کے اسٹیشن پر ایک دوسرے بزرگ انکو ملے جو اپنی بھانج کو ساتھ لارہے تھے کانپور تک دونوں نے ساتھ سفر کیا کانپور سے ایک صاحب فرخ آباد چلے گئے۔ دوسرے صاحب لکھنؤ چلے آئے۔ مگر کانپور کے اسٹیشن پر ایسا بھیڑ مچا کہ حیدر آباد سے جو صاحب آئے تھے انکی ہوگی ڈولی ان صاحب کی بھانج کی ڈولی سے بدل گئی جو کہ آثارسی سے ساتھ ہوئے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ جس ڈولی کی سواری لکھنؤ کی گاڑی پر سوار ہونا تھا وہ فرخ آباد کی گاڑی پر سوار ہو گئی اور فرخ آباد والی سواری لکھنؤ کی گاڑی پر سوار ہو گئی (بدراٹنا اُس حیران نصیب کا نام ہے جو حیدر آباد سے آرہی تھی اور لکھنؤ جا رہی تھی۔ مگر غلطی سے فرخ آباد پہنچ گئی) اس سے حضرت عبدلیم شربہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ پردہ بڑی خراب چیز ہے۔ اور اپنی منطق یوں سمجھاتے ہیں کہ اگر پردہ نہ ہوتا۔ غلطی نہیں کیا ہو۔ یا یوں فرخ آباد ہی کے ضلع میں جو۔ پھر جہان کی مٹی تھی وہاں پہنچ گئی ۱۳

نہوتا تو ڈولی نہوتی اور اگر ڈولی نہوتی تو بدرالسا پیدل ہوتی اور پیدل ہوتی تو اسکی کوئی
 بھان ہوتی اور بھان ہوتی تو وہ اس طرح گمراہ نہوتی یعنی جو صاحب سے حیدر آباد سے لاسے
 تھے وہ اسکو لکھنؤ کی گاڑی میں بٹھاتے۔ مگر ہم اس قصہ سے دو سر نتیجہ کالتے ہیں یعنی ریل کا
 سفر ری خراب چیز ہے اب اسکا منطقی پہلو ملاحظہ ہو یعنی ریل گاڑی نہوتی تو اسٹیشن نہوتا تو ہم
 بھڑکا نہوتا۔ بھڑکنا نہ ہوتا تو ڈولی نہ بدلتی اور بدرالسا بھاری بر مصیبت نہ پڑتی۔ شاہی
 میں کوئی بس طرح گمراہ نہیں ہو سکتا تھا انھیں باتوں کے لیے تو شاہی کوروتے ہیں۔

یہ تو عام منطق ہے اگر اسی منطق نے ترقی کی تو ایک روز مصنف کے دماغ میں انجن
 کھنکھانے لگا۔ اب خاص واقعات ملاحظہ ہوں۔ بدرالسا کے سسرے شوکت حسین
 جو کہ اسے حیدر آباد سے لارہے تھے سکندر کلاس میں بیٹھے تھے مگر کوئی خدمتگار ساتھ نہ تھا
 بہ کمر سے ایک ماما لگے تھے کہ نئی نویلی دھن (بدرالسا) کے ساتھ زنانی گاڑی میں
 بیٹھی۔ بدرالسا کے باپ اکبر علی حیدر آباد میں اول درجہ کے وکیل تھے اور ایسے مالدار تھے کہ

کرایہ کے لئے ساتھ روپیہ ہینے کا بنگلہ ٹھہرایا تھا مگر انھوں نے بھی حضرت شرکی خاطر سے
 لڑکی کے ساتھ ایک ماما تک نئی بلکہ صدقے کی کوتاہی کی طرح بدرالسا کو اکیلا چھوڑ دیا

کیا شریفی کو بیہوشیاں اس طرح سفر کرتی ہیں، اور خصوصاً کالج کے بعد حیدر آباد سے
 لکھنؤ تک نہنیا سسرے کے ساتھ روانہ کر دیتی ہیں۔ حضرت شرک تو دیہات کا خیال
 دماغ میں سما یا جو ہے کہ باڑی سے کرسی یا کرسی سے ہو بے جب گنوار اپنی ہوا بھاوج کو
 لینے جاتے ہیں تو لٹیا ڈوری لیکے جاتے ہیں اور عورتوں کو تنہا لیکر چلے آتے ہیں افسوس ہے
 تو صرف اس قدر کہ اگر حضرت شرک سے خلاف قدرت واقعات نہ لکھتے تو بیچاری بدرالسا پر ایسی
 مصیبت نہ پڑتی یعنی اگر ایک ماما چھوڑا اسکے ساتھ ہوتی تو ڈولی نہ بدلنے دیتی۔

علاوہ بریں اس گل رقت خیز داستان سے صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ڈولی کی سواری
 خراب چیز ہے پردہ سے اس سے کوئی تعلق نہیں پردہ تو بڑے سے ہو سکتا ہے اور برقع

اوڑھنے کی وجہ سے ایسی نصیبیں نہیں پیش آ سکتیں ہیں مگر حضرت شکر کو ان باتوں سے کیا مطلب اُنکو تو غریب بدر النساء کو جھنڈے پر چڑھانا منظور تھا اصل داستان کی تو یہ کیفیت ہے۔ علاوہ اسکے مختلف واقعات ایک دوسرے کے متضاد و سچ ہیں جنکی وجہ سے مولانا شکر پر حافظہ نباشد کی مثل صادق آتی ہو۔

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ شوک حسین (بدر النساء کے باپ) سکند کلاس میں سفر کر رہے تھے۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ حیدر آباد کے اسٹیشن پر بوریا بدھنا بغل میں دبائے گاڑے پر سے اتر پڑے۔

یہ قطع تو اُن گنوار و نکی ہوتی ہے جو تیسرے درجہ سے جھولا سنبھالتے ہوئے اترتے ہیں دوسرے درجہ کے مسافر کو تو کسی نے مذکھا ہو گا کہ بیگ بغل میں باکے با صندوق سر پر رکھ کر چلتا ہے۔ مولانا شکر ناول لکھنا کا پرے دار و ناحیہ تھے تین ہنسوتے ہو پستیر تو شوکت کو عام ہندوستانی مذاق کا شخص اور سیدھا سا دھا آدمی کہا گیا۔ نیز یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ اُس پر انگریزی تہذیب کا اثر پڑا تھا اور سیدھے سامنے خوش عقیدہ بزرگ تھے (مگر سکھ می (اکبر علی) سے شادی کے قدیم رسوم کی نسبت وہ ایک آزاد خیال اور تعلیم یافتہ نوجوان لہجہ میں فرماتے ہیں کہ (اب تو دنیا سے یہ رسمیں اٹھتی جاتی ہیں اور سچ یہ ہے کہ میں ان باتوں (کہ بیابانے کو آنا لڑکے والوں کا کام ہے) میں بھی کسی بات کا پابند نہیں ہوں بلکہ بھی سیدھے سامنے خوش عقیدہ بزرگ فرمانے ہیں (مجھے تعلیم کا خیال سب باتوں پر مقدم رہتا ہے۔۔۔۔۔ لڑکی کا آرام و آسائش سے رہنا اور سب طرح کی راحت بلبس اسی پر منحصر ہے کہ لڑکے کی لیاقت اچھی اور پوری ہو

واہ مولانا واہ (زور قلم) ایسا نام ہے اگر یہی عالم کچھ روز اور رہا تو عرب کے ریگستانوں میں اگن بوٹ چلا دو گے اور پیر میں چکی باندھ کے ہمالیہ کی چوٹی پہنچا دو گے

مرد خدا ذاتا سب الفاظ کا تو خیال رکھا کرو۔ کجا وہ سیدھے سادھے شوکت علی جنکی نسبت تم خود لکھ چکے ہو کہ وہ اسٹیشن کے شور غل سے گھبرا جاتے تھے اور بالکل بڑے نشن کے آدمی تھے اور کجا اُنکے خیالات جو کہ خاص اونیسویں صدی کے طبقے کی نال میں جب بدرا نسنا لکھنؤ کے بدلے فرخ آباد پہنچی تو اُسکے باپ نے فرخ آباد میں اُن صاحب (قاسم علی خان) کے نام تار دیا جنکے یہاں وہ دھوکے سے چلی آئی کتنی۔ اور کل واقعہ لکھا کہ ڈولی بدل جانے سے ایسا واقعہ پیش آیا۔ اب سینے کہ تار کس طرح پڑھوایا گیا۔ قاسم علی خان پہلے تو ایک بڑھئی کے لوٹے سے تار پڑھوانے لگے جو کہ پڑوس میں رہتا تھا اور کچھ انگریزی جانتا تھا۔

کیون صاحب کیا فرخ آباد کے شہر میں انھیں کوئی شریف شخص ملا جس سے تار پڑھواتے آخر بڑھئی کے لوٹے کا یہاں کیا تک ہے۔ بہ محض دہات کی بود و باش کا اثر ہے ناول لکھنے چلے اور کوئی چوڑ نہیں بیٹھتی۔ اور چول بیٹھے تو کس طرح ناول لکھنا کارو وارد ع کار بوزینہ نیست بخاری۔

نمبر تیرھے کے لڑکے سے مطلب نہ نکلا تو اسٹیشن ماسٹر کے پاس دوڑے گئے اسٹیشن ماسٹر نے تار تو پڑھ دیا مگر اُسکے ساتھ یہ ریل بھی ظاہر فرمائی کہ (واہ پدے سے یہ نیا گل کھلا۔ اس اندیشہ کی طرف شاید کبھی کسی کا خیال بھی نہ گیا ہوگا) واہ مولا شرواہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسٹیشن ماسٹر بھی کرسی کا رہنے والا تھا ورنہ ایسا نمک بر جرات فقرہ نہ کہتا۔

شروع میں بدرا نسنا کے خاوند (عسکری) کی نسبت یہ لکھا گیا ہے کہ (عسکری) کی عمر اٹھارہ سال کی ہے۔۔۔۔۔ انٹرنس پاس کر چکا اور اے اے کے فرسٹ ایر میں ہے) آخری صفحہ پر یہ تحریر ہے کہ عسکری کو جبکہ وہ اسکول سے گھر کی طرف آ رہا تھا ایک شخص نے پھریان بھونک بھونک کر مار ڈالا۔

کیون مولانا۔ عسکری ایف اے کے فرسٹ ایر میں تعلیم پانے کے بعد اسکول میں کس طرح آگیا۔ انگریزی کی لیاقت تو مولانا کی ماشاء اللہ بہت سے ڈگری پائے حضرت سے بڑھی ہوئی ہے مگر اسکول اور کالج کا فرق نہیں معلوم ہے کرسی کی ہوا کا خاد بھلا کرے جب یہ دماغ میں سماتی ہے تو پھر حافظہ میں بھی فوراً جاتا ہے۔
باقی آئندہ

راقم درہر جگرے ہست خراش سخن ما
الماس تراش رست تراش سخن ما

اودھ پنج مطبوعہ ۲- نوبمبر ۱۹۰۵ء

نکلا جو زمین پنج کا خنجر غلاف سے
اُڑنے لگے شہرِ مردم خارا شکاف سے

بدرالشا اور اس کی مصیبت نمبر ۳

تناسب واقعات کے گڑبڑ سے جو بھول بھلیاں حضرت شرنے بنائی ہے اسکے ایک ادھ گوشہ کی سیر تو پچھلے نمبر میں ہو چکی۔ اس تمام بھول بھلیوں کی سیر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اب حضرت شرن کی زبان دلی کارنگ ملاحظہ ہو۔ سنا ہوں حضرت شرن کو بدرالشا کی مصیبت پر جہان اور نازہین و زبان ایک یہ بھی غیب ہے اس ناول میں لکھنؤ کی شریف زاد یوں کی زبان لکھی گئی ہے اور فصیح ابیانی کا کیا کہنا

وہ تو (بدرالنسا کی مصیبت) کے لئے شمع ماتم فانہ سے کم نہیں ۔ اس شمع سے پھول
 آنسو ہیں اُن سے ایک ہار تیار کرنے کا ارادہ ہے جب یہ ہار تیار ہو جائیگا تو حضرت
 شریکی زیب گردن ہو گا اور چونکہ شمع کے پھولوں کا ہار ہے لہذا طوق زرین سے کم نہ ہو گا
 یہ جلتے جلتے پھول اعترافات میں اور ہار انھیں کا سلسلہ ہے خیر یہ توجہ معترضہ تھا
 آدم بر سر مطلب ۔ اس آتش بانی کا حاصل یہ ہے کہ تیرے اس ناول میں قدم قدم پر
 ٹھوکرین کھائی ہیں ۔ انکا حال مسلسل درج ہے پہلی ٹھوکر کبریٰ یکم کے مزاج کی کیفیت
 بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں (قاعدہ تھا کہ جہاں کسی بات کو ایک دفعہ کہا پس رٹ لگاتی ہے)
 کیون صاحب یہ کیسی قاعدہ ہے (یہ) ارڈا کیا لکنا چاہئے تھا کہ (یہ قاعدہ تھا)
 دوسری ٹھوکر بھرا شاد ہوتا ہے کہ جہاں کسی بات (کو) ایک دفعہ کہا کیون تو یہ
 (کو) تو ایک بار فریق و ہم ہے میں (بدرالنسا کی مصیبت میں) ساتھ نہ لگا لکھو
 تو یہ کہیں گے کہ (جہاں کوئی بات ایک دفعہ کہی) انھیں (کو) سے زیادہ رغبت نہیں یہ
 (کو) (شر اینڈ کو) ہی کو مبارک رہے ۔ تیسری ٹھوکر (بس رٹ لگاتی)
 کہا ہے یوں لکھا ہوتا کہ (بس اسی کی رٹ لگاتی) آپکا اختصار بھی قیامت کا اختصار ہے
 اکثر حضرت اس طرح گفتگو کرتے ہیں کہ آدمی بات سُنانی دیتی ہے اور آدمی ریش مبارک کے
 چھار چھکار میں پھنس کر رہ جاتی ہے مگر حضرت شر کے لئے تو یہ عذر نہیں پیش کیا جا سکتا
 کیونکہ زبان قدمِ آدمی سے دور رہتی ہے جو کھلتی ٹھوکر اُڑتے ہیں گھر سے خوش حال تھیں ۔
 (خوشحال) تو اکثر گمراہوں کا نام ہوا کرتا ہے ۔ لکھنو کا محاورہ تو یہ ہے کہ (مگر سے خوش تھیں) خوش
 بعد (حال) پر حضرت شر و جد کریں مگر فصاحت کا اشارہ کچھ اور ہے پانچویں ٹھوکر آپ اور
 سینے ۔ زبانِ لانی کی چول اس طرح جٹھا لگاتی ہے کہ (خدمت کار تو دروازے کے باہر ہے اور خوش

لہ اودھ پنچ مکن ہر سیاہی پونچنے کے لئے دارمھی تک پہنچ گئی ہو ۱۲ سالہ انکا اور خدمتگار کا لاکھ قدر

صحیح ہے ۔ گریہ غلطی کا ت کے سر نہ بھی جائیگی ۱۱ + + + +

اس لیے کہ اُن کا سابقہ میان سے تھا۔۔۔۔ شامت تھی تو) ماماؤنکی (سجنان لہندہ) کیا پاکیزہ بندش ہے خصوصاً (دروازے) کا ذکر کسقدر بر محل ہے اگر یہ کہا جاتا کہ خدمتگار تو باہر رہتے تھے) تو شاید لوگ بہ سمجھتے کہ کیرنی بیگم کے مکان میں (دروازہ نہ تھا) اسلئے حضرت ثمر نے صاف الفاظ میں بیان کر دیا کہ (دروازہ) بلجی تھا بس اسی سوچہ بوجھ پر تو حضرت ثمر کے پیش پتیاں مرے ہوئے ہیں -

چھٹی ٹھوکر ہی جگہ میں (ہستے) کے بعد تھے) غائب ہے معلوم ہوتا ہے کہ دروازہ کی چول میں دیکر گیا ساتوین ٹھوکر اور خوش تھے اسلئے کہ انکا سابقہ میان سے تھا اس جگہ کی انگریزی ترکیب خاص اُس زمانے کی یاد دلاتی ہے جبکہ مولانا انگلستان تشریف لگے تھے - کیونکہ شنتے ہیں اس زمانے میں ہمارے علم دوست مولانا نے (جہاز پر ملاحوں سے انگریزی زبان سیکھی تھی) وہی اثر اب تک دماغ میں باقی ہے ورنہ اردو میں تو خیال اس طرح ادا کیا جائیگا کہ (اور اس لئے خوش تھے ان) یا یوں کہیں گے کہ (اور خوش تھے کہ انکا ان) آٹھویں ٹھوکر (انکا سابقہ میان سے تھا) یہ بھی کیا خوب اس جگہ کو یوں ترتیب دینا جائیے کہ (انکو میان سے سابقہ تھا) اس صلاح سے تو مولانا خوش ہو گئے ہونگے کہ (کو) (آگیا) نویں ٹھوکر اس بنصب جگہ کی نسبت ایک اور بات دریافت طلب ہے کہ دو جگہ (تو) کا استعمال کس غرض سے کیا گیا ہے اور سولے اسکے کہ (تو) (کو) کا ہم وزن ہے اور کوئی وجہ اس سے اُنس کی معلوم نہیں ہوتی - (یا خدمتگار) کے بعد جو (تو) صاحب دوزانو بیٹھتے ہیں انھیں برخاست کیجئے یا ماماؤن کے پہنچو (تو) صاحب پیش خدمت بنے ہوئے جلوہ گر ہیں انھیں بس پشت ڈالے مختصر یہ کہ پورا جملہ قابل اصلاح ہے دلی صورت پر اسے ترتیب دینا چاہیے (خدمتگار باہر رہتے تھے اور خوش تھے کہ انکو میان سے سابقہ تھا۔۔۔۔ شامت تھی تو ماماؤن کی -

دسویں ٹھوکر ماماؤن کی نسبت فرماتے ہیں کہ اسلئے بیاریوں سے نوکری چھوڑتے بھی نہ بن پڑتی۔ میں دیکھتا ہوں کہ جسطرح حضرت شرکو (کو سے انس ہر سبط رح تھی اور تھا وغیرہ سے نفرت ہے (نہ بن پڑتی) کے کوئی معنی نہیں ہیں کنا چاہئے تھا کہ نوکری چھوڑتے بھی نہ بن پڑتی تھی) کیا رھوین ٹھوکر ارشاد ہوتا ہے کہ (عسکری)۔۔۔ ان کے کنبہ جھکنے کے ڈر سے ہمیشہ باہر رہتا اور گھر میں آنا بھی تو ڈر تاؤر تا اور رہا ہوا۔ عسکری بہت پیارا بچہ تھا اور اچانک سُنک سے درست اور سوچا س میں ایک اور اُب پڑھنے لکھنے میں جی لگانے لگا تھا۔ اس جلد میں (اور) کا استعمال غور طلب ہے اب ہم سمجھے اس ناول کا نام (بدرا النسا اور اسکی مصیبت) اس نے رکھا گیا ہے کہ (اور) کا استعمال کثرت کے ساتھ کیا جائیگا ایک صاحب بات بات پر (گویا کہ) کہا کرتے تھے ہمارے حضرت شہر (اور) سے مانوس ہیں۔ ابھی تک تو (کو) اس شرف سے بہرہ ور تھا اب (اور) اسکا رقیب پیدا ہوا اور ایسا ہونا جائے حیرت نہیں ع (کو) نہیں (اور) سہی اور نہیں اور سہی۔ بار رھوین ٹھوکر بہر حال کبریٰ بیگم اکثر یکہ و تنہا رہتی تھیں (یکہ و تنہا) تو سنا تھا۔ مگر یکہ تنہا خاص شرارینڈو کے کارخانے کی کسی مادی مشین سے ڈھلکڑ کلا ہے ایسی خاندان ساز ترکیبیں کسے نصیب ہیں۔

راقم در ہر حکمے ہست خرمش سخن ما
الما س تراش ست تراش سخن ما

اودھ پرنچ مطبوعہ ۹- نومبر ۱۹۰۵ء

نکلا جو زمین پینج کا خنجر غلاف سے اڑنے لگے شرردم خارا تشگاف سے بدر النساء اور اسکی مصیبت نمبر ۱۲

تیرھویں ٹھوکر بہر حال کبریٰ یکم اکثریکہ وتنہائی رہتی تھیں عداۃ سبحان اللہ (یکہ وتنہا) کے بے (یکہ وتنہائی) بھی کیا خوب ہے اگر کیا کی لکھا جاتا تو زیادہ مناسب ہوتا اور نہ کچھ سہی (اکائی دہائی) کا وزن پورا ہو جاتا اور اس سے ریاضی کی قابلیت کا سکھ جاتا چوتھویں ٹھوکر اب یہاں کوئی بڑے بدلے کا تو ذکر نہیں لیکن ہاں (تسا ضرور کہو گا کہ تم نہ اٹھی سمجھو نہ سہمی یہ (لیکن ہاں) کس قدر فصاحت کے رنگ میں شراروں سے بلکہ ترتر ہے غالباً یہ کسی انگریزی کی (خوشنما ترکیب) کا ترجمہ ہے۔ مرد خدا یا تو صرف (لیکن) لکھو (ہاں) لکھو (لیکن ہاں) تو کوئی معنی نہیں رکھتا (ہاں) کے سننے اس موقع پر خود لیکن کے ہیں اگر تنہا استعمال کیا جائے تو بیشک صحیح ہے ورنہ (لیکن) کے ساتھ بے تکی ہانک سے کم نہیں۔ یا یہ کہو کہ (لیکن) اتنا تو ضرور کہو گا (یا ہاں) اتنا ضرور کہو گا افسوس مولانا کو اردو شاعری کا پیشہ اختیار کئے ہوئے عمر گزری

مگر ایک جگہ نہ آیا افسوس صد افسوس ع شر شد پروشا شنیدن پیاموت -

پندرہویں ٹھوکر ”تم تو نہ اٹھی سمجھتے ہو اور نہ سیدھی“ عاودہ ہے کہ فلاں شخص نہ اٹھی ہی سمجھتا ہے نہ سیدھی مگر آپ محاورے میں تصرف نہ کریں تو آپ کے وطن کی آبرو کیونکر قائم رہے۔ اور تو اور یہ اٹھی سمجھتے ہو (کے بعد) اور کس قدر بھلا معلوم ہوتا ہے۔ بس بعینہ نظر آتا ہے کہ اونٹ کے گلے میں بلی لٹکا دی گئی ہو۔ تخلص کی پھر یہی تو کا نہیں ٹھسری ہوئی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاعری کی بوجھیں دماغ میں سرایت کر گئی ہوگی۔ اس خیال سے آتش کا مصرع سنا پیش ہے ع -

نہ اٹھی ہی سمجھتا ہوں وہ رشک قمر سیدھی - دیکھئے اسمین (دور) کو دخل نہیں ہے
لیکن اچھا اصول تو بقول قدر بلگرامی یہ ہے۔ اور چلے اور چلے آیا -

سو اٹھویں ٹھوکر بی بی کی یہ بد مزاجی دیکھ کے شوکت حسین نے ایک لاپرواہی سے
کچھ کہتے ہوئے باہر چلے گئے۔

قسم خدا کی یہ جملہ دیکھ کر تو حضرت شرر کی شان میں سید انشا کا یہ مصرع ٹھنکے
دل چاہتا ہے ع روٹی جو کھانی ہوئے تو یہ خجاب جاسیے - خجاب میں اس نے کی
بڑی قدر ہے واللہ ہمارے حضرت کی زبان بھی طرفہ بخون ہے کہ کسی کے محاورے
اسمیں خجاب کے محاورے اسمیں لیں کن کے محاورے پھل کیے کے انتہیت ہو خدا کی
ممکن ہے کہ (صبر) یا بہار عجم یا مصطلحات میں اس (نے) کی سند ملے۔ بہتر ہے
اس معاملہ میں بھی اسی لغلول قدیم سے رجوع لاسیے جو اپنی ذات با برکات سے
اچکھو فیض پہونچانے کے لئے تیار ہو۔ سترہویں ٹھوکر بی بی کی بد مزاجی کی
کے شوکت حسین ام لکھنا تھا (بیوی) اور لکھ گئے بی بی کیوں نہ مصیبت کے وقت
مٹھ سے کچھ کا کچھ نکل جاتا ہے اٹھارہویں ٹھوکر کبریٰ سلیم اس بے پرواہی پر

اور بہم ہوئیں میان بر تو کچھ زور نہ چلا غریب ماما پر برس بڑین چلا کے کہا اے عباسی یہ تھا کیا یہ تیرے پاس کیوں آئے تھے۔

پہلا جس تو اس جگہ کا یہ ہے کہ چار جگہ (پر) کتنا مناسب و موزون معلوم ہوتا ہے یہی (پر) مولانا کے طائر شہرت کے پر ہیں۔ اگر اس طرح نہ لکھتے تو لوگ کہتے کہ بے پر کی اڑائی ہے۔ مگر ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ ناول لکھنے کا تو حضرت کو اختیار ہے۔ لیکن اس (پر پر) کی سند نہیں ہے۔ علاوہ اسکے انیسویں ٹھوکر اس جگہ میں (چلا کے) کہا، اتنا ہی بے ربط ہے۔ جیسا کہ لکھنؤ میں کرسی کا باشندہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ انہوں کی پنک میں لکھا گیا ہے یعنی یہ لکھا کہ غریب ماما پر برس بڑین اور اوندھ گئے اور پھر دو گھنٹی بعد چونکے تو ایک بار گھبرا کر لکھ دیا کہ چلا کے کہا، پھر غین مو گئے۔ استعین صبح کی نوبت کی آواز جو کان میں گئی تو ایک بار آنکھیں ملنے ہوئے اٹھے اور حقے کا ایک کش کھینچ کر یہ لکھ دیا کہ (اے عباسی یہ تھا کیا الخ) ورنہ جو اس خمسہ کی درستی کے عالم میں جو شخص اس جملے کو لکھے گا وہ اس طرح لکھے گا کہ (کبریٰ بیگم بے پروائی دیکھ کر اور بہم ہوئیں میان سے تو کچھ زور چلن سکا غریب ماما پر برس بڑین۔) اس سے چلا کے کہنے لگیں کہ سُر قسسی عباسی یہ تھا کیا۔ آخر یہ تیرے پاس کیوں آئے تھے الخ۔ کبریٰ بیگم کی کوئی بیچ نہیں دے رہی تھی کہ وہ اس عباسی (کستی۔) ایسے موقع پر سُر قسسی کہا جاتا ہو بیٹو سُر قسسی تھا کہ عباسی جو ان تھی چہرے پر جوانی کا نمک ابھی برقرار تھا۔ وہ نوکری نہ کرتی۔ مگر میان کی تنخواہ کے چھ روپیوں میں اس ہنگی سین میں پوری نہ پڑتی عبور گھر چھوڑ کر نوکری کو کھانا پڑا۔ لیکن اپنے میان کی صورت کی عاشق تھی اور وہ بھی ہونہر شام کو آکے دو باتیں ضرور کر جاتا۔

اس جگہ کا کہا کہ کیا لفظ ترتیب الفاظ اور کیا لفظ تسلسل خیالات یہ اپنے رنگ میں جواب نہیں رکھتا بس بعینہ یہ سمان آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے کہ طبلہ الگ جا رہا

اور سارنگی الگ باہمی ہے اور گلنے والا اپنی آلاپ رہا ہے۔ انیسویں صدی کی آزادی کے تمام اصول اس طبقے میں سما گئے ہیں یعنی ایک فقرہ دوسرے فقرہ کا دلیل نہیں ہے بلکہ خود شتر بے مار کی طرح جس سُخ چاہتا ہو بھاگا جا رہا ہے۔ اب اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

جس حالت میں یہ کہہ دیا کہ (عباسی جوان عورت تھی) تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ جبرے پر جوانی کا نمک ابھی برقرار تھا، ابھی کا استعمال تو اس وقت مناسب معلوم ہوتا اگر یہ کہا جاتا کہ (عباسی جوانی کا عالم گزر گیا تھا مگر جبرے پر جوانی کا نمک ابھی برقرار تھا) یوں تو سیکڑوں، ابھی بڑا دیے جا سکتے تھے کہ عباسی جوان عورت تھی جبرے پر جوانی کا نمک ابھی برقرار تھا۔ بال ابھی سیاہ تھے دانت ابھی مضبوط تھے آنکھ میں ابھی روشنی تھی وغیرہ وغیرہ اکیسویں ٹھوکر علاوہ برین جوانی کا نمک چھ معنی دار دیکھا بڑھاپے کا بھی نمک ہوتا ہے اس قدر کہنا کافی تھا کہ جبرے پر نمک ابھی برقرار تھا یہ جوانی کا نمک ہے شاید کرسی کے پٹاریوں کے یہاں ملتا ہو گا یا اکیسویں ٹھوکر (جوانی کے نمک) کا ذکر کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ وہ نوکری نہ کرتی مگر میان..... چھ روپیہ نہیں پور می ٹرتی، کیون صاحب یہ جوانی کے نمک اور نوکری کرنے یا نہ کرنے سے کیا تعلق ہے۔ آخر آپ کا ان دو جملوں کے ایک جا کرنے سے کیا منشا ہے۔ کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ وہ جوانی کے نمک کی تجارت کرتی اور نوکری نہ کرتی علاوہ اسکے اکیسویں ٹھوکر۔ پور می ٹرتی کے بعد (تھی) جو نا لازمی ہے مگر جیسا کہ پیشتر لکھا گیا ہے کچھ (تھی) اور (تھا) سے حضرت کو ایسی نفرت ہے کہ انھیں خواہ مخواہ حذف کر جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترکیب جوانی ہو گئی ہیں اور انہیں جوانی کے نمک کی پٹ نہیں باقی رہی ہے۔ اسلئے آپ کی جدت پسند طبیعت اسے بیزار رہتی ہے۔ اس طرح۔ چوتیسویں ٹھوکر۔ دو باتیں ضرور کر جانا کے بعد (تھا) غائب ہے۔ گو کہ یہ تمام جملہ لہڑکنلو سے کم نہیں اور اسکی درستی ناممکن ہے

تاہم کوشش شرط ہے منہوی حیثیت سے تو اسکی اصلاح اُسیوقت ہو سکتی ہے جبکہ اس مانع کی فکر کی جائے جس سے کہ یہ جملہ (صادر) ہوا ہے لیکن ترتیب الفاظ کی اصلاح ایک حد تک ممکن ہے۔ سینے جملہ کو یوں لکھنا چاہتے تھے کہ دعبا سی جوان عورت تھی (چہرہ پر نکم ہوتا وہ نوکری نہ کرتی لیکن چونکہ اس میں نکلی سہین میں میان کی خواہ کے چھ رو بیوں میں پوری نہ بڑتی تھی اسلئے اسے مکھ چھوڑ کر نوکری کو لکھنا پڑا تھا۔ مگر وہ اپنے میان کی صورت کی عاشق تھی۔ اور وہ بھی روزنام کو آرا اس سے دو باتیں کر جاتا تھا۔

راقم در ہر جگرے ہست خراش سخن ما
الماس تراش ست تراش سخن ما

اودھ پنچ مطبوعہ ۱۶ - نومبر ۱۹۰۵ء

نکلا جو زمین پنچ کا خنجر غلاف سے
اُرنے لگے شرردم خار اشکاف سے
بدر النساء اور اسکی مصیبت نمبر ۵

ٹھوکر نمبر ۲۰ میان بس اتنا کہنے کو آئے تھے کہ اسے کھانا دلوا دو۔ آخر (کو) کی کیا ضرورت ہو۔ حضرت آتش نے اپنے خطوط میں اسکی خوب دھجیاں اڑائی ہیں۔ بدر النساء کی مصیبت میں (کو) کا زور کم ہے۔ مگر تب بھی کہیں کہیں اس

جھاڑ جھکاڑ میں بھی یہ حشرات الارض کی طرح رہ نکلتا نظر آتا ہے۔

ٹھوکر منبہ ۱۳۰ کبریٰ بیگم خاص الخاص دکنھنوی کی شریف زادیوں کے لیے
مین عباسی ماما سے کہتے ہیں (انھوں نے) یعنی کبریٰ بیگم کے شوہر شوکت حسین نے
اسی لیے تولا کے گھر میں بٹھایا ہے کہ تجھ سے ہنس بول کے اچھے کڑا لیکن میں حضرت
شر سے دوچھتا ہوں کہ ماما نوکر کھی جاتی ہے کہ گھر میں بٹھائی جاتی ہے اگر نوکر کھنے
کے لیے (گھر میں بٹھانا) کہہ سکتے ہیں تو برخاست کرنے کے لیے گھر سے اٹھانا کہنے
میں کیا ہرج ہے۔ مثلاً اگر کوئی یہ مفہوم ادا کرنا چاہے کہ فلاں شخص مقصدہ پردازی
کیوجہ سے دکن سے نکالا گیا ہے تو کیا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ فلاں شخص کن سے
اٹھا دیا گیا ہے کچھ روز عروس سخن کے گھر بیٹھیں تب کچھ سلیقہ آئیگا ورنہ یہ تال بے تال
بلکہ وہ ہمیشہ ہنسنا سے گی ٹھوکر منبہ ۱۳۱ عباسی ماما شوکت حسین سے کہتی ہے
مگر میان آپ مجھ سے بات نکلیا کیجئے۔ آپ تو ہر طرح اچھے رہیں گے مگر میں گھر بار سے
گذری ہوئی تھیں اپنے قدر دانوں کے سر کی قسم انصاف سے کہہ دو کہ اس محلے کے
مغنے کیا ہیں گھر بار سے گذری ہوئی ہے۔ چہ معنی دارد۔ یا تو ایک نشت بناؤ حسین
اپنی خانہ ساز ترکیبوں کی تشریح کر دیا کرو (اُس نشت کا نام کرسی اللغات رکھو)
ورنہ نشاری سے ہاتھ اٹھاؤ اس پیشہ میں تمہارے لیے ذلت کے سوا کچھ نہیں دھرا ہے
میان سردی کی فصل آئی ہے ماش کی کھری کھاؤ اور کھاف تان کر سو بیٹھو کسی نشاری
اور کمان کا نو قلم۔

مذکورہ بالا جملہ میں دونوں (مگر) مگر کس قدر زیب دیتے ہیں نشاری کو شرنے

۱۵ حضرت شر کو یہ نازی کہ بد انسان کی مصیبت میں لکھنوی شریف لویو کی زبان لکھی گئی ہے۔ حالانکہ شریف لویا
تو درکنار لکھنوی ڈومنیوں کی بھی زبان شر کو نصیب نہیں۔ بیشک اپنے کرسی کی (شریف زادیوں کی)
زبان لکھی ہو تو خوب نہیں۔ کیونکہ شروہین کے شریف لویے ہیں ۱۶ ۱۵ پنج پھر خوب ہوا بند رہیگی ۱۲ + +

(علم دریاؤ) بنا دیا ہے۔ اسی دریاؤ میں یہ دونوں (مگر) کروٹیں لے رہے ہیں۔ مگر ہمارے اعتراضات کے ایک ہی فیہ میں دونوں اُڑے جاتے ہیں دیکھو اس مفہوم کو یوں ادا کرتے ہیں۔ میان آپ مجھ سے بات کیا کیجیے آپ کا تو کچھ بگڑے گا نہیں میں گھر بار سے نکالی جاؤنگی۔ ۲۸ ٹھوکر نمبر ۲۸ ایک اور لطیفہ ملاحظہ ہو۔
مندرجہ ذیل مکالمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ کبریٰ بیگم اور شوکت حسین بین در پردہ مادر و پدر کا مذاق بھی ہوا کرتا تھا، شوکت حسین بیان تو خود اُکا خط موجود ہے۔
کبریٰ بیگم۔ اب یہ خبر کہ کسکھ ہے؟ ہم پوچھتے ہیں کہ (کسکا ہو؟) اس موقع پر کسقدر بھلا معلوم ہوتا ہے۔ مترض کہتے ہیں کہ حضرت بالکل غیب الشعب خشک ہیں اور مذاق سے مس نہیں رکھتے ہیں وہ دیکھیں کہ اس مکالمہ میں کیا در پردہ مذاق موجود ہے۔

ہم کو اس موقع پر ایک روایت یاد آگئی ایک کُرسی کے مولوی صاحب لکھنؤ کے کسی گندھی کی دکان پر عطر خریدنے گئے۔ گندھی نے کہا کہ عطر حاضر ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ کسکھ ہے؟ گندھی نے جواب دیا کہ کُرسی کی مٹی کا یہ عطر بھی مٹی کا ہوتا ہے اور آدمی بھی ٹھوکر نمبر ۲۹ شوکت حسین اپنی بیوی سے سالی صاحب کی نسبت کہتے ہیں کہ کل دو پہر کو یہاں لکھنؤ کے اسٹیشن پر آپہنچیں گے۔ جہ بخوش! (آدھکین گے) لکھا ہوتا تو کچھ معنی بھی پیدا ہو جاتے (آپہنچیں گے) تو محض ہل ہے ٹھوکر نمبر ۳۰ (میں نے) جو کچھ کہنا تھا کھدیا اب پھین اختیار ہے۔ اس موقع پر (میں نے) کسقدر بے عمل استعمال ہوا ہے یہ (نے) خاص پنجاب کا سکہ ہے۔ کیونکہ حضرت پنجاب کی ہوا بھی کھا آئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہی ہوا پیٹ میں بھری تھی۔ بدر انسان کی مصیبت لکھتے وقت لکھنؤ میں چھوڑ دی۔ مگر افسوس ہے کہ تب بھی حضرت شرر کی تباہی کی ہوا نہ بندھی۔

ٹھوکر ممبر اسر کبریٰ بک لکھنؤ کی شریف زاد یون کی زبان میں فرماتی ہیں کہ (مجھے تو جب یقین آئے کہ وہ اصل خیر سے یہاں آ کے پہنچ جائیں) دقہی (آ کے پہنچ جائیں) خاص لکھنؤ (یعنی دارالسلطنت اودھ) کی فصاحت ہے۔ افسوس باوجود عینک کے شر کو یہ نظر نہ آیا کہ (آ کے) اس موقع پر لنگڑی کر سی کے پشتیبان کی طرح بالکل بیکار ہے۔ محض (پہنچ جائیں کافی ہے۔

ٹھوکر ممبر اسر حضرت شرر فرماتے ہیں کہ (اکبر علی کچھ دنوں وطن میں تلاش معاش کرتے رہے جب کچھ کام نہ چلا تو بی بی کو ساتھ لیکر غرب الوطنی اختیار کی اور حیدر آباد کن کو روانہ ہوئے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ آپ بی بی کو نہ کہ جگہ بی بی سیطرح حضرت جب دیکھتے ہیں کہ لکھنؤ میں کچھ کام نہیں چلتا) تو حیدر آباد کن روانہ ہو جاتے ہیں سیطرح اکبر علی بھی نو کہم حیدر آباد ہی بھاگے۔ خیر ہوا اس جھگڑے سے مطلب نہیں امر ضروری یہ ہے کہ (کام چلنا) اس موقع پر بالکل بے عمل استعمال ہو رہے۔ کہنا چاہئے تھا کہ جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی) اور غلبہ ذکاوت سے لکھ گئے کہ جب کچھ کام نہ چلا۔ اگر کسی شخص کو تجارت میں یا اور کسی پیشہ میں کامیابی نہیں ہوتی تو اس خاص موقع پر یہ کہا جاتا ہے۔ کہ فلاں شخص کا کام نہیں چلا۔ نہ کہ تلاش معاش میں ناکامیاب رہنے کا مفہوم ان الفاظ میں ادا کیا جاتا ہو۔ یا مثلاً کسی شخص پر مصیبت پڑے اور وہ گھر کا زیور گرو رکھ کر اپنا کام نہ کرنا چاہے اور پھر بھی شامت اعمال سے ناکامیاب رہے۔ تو یہ کہا جائیگا کہ فلاں شخص نے اپنے گھر کا زیور گرو رکھنے میں بھی تکلف نہ کیا لیکن تب بھی کمبخت کا کام نہ چلا۔ یہی دواک مفہوم کا کام چلنے کے ہیں۔ زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں۔ عقلمند اشارہ کافی است۔

حضرت شرر کو لکھنؤ کے سید سے سید سے محاوروں کے مفہوم سے واقفیت نہیں اور اساتذہ لکھنؤ کے مرشد و پشت پناہ بٹے کا پیرا اٹھائے ہوئے ہیں اور کیا لکھنؤ۔

۵ شیخ صاحب پکارتے پھریئے ہر گلی کو بے کام ناول کا۔
 ٹھوکر نمبر ۳۳۳ کبریٰ سلیم کو نکاح کے دن سے کبھی میکے کا مزہ نہیں نصیب
 ہوا تھا جسکا اکثر صدمہ رہتا تھا۔ سبحان اللہ کیا زبان ہے۔ میکے کا مزہ بھی کیا
 خوب و اللہ پیاری بدرالنسا کی داستان لکھتے لکھتے حضرت مزے میں آگئے
 اگر سسرال کا مزہ بیکہ کما جائے تو چند دن ہرج نہیں کیونکہ لڑکیاں اپنے شوہر کی
 پاشنی محبت سے خط اٹھاتی ہیں۔ یہی سسرال کا مزہ کما جا سکتا ہے۔ لیکن حضرت
 یہ کوئی پوچھے کہ میکے کا مزہ کیا بلا ہے اور کس طرح حاصل ہوتا ہے ممکن ہے کہ کرسی میں
 میکے کے مزے کا چٹخارہ بھی ہوتا ہو لہذا حضرت نے اپنے وطن کی رسم لکھ دی۔

راقم در ہر جگہ ہست خواش سخن ما
 الماس تراشش ست تراشش سخن ما

از اوہ پنج مطبوعہ ۲۲ نومبر ۱۹۰۵ء

نکلا جو زمین پنج کا خنجر خلاف سے
 اٹنے لگے شر و دم خارا شکاف سے

بدرالنسا اور اسکی مصیبت نمبر ۶
 ٹھوکر نمبر ۳۳۳ ارشاد ہوتا ہے کہ (اکبر علی کو زیادہ ٹھہرنے کی فرصت تھی

.... بہن نے زیادہ ٹھہرنے پر اصرار کیا ہے۔ سبحان اللہ ٹھہرنے پر کیا اصرار ہے اور کیا اصرار ہے۔ لکھنؤ کا تو ایک بازاری شخص بھی گفتگو میں اس لفظ سے پرہیز کرتا ہے مگر مولانا اگر ایسی حماقتیں نہ کریں تو گڑسی کی آبرو کس طرح قائم رہے۔ مرد خدا ایسی موقع پر ٹھہرنے کے بدلے قیام کرنا استعمال کیا جاتا ہے۔

ٹھوکر نمب ۳۵۔ ان دنوں مقدمات کا زیادہ ہجوم تھا اور زبردستی موکل کو دم دلا سا دیکے (اکبر علی) نے صرف پندرہ روز کا زمانہ اس سفر کے لئے نکال لیا تھا۔ (زبردستی دم دلا سا دینا) بھی کیا خوب۔ یہ ویسا ہے جیسا کوئی شخص کہے کہ فلان شخص نے زبردستی کے ساتھ (تھیں دھکی دی) افسوس بائیکاٹ دعویٰ اور اتنی ضرر نہیں کہ (زبردستی) کے معنی ہی یہ ہیں کہ (دم دلا سا) کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ ٹھوکر نمب ۳۶۔ شراب ذرا لکھنؤ کی شریف رادیوں فرماتے ہیں (بھیس نے) کہا بہن اب تم لیٹ کے سو رہو۔ تین دن تک تھکی ہو۔ قسم خدا کی لیٹ کے سو رہو کی ترکیب کس قدر بانگمی ہے۔ (لیٹی ہوئی شر) اسی کا نام ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کھڑے کھڑے بھی سو جاتے ہیں کہ جا بجا سو رہنے کے لئے لیٹنے کے لئے یہی ارشاد ہوتا ہے۔ خیالچہ (دبر النساء کی مصیبت میں متعدد جگہ فقرہ لے گا صفحہ ۸۸ پر یہ لکھا ہے الغرض بائیکاٹ کرتے کرتے دونوں لیٹ کے سو گئے۔ صفحہ ۲۰ یہ ارشاد ہوتا ہے کہ ایک لڑکی نے چپکے سے عسکری کو وہاں پہنچا دیا اور سب لیٹ کے سو رہے) آخر اسکی وجہ کیا ہے؟ تو مولانا اکثر اوقات کو نادل لکھتے لکھتے کرسی کے ڈنڈے پر ہاتھ رکھ کے بیٹھے بیٹھے اونگھ جاتے ہیں اسی لئے ذاتی تجربہ کے لحاظ سے ہر مقام پر تشریح کر دیجاتی ہے کہ لیٹ کے سو رہے مگر اتنا خیال نہ کیا کہ آدمی نوے لینڈ می گئے ہوئے کہ لیٹے جلتے ہیں اگر لیٹ کے سو رہے تو صبح ہے تو پھر پاس وضع کے معنی یہ ہیں کہ یہ بھی لکھا کریں کہ —

منہ کھول کے کھانا کھایا۔ کھڑے ہو کر چلے۔

ٹھوکر نمٹے ۳ فرماتے ہیں کہ (بدر النساء جو بدر و کھلاتی تھی ابھی باغ برس کی بچی تھی) کچھ کی مادہ بچی بھی کیا خوب۔ واقعی سچی انشا پر داری اسکا نام ہے۔ کنا یہ چاہیے تھا کہ (باغ برس کی بچی تھی) اور غلبہ ذکاوت سے کہہ گئے (بچی) غالباً یہ بھی بیرونی بول چال ہے ٹھوکر نمٹے ۸ سر ذرا مکالمہ ملاحظہ ہو۔ کبریٰ بیگم اسے بیٹا بدر و بیان اندر آ کے کھیلو ملقبیں بیگم بہن بدر و کو دھوپ میں نہ کھیلنے دیا کرو پھول سی لڑکی دھوپ میں کالی مونی جاتی ہے بدر و۔ واہ اسکی (گڑیا کے) بچے نے پخانہ پیر دیا ہے پوترے نہ دھوؤں کبریٰ بیگم بہن تم اسے بدر و کیوں کہتی ہو بندریا کہا کرو لورائی بندریا ہے بلقبیں بیگم۔ اتنا بیٹا بدر و اندر چلی آؤ ناظرین پر واضح ہو گیا ہو گا بدر النساء کے دُلا کے نام کیا کیا ہیں یعنی بدر و یا بیٹا بدر و پسند ہے خیر یہ تو جملہ مقررہ تھا۔ اب اعتراضات ملاحظہ ہوں کنا چاہیے تھا پھول سی لڑکی دھوپ میں کھلاتی جاتی ہے اور لکھ گئے کہ کالی ہوتی جاتی ہے اس فقرے سے بدر النساء کی روسیاہی کا پردہ نہ بجائے مگر خلاف عادہ ضرور ہے۔ علاوہ اسکے گلاب کے پھول سی لڑکی لکھتا تھا محض پھول تو کوئی چیز نہیں ہے۔

راقم در ہر جگہ است تراش سخن ما
الماں تراش است تراش سخن ما

لے بیخ آخہ بدر النساء کی روسیاہی کا سبب آج معلوم ہوا غالباً جس دھوپ میں بدر النساء کالی ہوئی تھی
طیس کے بال سفید ہوئے ہیں + + + + +

ادرج پنج مطبوعہ ۱۲ - دسمبر ۱۹۰۵ء

نکلا جو زمین پنج کا خنجر غلاف سے اُڑنے لگے شر و دم خارا اشکاف سے بدر النساء اور اس کی مصیبت نمبر ۷

ٹھوکر نمبر ۳۹ کبریٰ بیگم خاص خاص لکھنؤ کی شریف زاد پوتے کے لہجہ میں فرماتی ہیں کہ (توبہ کرو بہن! غیروں میں شادی بیاہ کر کے کہیں بھی پوری اترتی ہے۔ پوری اترنا) بھی کیا خوب۔ اس جگہ سے تو پوری کی پوری آتی ہے۔ تحسین کی مسجد کے نیچے کے جو حلوائی رہتے ہیں وہ اس فقرہ کو سن لیں تو شر کی زبان دانی پر پالنے لگے آئیں۔ (پوری پڑنا) تو سنا تھا مگر پوری اترنا) غرر نے کسی کے حلوائیوں نے سنا ہوگا۔ خیر خیر یا بیروزہ اگر چہ گندہ۔ لیکن ایجاد بندہ۔ ٹھوکر نمبر ۳۹ کبریٰ بیگم اپنے بھائی اکبر علی سے (بیٹا بدرو) کی نسبت کہتی ہیں کہ آخر اس کی بات چیت شادی کے متعلق ہونی چاہیے اس کے جواب میں اکبر علی لکھنؤ کی شریف زاد پوتے کے لہجہ میں کہتے ہیں کہ (میر تو ارادہ ہے کہ میں کہیں مناسب کیہ کے کر دوں گا آہا ہا کر دوں گا کس قدر

۱۲ پنج سجان اللہ کیا اگر تم تنقید ہے ۱۲ (بدر النساء کی مصیبت) صفحہ ۶ سطر ۲۳

بقیہ بیگم فرماتی ہیں۔ (اے بیٹا بدرو اندر چلی آؤ) مطلب یہ ہے کہ شر نے خود بدر النساء کو

بیٹا بدرو کا خطاب دیا ہے ۱۲ + + + +

تہذیب و لطافت میں غوطے کھار رہے۔ افسوس ہے کہ (مناسب) کے بعد موقع کا لفظ چھوٹ گیا اور نہ پورا ملازمہ ہو جاتا۔ میان شر لکھنؤ کا تو ایک بازار شیخین بھی اپنی بہن سے جب گفتگو کیے گا تو ایسا ہیودہ لفظ منٹھ سے نہ نکالے گا۔

ٹھوکر نمبر ۱۳ یہ ٹھوکر مذہبی تعصب کی ٹھوکر ہے یعنی چونکہ (بیٹا بدر) اور عسکری کی عمر کم تھی اور کبریاہم کتنی تھیں کہ ابھی کلچ ہو جائے تو اکبر علی نہایت نفسیہ کے ساتھ کہتے تھے کہ یہ تو ہندوؤں کی سی شادی ہو گئی، اس جملے کے معنی کیا ہیں اس سے

صرف ہندوؤں کا دل دکھانا مقصود ہے۔ افسوس کہ برائے نام کی نصیحت کے صفحہ سے بھی شر کا دی تعصب پھیل کر روشنائی کی طرح پھوٹ نکلا مگر اتھوڑا تھوڑے کی بانگ چلی جاتی تو **ٹھوکر نمبر ۱۲** ذرا ذیل کا جملہ ملاحظہ ہو۔ شوکت حسین نے (بیٹا بدر) کی شادی سے

اکا تو نہیں کیا تھا مگر ٹالا تھا کہ ابھی بالکل قبل از وقت ہے۔ مگر کبریاہم کی ضد اور پھر میان (شوکت حسین) کے مقابلہ میں تا بڑ توڑ خط جانا شروع ہوئے بہانہ تک کہ انھوں نے مجبور ہو کر لکھ دیا تھیں اختیار ہے۔ اس جملہ میں یوں تو تمام الفاظ لگینوں کی

طرح جڑے ہوئے ہیں مگر درمیان کا یہ فقرہ کہ ”اور پھر میان کے مقابلہ میں تا بڑ توڑ خط جانا شروع ہوئے“ لاوارث کی لاش کی طرح شر کی زبان دان کی کچی شرک پر پڑا ہوا ہے نہ یہ اپنے پیشتر کے فقرے نے چسپاں ہے نہ بعد کے فقرے سے۔ تسلسل عبارت بالکل

غٹ رہا ہے اور پھر کی کیا ضرورت ہے۔ نیز میان کے مقابلہ میں (خط جانا) چہ معنی دارد۔ آخر شر پر کو کہنے جبر کیا تھا کہ اس موقع پر مقابلہ کا لفظ کھونڈیں یہ لکھ سکتے تھے کہ میان کے پاس تا بڑ توڑ خط جانے لگے۔

ٹھوکر نمبر ۱۳ جب عسکری ساتھ (بیٹا بدر) کی شادی ہو گئی تو اس واقعہ کو

۱۴ بیچ پھر اس گناہ کیا ہے۔ جو تو شر نے برائے نام کی نصیحت لکھی تھی اس وقت وہ اتحاد کے

اڈیشن بنے تھے اور یہ خوف نہ تھا کہ ہندو چندہ نہ دیئے ۱۲

شرر صاحب بون خرنناک بچہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ گڑیا گڈے کی سی شادی تو کیا نکاح ہو گیا اور قاضی کو بلوآ کے دوپول پڑھوا دیے گئے۔

دانشد کیا شرر کے قلم نے اس فتح پر مجھ کے چٹے کپیر ح قلابازی کھائی ہے لکھنا تھا کہ (نکاح تو کیا ہوا گڑیا گڈے کی سی شادی ہو گئی) اور لکھ گئے کہ گڑیا گڈو کی سی شادی تو کیا نکاح ہو گیا، اور بھی عقل اس کا نام ہے ٹھوکر نمبر ۴۴ لکھو کے خانہ ساز زباندان حضرت شرر فرماتے ہیں کہ دست سزل کی آب و ہوا ان کے مزاج کے بہت ناموافق تھی اور خدا ہی ہے جو بھائی کا مگر بھی آئندہ ایسا صحت بخش شو اسلئے کہ وہاں سے سدھیانہ ہو گیا، کیون صاحب یہ دو مان سے کیا بلا ہے (دو مان سدھیانہ ہو گیا) تو درست ہے یہ (سے) اس جہ میں گندھی کپیر ح اپنی ٹانگ آڑا سے دیتا ہے۔

ساقم در ہر جگرے ہست خراش سخن ما
الماں تراش است تراش سخن ما

۱۹۰۵ء دسمبر ۲۸ صفحہ ۶

نکلا جو زمین پنج کا خنجر غلاف سے
اڑنے لگے شرر دم خار اشکاف سے

بدر انسا اور اسکی مصیبت نمبر ۸

بقتیر نمبر ۵۴ حضرت شرر فرماتے ہیں دلواکی کو بھی اکبر علی نے حیدر آباد کے
ایشیا بدر کا قاضی کے گھر کا جو تو نہیں ہے ۱۱ ص ۱۱ جیسے کسی کی آب و انسان کے طبع میں نہ ہو گا کے لئے مضر ہے ۱۲

درستہ نوان میں داخل کر دیا تھا۔ سہ ماہی چار سال (حاضری کرنا) کس زبان کے کھیت کی مولی ہے (حاضری کرنا) تو صاحب لوگوں کے ہیرا یا خاندان بھی نہیں بولتے نہ یہ کسی انگریزی محاورہ کا ترجمہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ چونکہ شر کی بیات انگریزی میں اکثر ڈگری یافتہ لوگوں سے بڑھی ہوئی ہے اس لئے انھوں نے ایک انگریزی عادی کا ترجمہ کر دیا۔ اسکول یا کالج میں حاضری دینا عام محاورہ ہے اس موقع پر یہ لکھنا تھا کہ چار پانچ سال حاضر رہ کر پڑھنا لکھنا تو کیا آیا اٹم ۴۴
 ٹھوکر نمبر ۴۴ مسئلہ (دخت ربود) کے وزن پر لکھا گیا ہے کہ سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ ہے کہ کبریٰ بیگم کے مزاج میں تھوڑا بہت اعتدال پیدا ہو گیا، فستون کبریٰ بیگم کے مزاج میں تو اعتدال پیدا ہو گیا شر کی زبان دانی کی دُم گندھی کی ٹانگ کی طرح سدھی ہوئی۔ لکھنا چاہئے تھا کہ سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ بات ہے کہ کبریٰ بیگم کے مزاج ۴۴ اور ٹھوکر کے سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ ہے کہ کیوں کسی کسی۔ بات بات میں فرق ہے۔

ٹھوکر نمبر ۴۴ فرماتے ہیں کہ (کبریٰ بیگم) ... لکھ میں رہتے رہتے بڑی ہو گئیں کئی اور بچے کو دین میں پلکے بیٹوں پٹوں چلے اور اب انگنائی میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں۔

سبحان اللہ و بحمدہ۔ شرر خالی زبان ان ہی نہیں ہیں بلکہ سلامتی سے مصو بھی ہیں کیا پچھوئے کئے پلنے کی اور انگنائی میں دوڑنے کی تصویر کھینچی ہے آہا ہا استاد کا شعر یاد کیا ہے چشمان تو زیر ابرو مانند دندان تو جملہ درد ہا مانند اگر ابھی تصویر نا تمام ہے۔ یوں لکھتے کہ گو دین کے بیٹوں پٹوں چلے۔ اب انگنائی میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں اور آئندہ شرک پر آہستہ آہستہ جیلین گے اور اپنے پانٹوں سے) مطلب یہ ہے کہ تینوں صفیہ ماضی حال متقبل

آجہاتے ہیں غالباً حضرت شرر صرف دعو کا یہ باریک و نازک مسئلہ سمجھ گئے ہوں گے۔
یہ لکھنؤ کی جگہ بیٹوں خاص کرسی کی زبان ہے، افسوس کہ کبریٰ بیگم تو گھر میں بہتے رہتے
برائی ہو گئیں۔ مگر حضرت شرر لکھنؤ میں پڑانے ہوئے۔

ٹھوکر نمبر ۴۴ کبریٰ بیگم کو یہ ساریٹیفکٹ دیا جاتا ہے کہ اب وہ پہلی سی بات پر
بدگمانی نہیں ہو، چہ خوش چرانا شد و لفظ کا جملہ بھی سیدھی طرح نہیں لکھ سکے
اور زمانہ بھر سے خم ٹھونک کر لڑنے کو تیار لکھنا تھا کہ اب وہ پہلی سی بدگمانی بات
بات پر نہیں ہوئے اور لکھ گئے اٹھا نظم میں تو تعقید سنی تھی مگر شرر کی تعقید ایجاد کرنے کا
سہرا شرر کے سر پر ہے۔ مگر ہم بھی اصلاح دینے پر تے ہوئے ہیں اگر گندھی کی ٹانگ کی
طرح شرر کی شر کا بل نہ نکال دیا ہو تو نام نہیں۔

ٹھوکر نمبر ۴۵ کبریٰ بیگم خاص لکھنؤ کی شریف زادہ کے لہجہ میں اپنے میان سے فرماتی ہیں
کہ دم تو بیکر بنے بیٹھے ہو اور میری جان پر سنی ہوئی ہے اے سبحان اللہ اس
چھوٹے سے جملہ میں کیا (بے سنی) کا جو راجہ جو دے کیونکہ امانت موعوم کا رنگ
اٹایا ہے اور تناسب لفظی میں جیسی کامیابی انھیں نظم میں ہوئی ویسی شرر کو شرمین ہوئی
نظر آتی ہے۔ اگر ایسا نہیں ہو تو محض اس قدر لکھنا چاہئے تھا کہ (تم تو بیکر بیٹھے ہو میری
بر سنی ہے) شرر نے جو (سنی) کے لیے خواہ خواہ اور بے موقع (بنا) تجویز کیا تو یہ تناسب
لفظی کا خط ہے ٹھوکر نمبر ۵۵ ذیل کے جملہ سے شرر کی حساب کی قابلیت کا پتہ چلتا ہے
فرمانے ہیں کہ (کوئی ہفتہ نہ گزرتا جس میں دس بارہ خط نہ لکھ کر روانہ کرنا پڑتے ہوں
اس نہیں نہیں پر بھی اتنے خط لکھ گئے کہ دو مہینے میں بیس سو سے زیادہ
خط علی اکبر کے پاس پہنچے) دو سطروں میں (حافظہ ناشد) اس کا نام ہے۔ دو مہینے
میں ڈیر سو خط اسی حالت میں روانہ ہو سکتے ہیں جبکہ ہر ہفتہ اٹھارہ انیس خط روانہ کئے
جائیں۔ مگر شرر صاحب یہ فرما چکے ہیں کہ ہر ہفتہ میں دس بارہ خط جلتے تھے ضرور کچھ ہو۔

شرر کی غلطی تھی۔ مگر پوسٹ آفس کا فائدہ ضرور ہوا ہو گا۔ ایک نزاکت اور اس جگہ میں ہر
یعنی شرر صاحب نے اس بات کی تشریح کر دی ہے کہ (خط لکھ کر روانہ کیے جانے سے پہلے معلوم ہوتا ہے
کہ کرسی میں بے لکھے خط بھی روانہ کیے جاتے ہیں۔ واللہ شرر نے بھی عجب طبیعت
پائی ہے۔ کہیں تو پورا اڑا جاتے ہیں جگہ کا جگہ اور کہیں بھرتی کے الفاظ بھر دیتے ہیں۔
نکھو کر نمبر ۵۔ حضرت شرر یعنی سرپرست زبان لکھتے فرماتے ہیں کہ (ڈیڑھ سو سے
زیادہ خط اکبر علی کے پاس ہو چکے اور ہر ایک میں یہی تھا کہ بیٹی کو کب بھیجوں گے۔
دوسری بھی جگہ فرماتے ہیں کہ (ڈاک کیے۔ نہ شوکت حسین کو خط دیا۔۔۔ مضمون یہ تھا کہ بیٹی
بھیجنے پر تو راضی ہیں۔ انھوں نے صرافیس! بھلا لکھو کہ کوئی شریف اپنے کسی عزیز کو
غالب کر کے یہ کلمہ بولے گا۔ لے گا کہ (بیٹی کو کب بھیجوں گے) لکھنا چاہیے تھا کہ بیٹی کو کب
روانہ کر دے گا۔ اور لکھو گے ایسا لفظ حسین بہاؤ ذمہ کا بلو موجود ہے۔ شرر کو یاد رکھنا چاہیے
کہ شرف لکھتے ہیں یہ زبان نہیں ہے۔ یہ پیام بار کی زبان ہو تو ہو بھیجوں گے۔ یا بھیجنے پر رضی
ہوں اس پر تو یہ نہایت غراب یعنی بیدار کرتے ہیں عقلند را اشارہ کا فیتہ
ابنا زادہ صاف صاف کیا ہوں رع ہوتا ہے دوات میں قلم مست۔ عسکری کی
شاری میں دھوم دھام کرنے کی نسبت شوکت حسین کبریٰ یکم سے لکھتے ہیں زبان میں فرماتے
ہیں کہ اول تو میرے پاس اندرون روپیہ نہیں اور اگر فرضاً م کر کے بندوبست بھی ہوا تو
جو کچھ کر دے گا لکھتے ہیں خاص اپنے عزیزوں اور دوستوں کے سامنے کر دے گا۔
کیون نہ ہو۔ کیون نہ ہو۔ ورنہ کی مخالفت کے یہی معنی ہیں جب پردہ اٹھانا ہی ہو
تو عزیزوں اور دوستوں سے کیا پرسوچا اس سے تو اس قدر کہ لکھو کہ نام کیون بنام کیا گیا
اگر یہ لکھتے کہ (کرسی میں خاص اپنے عزیزوں اور دوستوں کے سامنے کر دے گا)
تو جہان ہرج نہ تھا۔ اور دنگی منہ جب شوکت حسین نے کہا کہ خاص اپنے عزیزوں اور دوستوں

لے اس جگہ کی تعقید شرر کی تعقید میں ہو ۱۲ لے پنج یہ آپ بیٹی ہے کہ جگہ بیٹی ۱۲ ++++++

سامنے کرونگا، تو شر صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ایک ایسی بات تھی کہ کبریٰ حکم کے دل پر بھی جم گئی، مناسب بھی یہی تھا۔

راقم در ہر جگہ ہمت تراش سخن ما
الماس تراش است تراش سخن ما

از او دھ پنج مطبوعہ ۱۹۱۱ء اگست ۱۹۱۱ء

رباعیات انیس و دبیر و سودا از جنت

بُت کی وقت نہیں خدا کے آگے
بیکار نسیم سے بگڑتے ہیں شر
کیا زارغ کا رتبہ ہے ہمارے آگے
چنگاری ہے کیا چیز ہوا کے آگے
(دبیر از جنت)

جب غلط سے گراما کے بگڑتے ہیں شر
لیکن یہ نسیم سے بگڑنا کیا خوب
بھو بونکے عیوض دہن سے بھڑتے ہیں شر
سبحان اللہ ہول سے لڑتے ہیں شر
(دبیر از جنت)

سودا کی رباعی شر کے نام

مطبوعہ او دھ پنج ۱۹۱۱ء - اکتوبر ۱۹۱۱ء

تو فخر آغانی خد و فاسا قظ آذو
آتش زن اتحاد ما ہم ہستی
تو ماہر دین ہستی و فاسا قظ آذو
نام تو شر ہستی و فاسا قظ آذو
(رباعی سودا از غلہ برین)

۱۷ یہ مصنف آغانی کا سرایہ افتخار جسے حضرت سیکینہ بنت الحسین کا غلط قصہ لکھا ہے ۱۲ + + +

ثنوی گلزار نسیم

| | |
|--|--|
| <p>ہر شاخ میں ہر شکوفہ کاری کرتا ہے یہ دو زبان سے یکسر یاغ اگیلون میں یہ حرف زن ہر ختم شمس پہ ہوئی سخن پرستی</p> | <p>مشرہ ہے قلم کا حیر باری حمید حق و مدحت عیسیٰ یعنی کہ سطح پنج بستن ہے کرتا ہے زبان کی پیش دستی</p> |
|--|--|

خوشنکاحی چٹا باری ہر ثنوی گلزار نسیم کی ترتیب کے واسطے

| | |
|---------------------------|----------------------|
| یاد ہے مے خامہ کو زبان سے | منقار ہزار داستان سے |
|---------------------------|----------------------|

۱۷ ہر شاخ الم شکوفہ میں گل اور نیز ممکن ہو کہ بجائے شکوفہ کاری شکوفہ کاری خرافہ کتابت ہو
شکوفہ صبح ماننے کی صورت میں حاصل ہونی یوں ہو گا کہ وہ ایسا نقاش ہو جسے ایک شاخ میں بھی
اپنی صنعت گلکاری ظاہر فرمائی اور لہذا شکوفہ میں کہتے ہیں یہاں تک کہ شاخ قلم میں بھی اپنی صنعت ظاہر کی
یعنی اپنی دیکھ شرف سے بار آور کیا ہو ۱۷ یاغ الم یعنی اسکا یاغ اگیلون میں آئے بغیر نہ کھا دیل ہو چکا ہو
ہونے کی ۱۲ شمس خامہ لہذا بلی سخن پرستی تو ظاہر ہے کہ میراث کر کے اسکا اور کوئی فعل میں نہیں ہو کر بعد از
اگر سخن پرست ہو مینی بات کا بیان کو نیا لا تو میں قلم ہے ۱۲ بار ۱۷ زبان سے مینی خامہ کی زبان
قوت ثنوی و غلامی دس متعارف سے مراد سر قلم کمال اسمعیل ۷ طوطی عقل مشکرفاے شہود
ہر کار و قلم متعارف ہے ہر یعنی جیسے بل افواج مات پڑا ہوئی ہو میرے قلم کا افواج سخن پر قادر کرے ۱۸ شمس

| | |
|---|--|
| <p>انسانہ گل بجاولی کا ہر چند سنا گیا ہے اسکو وہ شہ ہے داغِ نظم و نین ہر چند جو اگلے اہل فن تھے آگے اُنکے منہ و رخ پانا پر جس سخن سدا ہے باقی طعنہ سے زبان نکلتے چین روک خوبی سے کرے دلون کو تسخیر نقطے ہوں سپند خوش سیانی جو نکتہ لکھوں کہیں نہ حرف آئے</p> | <p>افسون ہو بہارِ عاشقی کا اُردو کی زبان میں سخن نگ اس کے کو دو آتشہ کروں میں سلطانِ قلم و سخن تھے سُورج کو چہ سراغ ہو دکھانا دریا نہیں کا ر بند ساقی رکھ لے مری اہل خاموشی نوک نیرنگ نسیم باغِ کشمیر جدول ہو صبرِ سحر خوانی مرکزِ کشش مری پہنچ جائے</p> |
| <p>داستان تاج الملوک شاہنوردہ اور زین الملوک بادشاہ مشرق کی</p> | |
| <p>رودادِ زمانِ پاستانی پرب میں ایک تماشا ہنشاہ شکر کنع ما جدارِ عتاود خالق نے دیے تھے چار فرزند نقشا ایک اور نے جمایا</p> | <p>یون قتل ہو غامہ کی زبانی سلطان زین الملوک فوی جاہ دشمن کش و شہر یار عتاود دانا عاقل ذکی خرد مند پس ماندہ کا پیش خیمہ آیا</p> |
| <p>۱۷ طعنہ اہل نوک رکھ لے یعنی مری نوک رہ جائے بہ عین عاودہ ہے مثلاً زیر کی بات ۱۸ گئی یعنی اتنے بات رکھ لی تھے ہذا نوک رکھ لی ۱۲ م شش ۱۹ جو نکتہ الام ممکن ہے کہ نکتہ تحریف نقطہ اور نکتہ بھی ہو سکتا ہے معنی یہ کہ کہرے کسی مضمون پر اعتراض ہو سکے اور مری کشش یعنی کشش اور فکر یعنی یہ کہی معقولہ تک پہنچ جائے ۱۲ ۲۰ نقشہ یعنی اپنی بہت نکتہ نقشا اور پیش خیمہ سے مراد اختار عمل کے آثار ۱۲ م شش عفا عنہ</p> | |

خورشیدِ حیل ہوا نمودار
وہ رخ کہ نہ ٹھہرے آنکھ جس پر
چشمک تھی نصیب اُس پدر کو
ثابت یہ ہوا ستارہ بین سے
بھر دیکھ نہ سیکئے گا کسی کو
مانند سر شک دیدہ تر
پیشی سا نگاہ رکھ کے پالا
پالا تاج الملوک رکھ نام
مانندِ نظر روانِ مواوہ
نظارہ کیا پسر کا ناگاہ
بینائی کے چہرے بنظر کی
کی نورِ بصر سے چشم پوشی
چشمک سے نہ بھائیو نہ بھائی
اُس ماہ کو شہر سے نکالا

اسیلہ کے نخل نے دیا بار
وہ نور کہ صد سے ٹھہر نور
نور آنکھ کا کہتے ہیں پسر کو
خوش ہوتے ہی طفلِ محبوب سے
پیارا یہ وہ ہو کہ دیکھ اسی کو
تظرون سے گرا وہ طفلِ اتر
بے سے نہ دایہ نے نکالا
تھا انسرِ سردارِ وہ کلفام
جب نامِ ننداجوان ہوا وہ
آتا تھا شکار گاہ سے شاہ
عصا و آئینوں کی دیکھ کر پسر کی
مہرِ لب نہ ہوئی خموشی
دی آنکھ جو شہ نے رونمائی
ہر چند کہ بادشاہ نے مالا

۱۵ امید الخ خورشیدِ حیل ہوا نمودار۔ حل سے مرویج حل چرنکہ حل اور خورشید سے
آفتاب یعنی وہ لوکا مان کے بیٹے لون نکلا بیٹے آفتاب برج حل سے طالع ہوتا ہوا تو حیل
آفتاب برج حل میں ہے۔ ورنہ کہ دن ہوتی ہی جو بڑی خوشی کا دن ہو ۱۲ صا و اہم دوسرے مصرع
میں بینائی کی تعریف بینائی کی ہو یعنی آنکھیں جاری ہوتے ہی یا آنکھ جو میوں نے دیکھنے کی مانند
کردی تھی مگر بقصد تفسا نے شوقِ دیدارِ بیاب ہو کر چہرہ کو نظر پھر کر دیکھا ۱۳ صا و اہم مرثیہ الم۔
کی نورِ بصر سے چشم پوشی۔ نورِ بصر سے مروی بینائی چشمِ شہزادی نورِ بصر سے بادشاہ سے چشم پوشی اختیار
کر لی اور نورِ بصر کا چشم پوشی کرنا بینائی کا جائز ہونا روا ہو ۱۲ صا و اہم ہر چند الم شہرِ عربی میں یعنی
ماہ ہو چل کر تاج الملوک کو شہر میں کیا تلف کا بلوہ ہو کہ ہر چند جائز شہر سے گل ہی میں سکتا
مگر یہی نکال کیا کہ ماہ کو شہر سے نکال دیا یعنی بادشاہ نے ہر چند نکالا مگر بینائی شہر میں کر کے ہے ۱۲ صا و اہم

| | |
|--|--|
| گھر گھر یہی ذکر تھا یہی شور آیا کوئی لیکے نسخہ نور تقدیر سے چل سکا نہ کچھ زور ہوتا ہے وہی خدا جو چاہے | خارج ہوا نور دیدہ کور لایا کوئی جل کے سر نہ زور بینا نہ ہوا وہ دیدہ کور نخواستہ جس طرح بنا ہے |
|--|--|

جانا چارون شاہزادوں کا تجوزیر کمال تلاش گل بکاولی کو

| | |
|---|---|
| پاپا جو غیب چشم صفحا تھا اک کمال پیر دیرین وہ مرد خدا بہت کرا با ہے باغ بکاولی مین اک گل خوشیدین یہ ضیا کرن کی اُسے تو گل ارم بتایا شاہزادے ہوئے رہ چارون تیار شاہانہ جلے وہ لیکے ہمراہ وہ باد یہ گرد خانہ برباد سیدان مین خاک اوڑا رہا تھا بوجہ نام لوگ خیل کے جل تولا لشکر کا اک سپاہی سلطان زین الملوک شہ زور منظور علاج روشنی ہے | یون میل سلم نے سرمہ کھینچا عیسیٰ کی تحین اُسے نکھین نکھین سلطان سے ملا کہا کہ شایا ہلکون سے اُسی بہ مار جنگل یہ مھر گیا اُسی جن کی لوگوں کو مشکوٰۃ ہاتھ آیا رفعت کیے شہ نے چارنا چار لشکر اسباب بنے خرگاہ یعنی تاج الملوک ناشاد دیکھا تو وہ لشکر آ رہا تھا جاتے ہو کدھر کو صورت میل جاتی ہے ارم کو فوج شاہی دبدار پیر سے ہو گیا کور مطلوب گل بکاولی ہے |
|---|---|

۱۵ منظور الف علاج روشنی چشم ہے یعنی روشنی پیدا ہونے کا علاج ۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶

گل کی جو جنبہ سنائی اُسکو
گلشن کی ہوا سنائی اُسکو
ہمرہ کسی لشکر کے ہو کر
قسمت پہ جلا بہ نیک اختر

غلام ہونا چاروں شاہزادوں کا
چوسر کھیل کر دلیبر بیوا سے

نقطو نے قلم کی مسرہ بازی
یوں لاتی ہے رنگ بد طرازی
مک چند چہرہ کیا وہ انہوہ
صحرا صحرا کوہ در کوہ
بلبل ہوئے سب ہزار جی سے
گل کا نہ بیتا دگا کسی سے
وارد ہوئے اک جگہ سرشام
فردوس تھا اُس مقام کا نام
اک نسر تھی شہر کے برابر
ٹھٹھکے نیلے لکشان پر
اک باغ تھا نہر کے کنارے
جولے لے گل اُس طرف سے
دسبر نام ایک بیوا تھی
اُس ماہ کی وان مجلس ا تھی
ورواز سے فاصلے پہ گھر تھا
ہیجا و بجانہ سمجھے انجان
آواز پہ وہ لگی ہوئی تھی
جس شخص کو مالدار پاتی
بٹھلا کے جوے کا ذکر اٹھا کر
جیت اُسکی تھی ماتھ جو کچھ آتا
بتی کا سر پر اعدان تھا
اٹھاتے اڑنی پہ قسمت آسا
جیتے ہوئے بندے تھے ہزاروں

لے جیتے ہوئے ایسی کسی قسمت کی غوی نے با کسی قسمت کی غوی نے بھی جان سکودا مرنے کے عین نما ہو کر

| | |
|--|--|
| <p>کرسی پہ بٹھائے نقش امید باتین ہوئیں آشنا یوں کی کھیلی وہ کھلاڑ بازی بد کر بازی چو سر کی کھیل سمجھے سامان ہارے تو سر پہ کھیلے بند ہونا بدا ہوا تھا بچے میں بچنے تو چھٹے چھوٹے پو پھٹے ہی جگ اُنھوں کا ٹوٹا زدون کی طرح پھرے نہ چل کر پانی سا پھر نہ جانب نہر</p> | <p>صفا دیتی لائی پھانس کر صید گھاتین ہوئیں دریا یوں کی زنگ اُس کا جسا تو لاکے چوسر وہ جھوٹ پہ کھتی یہ میل سمجھے منہ مورتھے مال زریہ کھیلے بد بختی سے آخری جوا تھا دو ہاتھ میں چا دن کسے لوٹے ایک ایک سے رات بھر نہ جھوٹا زدان کو پٹے محسوس کر شکرین سے جو گیا سوئے شہر</p> |
|--|--|

جیتنا تاج الملوک کا لبر سب کو اور چھوڑ کر روانہ ہونا تلاش گل گولی میں

| | |
|---|---|
| <p>یون صغیرہ نقش ہو قلم سے یعنی تلج الملوک ابتر شکر بہ بہ کیا پڑی تباہی گزارا دریاغ رسیوا پر تکلی اندر سے ایلک دایہ ہم شکل یہ مہ لقا تھا اُس کا افرننداسی شکل کا تھکیرا</p> | <p>لانا زنگل جو ہے ارم سے وہ برگ روان کا گرد شکر حیران ہوا کہ یا اکتی تھک کہ خبر تو لیجئے چلکر حیران تھا یہ بلند پایہ لڑکا کوئی کھو گیا تھا اُس کا ہوئی وہ کہ نام کساں تیرا</p> |
|---|---|

لے صفا دیتی اچ کرسی پہ بٹھائے نقش امید یعنی پوری امید ان کو جیت لینے کی ہوتی ۱۲ لے
مغرورا لبر سے یہ کھیلے یعنی اپنی ذات کو نذر کھیلے کیونکہ سرسینی ذات بھی تباہی دور اظہار
یہ کہ لبر سے لکھتے تھے لبر سے لکھتے تھے لبر سے لکھتے تھے لبر سے لکھتے تھے لبر سے لکھتے تھے

بولادہ کہ نام تو نہیں یاد
لیکن یہ میں جانتا ہوں لگے
بیٹا وہ سمجھ کے جی سے اُسکو
چلتے تھے اُدھر سے دو جوارے
کہتے تھے فریب دو گی کیا تم
ذکر اپنے برادر و ن کا شکر
کون ایسی کھلاڑ بیوا ہے
بولی وہ کہ ہاں جو ہے بد کام
بنی یہ چیراغ رکھ کے شب کو
پلے کی ہے کل چراغ کے ساتھ
شہزادے کہیں کے تھے بد اقبال
بھائی تھے جوش خون کہاں جائے
پلے کا چراغ کا اُلٹ پھیر
سوچا وہ کہ اب تو ہم ہیں آگاہ
اک بنی جو چھٹی چوہے کو بھانپ
سمجھا وہ کہ ہے شگون زلا

طفلی میں ہوا ہوں خانہ براہ
ہاں رہتی مری بھی ایسی ہی سیر
گھر لائی ہندی خوشی سے اُسکو
ایک ایک کی کر رہا تھا خوارے
شہزادے نہ ہم نہ بیوا تم
بولادہ عنبر یوسف تو مادر
شہزادو نکو جسے نہ ج کیا ہے
دلبر ایک بیوا ہے خود کام
چو سر میں وہ لوٹتی ہو سب کو
وہ بنی کے سر پہ چوہے کے ہاتھ
بندے ہوئے ہاں کر زرو مال
صدمہ ہوا در سے کہا ہائے
سوچا نہ اُنھیں یہ دیکھو اندھیر
جیتے ہیں توجیت لین گے ناگاہ
نیوے نے جھگایا دکھا سب
نیولا بڑا استین میں پالا

۱۰ بولادہ اہم ممکن ہو کہ وہ تحریف ہو دیہ کی بنی شہزادے نے کہا نام یار نہیں لڑکپن سے
آواز نہ مانا ہوا ہوں ۱۱ کہتے تھے اہم حاصل یعنی یہ ہے کہ دونوں شہزادوں اور بیوی کی
ہار جیت کے قصہ کا حال دے رہے تھے ۱۲ ذکر اپنے اہم کوئی کثرت ثنوی کا املف سے خالی
نہیں ہاں درو کے ساتھ لفظ غریز کیا فرماتے ہیں ۱۳ سوچا وہ اہم ممکن ہو کہ وہ تحریف ہو
۱۴ کی اور یوں بھی با محاورہ ہے یہ کی تقدیر براتی مضمون شعرا الیہ ہوگا اور جو تقدیر
پر (کہ) بیان نہ ہوگا اور کاف کے بعد کا مضمون بیان ۱۲

چوس رہی کے سیکھنے کو کیسے
اک روز اُسے لکھا امیر ایک
اُتراف سمجھ کے لے گیا گھر
اُس گل کے جو ہاتھ میں زر آیا
ملتی تھی کھلاڑ ٹنکے کی چوٹ
آواز وہ سُنے در پر آئی
کام اُسکا تھا بسکہ کھیل کھانا
وہ چشم چراغ بیسوا کے
نیولا وہ کہ مارا ستین تھا
بلی تو چیراغ با تھی خاموش
ہنس ہنس کے حریف نے رُلا یا
بارے بہ سزار بد ماغی
پسے سے چلی نہ جیلسازی
سب ہار کے نقد و جنس پاسے
بنیاد جو کچھ تھی جب گنوا لی
پھر پاسے نے کی نہ پاسداری
پاسے کی بدی سے آشکارا
دانا تو کرے کب اس طرف میل

گھومادہ برنگِ نر و گھمسر
وہ صاحب جاہ دل سے نکھانیک
بخشا اُسے اسب و جامہ و زر
جان بازی کو سونے دلیبر آیا
نقارہ و چوب میں ملی چوٹ
ہمرہ اُسے لیکے اندر آئی
چوسر کا جامہ وہ کارخانہ
کرنے لگے تاک بھانک آکے
چشکی کے بجاتے ہی وہیں تھا
بل ہو گیا موش کو فراموش
مانند چراغ اُسے جلایا
لی خضر نے غول سے چراغی
اجڑی وہ بسا بسا کے بانی
جیتے ہوئے بندے بد کے ملک
تب خود وہ کھلاڑ ٹنکے آئی
ہمت کی طرح وہ دل سے لاری
راجہ نئی سلطنت ہی ہارا
ہارا ہے جوے کے نام سے میل

۱۲

لے آواز ائمہ دوسرے مصرع میں ہمرہ تحریف ہے ہمرہ کی کوئی بتقدیر ہمرہ کے کھلف مصرع
موزون سے اور اندر آئی مینی باہر سے اندر آئی ۱۲ لے کام اُسکا ائمہ مینی از بسکہ اسکا کام
کھیننا تھا یا کھانا تھا دوسرے بلو لطف لای بھی کی کھیل کھانا عاودہ بھی ہے مگر بیان معنی اول
مرا دے یعنی کھیننا و کھانا دوسرے مصرع میں عاودہ تحریف ہے جایا کی ۱۲ + ۱۱ + ۱۰ + ۹ +

بارے دیکھا جو بسوا نے
سوچی کہ نہ اب بھی چال سیئیے
بولی بس زار عجز و زاری
نو تڑھی ہون نہیں عدول بھلکو
بولا وہ کہ سن یہ تھکے ٹپے چھوڑ
یہ مال یہ زر بہ جتنے بندے
یا فعل ارم کو جاتے ہیں ہم
بولی وہ سنو تو بندہ پرور
انسان دہری کا سنا کیا
شہزادہ ہنا کا کہ لب
انسان کی عقل گر نہ ہو گم
یہ کلمے اٹھ کا کہ لوجان
دولت تھی اگر چہ خست یاری
خزجیب نہ مال پر پڑا ہاتھ
درویش تھا بندہ خدا وہ

بند کیا غمیر کا خدا نے
شادی کا نرا نکال رہیے
تم جیتے میان میں تم سے ہاری
خداست میں کرو قبول بھلکو
نقارہ در کو چوب سے نور
یون ہی ہیں رکھ بکھش چند
انشاء اللہ آتے ہیں ہم
گلزار ارم ہے پر یون کا گل
اٹھی میں ہوا کا تھا سنا کیا
کچھ بات نہیں جو رکھے دلیر
بے چشم پری میں جاے نرم
جلتے ہیں گنا خدا نگہبان
پامردی سے اُس پہ لات لاری
خز سیاہ نہ کوئی بھی لیا ساغر
انشاء کے نام پر چلا وہ

پہونچنا تاج الملوک کا رنگ کھڈا رنگ کا بی میں اور گل لیکر پھرنا

کرتا ہے جو طے سوا دامہ
وہ دامن دشت شوق کا خار
اک جنگل میں جا پڑا جہان گرد
سیاہ کو پتہ نہ تھا شجر کا

یون حرف ہیں نقش پائے غامہ
میں تاج الملوک ل زار
صحیحہ عدم بھی تھا جہان گرد
غف تھا نام جانور کا

نقش کف پا تھے ر یک باہی
 پار یک روان تھی یا وہ رہو
 اک دیو تھا پاسبان بلا کا
 دو نہ تھے رہو عدم کے ناکے
 تسلیم کیا قضا کو اُس نے
 فاقون سے رہا تھا چھانک کر کھ
 صلابے دو دے گمان تھا
 اللہ اللہ شکر احسان
 اندیشہ سے رہ گیا دہل کے
 سبحان اللہ شان تیری
 پر آرد و روغن و شکر سے
 غصہ تم ہوئے شکار لایا
 دم اُس کا نہ اُس گھڑی سما یا
 بیٹھا تو گرا اگر تو بیہوش
 یا بھاگ سکو تو راستا لو
 سب ٹھاٹھ تھے مہمانیوں کے
 خاطر میں یہ اُس بشر کے آیا
 گرے جو مرے تو زہر کیوں دو
 شیرینی دیو کو چھڑائی

مرغان ہوا تھے ہوش راہی
 وہ دشت کہ جبین پر تگ دو
 ڈانڈا تھا ارم کے بادشا کا
 دانت اُس کے تھے گور کن قضا کے
 سر پر پایا بلا کو اُس نے
 بھوکا کئی دن کا تھا وہ ناپاک
 بے ریشہ یہ طفل فوجوان تھا
 بولتا کہ بچھو ان کا میں یہ انسان
 شہزادہ کہ عہد میں تھا اجل کے
 بل مارنے کی ہوئی جو دیری
 اشتہر کمی جاتے تھے ادھر سے
 وود یو بیک کے مار لایا
 اوتھوں کی جو لو تھیں دیو لایا
 تپور کے وین وہ بار بردوش
 چاہا اس نے کہ مار ڈالو
 وہ اونٹ تھے کاروانیوں کے
 سیدہ بھی شکر بھی گھی بھی پایا
 بیٹھا اُس دیو کو کھلاؤ
 صلوے کی بچا کے ایک گڑائی

سلا قولہ بولاکلام مصرعہ اول میں کاف تحریف کتابت معلوم ہوتا ہے کیونکہ مصرعہ اول
 بغیر کاف کے بھی بے تکلف موزون ہو سکتا ہے یعنی ع بولاکچھو کن کا میں یہ انسان + ۱۲

ہر چند کہ تھا وہ دیو کڑوا
 کہنے لگا کیا فریب و خواہ
 چیز اچھی کھلائی تو نے بھگ
 بولا وہ کہ پہلے قول دیکھئے
 وہ ہاتھ پر لٹکے مار کر ہاتھ
 بولا وہ کہ قول اگر یہی ہے
 گلزار ارم کی ہے مجھے دھن
 خوشید کے ہم نظر نہیں ہے
 وان موج ہوا ہوا پہ اثر در
 ہوتا جو نہ قول کا سماں
 رہ جامرا بھائی ایک ہے اور
 اک ٹیکے پر گیا بلایا
 حال اُس سے کہا کہ قول ہمارا
 مشتاق ارم کی سیر کا ہے
 حیات نام دیو نی ایک
 خط اُس کو لکھا باین عبارت
 پیارا ہے مرا یہ آدمی زاد
 انسان ہو جا ہے کچھ جو سازش
 خط لیکے بشر کو لے اڑا دیو
 بھائی کا جو خط بہن نے پایا
 اُس دیو نی پاس ایک حسین تھی

علوم سے کیا تھا اُس کا بیٹھا
 اے آدمی زاد واہ واہ واہ
 کیا اسکے عوض میں دون میں ٹھیکو
 پھر جو میں کہوں قبول سمجھئے
 بولا کہ ہے قول جان کے ساتھ
 بد عمدی کی پر نہیں سہی ہے
 بولا وہ اے بشر وہ گلین
 اندیشہ کا وان گذر نہیں ہے
 وان ریگ زمین زمین پہ ٹگر
 بخت نہ بین خیر مٹا
 شاید کچھ اُس سے بن پڑے طر
 وہ بٹل صدے کوہ آیا
 ہے پیر یہ نوجوان ہمارا
 کوشش کرو کام نبر کا ہے
 چھوٹی بہن اسکی تھی بڑی نیک
 اے خواہر سربان سلامت
 رکھو اسے جس طرح مری یاد
 مہمان ہے کیجو وارنش
 ہو نچا حیات پاس بے ریو
 بھیجے ہوئے کو گلے لگایا
 نہ نور کے گھر میں انگبین تھی

ج

خط اور شکر سے لکھا ہوا ہے

محمود انا م دُختِ آدم
 جو راہم جنس باہق کیا
 دن بھر تو الگ تھلک ہی تھے وہ
 تھے نسیط و حیل کے استخوان میں
 آپس میں کھلے نہ شرم سے وہ
 بولا وہ فسرہ دل سحر گاہ
 بولی وہ کہ ہونے کو ہوا ہے
 بولا وہ یہی تو چاہتا ہوں
 پیرا ہن گل کی بو تھی مطلوب
 اول کسی بد نگاہی اپنی
 کھولی تھی زبان تھکا نہ میرے
 پوچھا امت الہ نے مر جان
 بولی وہ کہ کتے آتی ہے شرم
 ناکامی کے جب وہ طور سمجھی
 پوچھا کہ بتا تو روگ کیا ہے
 بولی وہ کہ ہے تو درد لیکن
 وہ بولی جو تو کہے زبان سے
 چہرے کو چھپا کے زیر چادر
 باپ اسکا ہے اندھے بن سچول
 دل داغ اسکا پرل گل ہے

لے آئی تھی دیکے دیو نی دم
 محمودہ کے گلے لگایا
 دو وقت سے شام کو ملے وہ
 پردہ رہا ماہ میں کستان میں
 خاطر کی طرح گرہ رہے وہ
 کیا سرد ہوا ہے واہ واہ
 جو غنچہ کو گل کرے صبا ہے
 گل پانوں تو میں ابھی ہوا ہوں
 یوسف نے کہا وہ خال یعقوب
 بعد اسکے وہ سب تباہی تھی
 کہتے سنتے اٹھے سیرے
 ہم جنس ملا نکالے ارمان
 دل سرد رہا بفل ہوئی گرم
 وہم اُسکو ہوا کچھ اور سمجھی
 درمان ہے کہ درد لا دوا ہے
 تم چاہو تو ہے دوا بھی ممکن
 تاسے لے آؤن آسمان سے
 محمود انا نے کہا کہ مادر
 مطلوب بکا ولی کا ہے پھول
 نرگس کے بیٹے مولے گل ہے

لے تو نہ نرگس کے بیٹے اپنے باپ کی آنکھ کے لئے خواہش گل ہے ۱۲

ساعی تھی بل یہ کہنے والی
 دیوئے نے کہا کہ چو ہے بنجاؤ
 سُن حاجت نقب بہر گلگشت
 پوشیدہ زمین کے دلمین کی راہ
 جب مہر نہ زمین سما با
 صحنِ حرمِ ارم میں ایسا
 کھٹکا جو نگاہاؤن کا تھا
 گوشہ میں کوئی لگانہ ہوئے
 گو باغ کے پاس ان غضب تھے
 ترنس کی کھلی نہ آنکھ یک چند
 خوش قد وہ چلا گل و سمن میں
 اوان بکا ولی جدہ تھا
 رکھتا تھا وہ آب سے سولاب
 پھول اُسکا اندھے کی دوا تھا
 بائی کے جو بلیوں میں تھا گل
 پوشاک اُمار اتر کے لایا
 گل لیکے بڑھا ایلغ بر کف
 بارہ درمی وان جو سونے کی تھی
 گول اُسکے ستون تھے ساعدِ حور

راہ اُس نے سُرنگ کی نکالی
 تاباغ ارم سُرنگ پہنچاؤ
 کترا جو ہون نے دہن دست
 حد بانڈھ کے خوش بچھے اُسی راہ
 اُس نقب کی رہ وہ آدم آیا
 یوٹا سا نہ زمین سے نکلا
 دھڑکا ہی دل کا کہہ رہا تھا
 خوشہ کوئی تاکتا نہ ہوئے
 خوابیدہ برنگ سبزہ سب تھے
 سوسن کی زبان خدانے کی بند
 شمشاد روان ہوا چمن میں
 حوض آئینہ دار بام و در تھا
 چندے خورشید چندے مہتاب
 رشک جامِ جان نما تھا
 پہنچا لب حوض سے نہ جنگل
 پھولانہ وہ جامہ میں سما یا
 چوری سے چلا چراغ بر کف
 سو خواگہ بکا ولی تھی
 چلمن ترگان چشمِ مخمور

لے بانی کے جلالِ غالباً غف جو مصرعہ اول میں تحریف کتابت سے زائد ہو گیا ہے
 کیونکہ میر جو کے بھی مصرع بلا تکلف موزون ہے ۱۲ شش + + + + +

| | |
|--|---|
| دکھلا ہاتھ اوہ مکان جادو پردہ جو حجاب سا اٹھایا بند اسکی وہ چشم ز گسی تھی سمٹی تھی جو محسوس اُس قمر کی ایٹے تھے جو بال کروٹوں میں جا ہا کہ بلا گلے لگائے سو چاکہ یہ زلف کھین لینی یہ پھول انھیں اڑھٹوں کا ہون گل چین کے ہنسی نوے بالکل پھر سمجھیں گے ہے جو زندگانی انگشتی اپنی اُس سے بدلی آہستہ پہرا وہ سرو بالا ہیبت سازین کے دلیں آیا جب نقب افق سے مہربان گل ہاتھ میں شل دست بیضا وہ دلیونی اور وہ دخت انسان گل کیلے جب آلا وہ کلچین | محراب سے در سے چشم دابرو آرام میں اُس پر سی کو پایا چبائی کچھ کچھ کھلی ہوئی تھی برجوں پہ سے چاندنی تھی کر کی بل کھا گئی تھی کمر ٹون میں سوتے ہوئے فتنہ کو جگائے ہے سانپ کے مخدین انگلی دینی یہ کالے چراغ کے ہیں دشمن خندہ نو برق حاصل گل کچھ نام کو رکھ چکونشانی مخمس خط عاشقی سنہ لی سایہ بھی نہ اُس پر چمکی والا اندیشہ کی طرح سے سمایا نکلا تو وہ ماہر و شتابان اُس نقب کی استین سے نکلا دونوں تھیں اسی کی منظوران اُس نقب کی رخصت بندیاں لیکن |
|--|---|

آوارہ ہونا بکا ولی کا تاج الملوک گل چین کی تلاش میں

| | |
|--|---|
| گل کا جو الم چین چن ہے کچھ چین نے وہ پھول جب اُرایا | یون بل خامہ نعرہ زن ہے اور غنچہ صبح کھلکھلا لایا |
|--|---|

وہ سبزہ باغ خواب آرام
جاگی مرغِ سخن کے گل سے
منہ دھوئے جو آنکھ ملتی آئی
دیکھا تو وہ گل ہوا ہوا ہے
گھبرائی کہ ہن کدھر گیا گل
ہے ہے مرا پھول لیکیا کون
ہاتھ اسبہ اگر پڑا نہیں تو
زرگس تو دیکھ کدھر گیا گل
سُبل مرا نادیا نہ لانا
تھرا میں خواصین صورتِ بید
زرگس نے نگاہ بازیاں کیں
بت ابھی پتے کو جب نہ پایا
اپنوں میں سے پھول لیکیا کون
شبنم کے سوا چورسے والا
جس کف میں وہ گل جوں جوں
ہوئی وہ بکا دلی کہ افسوس
آنکھوں سے عزیز گل ٹٹا تھا
نام اُس کا عبا نہ لیتی تھی میں
گلیچین کا جو بس ہاتھ ٹوٹا
اوشا پڑا نہ تیرا چنگل
او بادِ صبا ہوا نہ بتلا

میں نے وہ بکا دلی گل اندھ
ہاتھ نکست سی خوش گل سے
پرباب وہ چشمِ حوض بائی
کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے
جھنجھلائی کہ کون دے گیا گل
ہے ہے مجھے خار سے لیا کون
بُو ہو کے تو پھول اڑا نہیں ہو
سوسن تو بت کدھر گیا گل
شمشاد انھیں سولی پر چڑھانا
ایک ایک سے پوچھنے لگی بھید
سوسن نے زبان درازیاں کیں
کنے لگی لب ہوا خُلبا
برگ نہ بھتا سبزے کے سو کون
اوشا کا ہتھ کون آنے والا
جس گھر میں ہو گل جوں جوں
غفلت سے یہ پھول پڑ پڑی اس
پتلی وہی چشمِ حوض کا تھا
اُس گل کو ہوا نہ دیتی تھی میں
غنجہ کے بھی منہ سے کچھ نہ چوٹا
مشکین کس لین نہ تو کے سبل
خوشبو ہی سنگھاتا نہ بتلا

نہ تھا اور ہی کوئی آنسو والا
نہ تھا نہ کوئی آنسو والا

| | |
|--|--|
| <p>گل تو ہی مہک بتا کہ مر ہے تھی سبزہ سے رست موبرا بزم تھا دم بخود اسکی سن کے فریاد جو برگ تھا ہاتھ مل رہا تھا گلبرگ سے کف لگی وہ مٹنے دست آویز لکے ہاتھ آئی انسان کی دستبرد جانی خاتم بھی بدل گیا ہے بذات وہ ہاتھ لگے کہیں خدایا کھال اسکی جو کھینچے نہ رہے خون روئی لباس کو کیا چاک سبزے کا ساتار تار دامان اب چین کسان بکا دلی کو آنڈھی سی اٹھی ہوا ہوئی وہ گلچین کا کہیں پتا لگاتی ہر شاخ پہ جھولتی پھری وہ اس ننگ کے گل کی بو نہ پاتی پتا کہیں حکم بن بلا ہے</p> | <p>بمبُسل تو ہیک اگر خبر ہے لرزان تھی زمین یہ دیکھ کہرم انگلی ب جو پہ رکھ کے شمشاد جو غسل تھا سوچ میں کھڑا تھا رنگ اس کا لگا غرض بے لے بے کی انگوٹھی ڈھیلی پائی خاتم تھی نام کی نشانی ہاتھوں کو ملا کہا کہ بہا ت جسے مجھے ہاتھ ہے لگایا عریان مجھے دیکھ کر گیا ہے یہ کہکے جنوں میں غضناک گل کا سا لہو بھرا گریبان دھڑلا کے کہا سن پری کو تھی بسکہ غبار سے بھری وہ کہتی تھی پری کہ اڑ کے جاتی ہر باغ میں جھولتی پھری وہ جس تختہ میں سشل باد جاتی بے وقت کسیکو کچھ ملا ہے</p> |
|--|--|

پونچنا تاج الملوک کا ایک اندھ فقیر کے لیو پر اور آزار مانا گل کا

| | |
|--------------------------------|----------------------------------|
| <p>پھر ناجو وطن کا مدعا ہے</p> | <p>اب صفحہ پہ یوں قلم پھر ہے</p> |
|--------------------------------|----------------------------------|

وہ گلشنِ مہکا گل چین
 جو وقت گل اُس چین سے لایا
 کہنے لگی تو مراد پائی
 گل کی وہ غرض کر آشکارا
 جب دیو سیاہ شب سے مہتاب
 اور گل لئے آفتاب تابان
 وہ سرور و اور وہ ماہِ مکر
 گل کی وہ غرض جتنی اُسکو
 کیا کہتی وہ دیوئی کہا جاؤ
 دو بال دیے کہ لومری لاگ
 دیو اُنکو سر پر بٹھا کے
 بولے کہ کہ ہر جلوگی کہ دو
 وہ مڑے ادھر کو اڑ کر آئے
 وقتِ سحر اور خنک ہوا تھی
 چار آنکھیں ہوئیں تو تھی شناسا
 صدقے ہو کر کہا خوش آئے
 ہمراہ یہ کون دوسری ہے
 بولاشہزادہ شکر ہے مان
 محمودہ نام یہ جو بہن ساتھ
 جیتا جو پھر ادہ رشک شمشاد
 شہزادہ نے بھائیوں کے نام

یہ تاج الملوک حق بین
 محمودہ ان خوش ہوئی کہ آیا
 بولا وہ جو یان سے ہو رہائی
 جوین کی طرح اُسے اُبھارا
 رخصت ہوا جیسے چشم سے خواب
 ہنگامِ سحر ہوا اشتیابان
 اُس دیوئی پاس آئی مضطر
 رخصت کی طلب سنائی اُسکو
 دیوؤں سے کہا کہ تخت لے آؤ
 جب وقت پڑے دکھائیو آگ
 پر واز کنان ہوا پہ جا کے
 فردوس کے رخ کہا ادھر کو
 گلزارِ مین بیسوا کے لئے
 گلگشتِ چین مین بیسوا تھی
 قدیون یہ گری وہ سایہ آسا
 جس گل کی ہوا لگی تھی لئے
 سایہ ہے کہ ہم قدم پر ہی ہے
 پر ہے گل آرزو سے دامن
 پھول لے کے سب سے آگیا ہاتھ
 قیدی کیے بیسوا نے آزاد
 بھجوا یا براے داغِ پیغام

سچون کھوٹوں نے داغ دکھایا
 چھوٹے قید فرنگ سے وہ
 چاروں داغی پھرے وطن کو
 آیا اب جو وہ رشک شمشاد
 سو نیا سب ناخدا کو گھر بار
 خندے یاد آئے مردوزن کے
 کیا جانے کیا پڑے کی اُفتاد
 موقع نہیں بھیڑ سا تھر رکھئے
 خود کشتی سے کر گیا کنارہ
 جنگل کی راہ سے چلا دیں
 اک گوشہ میں آنکھیں ملاکتا تھا
 ٹھہرا وہ مسافر اُس جگہ پر
 واجب تھی آزمائش گل
 سونے کو کسوٹی پر چسٹھرایا
 ہو جیسے چراغ سے چلے نغان
 نیچے سے شرہ کی لین بلا کین
 کھین وہ ہوا سے ہمنان تھا

۱۵ قولہ دعا تو بچے تنگ سے وہ - تنگ کی طرح چلنے سے صرف تیزی ناک
تشبیہ دینا مقصود ہے نہ کہ رفتار تنگ کو عاودہ ثابت کرنا مقصود ہے اور تشبیہ بہت ہی سبب
۱۶ وہ پور بی الم پور بی وجو گیا جنگلہ دیس سب راگنیوں کے نام ہیں اور دوسرے
لطف یہ ہے کہ جتنے کا وقت دیس کے بیشتر ہوتا ہے ۱۲ + + + +

ملنا چارون شہزادوں کا اور چھین جانا گل بکا ولی کا
تاج الملوک سے اور بینا ہونا چہ شہزین الملوک کا

ہو بکہ چہ سرخ جو رہیشہ
یہ جا کے اُسی جگہ پہ ناگاہ
کہتے تھے کہ واہ رے مقدر
کیا رنگ زمانہ نے دکھائے
کس ٹھہرے پد کے آگے جائیں
اٹھرائی کہ اور پھول یجائیں
اک باد ہوائی توڑ کر پھول
کیا پھول ہے کیا اثر ہے اس میں
وہ کور کہ ہو چکا تھا بینا
بولا کہ یہ گل و گل نہیں ہے
وہ جو گی جو جاتے ہیں اگر کہیں
میں کو را بھی ہو چکا ہوں بینا
چارون کو بھی حسرت گل تر
اُس جو گی کے جب برابر آئے
گل ہے کہ حلاج نور ہے یہ
جو گی سینے وہ شاہزادہ
باتے اگر اُس درخت کی چھانٹوں
ڈینگ آپ کی سب فضول ہے یہ

یوں خابہ رہے سلم ہے ریشہ
آپو بچے وہ چارون گل گراہ
کس شکل سے پھر کے جلتے ہیں گھر
گل لینے گئے تھے داغ لائے
کیونکر بے پھول ٹھہر دکھائیں
کمال کو بے وقوف ٹھہرائیں
کہنے لگے پھول پھول کر غول
ہو جاتی ہیں روشن اندھی آنکھیں
دیکھا اُس نے جو یہ قرینا
اُس پھول کی اور گل زمین ہے
دکھلائی وہ گل تو آنکھیں کھلی ہیں
انہیں انہیں اب ہوا ہوں بینا
جو مایے ہوا کی طرح چل کر
باہم کساد کھو پھول لائے
گل ہے کہ چہرہ غلو ہو یہ
بولا کہ بکو نہیں زیادہ
کہتے ہی نہ تم زمین پر پاؤں
وہ گل یہ نہیں وہ پھول ہو یہ

| | |
|--|---|
| یہ کہ کے جو جیب سے نکالا قوت میں وہ چار تھے یہ سبکیں غولوں نے بزور پھول اڑایا گل پانے سے بسکہ سر خر و تھے تغیل سے رُو براہ گئے گل لائے جو نور دیدہ دلخواہ تینچے سے ہلک کے پھول اٹھایا نور آگیا چشم آرزو میں خورشید بصر گن سے چھوٹا دولت جو پاس تھی ٹٹائی ایک ایک کو اس قدر دیا زور سجواے طرب کے کارخانے | اُن مفت برون نے ماتھ ڈالا شورش میں وہ چار معن خیس اُس خضر کو رہا تما بتلایا گھوڑوں پہ ہوا کے مثل فو تھے گل لیکے حضور شاہ آئے آنکھوں کی طرح پھڑک گیا شاہ اندھے نے گل آنکھوں سے لگایا آیا پھر آبِ رفتہ جو میں خیرات کے در کا قفل ٹوٹا زربخشا گل کی رونمائی محنت گدا ہوئے تو انگر بجولے خوشی کے شادیانے |
|--|---|

پہونچنا بکاولی کا دار الخلافت زمین الملوک میں
اور وزیر ہو کر تاج الملوک کی تلاش میں مہینا

| | |
|--|---|
| گھجین کا جواب پتا ملا ہے وہ باد چمن چمن خسر امان گلشن سے جو خاک اڑاتی آئی دیکھا تو خوشی کے چہچہے تھے گلاباگ زنان تھا جو جان تھا پاتے ہی پتا خوشی سے پھولی | یون شاخِ مسلم سے گل کھلا ہے یمنے وہ بکاولی پریشان اُس شہر میں آتے آتے آئی گھجین کے شگونہ کھل ہے تھے ایک ایک ہزار داستان تھا شاد ایسی ہوئی کہ رنج پھولی |
|--|---|

جادو سے بنی وہ آدمی زاد
 سلطان کی سواری آ رہی تھی
 پوچھا اے آدم پریر و
 کیا نام ہے اور وطن کدھر ہو
 دی اُس نے دعا کہا بصدور
 گل ہوں تو کوئی چین بتاؤں
 گھر بار سے کیا فقر کو کام
 پوچھا کہ سبب کہا کہ قسمت
 باتوں پہ فدا ہوا شہنشاہ
 چہرے سے امیر زادہ پایا
 نذرین لیے بندگانِ درگاہ
 ویرانہ چارون شاہزادے
 چاہا چھین کا امتحان لے
 بتلانے لگے وہ چارون نادان
 جانا کہ جو گل یہ لائے ہوتے
 تجویز میں تھا یہ صاحب فکر
 نقش ارسکو ہوا کہ بس ہی ہو

انسانوں میں آملی پر ہی زاد
 صورت جو نگاہ کی پر ہی تھی
 انسان ہی پر ہی ہو کون ہو تو
 ہو کو نسا گل چین کدھر ہو
 فرخ ہوں شہامین ابن فیروز
 غربت زدہ کیا وطن بتاؤں
 کیا لیجئے چھوڑے گاؤں مکان نام
 پوچھا کہ طلب کہا تانت
 لایا بصدرا میناز ہمراہ
 گھر لاکے وزیر اُسے بنایا
 دستور سے آئے بصدرا
 دیکھے تو کھلے وہ دے لکے سافے
 پوچھا کہ نگین جے کہاں لے
 کوئی مین اور کوئی بدخشان
 خاتم کے نگین بتائے ہوتے
 آیا تاج الملوک کا ذکر
 ان سادوں سے کندہ کیے ہی ہو

ز دیکھے کہ ہیں جادو کی ہے ساد

۱۔ چاہا ۲۔ امتحان تاج الملوک کے لیے بجاؤ لی نے چارون شہزادوں کی طرف متوجہ ہو کر علی سید القاسم
 بہ سوال کیا کہ بلا یہ تو بتاؤ اگر کوئی انکو چھینوں کے لیے نگینہ خریدے کو کہاں سے خریدے اور کیا
 سوال اس موقع پر اس طریقہ سے کرنا مناسب اور بجا تھا اور نگینہ پر کیا موقوف ہے جس سے کی
 نسبت انھیں انعام میں سوال کر سکتے ہیں مثلاً سوال دیکھو صاحب جو کھڑا خریدنا ہو تو کہاں خریدے
 اور مقصود ایسے سوالات کا یہ ہوتا ہے کہ ظان نے کہاں سے خریدنا مناسب ہو گا ۱۲ م شمس

| | |
|---|---|
| ظاہر نہ کیا بطون اپنا منزل کہ رہروان بنا کے رہرو کو دیابہ لطف و اکرام | طلح سے لیا شگون اپنا شام و سحر سمن آپا کے آتے آرام جاتے پیغام |
| آباد ہونا تاج الملوک کا گلشن بگاریں ہوا کے اور شہرہ ہونا | |

| | |
|--|--|
| تعمیر مکان کے ہیں جو آثار شہزادہ کہ عازم وطن تھا انہ سے کو کیا جب اس نے بینا سو پا کر خوشی خدا کی غم کھاؤ نقل ارم اک مکان بنا کے بال آگ پہ رکھتے آدھی آئی تنہا اسے دیکھ کر کہا ہیں دریا پہ ہوں انکو چھوڑ آیا لیکن وہ مکان وہ جو ضلہ باغ حمت الہ نے دیوؤں کو کیا یاد ویرانے کو گل زمین بناؤ صناع ظلم کار تھے وہ دیوؤں نے ادھر محل بنایا | یوں خامہ ہے بہریت سمار گل پانے سے خوش چین جن تھا اور داغیوں نے وہ بھول چھینا حمت الہ دیوئی کو بلو او رکھو پروں کو اپنی لا کے وہ دیوئی بال باندھی آئی مخموہ کیا ہو ہیں کہا ہیں مسکن کے لئے تمہیں بلایا جو باغ بکا ولی کو دے داغ آئے تو کہا یہ بن ہو آباد گلزار جو اہر بن بناؤ گلشن کے لئے بہار تھے وہ کشتی سے وہ دخت رز کو لایا |
|--|--|

منہ ہئی

دخت

۱۵ دیوؤں الہ دخت رز تحریف و تخریب کی بنی دخت محمدہ کو یا بخت برکی یا کسی اسی
قبیل کے نطف کی تحریف ہے کیونکہ نسیم کا تو ایک مرتبہ تھا کہ کم بخت سے کم سمجھن کو بھی ایسا
بے محل اور نامناسب مقام نطفہ داخل نظم نہیں کر سکتا ۱۲ م ش

نہ گھر کا ایسے باغ بنے دان + جو تن میں نہ کہ درخت جان

مخود اسے ہوئی بھل گیسر
رفعت ہو کر چلی گئی گیسر
نسرین بدنون سے گھربلا
پھل نخل مواصلت کا چھکتا
آباد ہو گلشن نگارین
آتے جاتے گو گھیر لائے
جنت سے نہ پھر پھرا وہ گھر کو
خوشید افق نظر پڑا باغ
نوکر تاجر فقیر خوش باش
بھرتن میں نہ آئے صورت جان

جنت الہ اس کی مادر پیر
کچھ دیوؤں کو چھوڑ کر وہیں پر
گلشن میں سمن برون کو لایا
دونوں کو محل میں لاکے رکھتا
دیوؤں کو کسا کہ بہر تمکین
دیو آدھی بن کے بن میں آئے
جو سن کے خبر گیا ادھر کو
ازبک کہ قریب شہر تھا باغ
مغنی دار اسر قلاش
گھر چھوڑ کے چل بسے سببان

بہر تن

ملاقات شہزادی زین الملوک اور تاج الملوک کی آپس میں

یون صفیہ سلم سے ہنے گلارین
دلیر کا غلام با وفا تھا
لکڑی کے چکا کے بوجھ لایا
الماس و عقیق و لعل و یاقوت
کچھ ٹھہرے کچھ آئے جانب شہر
سناتے ہی لوگ اڑدیا تھے
لیکر انہار سنا آبا
اک دائرہ تھا برنگ خوشید
بھولے خبر وہ تخت ٹھہرا

گلشن جو بنا جاہر گین
سعد نام ایک سہ لقا تھا
صحرا سے جو سیر کر کے آیا
دلوئے ہر ایک کو پئے قوت
تھی بسکہ وہ جا خلاصہ دہر
کف میں جو وہ لعل بے بہا تھے
شخص نے سنا پکڑا بلایا
دیکھا تو وہ جلوہ گاہ امید
دروازہ پہ دیوؤں کا تھا پیرا

کھا بیٹھ قسم کہ ابکی باری
اقبال کا کچھ نہ جائیئے اوج
کنیا تھی غرض کہ اس سکی
سلطان کا جو عہد بے خلل تھا
لمحوظ بدل تھا پردہ راز
ہر چند ستارہ مان کا تھا اماں
لے بیٹے کا وہ زائچہ بنا کے
حضرت یہ پسر ہے نیک اختر
جب تک یہ چلے نہ اپنے پاؤں
صلہ کر کے چھپا کے یک چند
وہ گندم جو نہ تھی بانی
خوش ہو کے پر نے بہر شادی
بن بٹن کے عروس شکل داماد
اک شب کسی شت میں تھے ڈیرے
خیمہ سے وہ بقیہ رانگی
دیکھا تو اندھیری رات سُنان
اک دیو و بان پر گشت میں تھا
دیکھا تو کسا خضر ملے آؤ

بیٹھ جو نہ دے جناب باری
کر ڈالیے ذبح دستہ و زوج
پوری نہ ہوئی وہ آس اسکی
گھر والوں کو خوف کا محل تھا
سیارہ شناسوں سے کیا نہ
تھی چاندنی شہرہ کر دیا چاند
گو یا ہوئے دست بستہ آکے
برائیں گر ہے ایک خستہ
حضرت نہ پسر کے سامنے نہلن
بتیاب ہوا جب آرزو مند
مردانہ لباس سے نکالی
ٹھہری کین کی شاہزادی
شادی کو چلی بجان ناشاد
اور روز نکاح تھا سویرے
اُس چھالے سے مثل خار نکلی
اک عالم ہو ہے اور سیا بان
جوابے شکار دشت میں تھا
منہ کھولو عدم کی راہ بتلاؤ

تسلی

تسلی

اے بیٹے کا اہل مصرہ اول میں وہ تعریف ہے کیونکہ بغیر وہ کے بھی مصرع بے تکلف نہ ہوتا
جو ۱۲ دہ گندم اہل یعنی جو کہ وہ لڑکی بیسی تھی کہ گویا لو کا معلوم ہوتی تھی گندم اور جو کے ذکر
صرف ایک دوسرے کی ضد ہونے کا اظہار و بیان مقصود ہے نہ گندم دجوں کی کی ویشی در بات ۱۲ شمس

بہارِ گلزار

بولاوہ کہ سن تو آدمی زاد
اے مردِ خدا خدائی سو گند
بولی وہ کہ یہ خیال ہے خام
لکھنے بندوں جی کی تنگی
آنکھیں جھپکا کے دیو بولا
خاطر تیری طلسم کھلاؤں
سو نہ آنکھ کھپا تو سونہلی آنکھ
بلے مردانگی کے پر تو
تھالے میں یہاں اوکا ضو
اب بیان سے ہے قصہ مختصر طول
بولا کہ شہما جو یہ ہوا ہے
شہ نے کسا سن وزیر دانا
یاد آئی مجھے بھی اک روایت

کیون تنگ ہو جی سے کیا ہو میلہ
کہ جس لیے ہو تو آرزو مند
خبر کا ہو کیا نیام سے کام
بے تنگ ہوئی وہ شوخ نسکی
تو کیا کھلی پردہ تو نے کھولا
تو مجھ ہی بنے میں تھ سا بنجاؤں
کھول آنکھ کھپا تو کھول دی آنکھ
دامن میں سے دی جریغ نے کو
وان شیشہ ربا ترش کے ساغر
فرخ کہ وہ تھ وزیر معقول
اس بات کا پھر وجود کیا ہے
بے دیکھے سے کو کس نے مانا
یہ کہ کہ بیان کی حکایت

حکایت نصیحت گری مرغ اسیر و نافرمانی صیاد کی

اک مرغ ہوا اسیر صیاد
بولا جب اس نے باندے بازو
بچا تو تھکے کا جانور ہوں
پالا تو مفارقت ہے انجام

دانا تھا وہ طائرِ چمن زاد
کھلتا نہیں کس طبع پہ ہے تو
اگر ذبح کیا تو مشقت پر ہوں
دانا ہو تو مجھ سے لے مرے نام

لے کھلتا نہیں تم مینے یہ نہیں معلوم ہونا کہ کچھ کس چیز کی طرح ہے ۱۱ +
لے پالا تو ام مفارقت ہے انجام مینے زندگی کا کچھ اعتبار نہیں ۱۲ +

بازو میں نہ تو مرے گرد بازو
 سن کوئی ہزار کچھ سنائے
 قابو ہو تو بیچئے نہ غفلت
 آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجئے
 طائر کے یہ سن کلام صیاد
 بازو کے جو بند کھول ڈالے
 اک شلخ پہ چاچک کے بولا
 ہمت نے مری تجھے اڑایا
 دولت نہ نصیب میں تھی تیرے
 دے کر صیاد نے دلا سا
 بولا وہ کہ دیکھ کر کیا جھل
 ار باب غرض کی بات سنکر
 فرخ یہ وہی مثل نہوے
 مشتاق تو تھا چلا وہ دستور
 نقشے میں وہ گلشن نگارین
 حیرت بھٹی کہ یہ طلسم کیسا ہے
 اس سوچ میں تخت کہ تک آیا
 آداب اک کر کے حسب دستور
 سمجھا کہ حسین آدمی ہے

سمجھاؤں جو پسند سے گرہ بانہ
 کیجئے وہی جو سمجھ میں آئے
 عجب نہ ہو تو ہاریے نہ ہمت
 جاتا ہو تو اس کا غم نہ کیجئے
 بن دامن ہوا غلام صیاد
 طائر نے تڑپ کے پر نکالے
 کیوں پر مرا کیا سمجھ کے کھولا
 غفلت نے ترمی مجھے چھوڑا یا
 بھٹا لعل نسان شلم میں میرے
 چاہا بھی کچھ لگائے لاسا
 طائر بھی کہیں تنگتے ہیں لعل
 کر لیجئے یک یک نہ باور
 دیکھ آج بگے دہل نہوے
 دکھ لائی دیا وہ بقعہ نور
 گلزار ارم سے تھا خوش آئین
 پردیس میں ہوں کہ گھر رہے
 حیران وہ وزیر شہ تک آیا
 ٹھہرا تو وہ بادشاہ مستبد
 کیا جانے کہ خود بجاولی ہے

لہ بازو میں الم سے گرہ بانہ یعنی اس نصیحت کو گرہ میں بانہ لے ۱۲ ۵۷ بولا وہ الم مصرعہ
 اول میں ضرور کچھ تحریف ہو سکتی ہے کیون جو ۵۷ بولا کہ دیکھ یہ بھی تھا جمل ۱۲ + + +

بہشتی ہوا آواز کا ہون

پوچھا کہ کدھر سے آئے کیا نام
انسان ہوں بندہ خدا ہوں
گستاخی صاف آپ آئے
بہک کے بیٹائے مرد شہر
دعویٰ یہ ہے یاں زمین دہلی
خسیر لب بھی رخ شہر چاہو
بولا کہ وہ فتنہ گر نہیں ہم
درویشی میں دل کے بادشاہ ہیں
دستور کہ عرض کر چکا تھا
بولا جیو صلح درمیان ہو
بولا وہ فتنہ گر کی بلا جائے
بولا کہ خسیر تباہ فردا
یہ کہہ کے پھر اوزیر آیا
شہزادہ و شہ محل میں تھے وان
شہ نے جو وزیر آتے دیکھا
سلطان کے اشارہ ہو کے دستور
دیکھ آیا میں وہ مکان یا قوت
تخت ہے زمر دین کہ مینو
نقشا کون کیا نگار خانہ
ریوون کی بنائی ہے وہ بنیاد
ان صاحب تاج و تخت جو ہے

بولا وہ کہ نام سے ہے کیا کام
بہشتی زمین الملوک کا ہوں
بن گھیر لیا مکان بنائے
حضرت کا بڑا ہے آپ پیر
آبادی میں آئی ہے خسیر لبی
لڑکھوئے جل کے جبہ سا ہو
شہر جن سے ہو وہ بشر نہیں ہم
سند کے تکیہ کے گدا ہیں
مثل دل بد گمان رُکھتا
باہم مہ و مہر کا قران ہو
مشاق جو ہو وہ شوق سے آئے
اٹھ جائے گادرمیان سے پڑا
پونچھا تو وہ شہر خالی پایا
برہم زدہ بزم کے چراغان
فسخ فسخ پکار اٹھا
بولا کہ ملائے شاہ ہو دور
ہے معدن لعل و کان یا قوت
گلشن ہے جواہرین کہ جادو
جادو کا تمام کارخانہ
رہنے والے ہیں آدمی زاد
درویش ہے شاہ نام کو ہے

دیو اسکے عمل میں آگئے ہیں
کل آپ بھی چل کے کیجئے سیر
جادو کے عمل بن گئے ہیں
وعدہ کر آیا ہوں کہ سا خیر

بھید کھلتا ہے ہون کا ایک ایک پر

اب خامہ سے واشگاف یوں ہے
فرخ جو گیا تو شاہزادہ
رکھت آتش پہ دو سرا بال
دعوت کی اُسے خبر سنائی
ہمچشمیوں نے چتون اُسکی تڑپی
غولوں سے بھرا جو تھکایا بان
صناعی انھوں نے رات بھر کی
بچتے ہی گرج رہا شاہذیجاہ
جو جو اُمرا تھے سب بلائے
شرق سے روان ہوا دلاور
بجلی سے جو زرق برق آئے
دیکھتے تو تمام دشت گلزار
شہ کہتے تھے دشت پر خسل تھا

دل ملنے کی راہ صاف یوں ہے
سوچا کہ ہوں ٹھٹھا کل زیادہ
حاضر ہوئی دیو بی قری بال
دیو و کئے فرخ اُسے آنکھ اٹھائی
بلکوں سے زمین بن کی جھاڑی
پھولوں سے بنا دیا خیابان
مشاق نے وان وہ شب سحر کی
چارون شہزادے لیکے ہمراہ
فرخ کو خواہے میں جھلکے
بطرح افق سے شاہ خاور
فرخس ابر کی طرح بچتے پائے
دائیں بائیں دورستہ بازار
فرخ کہتا تھا کل تلک تھا

نہ سچا ہوا ام العین مانے

۱۔ دیو اسکے عمل میں آگئے ہیں یعنی وہ ایسا حامل ہے کہ دیو اسکے تابع عمل ہیں ۱۲۔
۲۔ دیکھا تو اطمینان غالباً لفظ تو تحریف سے لفظ تھکی دورستہ بازار یعنی دورستہ
بازار کیونکہ راستہ لغت میں صفت ہے اور ممکن ہے کہ مصرعہ اول یوں ہو ۵
دیکھا تو تمام بن ہے گلزار ۱۔ بہر حال پہلے مصرعہ میں تحریف معلوم ہوتی ہے ۱۲ ام ش

غافل تھے کہ بنز باغ ہے یہ
تجویز رہے تھے بکے ب دنگ
اتنے میں سنا کہ صاحب تاج
کیا شکر می اور کیا شہنشاہ
دیکھے جو جواہرات کے ڈھیر
شہزادہ نے آمد انکی بائی
دونوں میں ہوئیں جو چار آنکھیں
ایوان جواہرین میں آئے
وہ چتر کے زیر سایہ بیٹھے
جو جو کہ تواضعات ہیں عام
چکنی ٹلی - عطر - الاچھی - پان
رغبت سے انھیں کھلا بلا کے
اس تاج شہی میں کے گلین ہیں
سلطان نے کہا بصد لطافت
ایک اور ہوا تھا قابل چشم
جب لائے یہ گل بکا ولی کا
پوچھا اس نے وہ اب کدھر ہے
پوچھا شہزادہ نے کہ یا شاہ
ایک انہیں سے چشم آشنا تھا
بولاکہ حضور ادھر تو دیکھیں
صورت وہی رنگ رو وہی چہرہ

اپنے ہی جگر کا دلغ ہے یہ
جادو - افسون طلسم - نیرنگ
جتنا بڑے پیچھے سب ہو تالاج
سنائے میں تھے کہ اندیشہ
سب من کے ہوس سے ہو گئے کیر
کی آدرخانہ پشوائی
دولت کی ملکین ہزار آنکھیں
الماس کی شہ نشین میں آئے
افسر سب پایہ پایہ بیٹھے
لے آئے خواص نازک اندام
نقل و نہ و جام و خوان الان
بولاشہزادہ مسکرا کے
کے نام و نشان دلنشین ہیں
یہ چار ہیں عنصہ خلافت
وہ نور بصر تھا دشمن چشم
کھلا تب خار روشنی کا
سلطان نے کہا کہ کیا خبر ہے
صورت سے ہو کوئی اسکی آگاہ
کو کا اسی شاہزادہ کا تھا
دیکھا تو کسامی نظر میں
لجہ وہی گفتگو وہی چہرہ

| | |
|--|--|
| <p>یہ سنتے ہی اُس نے نخنہ کر کے سردمون سے شاہ نے اٹھایا لے لے کے بلائین کا کلون کی عرض اُس نے کیا کہ دو پرستار حضرت نے کہا بلائیے خیر شہزادہ نے اک مکان بتایا سب اٹھ گئے پڑوہ چارون باغی شہزادہ اٹھا غسل من آیا دبر سے کہا میں جب کہوں آؤ در پر وہ سکھ کے باہر آیا دبر نے کہا نہ جاؤنگی میں اٹھ جائیں یہ چارون سُست بنیاد چارون کا یہ سنتے ہی اڑارنگ دکھلائی دے جو بیٹے بیرخ یان دبہ تھے داغ وان سیرن پر وہ جہل - وہ ہار - وہ خلاہی وہ دسترس اور وہ پامیر دی وہ دیو کی جھوک اور وہ تقریر وہ سہی - وہ دیوئی کی صحبت</p> | <p>سربانوں پہ رکھ دیا پردے کے فرزند کو چھاتی سے لگا یا پیشانی چومی پیٹھے ٹھونکی پاؤسے شہ کے ہن طلب گار اٹھ جائیں جو بیٹھے ہون بہان غیر ایک ایک اٹھا اُدھر کو آیا بیٹھے سہے فرس گل پہ داغی پردہ تاک اُنکو ساتھ لایا تو کہتو یہ چارون داغی اٹھو سب پر وہ حضور شہ بلایا قربان کئی نہ آؤن گی میں داغی ہوئے ہن غلام آزاد یکبار گی شاہ ہو گیا دنگ دیکھ تاج الملوک کُرخ یان نام پہ حرف وان نگین پر وہ گھات - وہ جیتنا تسمی وہ بیکسی اور وہ دشت گردی وہ حلوے کی چاٹ اور وہ تحریر مخودہ کی وہ آدمیت</p> |
|--|--|

لے دبر سے کہا اہم تو کہتو یہ چارون داغی اٹھو۔ یعنی ان چارون داغیوں کو اٹھو
تو ہم آئیں اور ممکن ہے کہ تو تحریف ہو گئی کی ۱۲+++

تجزی کی وہ سُرنگ کی راہ
وہ سیرِ چین - وہ چھل لینا
وہ کورس کے حق میں خضر ہونا
وہ بال کو آگ کا دکھانا
وہ ترہت گلشن نگارین
گزارِ احتجاجِ کچیاں کیا سب
انگِ شرمی پر ہی دکھا کر
پہلے توہمت وہ مٹھ جڑے ڈھیٹ
اُٹھو کے اُنھیں وہ دِ خوش آئین
حضرت نے سچے کے حُسنِ خدمت
نذرین اُن دونوں نے دکھائیں
سند سے شہ اُٹھ کے بچایا
روشن کیا دیدہ پد کو
مشتاق کو روبراہ پایا
مان نے دیکھا جو وہ دلاور
وہ طفل بھی گر بڑا قدم پر
ہر خویش و یگانہ سے برادہ

اور موش دوانیان وہ دلخواہ
وہ عزمِ وطن - وہ داغِ دنیا
وہ غولوں سے ملے چھل کھونا
وہ عدہ پہ وہ دیو نی کا آنا
وہ دعوتِ بادشاہ - وہ ممکن
سپہانِ تھا جو کچیاں کیا سب
کھلوائی سُرین کی نثرِ محضر
آخِ داغی دکھا گئے بیٹ
بابو سئی شہ کو سر سے آئین
دونوں کو دیے خطاب و خلعت
رخصت ہو کر محل میں آئین
بولابٹے سے جان بابا
مادر کے بھی چل کے آنسو پھو
ہمراہ لے تا بخانہ لایا
اشکون کے گھر کیے بچھاو
مانند سرِ شکِ چشمِ مادر
بھرا پنی جگہ پہ آگیا وہ

غائب ہو جانا فرخ یعنی بکا ولی کا اور بلوانا تاجِ الملوک کو
گلشنِ نگارین سے اور متفق ہو کر گلزارِ رم میں رہنا

| | |
|---|--|
| <p> کھلنے پہ جو ہے ظلم تقدیر سُخ وہ بادشا کا دستور مطلوب کا سُن سمجھ کے سب حال سوچی کہ دلاشتاب کیا ہے اُس وضع کا لباس گر گئی وہ نترخ کئے تک آدمی بھی غربت سے چلی وطن میں آئی بزمِ مردہ خواصوں میں پڑی جان اُس غنیمت میں اک سمن برہی یولی کو کیا کیا کہا خوب مانگا کاغذ دوا ت و خامہ اے یوسف چشمِ زخم یعقوب اے دلبر و دلبرہ غلب از اے آبِ تہِ زمینِ نیرنگ اے پردہ کشائے عجبانی اے لہرو و روبرو نہادہ اے بے سرو برگ گلشن آرا اے بختِ ظلم صورت اے باعثِ عنرمِ مہربانی </p> | <p> اب خامہ نے یون کیا ہے تحریر بے وہ بکاوی مستور چاہے کہ نکالے کچھ پردہ ال پھر سمجھیں گے اضطراب کیا ہے نفسِ لباس گر گئی وہ پھر وہ ہی بکاوی پر ہی تھی صحرا سے اڑی چمن میں آئی صدقتی ہوئی کوئی کوئی قربان وہ ہم نفس بکاوی تھی بے کچھ کئے پھر بھی کی خوب لکھنا پچھین کے نام نامہ وے رشکِ برادرانِ منکوب وے دیو سوارِ عرشِ پرولز وے نقبِ دوانِ باغِ گلرنگ وے دزدِ خانے دستیابی وے صرصرِ گلِ بادادادہ وے لعلِ نامے سنگِ خلا وے بے بصیرِ رخِ ضرورت وے صاحبِ بزمِ مہربانی </p> |
|---|--|

سہ قولہ مطلوب کا سُن لگ جا ہے اور نکالے دونوں بیانے مجمل ہیں نہ یہاں معروف یعنی بکاوی کچھ
پردہ ال نکالا جاہتی تھی یعنی رگروا نکالیا جاہتی تھی کہ اس آئینہ میں جی کہ دلا الم ۱۲ + + + +

اے آئینہ دارِ خود نمائی
اے پردہ کشائے روئے نہان
تو باغِ ارم سے لے گیا گل
بیخِ ترے واسطے ہوئی مین
تجھ کو ترے باپ سے ملایا
جو جو اسرار تھے نہانی
کیا لطفِ جو غیبِ پردہ کھولے
چاہتا تھا کروں سر سے پامال
کیا کہتے کہ صورت اور کچھ تھی
ایتک ہیں وہ خارجی کے جی مین
آئے گا تو در گذر کرونگی
داغون پہ دیے ہیں داغ تو نے
کانٹوں مین اگر نہوا بھٹنا
بھڑ خط کی نوا امید واری
یہ لکھ کے کس اسمن پر ہی کو
یہ خط یہ انگوٹھی لے ابھی جا
سے مین ہے گلشنِ نگارین
خاتم کے نشان سے نامہ دیکھو
خط خاتم لیکے وہ ہوائی
وہ باغ کہ ہٹا جواہر آگین
وہ آدمِ عور و شس پری رو

وے سرمہ چشمِ آشنائی
وے داغ نمائے پشتِ افغان
تو مجھ سی پری کو دے گیا گل
فرخِ ترے واسطے ہوئی مین
مجھ کو یہ ملا کہ تجھ کو پایا
سب تجھ سے سننے تری زبان
جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے
کرشک سمجھ کہ تھا خوش اقبال
وقت اور ضرورت اور کچھ تھی
جلد آ کہ ہے مصلحت اسی مین
ور نہ مین بہت سانس کر دونگی
دیکھ لائے ہیں سبز باغ تو نے
تھوڑا لکھتا بہت سمجھتا
القط ہے قلم کی دوستداری
چالاک ہے تو ہی قاصد ہی کو
پورب کی سمت کو چلی جا
رہتا ہے وہ مین مرادہ گلچین
ٹھہری رہیو جواب لچھو
پتا ہوئی اور پتہ پہ آئی
نایت ہوا گلشنِ نگارین
یعنی تاجِ الملوک خوش خوش

| | |
|--|---|
| <p>محمودہ دایمن بائین دلبر دھیان اُسکو بکا دلی کا آیا بے شبہ ہوا یقین کا عالم انگار پہ جیسے کبک لکے قاصد نے دیا وہ خط پری کا تحریر کو آنکھوں سے لگایا خط صورت چشم شوق کھولا قسمت کا خوشہ یک قلم تھا کچھ یا بس تھی کچھ ابد واری تحسیر کیا جواب نامہ سترخ لقب و بکا دلی نام اس نام کے اس طلب کے صدقے تو نے کیوں آکے کچھ چھپایا تو نیک ہے بے گنی کیوں افسوس افسوس نامے افسوس امید گئی گئی نہ سین تو جی کھول کے داغ دل دھسا تا جو کھینچ کے یان سے لگیاتھا</p> | <p>گلگشت میں تھا کسی روش پر چاند نے رخ پری دکھایا پہچانتے ہی نگین خاتم پر تو پہ وہ یون چلا تڑپ کے دھوکا تھا حفظ بکا دلی کا گو سرمہ خموشی نے کھلایا قاصد سے کلام لطف بولا وہ نامہ کہ عنبرین رقم تھا تحسیر تھی سرگردشت ساری سنگوا کے وہن دوات و خامہ اس شاہِ ارم کی دخت گلquam اس نام کے اس لقب کے صدقے سینے جو غرض سے جی چورایا میری جو بدی ہوئی تھی کچھ یوں تو جانے تو کیوں نہ آئے افسوس نقہ پر پھر ہی پھر ہی نہیں تو اسے کاش میں کچھ بھی سانس پاتا معلوم تو ہے کہ شوق کیا تھا</p> |
| <p>اس قولہ قاصد نے نام مصرعہ اہل میں تحریف کتاب ہو گئی ہے غالباً نسخ قدیم منوی میں یوں ہو گا کہ قاصد سے پری کا رخ جو دیکھا اسے قولہ لے کاش میں کچھ بھی سانس پاتا میں سمجھا اگر اس کا نام بھی معلوم ہو جائے کہ درحقیقت بکا دلی اور رخ کا بھینٹا ہے ۱۲ + ۹ + + +</p> | <p>اس قولہ قاصد نے نام مصرعہ اہل میں تحریف کتاب ہو گئی ہے غالباً نسخ قدیم منوی میں یوں ہو گا کہ قاصد سے پری کا رخ جو دیکھا اسے قولہ لے کاش میں کچھ بھی سانس پاتا میں سمجھا اگر اس کا نام بھی معلوم ہو جائے کہ درحقیقت بکا دلی اور رخ کا بھینٹا ہے ۱۲ + ۹ + + +</p> |

اب مجھ میں وہ دم اچی کہاں ہو
مر جاؤں اگر طلب میں تیری
قابل وہاں آنے کے کہاں ہوں
تجھ سے مری خاطر کہاں جمع
تو برق دمان میں غرسن خار
تو جوشش یلم میں مور بے پر
و طر کا ہے یہی تو جان دون کا
ہو تجھ سی پری جو خصم جانی
منظور جو ہو حیات میری
حسالت کو بھیج آ کے لیجائے
بجبان لے سے توجہ جان لینا
یہ لکھ کے جو خط سے ہاتھ اٹھایا
مطلوب کا خط وہ پڑھ رہی تھی
پوچھ کر ابری تجھے خبر ہے
وہ صد نے ہوئی کہاں بلالوں
یہ سن کے وہ شعلہ ہو بھبھکا
تیرا ہی تو ہے فساد مر دار
گل نقب کی راہ لیکیا چور
تھا کہ جلی ہوں کیا کون میں
آگاہی جو دیو نی نے پائی
محمود ہے کینر زادی

وہ دل و دگر وہ جی کہاں ہو
میں کیا کہ خبر نہ پہونچے میری
یاں بھی جو رہا تو نیم جان ہوں
تو بستر شعلہ میں رگ شمع
تو سیل روان میں خستہ دیوار
میں نقش قدم تو باد صرصر
مر جاؤ نکھا اب نہ میں جیون کا
انسان کی ہے مرگ زندگی
تو مان لے ایک بات میری
شاہد مجھے زندہ ہلکے پہونچائے
آسان ہے یہاں بھی جان دینا
قاصد نے لیا جواب لایا
دیکھا تو وہ دیو نی کھڑی تھی
گچھین مر کو نسا بشر ہے
ے دیکھے کسی کا نام کیا لون
بولی کہ تجھے لگاؤن لوکا
داماد کو گل دیا مجھے خار
زندہ کروں اس موے کو درگور
داماد کو لا تو ٹھنڈی ہوں میں
بگڑی ہوئی بات یوں بنائی
انسان سے ہوئی ہو اسکی شادی

میرا تو نہیں تصور ہے کچھ
 مجھ سے جو وہ ہے تو یوں لائی
 آئی تو یہ زار نیم جان تھا
 حیات کو دیکھتے ہی رورہ
 بولی وہ بنے بگاڑ کیا ہے
 کچھ بول کے ذریعہ وہ زار
 لڑا سا جیٹھا جو دیو نی پر
 اس سے ہو چکی یہ عقید
 شکوہ کرنے لگی پری سے
 گلزار کی سیر کیا خوش آئی
 بے طرح گلون کی ہے تو شیدا
 کھلتے ہیں کچھ انتظار کے طور
 مادر کے کلام سن کے دختر
 بن کیا جانوں بھگے خبر کیا
 تقریر جو بھولے پن کی پائی
 جب اٹھ گئی یہ تو دیو نی وہ
 آیا تو وہ منظر تھی خونخوار
 وان غصہ بھری غضب وہ جیون
 وان سرمہ چشم گرم تسخیر
 وان پچھانسنے کو بلا وہ کیسو
 بولی وہ پری بصورتا مل

شاید اس کا فتور ہے کچھ
 یہ کھ کے اٹھی جلی ہوئی
 آپ اپنی قضا کا نوہ خوان غنا
 پوچھا کہ تو لینے آئی مجھ کو
 جل دیکھ تو چھڑ چھاڑ کیا ہے
 ایہ جان بن تپ کے جیسے سار
 مانند جو اس اڑی وہ مضطر
 وان آئی پری کی مان جمیلہ
 یوں کہنے لگی بکا ولی سے
 برسوں سے نہیں تو گھر بھی آئی
 گلچین نہ ہوا ہو کوئی پسند
 رخ میری طرف نظر کہیں اور
 بولی کہ چمن تو ہے مرا گھر
 رخ کس کو کہتے ہیں نظر کیا
 وہ سادہ دل اٹھ کے گھر کو آئی
 حاضر ہوئی لیکے آدمی کو
 اندیشہ سے کانپ اٹھا گنہ کار
 بلکوں سے بیان نظر یہ چلمن
 یان قطرہ اشک تر گلو گیر
 یان تاب سخن انین سرمو
 کیوں جی تھین لیکے تھے وہ گل

رخ کتنے ہیں کہ نہیں نظر کیا

کیا کہتی ہوں میں ادھر تو دیکھو
ہے یا نہیں یہ خط اتھاری
قابو میں پری کے تھا سلیمان
کی غرض رخصت ہے خوشی ہو
مشکین زلفوں سے مشکین کسواؤ
آوار سے قتل ہو جو منظور
زندان میں جو زندہ بھیجتا ہو
یہ سن کے وہ شوخ مسکرا کے
گلچین تو فقط نہیں چین کا
سُخ دیکھ چکی ہوں اب ترا میں
یہ کہہ کے لبوں سے قند گھولے
کاوش پہ ہوا گھر سے الماس
واں غنچہ باسن تھا گلستاں
واں صبح صفا تھی گل بدامان
کیا آگے لکھوں کہ اب سر دست

نہ ہوا

نہ ہوا کا کہ جس نے اس کی مادر + ہو جائی خواہ اسے بڑا

میری طرف اک نظر تو دیکھو
فرمائے کیا سزا اتھاری
بولے تلائے کیا پشیمان
عاشق کی سزا جو بوجھتی ہو
کالے ناکہ نے عجب کھڑکواؤ
ابر و کے انداز سے کروڑ
اپنے دل تنگ میں جگہ دو
بھولی اُسے چھاتی سے لگا کے
محرم ہے سارے تن بدن کا
مُخد دوسرے کو دکھاؤں کیا میں
مستی نے دلوں کے عقدے کھولے
پنچنے نے بھجائی اُس سے پیاس
یان دامن سرو اور غواں زار
بھولی رُخِ محرم پر شفق یان
ہو تا ہے دوات میں قلم مست

افتادہ راز ہو کر پھنسا تاج الملوک کا طلسم میں اور قید ہوتا بکاولی کا

خونین رقی سے کلک شجر
از بکہ یہ عشق فتنہ پرداز
ہم دم جو بکاولی نے پایا
بھڑکانی بھیبہ مادر اُسکی

ہے ستر کتاے معنی و حرف
ہے شمع فروز پردہ راز
نغاز یہ غم خوشی میں لایا
گد رانی غم برابر اُسکی

| | |
|--|--|
| <p>اک شب کہ تھی غال وے شامت اگر جو ہے دیکھتی جسیلہ وہ شعلہ آتشین لپک کے دونوں کی رہی نہ جان تن میں شہزادہ بہ اُس نے مار جنگل بیٹی کی طرف کیا نظارہ حرمت میں لگا یاد اے تو نے تہمت انہیں غصہ تھانے سے جھلت سے پری زمین میں گے مادر نے ہزار پاسبان میں</p> | <p>باہر دم دیدہ قیامت روشن تھے چراغ اور فیتلہ بجلی سی گری چمک دمک کے کاٹو تو ہونہ تھا بدن میں دریائے طلسم میں دیا ڈال جھٹکے اگے کہ خام پارہ لٹوائی ہزار بارغ تو نے چل دور ہو میرے سامنے سے سایہ سی رہی قدم کڑکے رکھ اے قید کے مکان میں</p> |
|--|--|

پانزنجیر ہونا بکا ولی کا سودے فراق تاج الملوک میں

| | |
|---|--|
| <p>سودے الم ہے اب جو تحریر سُنان وہ دم بخود تھی رہتی کرتی تھی جو بھوک پیاس میں جامہ سے جو زندگی کے تھی تنگ ایک چند جو گزری بے خود و خوا صورت میں خیال رہ گئی وہ آنے لگے بیٹھے بیٹھے چت کر</p> | <p>حرفوں سے قلم ہے پانزنجیر کچھ کہتی تو ضبط سے تھی کہتی آنسو پتی تھی کھاکے قسین کپڑوں کی عوض بدلتی تھی رنگ رائل ہوئی اسکی طاقت و تاپ ہیئت میں مثال رہ گئی وہ فانوس خیال بن گیا گھر</p> |
|---|--|

لے قولہ کرتی تھی اپنے جب بھوک اور پیاس کی شدت کھانے اور پینے پر مجبور کرتی تو زمین
کھاتی اور آنسو پتی کیا خوب کھانا پینا ہم بوجھایا ہے ۱۲

پران وہ جو سکی یا سبان تھیں
 سمجھانے لگیں کہ مرنی ہو کیوں
 ثابت کچھ اثر سنا رہا ہے
 جسم اپنی جوانی پر ذرا کر
 صورت تری زار ہو گئی ہے
 ہو ہو تری عقل کئے کوئی
 سستی نہیں آگ ماہی تر
 مذکور نہیں ہے کچھ حسد کا
 روشن ہے جو کچھ کہا ہے اندھیر
 مجبوس کیا ہے تجھ کو ہر چند
 بھڑے سے بھی کہ نہ یاد آدم
 اے شمع نہ سوچی گرد و نیک
 سمجھانے سے عطا ہین سرو کار
 توقید جفا میں ہے کہ ہم ہیں
 غم راہ نہیں کہ ساتھ دیجئے
 جھنجھلائی بکا دلی کہ بس بس
 رنجور جو ہوں تو میں تھیں کیا
 مانا مری حالت اب روی ہو
 بلبلی اسی رشک گل کی چونچ
 سوچی وہ کہ یہ نہیں سمجھتی
 بخون ہو اگر تو قصہ دیجئے

وانا و عقیل و خوش بیان تھیں
 ترک خور و خواب کرتی ہے کیوں
 کس چاند کو کیا گھن لگا ہے
 مٹھ دیکھ تو آئینہ نگار
 گل ہو کے تو خراب ہو گئی ہو
 ناخس کو چاستا ہے کوئی
 رہتا نہیں بانی میں سمندر
 ساغی نہیں کوئی کار بد کا
 پھیر اپنی سمجھ کچھ کا ہے پھیر
 تو بہ کا در نہیں کیا باند
 پھر گھر وہی تو وہی وہی ہم
 شستہ کاٹے کا تجھے ہر ایک
 اب مان نہ مان تو ہے مختار
 تو دام بلا میں ہے کہ ہم ہیں
 دیکھ بوجھ نہیں کر بات لیجئے
 اب ایک کوگی تم تو میں دشمن
 مجبور جو ہوں تو میں تھیں کیا
 بہتر ہے وہی جو کچھ مری ہو
 تم کس ہو نزار میں کہوں میں
 ہے بلکہ برنگ زلف لپکتی
 سایہ ہو تو درد موب یہ کھیت

| | |
|---|--|
| <p>کچھ روگ جو درپئے خلش ہو پیار یے عشق لادوا ہے آخر یہ توجی سے اپنے ہوتنگ یاد آکین جو ابروانِ خمار وہ سبزہ خط جو یاد آئے گریا دکسین چہ ذقن کو دیوانے کی مطلق امتحانی تبیر کا حوصلہ نکالا بیڑی تھی رخ جنون کی کا کل جب وحشت عشق ہو زیادہ شوریدہ بکاو لی غضب تھی بڑھتی جب دل کی بقیہ اری</p> | <p>دوران کے لئے دوا دوش ہو اس باغ کی اور ہی ہوا ہے ایسا نہو لائے اور کچھ رنگ ریتے نہ کہین گلے پہ تلوار جھنجھلا کے کہین نہ نہر کھلے کوئے نہ کوئین مین باولی ہو ہے باعث مرگ ناگمانی زنجیر کا سلسلہ نکالا پایو سئی گل کو آیا سنبیل نہ بجز ہے پیش یافتا وہ زنجیرون مین بھی وہ بندگ تھی بڑھتی غنزل باہ وزاری</p> |
|---|--|

غزل

| | |
|---|---|
| <p>عالم کا ترے جہان بیان ہے زنجیر جنون کڑی نہ پڑیو ذرے کا بھی چمکے گا ستارہ جو داغ کہ محسوس ہے فلک پر کس سوچ مین ہو نسیم بونو</p> | <p>یتابی دل جہان جہان ہے دیوانے کا پائون در بیان ہے قالم جو زمین و آسمان ہے دل مین مرے اب تلک نہان ہے آنکھیں تو ملاؤ دل کہان ہے</p> |
| <p>آتا تاج الملوک کا صحرے طلسم سے روح افزا پرستی سافروں مین بہر گز طلسم خلاص</p> | <p>ہے بجز سخن مین غار غواہیں</p> |

شہنشاہی گلزار نسیم سے ہم آغوش۔

وہ قطرہ بارشِ جدائی
وہ بادِ شہِ جنابِ ہنس
بے بھری چرخ سے جونا گاہ
جواہرِ پیرِ تری لہجہ
بادلِ سا جو وہ بھرا سامانِ جوش
دریا کھانہ بھر تھانہ جھون
گرتے تو وہ پانی سر سے گدرا
موجوں کی عوض مٹی چینِ امان
آگے جو بڑھا خبریرہ دیکھا
جس پھل کو چھو جو پھر کیا غور
جانا کہ طلسم کا ہے جنگل
اور آگے بڑھا وہ بحسِ اودام
ڈر جانوروں کا جی مین پٹیا
ناگاہ سنی صدے پر خوف
صورتِ مین بہاڑ کی نشانی
ٹنڈھ کھول کے سانپ ایک لگا لگا
لہر لہر کے اوسس جانی
جنبِ صبح ہوئی تو ٹنڈھ مین ڈالا

وہ غمرۂ بحرِ آشنائی
یہ تاجِ الملوک مضطر
گرداب کے ہالہ کا ہوا ماہ
سوما ہی بحسِ اتری تھا
بجلی سی لہر سے تھا ہم آغوش
طوفانِ طلسم جوشِ فسون
اُجھرتو نہ کچھ نظر سے گذرا
گرداب کے بندے تھا گیان
اشجار کا وانِ ذخیرہ دیکھا
ہاتھ آبانہ کچھ جناب کے طور
ہے یا نکلے درخت کا یہی پھل
ڈو باخوڑ شید ہو گئی شام
اک نخل کہن پہ چڑھ کے بیٹھا
آیا اک اژدہ اپنے طوف
سیرتِ مین بلا سے ناگہانی
اُس کا لے نے من زمین پہ ڈالا
بن مین کا لون نے رات کاٹی
کالے نے من اژدہ نے کالا

لے قولہ لعل سا وہ دم دوسرے مصرع مین بجلی سی لہر سے تھا تعریف ہے تھا بجلی سی لہر سے تھا
کی کیو نہ بغیر حالتِ بحس سے کسی شہنشاہی کا متحرک کر لینا جائز نہیں حالانکہ بجلی سی لہر مین غفلت کی
ہے ہون متحرک پڑے بغیر مصرع ہونہ مین کیا جاسکتا ۱۲

وہ جا کے اُفق میں بھر چکا
سو چاہو کہ لیجے من کسی طور
کچھ گائیں گیلیں کر رہی تھیں
دو دم اُنکا دو با پیا کہا تو
نکلا جو پھر گے شب کو آدر
گو بر پھیکا تو دب گیا من
بے روشنی اندھے ہو گئے وہ
من لیکے جو اسٹیشن پر مارا
دو مرغ تھے بیٹھے اک شجر پر
میں تجسیر کر چکی جان کا
مادہ سے یہ سنکے بول اُٹھا نہ
وہ پیڑ جو حوض پر لگا ہے
اک سانپ ہے وان پہ چوٹ کرنا
لیکن جو یہ بندہ خدا جائے
لیکے کا خود اسکو دیکھ کر پاپ
اُٹھ کر لگا لگا کے جب یہ غوطا
اندیشہ نہ اپنے دلیں لائے
سب خشک ہو ایک ہو ہر خیال
پہلے تو یہ لال پھل کو کھائے
پھر توڑے اُسکے سبز پھل کو
جس شخص کے پاس وہ غریب

سن اُنھی شب کے منہ سے نکلا
دشمن کا تھا سامن کیا غور
بن میں ہری دُوب چر رہی تھیں
گو بر کے انھیں کی چھوڑ پھینکو
گلخن سے دھوان دھوین سے گل
بادل میں چھپا وہ مادہ روشن
من ڈھونڈتے تھے آپ کھو گئے وہ
شب کا مکے صبح دم سدا
مادہ لگی پو چھنے کہ او نہ
کھلتا تھیں کچھ طلسم یان کا
ہے طلسم اس جگہ پر
طوبے سے خواص میں سولے
ماہ سے نہیں کسی کے مرنے
آخض قدم قدم چلا جائے
منہ چادر آب میں بہنے ٹھہرا
بن جائیگا آدمی سے طوطا
اُڑ کر یہ اُسی شجر پہ جائے
دورنگ کے پھل میں سبز اولال
انسان کا رنگ دروپ جائے
پھل کچلے سے مے رہے کا کل کو
ہتھپار نہ اُسپہ کار گر ہو

لکڑی میں اثر یہ ہے کہ دشمن
دو ہاتھوں میں لے جو کاغذ چور سے
ٹوپی جو بناے پھیل کر چھال
بیتے کی صفت بیان کیا ہو
مٹھ میں ہے گونڈا سکا جتنا
تھا اٹھ مٹھ غیب مٹھ غور
کالے نے جھانسنے کی سیاہی
طوطا بن کر شجر پہ آکر
پتے پھل گونڈ چھال لکڑی
ہاتھ آجو گئی عصا کی تاثیر
اڑتا ہوا دان سے دُور جا کر
من ران کو چیر کر چھپایا
اک حوض پر آب و تاب دیکھا
غوطا جو رنگ کے سر اٹھایا
دکھلائی بجے دنوں نے شامت
حوض اسکی ہوئی یہ دیکھتے ہی
سنجی جو دکھاتا تھا مقد
نامردی سے اپنی نعرہ زن ہو
آگے سے جوان ایک خوش قد
باہم زن و مرد نے کیا میل
بے جو پڑی گھر اسکے بے قید

نہ ہوش کے اڑے نہ بچھتے ہی + قوارہ ہی کہم خزانہ باقی

بن جاتا ہے موم اگر ہوا آہن
اڑتا پھرے جیسے مرغ پر سے
دکھلائی ندے نظر کی تماشال
دم بھر میں بھرے جراتوں کو
لگتی نہیں بھوک پیاس تب تک
سنتے ہی اُدھر صلا وہ جو یا
وہ حوض میں تھا مثال ماہی
بھل کھا کے بشر کا روپ پار
اُس پیر سے لیکے راہ پکڑی
یران ہوا صورت عصا فیر
ٹھٹھرا دم لینے اک جگہ پر
بیتے سے وہ زخم سب بھرا یا
سر خشم آفتاب دیکھا
وہ آب وہ حوض کچھ نہ پایا
مردی کی رہی نہ کچھ علامت
قوارہ تو کم خزانہ باقی
چھاتی پہ دھرا کچون سے پتھر
بیچاری چلی کسی طرف کو
آتا تھا دنوں کی جیسے آمد
دریا سے ملا وہ قطرہ زنیل
امید سی رہ گئی وہ نومید

جب جن کے نہانے کا دن آیا
 ابھری تو نہ عوض تھا نہ وہ روپ
 مردی نے جو پھر وجود پایا
 ترکش پہ نگاہ کی تو تھا تیر
 گو شمع بنا چرغ دامن
 تھا مردم دیدہ طلسمات
 اک دیوئی مُردہ دل سی بہوت
 زنبور سیاہ خال اُسکے
 گٹھالیے سر پہ لکڑیوں کا
 شہزادہ کہ تھا کر یہ منظر
 گٹھا وہ دیا کہ بیچ لا جا
 حیرت زدہ شاہزادہ ناچار
 جب بڑھ کے ہوا فطر سے اوچھل
 دان سے جو بڑھا تو ایک چشما
 غوطا جو لگا کے سر اُجھارا
 کھویا ہوا مال ہاتھ آیا
 خورشید مراگن سے چھوٹا
 یارب یہی باب من چاہتا ہوں
 نادان ہو جو آبرو کو کھوئے
 یہ کہہ کر کا ندھے رکھ کے لٹائی
 کھانے کو شجر کا گوند تھا پاس

غوطا کسی عوض میں لگایا
 بانی کی عوض بختی دشت کی دُھوپ
 ستانوں کو بے نمود پایا
 قبضہ میں پھر آئی کھوئی شمشیر
 روشن نہ ہوا وہ رنگِ رعن
 خال بُرخ رنگِ روساوت
 یستان سے قد اُسکا نخلِ توت
 برگد کی جٹائیں بال اُسکے
 چلتی تھی سموم کا سا جھونکا
 وہ روسیہ اُسکو بھی شوہر
 کچھ نہیں دیر جلد آجا
 راہی ہوا سر پہ رکھ کے انبار
 ہلکا ہوا پھینک پھانک بوجھل
 پر آب تھا چشمِ منتظر سا
 پایا وہی رنگِ روپ سارا
 بولا وہ کہ شکر ہے خدایا
 رنگِ آئینہ بدن سے چھوٹا
 یہ چشمہ پھر آنکھ سے نہ دیکھوں
 اُس بانی سے مُٹھ ہاتھ دھوئے
 گھوڑوں پہ ہوا بے باز کاٹھی
 کیا دخل کہ بھوک لگتی یا پیاس

دیکھنا گاہ کوہ البسند
 ٹوپی وہ جو سر پہ چھال کی تھی
 اُس دیک کے آگے سے بڑا وہ
 گریبان لبِ حوض اک پر سی تھی
 پر خوش و غروش بسے جو پایا
 دیکھا جو بری نے آدمی زاد
 رستا ترا کھو گیا کہا نے
 بولا وہ بشر کہ دیو کیسا
 بولی وہ بری کہ جا کہا مان
 بولا وہ کہ بستی راری کیا ہے
 کیوں روتی ہو کسکی یاد میں ہو
 بولی وہ حسین کہ میں پر سی ہوں
 فردوس کا بادشاہ مظفر
 سردار کڑوڑ دیوؤں کا ہے
 اکدن میں چلی چپا کے گھر کو
 رستے سے یہ دیو پھانس لایا
 نام اُس سے بکا ولی کا سنکر
 پوچھا اُس نے کہ آدمی زاد
 وان خرمن عیش پر بڑی برقی
 والے پھانس جھٹی ہے اسکو غم کی

اک دیو سیاہ تھا لے گرز
 عربانی میں پردہ حال کی تھی
 سایہ سا پہاڑ پر چڑھا وہ
 فوارہ کی طرح رو رہی تھی
 رو پوش نے تاج سر ٹھایا
 ہستہ کہا کہ حنا نہ بریاد
 کھا جائیگا دیو بھاگیاں سے
 ہم کو تو ملا نہ کوئی ایسا
 سر برہن ترے قضا کے سامان
 تم اپنی کہو ماری کیا ہے
 کیا رنج ہے کس فساد میں جو
 اس دیو کے بس میں آگئی ہوں
 روح افزا جسکی ہوں میں دختر
 سلطانِ ارم مرچا ہے
 ماندی تھی بکا ولی خبر کو
 اتنا تو خدا نے ہے بچایا
 رونے جو لگا وہ سر کو دھن کر
 تو کیوں رویا کہا کہ فریاد
 میں بحرِ فسون میں یاں ہوا غرق
 یان سانس نہیں ہر ایک دم کی

۱۔ وان پھانس اسی زمان میں جس میں یہ دیو غم عشق اور غم سے یہ حالت ہو کر اکل گھر کی نذر کی کاہر و اور
 توقع نہیں ہر محاورہ زبانِ ہر عام کہ لانا یا فلان امر میں پھر سانس لاتی نہیں ہوئی گناہ نفس نیل اوریت حسبِ حال ہوا

بولی وہ کہ جھوٹے اگر ہم
 بولا وہ کہ چل کسا کہ نادان
 دیوؤں سے بھی لڑ سکا ہے کوئی
 بولا وہ کہ جی بھجنا نہ جانی
 ہر چند کہ انس و جان میں ہر لاگ
 بولی وہ کہ سن تو آدمی زاد
 بھڑپاس تو اک عصا ہو جانی
 بولا وہ کہ یہ جو لٹھ مر ہے
 یہ کھ کے جٹائے جو ہر اپنے
 ٹوٹی جو اُتار لی تھی سر سے
 لٹھ کا نہ ہے یہ رکھ ہوا یہ جا کر
 یہ شعبہ دیکھ کر پری نے
 تسکین جو ہوئی پری کے جی کو
 وہ دیو پری کو اڑتے پا کر
 شہزادہ نے اپنے سر کی ٹوپی
 برلی میں چھپی وہ ماہ روشن
 وہ دیو کہ تھا پری پہ لپکا
 شہزادہ کہ لٹھ سے برق دم تھا
 دیکھا جو نہ دیو نے گذارا
 وہ سنگ گران حربہ غول
 لٹھ اسکا پڑا تو وہ ہوا چور

رکھتے ترے زخم دل پہ دم
 وہ دیو کسان کسان تو انسان
 سایہ کو پکڑ سکا ہے کوئی
 دیو آگ تو آدمی ہے پانی
 دب جاتی ہے مشت خاک سے آگ
 وہ دیو ہے تیری کیا ہے بنیاد
 لاٹھی سے جدا نہ ہو گا پانی
 موسیٰ کا عصا ہے اُرد ہے
 سامان دکھائے یکسر اپنے
 پھر رکھ کے نہان ہوا نظر سے
 ظاہر ہوا ٹوپی کو اُٹھا کر
 اڑ چلنے کے پائے کچھ قرینے
 وہ آدمی لے اڑا پری کو
 اچکا تو ملا ہوا یہ جاکر
 جلدی سے پری کے سر پر رکھی
 بجلی ساعیان ہوا وہ پرفن
 حیرت زدہ آدمی پہ لپکا
 بادل سا ہوا کا ہدم تھا
 پتھر اک اٹھا کے پھینک مارا
 تاثیر سے پھل کی بنگلیاں پھول
 جسطرح عصا سے جام بٹور

غل کر کے زمین پر گرا دیو
بادل کی طرح جو اُڑے دشمن
موسلی کا عصا تھا لٹھ جو ان کا
سر مہ کیا کوہ پیکر دن کا
ٹوٹی کو اُتار کر پر ہی نے
شہزادہ نے تاج سر پہ رکھا
فردوس میں جا کے صورت حور
دیوؤں کی وہ سرکشی سنائی
سُن سن کے اُسے جو اُس کے
پوچھا کہ وہ ہے کہا کہ ہاں ہے
یہ سنتے ہی اُسے تاج اُٹھایا
بال اُسکے وبال سے بڑے تھے
تن خاکی تھا جان آتشین تھی
صورت سے فقیر تھا برو کی
حسن آرا اُس پر ہی کی مادر
قد مون پہ گرے کہا ادب سے
بولادہ خدا خدا کرو واہ
قادر وہی کبریا وہی ہو
بولی وہ کہ حق ہو جو ہے فرمان
کھولو کمر آؤ لطف فرماؤ
بولادہ کہ اشتہا کسے ہو

موجود ہوے ہزار باد دیو
لاٹھی سے ہوا وہ برق خرمین
ایک ہی لاٹھی سے سب کے ہاتھ
جی چھوٹ گیا دلاورون کا
چوے قدم بشر پر ہی نے
لٹھ کا غصے پہ دل سفر پہ رکھا
ماں باپ سے آملی وہ مجور
انسان کی وہ مردمی جتائی
اُس نے نہ یقین قیاس اُنکے
پوچھا کہ کہاں کہاں ہاں ہے
حبزون کو شہدہ دکھایا
ناخن بھی ہلال سے بڑے تھے
خزانی قباے پوستین تھی
کی آؤ بھگت سمجھ کے جوگی
باپ اُس کا بادشاہ مظفر
حرمت رہی آپ کے سبب سے
ہے جسدِ جہان کا مالک اللہ
آخر وہی ابتدا وہی ہے
تم وقت کے لپٹے ہو سلیمان
شریت پیو میوہ ٹائے ترکھاؤ
کھانے کا مزار رہا کسے ہے

| | |
|---|--|
| <p>سینا کو کیا قیام سے کار رویش روان رہے تو بہتر روح انسراول اٹھی رچی واہ آرام کرو کرو کرو آؤ جمع سے الگ مکان میں لائی صحاب نیاز کھانے لائے تھاپنے ہی سوچ میں ہنسان بیوقت وہ رنگ خوش نہ آیا</p> | <p>شبنم نہیں جاگزین گلزار آب دریا ہے تو بہتر ہم جانے ندین گے مت کو واد ہم رام ہوئے نہ رم کرو آؤ آرام کی جفا سے ربابی ارباب نشاط گلنے آئے دھن رگ کی لہتی نہ رنگ دھیان بے فصل وہ پھاگ خوش نہ آیا</p> |
|---|--|

آنا بکا ولی کا روح افزا کی خبر کو جبیلہ کے ساتھ
اور تاج الملوک سے مل کر جانا سات دن بعد

| | |
|---|--|
| <p>بچھڑونکے جو ملنے کا بیان ہے روح انسراول کو جو کھوکے پایا جانا بھت ایگا نگلی میں لازم وہ ساکن خانہ سلاسل کہتی تھی کہ بیچ سے نکلتی سن کر قیدی کے زار نہ لے</p> | <p>یون خاں خوشی سے تر زبان ہے مردہ شاہ ار مہک آیا چلنے کو جوئی جمیلہ عازم میں وہ بکا ولی بیدل خوابان یہ جوئی کہ میں بھی چلتی زنجیر کے بیچ سے نکلتے</p> |
|---|--|

۱۷ قولہ تھا پنے ہی ہم سنان تھا مینی خاموش ستائے میں تھا ۱۷ قولہ بیوقت
بے فصل بی بی بے موقع وہ سامان جین طرہ چھانہ معلوم ہوا جس طرح بھال چولی کی فصل کے بغیر اچھا
نہیں معلوم ہوتا ۱۸ قولہ نہ کر قیدی ہم نازاے مینی جھوٹ چھوٹ کر دینا بلک بلک کر فریاد کرنا
حاصل یہ کہ کاولی حکو مان باب نے قید کر رکھا تھا روح افزا کے پاس جانے کے لئے اسکی فریاد اور
بیقراری سنکر ان باب نے اسکی زنجیر قید کھول دی ۱۲ + + + +

تخت اُنکی سوار یونے آئے
 بانو سے شہر ارم جمیلہ
 روح افزا سے ہو یمن بفلگیر
 کہ سن کے مبارک و سلامت
 روح افزا نے کہا چچی جان
 خاطر سے کہا کہ خیر لیکن
 یہ کہنے وہ وحشت مجسم
 روح افزا نے کہا بہن سے
 گلشت کریں چلو کہا خیر
 چل پھر کے ہنسی ہنسی بہن پوچھا
 روح افزا نے کہا ایشیر
 واللہ کہ چھان کر خدائی
 سمجھی وہ ہنسی کہا شرن ہو
 ہکو یہ ہنسی نہیں گوارا
 پیارا جو نہ تھا تو کھو گئیں کیوں
 بولی وہ کہ آشنا تھا
 گر اُسکی تلاش میں کھوئی
 جو چاہو کہ جواب کیا دون
 وہ جو گی وہ دھونی اور وہ آسن
 دیکھا تو دکھا رہی ہو تقدیر
 روح افزا اُنکے پیچ میں وان

اُڑتے وہ ہوا کے جھونکے آئے
 دُخت اُسکی بکاؤلی عقیلہ
 صورت پوچھی کہا کہ تقدیر
 بیٹھا ٹھکے ہوئی جمیلہ رخصت
 تم جاؤ رہن بکاؤلی جان
 لجاؤں گی خود میں ساتویں دن
 آہو سی ارم کو کر گئی ارم
 بہتر کوئی جانہیں چن سے
 کیا جانے کہ ہو گی سیر میں سیر
 کھونا ملنا بہن یہ کیا تھا
 مینے یہ سنا کہ تو ہے دلگیر
 تیرے پیارے کو دھونڈ لائی
 نادان ہو کیا کہوں بہن ہو
 پیارا ہوئے گا وہ تمھارا
 بدراہ بھی آپ ہو گئیں کیوں
 پیارا نہیں پیاری کا ہے پیارا
 بدراہ نہ کہہ سکے گا کوئی
 قائل نہیں ہوتی ہو دکھا دون
 دکھلایا تو تھی اُسکی جو گن
 کوشش کا اثر کوشش کی شہر
 قالب تھی میان جان و جانان

دو دنوں کا بدلہ حاصل منظور
 وہ غمزدہ بھر ظلم و بیداد
 خاطر کی کہ ورتین عیان کین
 رور کے بکاوی دل انگار
 پھر پھر تھا تو چشم و دل میں میرے
 مشکل مجھے اپنا تھا مناسبت
 ہم چشم پھر تھے مثل نرگان
 گھر میں رہنا گراں گھٹا میرا
 جو کہ کے شرن پیکار تھا
 سختی سہی یا کڑی اٹھائی
 طالع سے کہ تھی ایسی امید
 کیونکہ تھیں شفق خوشی سے پھولی
 یہ کہنے ملے ہم دلیسے
 یک جان و دو تن تھے سرد بالا
 و ربان سی تھی در پہ روح افزا
 جب بیٹھے ہوس نکال کے وہ
 بول اٹھی بکاوی کی کہ داری
 وہ بولی مجھے تو چکھ نہ آیا
 کیا جانے بھی بلے کیا کیا

لے قولہ پھر تھا تو اطمینان میرے دے دے کے اندر تیرے بانوں کے نشان تھے یہ
 تیرے قدم میری آنکھوں میں تھے ۱۲ م شس + + +

| | |
|--|--|
| <p>بارے وہ مہ دو ہفتہ باہم سمجھی ہفتہ کی مہمانی وعدے پہ جیلہ ساتویں دن ساتھ لے سکے روان ہوئی وہ گڑو چاہا کہ وہ تاج رکھ کے سر پر دامن کو پکڑ کے روح افزا انفت کے بہت نہ جوش میں آؤ نامنی سے خوار ہو چکے ہو کار مشاطہ خود نہ کیجے جلدی تھین کیا ضرور دم نو گھبراو نہ پا کے نامرادی سو چا تو نہ تھا صلاح اچھنا</p> | <p>یک ہفتہ رہی نیس وہم ہر ہفت عروس شادمانی آئی تو کھتا جیلہ غنیمت ہوش لے سکے ہوا ہوئے کہے تو رہے روپوش ساتھ چل کر بولی کہ کدھر کیا ارادہ کچھ خبر ہے تلو ہوش میں آؤ اب تو سیکھو کہ کھو چکے ہو انگارے کو ہاتھ سے نہ نیچو بیدل نہو قول تو قسم نو غم کھاؤ جو چاہتے ہو شادی دانائی تھی بات کا سمجھنا</p> |
|--|--|

پہنچا مہمان حسن آرا کا بکاولی کی شادی کے واسطے

| | |
|---|--|
| <p>بیدل نے جگہ جو بی بیائی وہ شکر گزار روح افزا واجب ہے اداس حق مہمان حسن آرا نے کہا کہ بہت بولی وہ کہ یہ فقیر جوگی میں اس کے سبب بھی ہوں جیسے راز انکا کیا جو آشکارا</p> | <p>یون خامہ نے کی زبان کشائی مان سے بولی کہ حسن آرا احسان کا عوض نہیں جرم احسان جو اپنے سے ہو نہیں میں ہر ہے عشق بکاولی کاروکی یہ میرے سبب ملے برہی سے راضی ہوئی سن کے حسن آرا</p> |
|---|--|

بلو ا کے مضمون اک کھن سال
 وہ صورت حال ارم میں لائی
 چھڑا کہ ہوسہ سے عقد پر دین
 و اجرت نہیں اب تامل نہیں
 بولی یہ جمیلہ کیا بتاؤں
 سودا ہے مری بکا دلی کو
 مشہور ہے ضدانس و جانی
 حسن ارانے کسا جمیلہ
 کاوش تری بے ثبات ہے یہ
 دودل جو ہون جانیں رضی
 بولی یہ جمیلہ ہوش میں او
 تجویز کی آپ کے مین قربان
 حسن ارانے کما کہ خاموش
 اسباب نہ جمع کر ضرر کے
 بولی یہ جمیلہ پھر کروں کیا
 جب دل ہی پر ہی کا گیا ہے
 انسان ہی تھے حضرت سلیمان
 یہ قسط ۳۵ بحیرہ کبریائی

انجوائی اُس آدمی کی تمثال
 خلوت میں جمیلہ پاس آئی
 پیوند نہ سال گل ہونیرین
 بھرے وہن تک نہ چھلکے حسین
 تو اپنی ہے تجھے کیا چھپاؤں
 ہے چاہ بشر کی بادلی کو
 کجا نہیں رکھتے آگ پانی
 مجھ کو یہ نہیں پسند حیلہ
 سو بات کی ایک بات ہے یہ
 بہ جان لے کیا کرے گا غمی
 جا کر کسی اور کو یہ سمجھاؤ
 لیجاے مری پر ہی کو انسان
 شعلے کو کیا ہے کسے خنوش
 رکھ پنہ نہ داغ پر شر کے
 وہ بولی نہ سمجھی کہتی ہوں کیا
 انسان ہو تو کیا مضائقہ ہے
 انسان ہی تھے مسیح دوران
 دریا ہے جو ہوے آشنائی

۱۔ قولہ وہ صورت حال ارم یعنی وہ تقدیر جس سے حاج الملک کی مانگاہ یہ قضا تھا اور ارمش ۱۲۵ قولہ
 و جب نہیں ارم حاصل یہ کہ بکا دلی پر وہن تک قید و بند رکھنا چاہیے مہانتک وہ کل کر کے ۱۲۵ ارمش
 ۲۔ قولہ یہ قطرہ بجاؤ قطرہ سے مراد انسان یعنی اگر یہ انسان دریا ہے کبرا میں ایک قطرہ کی
 مثال جو لیکن یہ وہ قطرہ ہے کرا اگر اس دریا کا نشا و نہو تو کو یا غور دریا ہو جائے ۱۲۵ م شش ۲۰۰

| | |
|--|--|
| <p>کیا شکوہ اگر پری نہ سمجھ دوم دھاکے میں رشتہ نفس کے</p> | <p>افسوس جو آدمی نہ سمجھ پھندے میں پھنسا ہو پیش و پس کے</p> |
| <p>بیابان ہونا بکا ولی کا تلج الملوک کے ساتھ اور رہنا رام میں</p> | |
| <p>شادی کے لئے ہر کلک شہزاد حسن آرا تھی جو نیک تدبیر پہچان کے خال و خط سے انداز یونی کہو کیون کہنا کہ مانا وہ بولی کہ تجھ کو اس سے کیا ہو ٹھہری یہ غرض کہ آج کی رات جب سونے کو وہ محل میں آیا یاد اس نے کیا بکا ولی کو تصویر بشر دکھائی اس نے دیکھا تو نہ فسق تھا سر مو نفیس سے وہی نگار پایا کہنے لگی دل میں یا آنہی پیارے سے نہو خلاف وعدہ دیکھا تو وہ بھید ہی حسن آرا</p> | <p>انگشت قبول دیدہ حرف دکھلائی جمیلہ کو وہ تصویر وہ جب جو رہی تو یہ سخن ساز پر کھڑے ہوئے کھا کیا کھانا بہمنے تو سمجھ کے کچھ کیا ہے فیروز شاہ آگے چھڑے بات افسانہ عشق اُسے سنایا لے لے اڑا کے اُس پری کو شادی کی خبر سنائی اُس نے جانبے خط و خال چشم و ابرو قسمت کا لکھا سا اُسے آیا شر ہو نہ کہیں یہ خیر خواہی کیا سوچتی ہوں نصیب اعدا اگر تھی اسی کے رخ نظر آرا</p> |
| <p>۱۔ کیا شکوہ ام بی بی پری اگر کسی مرگ نہ سمجھ کے تو بلحاظ کمی عقل پری کے پری سے اسکا شکوہ انہیں ہوگا لیکن آدمی سے سبب کامل عقل ہونے کے مقام شکوہ ہوگا ۱۲ م ش ۱۵ تو لہ ٹھہری یہ ام یعنی علیلہ اور حسن آرا الغرض باہم یہ بات قرار پائی کہ آج کی رات کہ فیروز شاہ اُسے بعد بکا ولی کی شادی کا معاملہ چھوڑا جائے ۱۲ م ش ۱۵</p> | <p>۱۱۔ کیا شکوہ ام بی بی پری اگر کسی مرگ نہ سمجھ کے تو بلحاظ کمی عقل پری کے پری سے اسکا شکوہ انہیں ہوگا لیکن آدمی سے سبب کامل عقل ہونے کے مقام شکوہ ہوگا ۱۲ م ش ۱۵ تو لہ ٹھہری یہ ام یعنی علیلہ اور حسن آرا الغرض باہم یہ بات قرار پائی کہ آج کی رات کہ فیروز شاہ اُسے بعد بکا ولی کی شادی کا معاملہ چھوڑا جائے ۱۲ م ش ۱۵</p> |

روح افزا کا جو اگیا دھیان
جانا کہ بہارِ فصل سے ہے
اندر میں تھی جو بے حیائی
حسن آرائے کہا مبارک
سج دھج یہ بنی ادھر بنائے
سیارہ شناس کو بلایا
شادی کی خبر سے خوش خوش آئی
راتوں کو جو گنتی تھی ستارے
وان مہدی نے چو پہلے خورشید
دہ وان پہ گلاب سے نہائی
وان غارہ سرخ شفق میں خورشید
افشان ہوئے وان ستارہ افشان
وان مانگ سے رنگ کہلستان باز
وان زلف نے کھائے سوچ پر سوچ
انجل ہوا وان حجاب عارض
زیبا ہوا وان بدن پہ گہنسا
حرم کے کسے گئے ادھر بند
وان گل سے بہارِ بوستان ہو

تسکین ہوئی آئی جان مین جان
یہ نقل مطابق اصل سے ہے
شرائی لجائی مُکرائی
ایجاب اس نے کیا مبارک
مین ٹھن کے بنا اُدھر سے آئے
ساعت ٹھرائی دن دکھایا
شتاق کو خوش خبر سُنائی
دن گئے لگی خوشی کے مے
یاں نہر ہوا نہال است
یاں تازگی آبرو نے پائی
یاں جگمگائے بہ رنگ امید
یاں جیفہ سے روشنی دوچاند
یاں شملہ سر سے مالہ مین چاند
طرہ کلنی پہ یاں بھتا سرتیج
سہرا ہوا یاں نقاب عارض
یاں جامہ وفا کا اس نے پہنا
ہمت کا بندھا ادھر کمر بند
آراکشِ تختِ گل یہاں ہے

۱۷۷۷
 ۱۷۷۸
 ۱۷۷۹
 ۱۷۸۰
 ۱۷۸۱
 ۱۷۸۲
 ۱۷۸۳
 ۱۷۸۴
 ۱۷۸۵
 ۱۷۸۶
 ۱۷۸۷
 ۱۷۸۸
 ۱۷۸۹
 ۱۷۹۰
 ۱۷۹۱
 ۱۷۹۲
 ۱۷۹۳
 ۱۷۹۴
 ۱۷۹۵
 ۱۷۹۶
 ۱۷۹۷
 ۱۷۹۸
 ۱۷۹۹
 ۱۸۰۰
 ۱۸۰۱
 ۱۸۰۲
 ۱۸۰۳
 ۱۸۰۴
 ۱۸۰۵
 ۱۸۰۶
 ۱۸۰۷
 ۱۸۰۸
 ۱۸۰۹
 ۱۸۱۰
 ۱۸۱۱
 ۱۸۱۲
 ۱۸۱۳
 ۱۸۱۴
 ۱۸۱۵
 ۱۸۱۶
 ۱۸۱۷
 ۱۸۱۸
 ۱۸۱۹
 ۱۸۲۰
 ۱۸۲۱
 ۱۸۲۲
 ۱۸۲۳
 ۱۸۲۴
 ۱۸۲۵
 ۱۸۲۶
 ۱۸۲۷
 ۱۸۲۸
 ۱۸۲۹
 ۱۸۳۰
 ۱۸۳۱
 ۱۸۳۲
 ۱۸۳۳
 ۱۸۳۴
 ۱۸۳۵
 ۱۸۳۶
 ۱۸۳۷
 ۱۸۳۸
 ۱۸۳۹
 ۱۸۴۰
 ۱۸۴۱
 ۱۸۴۲
 ۱۸۴۳
 ۱۸۴۴
 ۱۸۴۵
 ۱۸۴۶
 ۱۸۴۷
 ۱۸۴۸
 ۱۸۴۹
 ۱۸۵۰
 ۱۸۵۱
 ۱۸۵۲
 ۱۸۵۳
 ۱۸۵۴
 ۱۸۵۵
 ۱۸۵۶
 ۱۸۵۷
 ۱۸۵۸
 ۱۸۵۹
 ۱۸۶۰
 ۱۸۶۱
 ۱۸۶۲
 ۱۸۶۳
 ۱۸۶۴
 ۱۸۶۵
 ۱۸۶۶
 ۱۸۶۷
 ۱۸۶۸
 ۱۸۶۹
 ۱۸۷۰
 ۱۸۷۱
 ۱۸۷۲
 ۱۸۷۳
 ۱۸۷۴
 ۱۸۷۵
 ۱۸۷۶
 ۱۸۷۷
 ۱۸۷۸
 ۱۸۷۹
 ۱۸۸۰
 ۱۸۸۱
 ۱۸۸۲
 ۱۸۸۳
 ۱۸۸۴
 ۱۸۸۵
 ۱۸۸۶
 ۱۸۸۷
 ۱۸۸۸
 ۱۸۸۹
 ۱۸۹۰
 ۱۸۹۱
 ۱۸۹۲
 ۱۸۹۳
 ۱۸۹۴
 ۱۸۹۵
 ۱۸۹۶
 ۱۸۹۷
 ۱۸۹۸
 ۱۸۹۹
 ۱۹۰۰
 ۱۹۰۱
 ۱۹۰۲
 ۱۹۰۳
 ۱۹۰۴
 ۱۹۰۵
 ۱۹۰۶
 ۱۹۰۷
 ۱۹۰۸
 ۱۹۰۹
 ۱۹۱۰
 ۱۹۱۱
 ۱۹۱۲
 ۱۹۱۳
 ۱۹۱۴
 ۱۹۱۵
 ۱۹۱۶
 ۱۹۱۷
 ۱۹۱۸
 ۱۹۱۹
 ۱۹۲۰
 ۱۹۲۱
 ۱۹۲۲
 ۱۹۲۳
 ۱۹۲۴
 ۱۹۲۵
 ۱۹۲۶
 ۱۹۲۷
 ۱۹۲۸
 ۱۹۲۹
 ۱۹۳۰
 ۱۹۳۱
 ۱۹۳۲
 ۱۹۳۳
 ۱۹۳۴
 ۱۹۳۵
 ۱۹۳۶
 ۱۹۳۷
 ۱۹۳۸
 ۱۹۳۹
 ۱۹۴۰
 ۱۹۴۱
 ۱۹۴۲
 ۱۹۴۳
 ۱۹۴۴
 ۱۹۴۵
 ۱۹۴۶
 ۱۹۴۷
 ۱۹۴۸
 ۱۹۴۹
 ۱۹۵۰
 ۱۹۵۱
 ۱۹۵۲
 ۱۹۵۳
 ۱۹۵۴
 ۱۹۵۵
 ۱۹۵۶
 ۱۹۵۷
 ۱۹۵۸
 ۱۹۵۹
 ۱۹۶۰
 ۱۹۶۱
 ۱۹۶۲
 ۱۹۶۳
 ۱۹۶۴
 ۱۹۶۵
 ۱۹۶۶
 ۱۹۶۷
 ۱۹۶۸
 ۱۹۶۹
 ۱۹۷۰
 ۱۹۷۱
 ۱۹۷۲
 ۱۹۷۳
 ۱۹۷۴
 ۱۹۷۵
 ۱۹۷۶
 ۱۹۷۷
 ۱۹۷۸
 ۱۹۷۹
 ۱۹۸۰
 ۱۹۸۱
 ۱۹۸۲
 ۱۹۸۳
 ۱۹۸۴
 ۱۹۸۵
 ۱۹۸۶
 ۱۹۸۷
 ۱۹۸۸
 ۱۹۸۹
 ۱۹۹۰
 ۱۹۹۱
 ۱۹۹۲
 ۱۹۹۳
 ۱۹۹۴
 ۱۹۹۵
 ۱۹۹۶
 ۱۹۹۷
 ۱۹۹۸
 ۱۹۹۹
 ۲۰۰۰
 ۲۰۰۱
 ۲۰۰۲
 ۲۰۰۳
 ۲۰۰۴
 ۲۰۰۵
 ۲۰۰۶
 ۲۰۰۷
 ۲۰۰۸
 ۲۰۰۹
 ۲۰۱۰
 ۲۰۱۱
 ۲۰۱۲
 ۲۰۱۳
 ۲۰۱۴
 ۲۰۱۵
 ۲۰۱۶
 ۲۰۱۷
 ۲۰۱۸
 ۲۰۱۹
 ۲۰۲۰
 ۲۰۲۱
 ۲۰۲۲
 ۲۰۲۳
 ۲۰۲۴
 ۲۰۲۵
 ۲۰۲۶
 ۲۰۲۷
 ۲۰۲۸
 ۲۰۲۹
 ۲۰۳۰
 ۲۰۳۱
 ۲۰۳۲
 ۲۰۳۳
 ۲۰۳۴
 ۲۰۳۵
 ۲۰۳۶
 ۲۰۳۷
 ۲۰۳۸
 ۲۰۳۹
 ۲۰۴۰
 ۲۰۴۱
 ۲۰۴۲
 ۲۰۴۳
 ۲۰۴۴
 ۲۰۴۵
 ۲۰۴۶
 ۲۰۴۷
 ۲۰۴۸
 ۲۰۴۹
 ۲۰۵۰
 ۲۰۵۱
 ۲۰۵۲
 ۲۰۵۳
 ۲۰۵۴
 ۲۰۵۵
 ۲۰۵۶
 ۲۰۵۷
 ۲۰۵۸
 ۲۰۵۹
 ۲۰۶۰
 ۲۰۶۱
 ۲۰۶۲
 ۲۰۶۳
 ۲۰۶۴
 ۲۰۶۵
 ۲۰۶۶
 ۲۰۶۷
 ۲۰۶۸
 ۲۰۶۹
 ۲۰۷۰
 ۲۰۷۱
 ۲۰۷۲
 ۲۰۷۳
 ۲۰۷۴
 ۲۰۷۵
 ۲۰۷۶
 ۲۰۷۷
 ۲۰۷۸
 ۲۰۷۹
 ۲۰۸۰
 ۲۰۸۱
 ۲۰۸۲
 ۲۰۸۳
 ۲۰۸۴
 ۲۰۸۵
 ۲۰۸۶
 ۲۰۸۷
 ۲۰۸۸
 ۲۰۸۹
 ۲۰۹۰
 ۲۰۹۱

الماس کے وان تھے جھاڑ فائوس
میتاب سی چاندنی کا وان فرس
وان جلوے خانی انگلیوں کے
بادل سے وہ وان گرج رہے تھے
وان پروں میں ذکر آدمی زاد
گلگون تخت کیسا باد رفتار
ہاتھی تھے تو مستیوں کی دہرت تھے
وہ ماہ کہ تھا سوار شہید
در تک جو برات ادھر سے آئی
فیروز و مظفر ایسے دوشاہ
باران گلاب و بارش گل
سلطان فیروز رشک جم تھا
ہر بابے کا شور و غل تھا
گل سے خوانوں میں زردہ لایا
نور شیدا آفتابہ لائے
قلیان پے مشکبو دھوان دھار

یان جلوہ فروش تخت طاؤس
یان چرخ سے چرخ میں سرعش
یان روشنی کے تھے پختا خے
یان دھوم سے بلبل ج رہے تھے
نوشہ کے جلو میں یان پر نرادر
گل رنگ کیسا کھتا ہوا دار
گھوٹے تھے تو چاکلی کی لت تھے
تھا بار کا ب شوق مہمیز
کی سب نے ادھر سے پیشوا
پر نور تھے جیسے مہر اور ماہ
ہو کر بڑھے آگے باجھل
نوشہ سہند بہ جم کے بھٹا
سنبھل کا جنور تو بھر گل تھا
ان غنجدہ بانوں کو کھلایا
مٹھ ہاتھ ہر ایک کے دھلائے
بڑے بچھے پان کے فریدار

۱۵ الماس تخت طاؤس تخت شاہی نام ہے جو سلطان تیموریہ دلی میں روئی تھا ۱۷۸۳ء میں
۱۶ قولہ قلیان آتش ممکن ہے کہ مصرعہ انانی بڑے کھلے کے بہت فریدار یا بڑے چلے بہت
فریدار کی تحریف ہو گی کوثر بڑے مراد خصوصاً ایسے موقع پر جہاں نوٹ بڑے کے اور کیا ہو سکتی ہے
کوثر کو اس زمانہ کے عمار و مین ایسی تحریف بھی ہو سکتی لیکن پھر بھی جب جگہ باتشہید بے تکلف موزون
ہو سکتا تھا تو مصنف اور اس کے استاد دونوں میں کوئی ایسا غبی نہ تھا کہ جو ایسی بے ضرورت تحریف روا
رکھتا ۱۷ یعنی سلطان فیروز رشک جم کی مسند پر نوشہ نے جلوس کیا ۱۷۸۳ء میں

جب عقد کی اُنکے ساعت آئی
 یکجا کیئے وہ عروس و داماد
 حیرت نے آئینہ دکھایا
 زلفین جوئین چہرے کی بلاچین
 جو چہرہ آئین پر تلکتا
 جوڑی جو ملی بنے بہنی کی
 جو گائین تھیں شہانے گائین
 حق پائے جو رکھتی تھیں قدامت
 پیدا تھا بسنے بنی کا جوڑا
 پر یان کہ ہزار با بھری تھیں
 بے پردگی ہوتی تھی جو اُن میں
 طومار حجاب کو کیا طے
 مستانہ ملا دھن سے نوشاہ
 مست تھیں تھیں شک جام شرار
 گردن تھی مڑا حُسنے ناب
 جب اوڑھی عروس مہ نے چادر
 ثابت وہ جو شب کو تھے ستارے
 مین دو لھا دھن سحر گاہ
 منہ گھر کو براتیوں نے موڑا
 وہ حوض گلاب میں نہایا
 والں جوڑا چست و تنگ بدلا

دور شتون میں اک گرہ لگائی
 وہ جان پری بہ آدمی زاد
 شربت دیدار نے پلایا
 ٹونا وہ لکھا ہن سحر آگین
 اس بند نگاہ بد بدلکتا
 سنگت ہوئی راگ راگنی کی
 لیتے ہوئے نیک راگ لائین
 بول اٹھیں مبارک و سلامت
 خلوت میں دو لھا دھن کو چھوڑا
 ارمان سی سب وہاں سے نکلیں
 دروازوں نے بند کر لیں اکھیں
 ساغر پہ جھکا وہ شیشے
 صحبت ہوئی دختِ رز سے دلواہ
 لب ریز ہوئی شراب دیدار
 ہاتھ آئی وہ بہر مستی خواب
 کلا پر دے سے شاہِ خاوار
 خورشید نکلتے ہی سدائے
 نکلے آرام کہ سے دلواہ
 محفوظ دو لھا دھن کو چھوڑا
 یان رُخ عرق گلاب پایا
 یان جوڑے کے منہ کا رنگ بدلا

وہ راگ کا دیکھنے لگا رنگ
یاں پر دے میں چھپر تھی خوش آنکھ
رخصت ہونا آج الملک کا بکا ولی کو لیکر آنا گلشن نگارین میں

غربت سے جواب سر وطن ہے
شادی ہو کر وہ خانہ آباد
غربت میں وطن کی دھن سائی
خلوت میں ہوا پر سی سے گویا
پانی تیرے خاک کو روان ہے
غیر سفر وطن سمجھ کر
چلے گا تو ساتھ ہیں بلا عذر
ہاتھ اٹکا پکڑ کے باہر آئی
ہولے ہولے ہی دو چار خویش و دختر
وہ تینوں تھے قوم کے پر یزاد
چومی اس نے زمین خدمت
فسیر و زشتہ جمیع کہ بانو
غوطے میں جو آگے وہ کیمر
پر دیسوں نے جو کی ہے نسبت
دعویٰ نہیں کچھ دیے ہوئے پر
لازم جو ہو اس میں کہ نہ کیجئے
بولی وہ بخت تھا زبردست

کھلک دوز بان یہ حرف زن ہے
سو جا کہ بسا میں خانہ داماد
اُس فیل کو یاد ہندی
دنیا میں ہیں سب وطن کے جویا
کو شعلہ کی سوئے آسمان ہے
بولی وہ بکا ولی کہ بہت
مہیئے گا تو بندگی میں کیا عذر
ما باپ کے پاس دختر آئی
دوسے ہوئے چار اُس جگہ پر
چوکتا اُن میں یہ آدمی زاد
غربت سے وطن کی جا ہی رخصت
دونوں ہوئے سُن کے سر زانو
بولی ما باپ سے وہ دختر
اب کیجئے ہنسی خوشی سے رخصت
قائم رہیئے کیے ہوئے پر
سائل کا سوال رو نہ کیجئے
خورشید کو ذرہ نہ کیا بست

لہ قولہ کہ جس کی نہ مصرع اول میں لفظ چار مضامین ہر ذریعہ خوش جو معنی داتا گنج بخش علیہ السلام

| | |
|--|--|
| انسان سے بھگی پری کی گردن یہ لکے منگلے دو ہودار ہو کر دیو و نکئی زینت دوش و شکونے شکون میا زالا سونباعت ارکو جو مجبور آئی تو وہ باغ سحر بنیاد خیل و قدم اُسکے منتظر تھے ہیجان کے سب نے غل چایا داخل جو ہوے محل کے اندر پوچھا خوش خوش کہا کہ دم لو و لبس یہ وہی بکا دی ہے سبحان اللہ لکے دلبر محمودہ نے کہا مبارک اُن مختصرون نے جب دیا طول یہ سمجھو تو کچھ نہیں ہے تکرار درجے درجے رہیں وہ دیوش | گلے ٹٹے سے رکا ہوا کا دامن سود یو بلائے باد رفتار خصت وہ اُدھر ہوئی اُدھر ہوش اُمیں رخ بہ پانی ڈالا گھر پاس تھا اور وہ منرون دور تھا آب و ہوائے خوش سے آباد مانند حواس منتشر تھے آیا تاج الملوک آیا محمودہ لبیک کی دوری دلبر دیکھو یہ کون ہیں قدم لو محمودہ دیکھ کیا پر ہی ہے بولی کہ یہ گھر ہوا منور خوشنودی استشنا مبارک بولی وہ بکا دی کہ معقول خوش پوش ہے ایک جوڑے بجا اہم خانہ و ہدم و ہم آغوش |
|--|--|

طلب ہوتا بکا دی کا رابطہ نہ کی محفل میں اور آگاہ ہو کر جانا تاج الملوک کا

| | |
|--|--|
| تقدیر سے ہیں جو شادی و رنج ازبکہ یہ چرخ فتنہ انگیز ایک چند وہ مہ تھی کا ہشون مین | اب یون نے خام ہو نواج ہے خرمین عیش پر شر و ریز گذری اک عمر خواہشون مین |
|--|--|

| | |
|--|--|
| <p> تقدیر سے جب مراد پائی اندر اس امر نگر ہے شہر ایک اندر ہے بادشاہ اُس کا مصنون وہ قضاے اس قدر ہے بزدانیوں کا ہے سکن ٹھہرن کہتے ہیں مورخان ہندی راجا کہ کمال پارسا ہے خالق نے دی ہے فوق اسکو انسان کا سرور قص کیا ہے باری باری سے جو پر ہی ہے لیکن جو بکا ولی دل افکار اک شب راجا تھا غفل آرا پوچھا پر یوں سے کچھ خبر ہے مٹھ پھیر کے ایک مٹھرائی چتون کو ملا کے رہ گئی ایک بولا وہ کہ چپ ہو کیوں سبب کیا ناما پر یونے اُس نے توڑا وہ سن کے خفا ہوا کہا جاو پر یان اٹھیں اوپر اوپر آئیں </p> | <p> راجا اندر کو یاد آئی خلقت ہی وہاں کی زندہ دل نیک اُس نے تھکا ہوا اُس کا اُس بستی کا نام امر نگر ہے روحانیوں کا نشین اُس میں آباد ہوا پہ ہے وہ بستی مقبول جناب کبریا ہے نغمہ سے جو ذوق شوق اسکو پر یوں کا ناچ دیکھتا ہے راجا اندر کی مجھائی ہے باری پہ پہونچ سکی نہ بیمار یاد آئی بکا ولی دل آرا شہزادی بکا ولی کدھر ہے آنکھ ایک نے ایک کو دکھائی ہونٹوں کو ہلا کے رہ گئی ایک بولیں وہ کہ کیئے بے ادب کیا رشتہ ایک آدمی سے جوڑا حبس طر سے بیٹھی موٹھا لاوا ہتھابی پہ مثل ابرھیائیں </p> |
|--|--|

لے قولہ مصنون وہ ائم مصنون بمعنی محفوظ یعنی وہ شہر موت سے اس قدر محفوظ ہے کہ اسکا نام
 امر نگر ہے اور ترکیب ہندی بمعنی نہ مرنے والا یعنی اُس شہر میں موت کا گذر نہیں ہے ۱۲۸ شمس + + +

| | |
|--|--|
| <p> دیکھا تو وہ دونوں کرتے تھے خواہ ہم بستر آدمی پر ہی تھی غافل جو مولوں نے پایا جاگی تو بسکے جوڑ کی تھین بولین کہ شلب کیا ہے چلیے اٹھی اُسے جی کی طرح چھوڑا ساتھ اُنکے وہ تابہ بھل آئی راجہ نے نگاہ کی غضب سے بو آتی ہے آدمی کی لچاؤ شعلہ سا پر ہی کا جسم کا پنا برہوں نے کشان کشان نکالا کا فورسی جل اٹھی سراپا جو آتش گل نہ لے چمن سے جس رخ پہ تھی کامل مغیر جس جسم پہ تھیں پوشاک علیے نفس ایک خضر آئی شعلہ سے زیادہ پاک دامان </p> | <p> گل تکیے تھے آفتاب و مہتاب سایہ کے نبل میں جانندی تھی اُس نقش میں مراد کو جگایا اندکے اکھائے کی پر ہی تھیں جوڑا یہ خراب ہے بدلیے بدلا مانس درنگ جوڑا لزلزل رزان متسا بل آئی پوچھا کہ یہ بھیا کی گب سے نایاک ہے اگ سے دکھلاؤ مٹھ داسن اشک تر سے دھانپا صندل آتشکدے میں ڈالا ٹھنڈی ہو میں تھا جھین چلاپا جھو نکا اُسے آگ میں جلن سے تھا چشم زون میں دود خگر شعلہ کے سوا نہ کچھ بھی تھا خاک چھینٹے سے جلی ہوئی جلائی اگر ہوئی انجمن میں رقصان </p> |
|--|--|

لے تو لے جاگی آہ اندر کے اکھائے کی پر ہی تھیں مٹی پر پاں تھیں چونکہ غلاب مصرعہ اول میں آچکا ہے
اسوج سے لفظ پر ہی مورد اعتراض میں فرض کیجئے اگر یوں کہا جاتا ہے کہ بکاولی جانی تو دکھا کہ سب
لے والیاں بکاولی کے جوڑ کی تھیں نہ کہ عورت تھیں تو کیا کوئی کہہ سکتا ہو کہ نا جائز یا غیر فصیح ہو تا
یہ جس جگہ وہ غیر زوری تھیں کیونکہ غیر فصیح ہو سکتا ہے بلکہ عین عاودہ ہو مان اگر لفظ سب مصرعہ اول میں
موجود نہ ہوتا تو ایسی کھلم کھلا کہہ سکتا تھا کہ غلاب اس میں لے تو لے جاگی آہ اندر کے اکھائے کی پر ہی تھیں مٹی پر پاں تھیں

| | |
|--|---|
| <p> اغیار ادا سے کر لے لے راجہ ادا کہ صاحب کرم تھا جل بچہ کے سدا سنا کیو سوز پڑاں پڑاں ہوا سی آئی شب کی بوشاک پہنی سائے بچو آب کی آنکھ بند پائی جس شکل سے کہ لکھ میر خباب یعنی تاج الملوک بے ہوش پر دوسری شب وہ جا کے جاگا پہلو میں جگر کے دل نہیں ہے جھجھلا کے پلنگ سے اٹھا شیر بائیں دیکھ اکہین نہ بائی جانا اکہین دل کسی سے اٹھا سمجھا وہ پلنگ چار پاہ بل مارے ہو گیا سوڑا </p> | <p> ناچی گائی غریب ناچار برخواست کا وقت صبح دم تھا بولا جیون ہی آئیو روز رخصت پاتے ہی وہ ہوائی پیشواز کنارِ حوض اُتار سی بیتاب آرام گہ تک آئی یون بیچہ آ کے سوئی بیتاب وہ آہوئے سیت خواب خرگوش اُس شب کو بغل میں آ کے جاگا دیکھتا تو وہ متصل نہیں ہو حاجت کی گمان سے جہے فی میر دائیں دیکھا نظر نہ آئی عورت تھی گمان پر سے کھٹکا اثرِ درنظر کیا در کا سایہ آنکھوں میں جو چھا گیا اندھیرا </p> |
|--|---|

۱۵ اُس شب کو کلام یعنی پہلی رات میں اسوقت جاگا جب بکادلی درپس کر اور اسکو اپنی بل
 لین سیکر لٹ پکی تھی لیکن دوسری رات میں اسوقت جاگا جب بکادلی اسکے پاس سے اٹھ کر
 جا چکی تھی اور ہنوز وہیں نہیں آئی تھی ۱۲ ام ش ۱۵ دیکھا تو دم متصل اتصال رُسکے والا
 یعنی بکادلی جو تاج الملوک کے لئے دل کے مانند تھی نہیں ہو ۱۲ ام ش ۱۵ آنکھوں میں الم
 نے جو شش غیظ یا فظ غم فظون بکادلی میں وہ خود رنگی طاری ہوئی کہ درازی شب معلوم
 نہیں ہوئی گویا طرۃ العین میں صبح ہو گئی ۱۲ ام ش

جاگا تو پر ہی نسل میں پائی
 دانستہ خبر ہو انہ بیتاب
 جب بھر فلک گیا لب لبام
 معمول سے بزم میں ہو سے جمع
 جام لُسنے بھرا اہسا پیالے
 ٹھانی تھتی کہ آج رہ کے بیدار
 بولا کہ ہن در در کے کچھ طور
 ہٹا لسنے جو کی تو ہاتھ مارا
 ہوتی ہو جو نوک شیشہ خنجر
 بیدار می شب کی گھات پائی
 کف میں نکلین کباب لیکر
 بند آنکھیں کیے ہوئے شکر لب
 پر یون نے ہوا سے تخت اُتارا
 سوتا اسے جان کر اٹھی وہ
 اُس تخت کا یہ پکڑ کے پایہ
 بن ٹھن کے جب آئی رشک ناہید
 آتے ہی زمین سے آسمان پر
 لوگوں سے بھرا وہ دائرہ تھا
 ٹھیکے پہ پہونچ کے تخت ٹھہرا

وہ نقش فاعل میں پائی
 گویا کہ وہ شب کا حال تھا خواب
 متابی پہ آئی وہ سر شام
 مینا و کباب و مجر و سمع
 دل اُسکا بھرا تھا جام کیلے
 دیکھوں جاتی کہاں ہے عیتار
 میں آج نہ ہوں نگاشا مل دور
 شیشہ ہوا جو رچو رسارا
 چڑکے لگے اُسکی آنکھوں پر
 حکمت سر دست ہاتھ آئی
 چھڑکا ننگ اُن جراتوں پر
 بیدار رہا تو آخر شب
 ثابت ہوا ٹوٹا ستار
 پوشاک بدلنے کو لگی وہ
 پوشیدہ ہوا برنگ سایہ
 ذرہ ہوا ہمار کا بخرشید
 پہونچی اُس بزم میں سماں پر
 برصوت و صدا وہ دائرہ تھا
 مرکز پہ وہ بزم بخت ٹھہرا

۱۔ قولہ جاگا تو پر ہی نسل میں پائی کا کثیف ہو چکا ہے جب اس وارنگی جو شمس غم و فقدان
 کا دلی سے فاقہ ہوا اور ہوش درست ہو کر دیکھا تو بکا دلی نسل میں موجود ہے ۱۲ م شمس +

آتشکہہ پر یون نے بننا کر
شہزادہ کہ زیر تخت زرکار
زیادہ کرنے پایا مضطر
راجا جسٹخ محفل آرا
ہمراہ جلا وہ چھوڑ پایا
محفل میں جو آئی شمع محفل
جو گاتی تھیں بٹھیں مثل آواز
وہ نہ بچے کیا کھڑی ہوئی تھی
رقص اُسکا اگرچہ خوشنما تھا
شہزادہ نے دیکھ دامن بائیں
اہستہ کہا کہ تو آؤں
اُسے جو کچھ ادج اُسکو دیدی
کھنسا سم یہ اُس پر کی نقشا
مخلوط کیا جو رب کو انبار
انداز سے اُس نے لیکے مالا
برخاست کا تھا وہ رخصتی ہار
مے ہار وہ شاہزادہ فی الفور
باد بھری چلی جو سن سے
خوشید سے پہلے اُڑ کر آئی
وہ حوض کے رخ چلی اُتر کر
دہ آئی تو غافل اُسکو پایا

بھینکنا سے پھول سا اٹھا کر
تھکا پہلو کے گل میں صورت خار
تا بان ہوئے راگھو مین سے خگر
دل لیتی ہوئی چلی دل آرا
کے تھکی پر سی توتیجھے سایا
بر و افون کا ہاتھ سے گیا دل
بجرے کو اٹھی وہ صورت ناز
خود راگنی آکھڑی ہوئی تھی
سنگت کا کچھاد جی تھکا تھا
لین طبلہ نواز کی بلائیں
منہ راؤ تو بندگی بجائوں
کیفیت اتفاق نے دی
سب آنکھ ملا کے کہتے تھے آ
بخشا را جانے نو لکھا ہمار
کانہ صے پہ کچھاد جی کے ڈالا
برہم ہوئی بزم اُٹھے سب کبار
پہنہاں ہوا زیر تخت اُٹھی طر
وہ شمع سدھار سی انجن سے
تاروں کی چھانوں میں گھرائی
یہ آنکھ بجاکے سوئے بستر
آغوش میں آگے لگایا

جب پردہ صبح ہو گیا فاش
اس پنجہ دہکچا سُکرانا
ہنستے ہنستے کہا ہنستے کیوں
بولاوہ کہ خواب دیکھتا تھا
بولی وہ کہ ہم بتائیں تبیر
بولاوہ کہ رات کو اُفق میں
بولی وہ کہ مہر سے شب و روز
بولاوہ کہ اک مقام ہو تھا
بولی وہ بشر ہو تم دلاور
بولاوہ کہ دیکھی اک شبستان
بولی وہ کہ شعلہ میں پری ہوں
بولاوہ کہ جب ہوا اُجالا
بالہ مہ انجن کا کیا تھا
گجراتی پری کہ بہن یہ کیا ہے
کانڈھے پہ تھا جسے رات ڈالا
کیون جی یہ اکیلے شب کو جانا
یہ سن کے پری وہ سوختہ تن
میں جل کے جلی تو غم نہیں ٹٹے
سیرے جلنے پہ خاک ڈالو

خندان خندان اٹھا وہ بناش
بیرنگ بکا ولی نے جانا
ہنستا نہیں بے سب کوئی یوں
آتش پہ کیا ب دیکھتا تھا
دلسوزی کرے گا کوئی دلگیر
خوشید تھا آتش شفق میں
عالم میں رہو گے رونق افروز
گلزارِ خلیل رو برد تھا
سرسبز ہو قوم آتشی پر
شعلہ ہوا انجن میں نقصان
جو ناچ نچاؤ ناجتی ہوں
بخشاہ انجن نے مالہ
وہ ہار عتاجو گلے پڑا تھا
بولاوہ کہ ہار نو لکھا ہے
پچانتی ہو وہ طبلہ والا
اوپر اوپر مزے اوڑانا
بولی کہ سن اد صلاح دشمن
ڈر ہے کہ نہ تجھ پہ آنج آجائے
تم نام نہ دان کے جلنے کا لو

لے قولہ کا نڈھے بہ آہ پچانتی ہو وہ طبلہ والا یعنی تم پچانتی ہو جس کے کندھے پر بستے رات کو
ہار ڈالو یا تھا وہی طبلہ والا کہ یہ بطور بشارت و طنز یہ کہ ہوا اس اشارہ کی نصاحت ظاہر ہے ہر شے

| | |
|--|--|
| افروختہ آتش حسد ہے بولادہ کہ یہ نہ ہو گا مجھ سے سمجھاتی رہی اسے وہ دانا عازم ہوا شب کو کتے ہی تخت وان جا کے وہ سوچی اسکو بیل لگ سنگت کا کچھس آجی بنا کے | جلنا یہ سپند چشم بد ہے مین دو قدم گے ہو نکا تجھ سے لیکن اس نے کہا نہ مانا یا قسمت یا نصیب یا بخت ے چلے تو راجہ لائیکا راگ اگائی یہ غنزل مقام پلکے |
|--|--|

غنزل

| | |
|---|--|
| ساتی قہر شراب دیدے ساتی باقی جو کچھ ہو لے لے اُس بُت سے ننن سوال کچھ اور لے لے مینے تجھے بنایا اُس گل سے نسیم زرد نہیں مانگ | نہتاب مین آفتاب دیدے باقی ساتی شراب دیدے اپنے ٹٹھ سے جواب دیدے مجنون مجھ کو خطاب دیدے جو جواب دے وہ بحساب دیدے |
|---|--|

نصف پتھر ہو جانا بکا ولی کا راجہ اندر کی بددعا سے اور
بستی میں کر ملنا تاج الملوک سے اور کھڑا تاجا نیکا لانی تیرا وک کے حکم سے

| | |
|---|--|
| ہے اب جو بیان سنگساری خوش لہجہ بہت بکا ولی تھی را جائے کہا کہ خوش ہوں تجھ سے دکھلا کے اُسی کچھا و جی کو اور مان لی ہو س یہی ہے مانگا جو بشر بری نے بیباک | یوں پائے قلم ہوا ہے بھادی گاتی اور ناچتی بڑی مٹی جو چلے آج مانگ مجھ سے مانگا کہ یہ دو بکا ولی کو خاطر کی مراد بس یہی ہے را جا اندر ہوا غضبناک |
|---|--|

بولا کہ اس آدمی کی یہ تاب
 کھو یا تھے تیری آرزو نے
 کی ہے حرکت خلافِ آئین
 اس سختی سے کچھ دنوں پہ تو
 قالب ترا انقلاب کھائے
 بارہ برس اس طرح گذر کر
 اسوقت جان تو چاہے چلے
 روئی وہ بکا دلی یہ سُنکے
 خواہش جو بلاے جان ہوئی وہ
 ناری جلتی پری ہو اب ستائی
 سایا ساز میں یہ جب گرا وہ
 سبزے کی دھوپ چھانوں نخل
 چشمہ ایک آفتاب سا عطا
 بریان کچھ اُدھر نہانے آئین
 بولیں یہ وہی کچھاجی ہے
 وہ چونک کے بوائے ٹھاکہ شد
 اندر کے غضب سے بنکے پتھر
 پوچھا کہ کدھر کہا بہت دُور
 یہ کیمے اُناری سب نے پوشاک
 پرے کا جو کچھ خیال آیا
 بے ننگ یہ سب نہا رہی تھیں

ہے چشمہ آفتاب سے آب
 جاتیری نریا یہ ہے کہ تو نے
 پتھر کا ہو نصف جسم بائیں
 بدائے خاک میں ملے تو
 جامہ میں تو آدمی کے آئے
 پھر پتھر کو ملے پری کا پیلر
 تو اُسکے وہ پتھر کو لپکے
 تڑپا شہزادہ سر کو دھن کے
 ہلکا ہوا یہ گراں ہوئی وہ
 خالی تھا بشر زین تھکائی
 اُفتاد کو سوچنے لگا وہ
 صمد میں بھی نفی سو گیا شل
 عاشق کی طرح بھڑا ہوا عطا
 دیکھا وہ بشر تو کھلکھلا شل
 عاشق جس پر بکا دلی ہے
 بتلاؤ کسان ہے وہ کہا آہ
 ہے بُت سی وہ ایک ٹٹھکے اندر
 بولا وہ کہ پھر کساکہ مجبور
 باہر ہوئیں جامہ سے وہ بیباک
 تن چادر آب سے چھپایا
 موجیں باہم اُڑا رہی تھیں

سو چادہ کہ انکو دیکھے جل
جب خوب وہ شعلہ رونائیں
پوشاک دھری ہوئی نہ پائی
جھک جھک کے بدن چراتی آئیں
دکھلائی کسی نے چشم جادو
جھجھک کے کہا کہ لاؤ مانو
بولادہ چہ خوش تم ایسی کیا ہو
پوشاک جو لینی ہو تو پہنچاؤ
عریانی کے تنگ سے جائیں
شہزادے لے کر کے پاس انکا
پر یان ہو میں رخت بکھن خرسند
شانے پہ چڑھا کے مثل گیسو
واقف اس تنگے سے تھیں وہ
وہ جاے بکا ولی بتائی
بتخانے میں تھا طلسم کا در
عقدہ کھلا شام ہو کر اس کا
دیکھا تو وہ بت تھی مٹھ کے اندر
حق ناف سے لیکے تابہ پاسنگ
چوسے جو قدم اس آدمی نے
نرمی سے کہا بکنیر گندی
ہم پر تو چرسے وہاں یہ پتھر

خس پیش کیے وہ جاں گل
باہر بصد آب و تاب آئیں
جانا کہ حریف نے اڑائی
رک رک کے قدم بڑھائی آئیں
چمکائی کسی نے تیغ ابرو
ہم کو بھی بکا ولی نہ جانو
ڈرنے کا نہیں مین کیا بلا ہو
بولیں وہ جلو کہا قسم کھاؤ
ستار کی قسمیں سب کھائیں
خلعت سادیا لباس اُن کا
ہو جیسے ہوا حباب میں بند
اُس گل کو اڑا یا صورت بو
سنگدیا اسکو لے گئیں وہ
دیوانے کو باولی بتائی
ششدر ہوا چارست پھر کر
شق مثل قمر ہوا در اسکا
جسم آدمی ابری تھا آدھا پتھر
تھا کوہ سربین کے کنگے پاسنگ
سینے سے لگا لیا بری نے
اکس سختی سے تم بغیر گندی
تم کیونکہ بچے کہا مقتدر

گر پڑ کے زمین پر مثل شبِ نسیم
 جذبہ تم پاس کھینچ لایا
 آآخر شبِ فسانے کھ کر
 یہ درمانند چشم بے خواب
 پیش از دم صبح تم نکل جاؤ
 مصروف کو جو ہو ضرورتِ ناز
 کانونِ مین سے موتی کچھ نکالے
 صدقے وہ بشر ہوا بری کے
 پاؤں اُسکے چھوٹے تو نچ سے پائے
 آنکھوں سے یہ دیکھنا ہوا تھر
 بازارِ مین جا کے بیچے کو ہر
 کھڑا جوڑا نفسِ حویلی
 جب نزلِ شبِ مین رہزینِ فتنہ
 گنبد گردون کا تھا جو بے در
 ستاروں سے کر کے استغاثہ
 دیکھا تو درِ قبولِ واعظا
 شبِ سایہ زلفِ مین بسری
 تقدیر نے راستہ بھلا یا
 حیرتِ اسکی ماہ پارہ
 دیکھا تو جوان تھا یہ تصویر

پھر ربیون کی مھر سے اٹھے ہم
 سختی اب دُور ہو خدایا
 بولی وہ بری کہ لے دلاور
 ہو تلمبے سحر کو بند بیتاب
 کل پھر سرِ شام خیر سے آؤ
 زیورِ مرا بچھ سے لہو یہ لکھر
 دامن بہ مثالِ اشکِ آسے
 قدموں پہ گرا بکاولی کے
 آنسو چھوٹے گھر اُٹھائے
 پتھر لگئی چشمِ حلقہ دور
 آگے کو بڑھا چلا سوسے شہر
 مفلس سے ہوا وہ صاحبِ نذر
 جو جو شے چاہیے تھی لے لی
 بے کو ہر شبِ نسیم آیا پر سونہ
 ماہانِ ہوسے سین ماہِ دختر
 اُس بُرج کے کُنج وہ مہِ صفا
 رگڑا اُنھیں ایڑیوں یہ ماحقا
 لی صبح کے ہوتے راہ گھر کی
 را جا کے محس کی جانب آیا
 غرنے مین سے کرتی تھی نظارہ
 صورت پہ فدا ہوئی وہ بچہ

وان تیر نظر جگر سے گذرا
 باپ اُسکا اُسی کے ساتھ پایا
 مشاطہ خوش ادا روان کی
 خوش خوش آئی کہا مبارک
 دُستِ رکتا ہے ماہِ سیم
 ہر شہر کے تاجدار آئے
 طالع قسمت نصیب تقدیر
 کیسی رانی کہاں کا راجا
 غنچہ کی گرہ میں کیا ہے جز داغ
 کب چشمہ مہربن ہے پانی
 دُر ہو مرے سامنے سے چل دو
 قسمت کی طرح پلٹ گئی وہ
 آنکھوں میں لگا خیال پھرنے
 زہر سے ہوا اُسکا ہاتھ خالی
 بدتر آیا وہ سرو بالا
 راجا تک رفتہ رفتہ پہونچا
 موقع وہ ملا تو کیا براعت
 سمجھا کے دبا کے دست پا کے
 بھیجا کھلے بندوں قید خانے

یان پردہ در نظر سے گذرا
 دستور تھا بیٹی جسکو چاہے
 راجا سے خوش خبر بیان کی
 شادی کی خبر سے وہ یکایک
 اس شہر کا چتر سین رہا
 ہر ملک کے شہر یار آئے
 راضی تجھ سے ہوئی وہ بے پیر
 بیجا وہ ہوا کہا کہ جا جا
 دکھلا نہ مجھے ہرے ہرے باغ
 اُلفت میں ہے آبرو گنوانی
 مکار تو مجھ سے کرتی ہے زور
 ہٹ دیکھ کے اسکی ہٹ گئی وہ
 پایا جو جواب منظر نے
 تقدیر کی بات ہر زور
 من سانپ کا ران سے نکلا
 کیا جو ہری مول کرتے اُسکا
 جو مدعیوں کا مدعا تھا
 جھٹلا کے ڈرا کے غل جلا کے
 من چھین کے چوری کے بہانے

۱۔ قولہ بیجا وہ ہوا الخ غائبہ بیجا تعریف ہو سیکھالی جو معنی ترش و غصہ ہو سیکے ہیں ۱۲۔ م شس
 ۲۔ قولہ من چھین کے الخ کھلے بندوں یعنی کھلے خانہ اور کھل کھلا اور بے تحلف بھیجا ۱۲۔ م شس

| | |
|---|---|
| <p>زنجیر میں یا تو ن زلف میں دل دم کے دھاک گئے ہونٹھ سینا رانی سے کہا کسی بہانے زندگ میں ہے وہ عزیز مرنا یہ ماہ تمام ہونہ جائے بگڑے ہوئے کونٹانے آئی نہی حقہ بھلقہ زلف و زنجیر زنجیر کی ہلائی اُس نے کب اُس کو خیال بند یا تھا بڑی کٹوائی بیگنہ کی انکار و گریز جانے دو آؤ یہ سمجھی کہ بھانسا گفت گو میں یاں دھیان کہ بت کا پارسا ہوں آئی تو محل میں مچ گئی دھوم سعدین کا زائچہ رٹایا</p> | <p>زندان میں وہ نیم جان وہ سہل غم ٹھکانے لہو کے گھونٹ پینا داروغہ محبس جھانے یوسف کی خبرے اذبحنا اس چاہ میں کام ہونہ جائے وانا مٹھی وہ جیل خانہ آئی دیکھا تو وہ سر نکون تھا لکیر آگھ اس سے نجب ملائی اُس نے پابند و فدا وہ مبتلا تھا رانی نے جو بید لی نگہ کی قدموں پر گری کہا اٹھو آؤ اٹھو وہ پری کی آرزو میں وان دھن کہ صنم سے کہ خدا ہوں تجویز کے لئے اپنے مفہوم راجا نے ستارہ وان بلایا</p> |
|---|---|

لے قولہ غم کھانے آئے دم کے دھاکوں سے ہونٹ سینا یعنی ناراض سے ہونٹھو کو سہا کرنا
مائل یہ کہ اپنے دم کو گھونٹ گھونٹ کے وقت گزرتا تھا ۱۲م ش ۱۱۷۱ قولہ اس چاہ میں آؤ
تمام نہو جائے یعنی مرغابے لفظ تمام میں دو سر پہلو لطف کا یہ ہے کہ ماہ تمام پورے چاند کے
معنون میں بتل ہے جسے چودھویں رات کا چاند کہتے ہیں ۱۲م ش ۱۱۷۱ دان دھن آئے یعنی تاج الملک
اس خیال میں تھا کہ میں بت یعنی بکاولی کا پرستار ہوں اور ممکن ہے کہ بت کا پارسا ہوں تحریف ہو بت کے
پاس جانوں۔ کی بہال سے مراد بکاولی ہو جو نصف چتر کی ہو گئی تھی ۱۲م ش ۱۱۷۱ + + + + +

| | |
|---|--|
| <p> دن وصل کے وہ ماہ نو سر شام دروازہ کاٹھ کے دیدہ و انتھا آیا تو وہ کب سے تکتی تھی راہ دیکھے جو خانی ہاتھ بے راگ پوچھے کیا کہ بن آئی کس بنی کی توفیق بیان تنگ جو لاتی قدموں سے لگا پسا ہوا وہ رانی کی وہ مھر و سرگ رانی من بیچنا اپنا قید ہونا چتر اوت کا وہ آپ آنا شادی نہیں کچھ خوشی سے مانی غم بھاکہ ترے قدم سے چھوٹا پیار می نہیں جنت کی جنگال زنجیروں سے پائون ہے نکالا گلے دین بال اگر چھوٹے ہوں بگڑی وہ کہ چل بنانہ باتیں میری تجھے ایسی کیا لگی تھی </p> | <p> غائب ہوا میر کر کے کچھ کام توبہ کا در کھلا ہوا تھا دیکھا تو کہا کہاں رہے وہ تلوؤں سے پری کے لگ گئی آگ کس راہ کی زن نے رہنری کی منہدی پائون کی گھس نہ جاتی منہدی کا جو رنگ تھا کسا وہ را جاکي وہ قسم حکم رانی دامون کے لئے وہ صید ہوتا سب کیمکے کہا خدا ہے دانا بے تیرے تھی مرگ زندگانی شادی کے ہانے غم سے چھوٹا ہاتھ ایسے لئے کہ ہو گئے لال زلفوں پہ نہیں ہے ہاتھ ڈالا چھالے پڑ گئے اگر چھوٹے ہوں مجھ سے کوئی سکھے ایسی کہاتیں تلوؤں سے ترے حنا لگی تھی </p> |
|---|--|

لے قولہ پچھلے مصرعہ دوم میں غائب کس راہ کی زن تحریف ہے کس راہ زن آنے کی اور مضمون
 دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے یعنی رہن اول میں زن راہ اور رہن دوم میں راہ مارا شام
 لے قولہ قدموں سے آگ پسا ہوا وہ یعنی مصائب نے نکالا کافروں سے اور کافروں نے شام
 لے غم تمام یعنی میری جگہ میری غم میں لگا گیا تھا شام کے فیوض سے بھرا ہوا غم جاتی سے جہان میں لگا

تنگ آیا تو دیکھ قید خانہ
 پتھر کی اگر کو تو مین ہوں
 سستی ہوں جہان کی سستی
 اس تنگ نفس کو بھیجی ہوں باغ
 قسمت سے منہ اب نہ ہوں
 کب چاہے گی عقل مصلحت سب
 راضی ہیں خدا کی جو رضا ہو
 وہ مقتدر اسکے پائوں چھو کر
 آیا تو وہ نوع و سرب
 نیند آئی جو تھی بصد کدورت
 سوئی تو تھی انتظار میں وہ
 سونے جو کئی شب جوانی
 تھے صبح سے دونوں شام جوانی
 دونوں تھے تصور نہیں کامل
 دو آنکھوں کی طرح ایکجا تھے
 کروٹ لیکر وہ غبر میں ہو
 چکی ہوئی پٹھان سے وہ لکیر
 حیرت چھائی تو کھو گئی یہ
 غافل اسے چھوڑ کر اٹھا وہ
 یہ جاگے ہوئی وہ فتنہ بیدار
 دوری نے جو حد سے کی دلازی

آسان نہیں کر لی اٹھانا
 نور لا جگر کو تو مین ہوں
 آسائش جان نہ تندرستی
 سنگینی زان نہ جٹے کا داغ
 پتھر کے تے و بابہ دامن
 تم تو کرو شادی ہم کرین رنج
 ہوتی ہے سحر جلو ہوا ہو
 اٹھا اچھائی یہ رکھ کے پتھر
 بستر پر تھی شکل نقش دیبا
 تھی چین چین شکن کی صورت
 جالی تو ملا کسار میں وہ
 سوختہ نصیبی اپنی جانی
 شب کو ہوئی داخل شبستان
 خلوت خانہ تھا گوشہ دل
 پر دل جو ملا نہ تھا جدا تھے
 اٹھ جٹے کا سوچتا تھا پہلو
 آئینہ کی پشت پر تھی تصویر
 غفلت آئی تو سو گئی یہ
 بیکار تو بری کے رخ گیارہ
 دیکھا تو تھا تکیہ جائے دلدار
 جانا کہیں ہے عشق بازی

| | |
|--|--|
| <p>اُس رات کو جب کی ہو رہی وہ وقت سحر اسکو پا کے رانی خلوت خانے سے باہر آئی حکم اُنکو دیا کہ شام کو آج سایہ کی طرح سے ساتھ رہنا جس وقت چلا پری کا مانوس وہ ٹھہرے وہ پری مقام دیکھا ایک انہین سے رانی پاس آیا صورت یہ ہے جو نگاہ کی ہے آنکھوں نے اُس انجن کو دیکھا صل و گہر ایک درج میں ہو آنکھ اسکی پر سکے خون میں ڈوبی یاں لے گئے وہ برج کھڈ واؤ یاں سے چلے لوگ وائے وہ زار توڑا وہ ٹھہرے حباب آسا شہزادہ کے آگے بچلے پاس اُسکا ذرا انہین کیا کچھ</p> | <p>کل سمجھو گئی کہہ کے سُر ہی وہ ہم بستر خواب سرگرائی در بانوں کے پاس در پرائی جانا ہمراہ صاحب تاج جو آنکھ سے دیکھنا وہ کہنا سایہ سے پس قدم تھے جاسوس وہ بچ وہ مہ تمام دیکھا کی عرض کہ لو سراغ پایا اک ٹھہرے میں صورت اک پری ہو بکجاست و بر امن کو دیکھا شمس و قمر ایک برج میں ہو مرنج بنی وہ ماہ خوبی وان بولی بکا دلی کہ کو جباؤ لیکایہ ادھر ادھر وہ خوشوار پھوڑا بے دل کا آبلہ سا انعام دیا کھٹے خزانے اور اُس سے کہا کہ کو سنا کچھ</p> |
|--|--|

۱۰ وقت سحر اٹھ مینی بھکے بیدار ہو کر جب راجہ کی بیٹی نے تاج الملک کو اپنے پاس گہری
نیدون سوتا پایا تو خواجگاہ سے لٹھ کر باہر آئی ۱۱ شمس ۱۲ قولہ وہ ٹھہرا پری
مقام مینی پری جیسا مقام وہ پری مصرعین لفظ تمام صفت ٹھہرے انہین ہو بلکہ سب کے
مسنی مراد ہیں مذکر کامل اور پورا ۱۳ شمس ۱۴ قولہ آنکھوں سے الم ثبت و
برہن کو مینی بکا دلی اور تاج الملک کو ۱۵ + + + + +

| | |
|--|--|
| بنیاد فادکھو ڈوالی غائب رہتے تھے روز شب بھر سُنتے ہی وہ بقیہ راز لپکا دیکھا تو وہ ماہر و نہ وہ بُرج شور اس نے کیا کہ کیا یہ خبر ہے بنیاد برا فگنی کی بانی کھدوا یا جب اُس نے ٹھہر بھڑ وان ٹھوکرین کھائی سخت تھینک ہونا تھا یہی تو شکوہ کیا ہے حیرت زدہ چپ خموش سُنان آیا تو ہنسی وہ شوخ رانی تقدیر کو گل کھلانا تھا یوں دوران کو بھٹا انقلاب منظور اُسدن سے ہوا وہ اُس سے ماؤں جب کام روا ہوئی وہ رانی | جا سوسون نے کھود کر نکالی اب دیکھو گے جا کے خاک پتھر دوڑ بے اختیار لپکا وہ لعل گران بہانہ وہ دُرج آواز آئی کہ بے خبر ہے ہے سوت مری تری وہ رانی رہنے کو ملا ہمیں مکان اور سنگست بجائے خوشن سنگ جا کچھ دنوں صبر کر خدا ہے ٹوٹا ہوا دل بندھا ہوا دھیان گویا وہ ہوا بخوش سیانی تو خار سے بیخ کن ہوئی کیوں مختلر خدا ہے بندہ مجبور راتوں کو رہے وہ شمع فانوس گذری بس راز کا مرانی |
|--|--|

پیدہ ہونا کا دلی کامقان گھر میں اور جوان ہو کر ملنا آج الملوک سے

| | |
|--|---|
| فقطون سے ہوا بے سلم کا دھقان جب ٹھہر کی رہی بیخ و بنیاد دھقان تھے نئے زمین کے جویا | صفحہ کی زمین پہ دانہ افشان جیسے کہ ہو گرد باد بر باد سرسون کا کھیت اُنھوں نے بویا |
|--|---|

جب چین سے کیچکے ترود
دھقان کی زوجہ کے کھلے گیس
کھاتے ہی حمل کا ڈھنگ پایا
وہ بانج تھی جب حمل قبولی
ایام مستحرمی گذر کر
صورت میں پری چال میں حور
مشہور ہوئی وہ ماہ پارہ
وہ منتظر ظہور نیرنگ
چرچا سنکر چلا کہ دیکھوں
جانا کہ پری وہ سوختہ تن
پہرہ سے پری کا ڈھنگ پایا
دھقان سے کہا کہ سیم وزرے
دھقان نے کہا کہ میرے صاحب
دختر جو پسند نہ لقا ہے
بھل سے نہیں پیر کو سروکار
سمجھا وہ کہ میوہ ہے ابھی ظام

لکھیتی کی ہوئی زمین پہ وا شد
کھانے لگی نوج نوج کے ساگ
سرسون سا تھیلی پر جمایا
سرسون آنکھوں میں سب کے پھولی
پیدا ہوئی اک حسینہ دختر
نائل سی دامن تھی پیش کا فور
لوگ آنے لگے نظر پارہ
سینے تاج الملوک دل تنگ
دیکھا تو کعب نظر میں نہون
سلیمین سے ٹپکے کلی کنان
اندر کا وہ قول یاد آیا
دولت صد سے یہ پیر سے
باتیں یہ تھیں نہیں مناسب
کمبتی نہیں مل بے بہا ہے
جب تک کہ ہو کام کا نہیں بار
عورت ہو جوان تو کچھ کام

۱۔ جب چین سے نہ وا شد دن نگفتہ ہونا اور ظام ہونا میں سرسوں جہان دلی تھی اس زمین سے
سنو نور ہوا حاصل کہ سرسوں کے کھیت کا نشو و نما شروع ہوا ۱۲ مئی ۱۸۷۱ء کو کھیت ہی مل ام
ظاہر مصرع اول تحریف ہو سے کھاتے ہی وہ ساگ مل پایا کی یا سے کھاتے ہی ساگ مل پایا
کی کیونکہ جب دو دو طرح سے بے تکلف لفظ مل سکون اوسط موزون ہو سکتا تھا تو ایسے موزون
نشاورد و مستاد و نون کو یہ عجیب پیش آتا قرین قیاس نہیں کہ قاعدہ ساکن کو
متحرک کر کے استعمال کرتے ۱۸ مئی ۱۸۷۱ء سے وہ بانج تھی ام مصرعہ اول غالباً
تحریف ہے وہ بانج تھی مل جب قبولی کی ۱۸ مئی ۱۸۷۱ء

یہ سوچ کے گھر پھر اوہ دلسوز
 دن دن اسے ہو گیا قیامت
 چلتی تو زمین میں سر و گرتے
 خوابان ہوئے ہم وقار اسکے
 کہ بے سرو برگی اپنی دہقان
 شہزادہ نے ایک دن پھر اگر
 دہقان نے کہا کہ یا شہنشاہ
 صحبت ہے برابر ہی میں زیبا
 دہقان زادی وہ بے محایا
 خوابان سے مرے ہوتو ناخوش
 مطلب کو سمجھ کے گھر پھر اوہ
 بیان تو یہ حساب کرتا تھا رسن
 گذر بار سے جو عہد سختی
 و خضر وہ بکر کے باپ کا ہاتھ
 وان تھا کسی وقت کا دھینہ
 اگنا نہ کسی سے میں پری ہوں
 ایک آدمی زاد کی بدولت
 ناگاہ سمن پری لیے تخت

آیا کیا اُسکو دیکھنے روز
 بوٹا سیڑھی وہ سر و قامت
 باتیں کرتی تو پھول جھڑتے
 دہقان ہوئے خواستگار اسکے
 بولا کہ ہے رب کے ہاتھ سامان
 شادی کو کہا صاحب اٹھا کر
 تم کوہ و قمار میں پر کاہ
 نسبت ہے برادری میں زیبا
 بول اٹھی کس آن سے کہ بابا
 ہے دختر ز نصیب موکش
 وقت آئی کا منتظر رہا وہ
 وان لوگ ارم کے گئے تھے دن
 آئے ایام نیک بختی
 یہ بچھوٹے مکان کے لیکن سلطنت
 دکھلا کے کہا یہ نے خرینہ
 تو کیا جانے بکا ولی ہوں
 لالی تر سے گھر ہے جگہ مست
 وار دہوئی اور کہا کہے رخت

لے شہزادہ نے ایک دن اپنے چاہا اٹھا کر یعنی جہانگیر نے اپنی جہانگیری سے اس کے باپ کو اپنے مقابلہ میں
 یہ تکلف کر کے بہر حال چاہا اٹھا دیا یعنی پردہ مٹا دیا اور کر دیا اور چاہا ہو جانا عاوردہ منتظر اور منتظر ہی
 فصیح عاوردہ ہے ۱۲ ام شمس سلطہ خوابان سے مرے اہم دختر ز مراد انکو یعنی انکو
 اسکی شہن ہوں کا حصہ ہوا کرتے ہیں ۱۲ ام نہ بد

| | |
|---|---|
| <p>فیروز شاہ جمیلہ دانا پورپ کا وہ شاہ شاہ بانو جو جو آیا بلا تکلف سلطانوں کی قدر دانیان کین چندے رہا مجمع بد و نیک روح افزا سے بکا دلی کو رکٹ ہوا اس پر سی کا شکل</p> | <p>حسن آرا اور روح نسا اطراف سے مملکت کے مین تو اک قافلہ سے ملا وہ یوسف مہمانوں کی سینہ بانیان کین خصت ہوا رفتہ رفتہ ایک ایک لفت تھی رو کی دل لگی کو یہ دل لگی اب لگا لگی کی دل</p> |
| <p>عاشق ہونا بہر م وزیر زادہ تاج الملوک کا روح افزا پر بھیج اور شادی ہوئی بکا دلی کی سعی سے اور کامیاب ہنا جب ختم یہ داستان یہ آئی روح نسا کو بکا دلی نے اک شب کہ وہ زلف مہر خان تھی وہ مست مومنانہ گوئی</p> | <p>یون شاخ قلم شکوفہ لائی رو کا جو یہاں کئی مینے یا آتش محسوسہ کا د خان تھی ہتھابی یہ چاندنی مین سوئی</p> |
| <p>۱۵ روح افزا سے الم صفر و قدم مین رو کی غائباً تحریف ہے وہ کا کی۔ کیونکہ وہ کا بہت رو کی کے نصیح تر ہے اگرچہ رو کی غلطی سے بھی چونکہ بکا دلی روح افزا سے مانوس تھی اپنے دل بٹلنے کے لئے اسکو جانے نہیں دیا ۱۲ م شمس ۵۲ زکنا ہوا الم یعنی روح افزا کا بکا دلی کے رو کے سے دگ جانا روح افزا کے لئے اثر شکل ہو گیا ایلئے کہ بکا دلی نے تو اپنی دلی کے لئے رو کا تھا مگر اس رو کرنے کی وجہ سے دل کے لگ جانے کی جلا مین مبتلا ہو گئی یہ شعر کا مقولہ مصنف ہے چنانچہ اسکے بعد سی کے دل لگ جانے کا بیان ہے ۱۲ م شمس ۵۲ اک شب کہ وہ الم زلف مہر خان باعتبار سیاہی بابا اعتبار دراز سی کے ۱۲ م شمس +</p> | <p>۱۵ روح افزا سے الم صفر و قدم مین رو کی غائباً تحریف ہے وہ کا کی۔ کیونکہ وہ کا بہت رو کی کے نصیح تر ہے اگرچہ رو کی غلطی سے بھی چونکہ بکا دلی روح افزا سے مانوس تھی اپنے دل بٹلنے کے لئے اسکو جانے نہیں دیا ۱۲ م شمس ۵۲ زکنا ہوا الم یعنی روح افزا کا بکا دلی کے رو کے سے دگ جانا روح افزا کے لئے اثر شکل ہو گیا ایلئے کہ بکا دلی نے تو اپنی دلی کے لئے رو کا تھا مگر اس رو کرنے کی وجہ سے دل کے لگ جانے کی جلا مین مبتلا ہو گئی یہ شعر کا مقولہ مصنف ہے چنانچہ اسکے بعد سی کے دل لگ جانے کا بیان ہے ۱۲ م شمس ۵۲ اک شب کہ وہ الم زلف مہر خان باعتبار سیاہی بابا اعتبار دراز سی کے ۱۲ م شمس +</p> |

سلطان کا وزیر زادہ ہرسم
لکھی دیکھی پر سی کی جوئی
لکھنے سے مگر بکا ولی کے
جب کاکل شب سے روئے خورشید
دیکھا تو ماہ نو کا تھا برج
بیتابی نے کچھ قرار پایا
ہتابی پہ چاندنی جب آئی
اُس فتنہ کے خواب تک آیا
تجویر رہا تھا گھات گون کی
انہو شمس کی موج سے وہ مضطرب
پچھلے صحن تک وہ آیا
مٹی کے خاک وہ ہوائی
ہوتے ہی سحر کے روح افزا
مستعشق سے رہ گیا جو ناکام
تہنا جو سمن پر سی تھی اک روز

گلشت چمن میں تھا گل اندام
ناگن سی اس کے دل پہ لوٹی
بھاگا سایہ سے اُس پر سی کے
آبان ہوا بہر چشم امید
رکھتا تھا اور بیکانہ وہ درج
مجبوری میں اختیار پایا
سایہ نے پر سی پہ کی چڑھائی
مانند سہما وہ نہ تک آیا
ناگاہ وہ مست خواب چونکی
بھلی سی نکل گئی تڑپ کر
مستاب کے پیچھے جیسے سایا
انسان کو پر سی نہ ہا تھا آئی
رخصت ہوئی لکھ کر رکھ کے پردا
تھا غم سے کنار گور بہرام
قد مون پہ گرا اکسا بصدور

لکھی دیکھی پر سی کی آٹھ ویں بیوی جس عضو سے سن کر ماتی ہے وہ
مقام شرمناک ہے اسی طرح اس کی جوئی کی ناگن نے اسکے دین بڑ کرنے کے سبب سے اسکے
اسکے عشق کا داندرا یا نجی کر دیا ہم شمس ہتابی پہ الہ یعنی جب بات ہوئی یا جب چاندنی
نے کھیت کیا سایہ سے ملا بہرام وزیر زادہ یعنی بہرام روح افزا کی جانب جلا شمس شمس کی
الہ شمس بہرام روح افزا سہما کی تشبیہ باعتبار نظر کے ہوئے کہ سہما ہتابی کے قریب ہو کر نظر
آیا کرتا ہے ورنہ در حقیقت مکان سہما تحقیق طلب ہے کہ فی الواقع کوئی آسمان پر ہے سہما
ماہ سے بہت دور سی جو کیونکہ مکان ماہ آسمان اول ہے شمس + + + + +

دل سے ہوں فلکے روح افزا
 بولی کہ اسے بشر بشری ہے
 شہزادے کے ڈھنگ پر تو چل
 بولایا کہ مجھ سے اس سے ہوا
 واقف تھی پر ہی کے دیس سکھ
 فردوس میں مالن ایک تھی حور
 پوشیدہ گھر کے لائی اسکو
 فردوس کی سیر کے ہانے
 روح افزا کے لئے بنفشہ
 حاجت کو ذرا گئی جو باہر
 تحریر کیا کہ بے مروت
 افسوس تھے تو آرزو ہو
 لیکن تو زبکہ خود نہا ہے
 یہ لکھ کے ہٹا تو مالن آئی
 روح افزا کا سنگھار کر کے
 اکٹٹ سے آئینہ دکھایا
 مضمون جو پڑھا پر ہی تھی دانا

مرتا ہوں براے روح افزا
 روح افزا کیا بکا ولی ہے
 ہمتلے فلک نہ ہو گا بادل
 شبنم کی ہے آفتاب کو چاہ
 لے ہو چکی زلزلے جھیس سے وہ
 گچھیرہ پر ہی بنفشہ مشہور
 منجھ بولی بہن بستانی اسکو
 چھوڑا منزل یہ رہنمانے
 گلدرستہ بناتی تھی ہمیشہ
 بہرام نے پشت آئینہ پر
 آئینہ ہے تجھ پہ سیری صورت
 اور آئینہ تیرے رو برو ہو
 خود بینی سے جو کس بجاہے
 گلدرستہ پر ہی کے پاس لائی
 محاسن کی ہوئی جو پیار کر کے
 خط بھی وہ کا کلون کا سایا
 نقش علی نگار جانا

۱۵ بولا وہ کہ اہم شبنم سے مراد بہرام آفتاب سے مراد روح افزا یعنی بہرام نے کہا کہ درحقیقت
 روح افزا کو بھی تیری جاہت ہو ۱۲ امش ۱۵ افسوس مجھے تو مالین نکل تو تیرے دیوار اور دوا
 ہونے کی آرزو ہے اور دوا چاہنا نصیب نہو گر آئینہ تیرے رو برو ہو جائے ۱۶ امش ۱۷
 مضمون جو پڑھا علی نقش علی نگار جانا - نگار نیز یعنی نقش اور نیز یعنی مشتوق یعنی کچھ گئی کہ بہرام
 ہاتھ کا کچھا ہونے نفس کیے ایلا لفظ نگار میں مشتوق کا لطف ظاہر ہے ۱۸ امش ۱۹ ++

مشاطہ کو دیکھ کر اکیلی
ہاتھ لگ کر جو نہ بائی وہ کون
سوچی تو نہ بوجھی وہ کس کل
ہرام اُس سوچ کو سمجھ کر
وہ جانتا تھا نہ اُسکو سوچھی
ہاتھ لگے نہ پائے جو وہ مجذوب
وہ سن کے جو دوسرے دن آئی
سمجھی وہ کہ پوچھ آئی ہے یہ
بولی وہ بھگے تو ہاں نہ سوچھی
روح افزا نے کہا کہ نادان
بولی وہ ابھی چلی میں لائی
اس مردہ کا منظر ہی تھا وہ
امرد کا لباس تھا زنا نا
پوچھ کنو نام کیا کسانگ
یہ سن کے اٹھ سے بٹھایا
وہ جالی کسایہ پردہ پوشی
ہرام ہے توارے وہی جو
بدین سمجھ کے گور کا نام

بولی کہ بتا تو یہ پہلی
ہو کر جو نظم نہ آئی وہ کون
کدو نگیری کہ آئی بے گل
بولایا ہے کس اٹھ کر
بولو بات کیا ہے بوجھی
ہو کر نہ دکھائی دے وہ محبوب
تقریر سنی ہوئی سنائی
پوچھ کس نے بتائی ہے یہ
نغمہ بولی ہن نے میری بوجھی
ہمراہ سے کیوں نہ لائی تو یان
جا کر طلبی اُسے سنائی
ساتھ اُس کے زمانے میں گیا وہ
دھوکے کھ کھا گئی وہ دانا
پوچھ کہ نشان کس ادل تنگ
بادام بنفشہ کو دکھایا
گندم کے بہانے جو فروشی
رہ تھ کو بناؤں سحر سے گور
بنجرہ اک لائی وہ گل اندم

یہ سنے اشارے سے امیر بادام سے مراد انکھینی اور ہرام کو بیٹھنے کا انکھ سے اشارہ دیا اور
بنفشہ پری کا اشارہ دیا کہ وہ بھی حقیقت حال کی سر ہو گئی پھر ہرام سے کہا کہ اس سحر پر وہ پوشی کہ منتہی
میں کو تو زنا میں داخل کیا لفظ بادام کے ایسا کہ کافقت ہے کہ بنفشہ ایک گل کا نام ہے جو
خاص شیرین عمدہ ہوتا ہے رام سن

طوق اُسکو ظلم کا پہنایا
 دن بھر تو وہ فاختہ بھاتی
 غنا زبھی اک خواص اُسکی
 اک دن خیمہ لڑا کے لائی
 کھولا جو وہ بند سحر بنیاد
 گسٹن جو اُس بشر کو پایا
 لوگوں سے کہا ہٹا واسکو
 لوگ اُسکو چلے جلانے
 شہزادہ بکا ولی کے ہمراہ
 دیکھا تو وزیر زادہ بہرام
 جلنے سے پناہ دیکھے اُسکو
 زندہ لے پائے کے حسن آرا
 قابل ہے جلانے کے یہ فاسق
 بولی وہ بکا ولی کہ قربان
 بیلے کا جواب ہے ہووے پیارا
 حسن آرا نے کہا بجا ہے
 بولی وہ کہ پھر عبت ہے انکار
 کیا کہتی وہ دم بخود سنا کی

فری اُسے سرو نے بنایا
 شب کو اُسے آدمی بناتی
 دمساز تھی وقت خاص اُسکی
 حسن آرا کو وہ کل بھائی
 دیکھا تو جسم آدمی زاد
 غصہ غضب اُس پر می کو آیا
 آنشکے میں جلاؤ اُسکو
 تقدیر کے سینے کا رخنے
 گذرا اُسی راستے نئے گاہ
 بوتہ میں تھا شکل فقرہ خام
 فردوس میں آئی لیے اُسکو
 بولی کہ یہ چور ہے ہمارا
 روح افزا کا ہوا ہے عاشق
 یہ کون سی فہم ہے چچی جان
 کیونکر ستم اس پر ہو گوارا
 تم کیون نہ کہو کہ خود کیا ہے
 تب عیب نہ تھا تو اب ہر کیا عا
 سوچی سمجھی رضا خدا کی

۱۷ ایک دن پھر اہل مکہ نے کل بھائی تحریف ہو کر بتائی کی یا کل دکھائی کی
 اور سمجھائی بھی غلط اور قبیح نہیں ہے ۱۸ م ش ۱۷ کیا کہتی وہ اہل سوچی سمجھی اپنی
 جب سوچی تو یہ سمجھی کہ خدا کی مرضی ۱۸ م ش

| | |
|---|---|
| <p>شادی کا خوشی خوشی کیا ساز دور از ادب کھلے بعد ننگ فردوس سے گھر کو آئی وہ خور آباد ہوئی وہ یا سمن بہر سیر شب زلف صبح رخسار بچھڑے ہوئے سب طین خلائ</p> | <p>مرسوم تھے جس طرح کے انداز دوساز طرب سے خوش آہنگ شادی جو ہوئی تو غم ہوا دور گلزار جو اہرین مین آکر حاصل ہوئی اُن گلوں کو بے خار جس طرح اُنھیں بہم ملایا</p> |
|---|---|

تاریخ ختم تمام تصنیف از مصنف

| | |
|---|--|
| <p>گلزار نسیم نام نہاد توقیع قبول روز ریش باد ۱۲ ۵۴</p> | <p>این نامہ کہ خامہ کرد بنیاد بشنید و نوید ماتھے داد</p> |
|---|--|

انتخاب دیوان نسیم

شیشے کے خالی ہوتے ہی بیمانہ بھر گیا
اُن تک میں اپنی آپ ہی لیکر خبر گیا
جھونکا ہوا کاغذ اُدھر آیا اُدھر گیا
یہ جاننا اسکے ساتھ چلا جو جدھر گیا
ہونا جو کچھ ہے ہو گا جو گذرا گذر گیا
روٹھا جو میں تو فیض منائی کہ تر گیا
تسے دکھائی آنکھ مجھے اور میں ڈر گیا
قصہ کیا فساد گیا درد سر گیا
آیا جواب خط تمہیں اور نامہ برگیا

آشنا سے ہو کے بیگانہ چلا
بھبر چکا جس وقت پیمانہ چلا
برٹری غل کرتی ہے دیوانہ چلا
جال نادان رہ گیا دانہ چلا
شمع گل کرنے کو پروانہ چلا
بات نخلی منہ سے افسانہ چلا

جب ہو چکی شراب تو میں مست ہو گیا
نے قاصد خیال نہ پیک نظر گیا
روح روان و جسم کی صورت میں کیا کہوں
بکھا ہر حق کو اپنے ہی جانب ہر ایک شخص
طوفانِ حسیں ہو یا شورِ حشر ہو
شورِ مدی سے میری ہلکا دھنگ تھے
میں بھی نکھین کھی ہیں ریونکی جاؤ بھی
گذرا جہان سے میں تو کہا سُن کے یا نے
کاغذ سیاہ کرتے ہو کسکے کہ نسیم

عشق میں دل بن کے دیوانہ چلا
قُقل مینا سے آتی ہے صدا
بے زبانوں کو بھی آتی ہے زبان
عشق بازی باز مئی شطرنج ہے
شب جو آیا بزم میں وہ شعلہ رو
بوسے گل غنچہ سے کتنی ہو نسیم

چمن میں طرے اگرین کیا نہال ہوا
کیا فی کھلے سلا تے تھے یار کو سوا ب
چنوں کی چاک زنی نے اثر کیا وان بھی
نسیم زد سی مضمون چھوڑینگے شعرا

وہ مار زلف کمرنگ اگر چلا چلتا
اگر نہ ہوتی سلسل وہ زلف عمر دراز
جنون میں گرچہ ہوں پیوند اسن صحرا
طریق شعور سخن میں جو کچھ نہیں اعجاز

شریک بزم ہے ہو تو دور کجے حجاب
عجیب محفل زبانین کل تھی کیفیت
جو خط جو رنپہ تو آنکھوں میں سرمی تحریر
وہ گلزار جو یاد آ گیا چمن میں نسیم

بجز گور غریبان نقش تھو پھر نہیں آگے
زبان مج نے طوفان جولا آتشاؤن پر
نسیم نے ہلی عالمو سے گردش ہر مائیکو

جوش میں آئے ہمار چستان یار یار
صدف وابر گمر بار کو دیکھا تو کھلا

برنگ بنرہ بیگانہ پائمال ہوا
فسانہ عمر ہوئی خواب وہ خیال ہوا
جو خط میں حل لکھا کھا وہ خط کا حال ہوا
اگرچہ شہر کا تب بدیل کو تو ال ہوا

یقین ہے نہ عدم کا بھی راستا چلتا
جنون کے نامورون کا نہ سلسلہ چلتا
برنگ چاک ہوں سے پھٹا پھٹا چلتا
قلم کی طرح سے ہر ایک شکستہ پا چلتا

جو نکلے ناپے پھر کیا لیا گھونگٹ کا
بیالہ بزم میں ناچا سب سے عزت کا
وہی رکھائی کا فقرہ یہ ہر لگاؤ کا
تو آنکھ میں گل ترخار خشک سا کھٹکا

یہیں تک ہر ساف نے تپا پایا ہر منزل کا
حباب بحر تو بھی توڑا پنا آبلہ دل کا
روان گشتی یہ آتا ہے نظر ہر نخل ساحل کا

ابر ہو کف کی طرح موج ہوا سے پیدا
عالم آب میں بھی مچتے ہیں پیاسے پیدا

بند کین آنکھیں تو سوتا کھل گیا
شعر پڑھنے کا بھی فقر اکھل گیا

صیاد کو بتا کہ میں او باغبن ہوا
ہر روز باندھتا ہے نئی آسمان ہوا

خدا کی تماشا ہمارا
یہین سے ہے کعبہ کو سجدہ ہمارا

کھینچے کس سے ہو کیا ہے نقشہ تھارا
پچھلے کپڑے رکھتے ہیں برداشتھارا

شکر ہے چاند کدھر سے نکلا
ہے نسیم آج سحر سے نکلا

آدر خلد کس ارمان سے شدا د آیا
نگہت گل کی طرح ہونے کو بردا د آیا

خود بھی مٹی یقین ہی جو بھلوٹا ہے رنج
بنیاد عیش تم سے ہو ہے بنائے رنج
وہ ابتلا سے عیش تھی یا نہ تھا ہے رنج

کو چہ جانان کی ملتی تھی نہ راہ
آج کیونکر ہو خبر اسکو نسیم

بیل کے منہ سے اڑنے لگی ہرچ ہائیان
ہر شب اسی کچھ تو بگڑتا ہے اسکانیل

بتوں کو جو دیکھا گنہ کیا ہمارا
بتوں کی گلی چھوڑ کر کون جلے

یہ تصویر چہرہ او ترکیون کیا ہے
نسیم اس چین میں گل ترکی صورت

مسلدا و ماہ تو گھر سے نکلا
سیر گل رویون کی کرتا ہوگا

اسکی دگاہ کا رازہ تھانہ جلنے پایا
عشرت آباد چین سے بھڑکیا تو نسیم

ہو رنج عشق میرے لیے میں اے رنج
ہم شیشہ شکستہ میں تم کیف موج ہے
یاتن کی کنار تھی یا اب فشار قبر

قرص کو کھل کر سکین کھامی مان صبح
معنی روشن جو ہون تو سہتر ایک شعر
سیر خیم دید کے بھوکو نکی دیکھو گیتی ہے
صد قرآن پروردگار پاک کی جتنے کیا
صبح دم غائب سے انجم تو ثابت ہو گیا
وصل کی شب آنکھ کھلا کر انجم کہتے ہیں
دیکھ وہ گلشن دن و رات میں گل

تا دیاں شام ہو گیا ہے رزاق نان صبح
مطلع خوشید کافی ہو بے دیوان صبح
سہ پیر شام ہو خوشید تا بان نان صبح
بہر طفل غنچ پیدا شیر بے پستان صبح
خندہ سپودہ پر توٹے کے دندان صبح
تو قیامت کی مشرق سے اٹھا لو نان صبح
ہم تو شبنم سان نسیم لکیم کے ہین نان صبح

زارو فستے ڈبے بھولے زریزہ زور پر
ایک عمر سے خفیہ ہر صاحب کے نام کا
کل تک جو شمع محفل عیش و نشاط ہو
بئیں سے لاکے پہن کیا سر عشق فاش

کئے نگاہ حال سلیمان و مور پر
ماجن کچھ ہین انگلیوں کی یور یور پر
جلتا ہین چرخ بھی آج ان کی گور پر
واقف ہزار تھے تو کھلا اب کرور پر

دل بدل آئینہ ہے دیر و حرم
خواہ کعبہ خواہ بچانہ کو جا
کفر و ایمان دونوں جانب کی سنے
رخنہ انداز و نکی کب چھپتی ہے آنکھ
ایغ ہو یادشت ہو قسمت نسیم

حق جو پوچھو ایک ہے دو طرف
درشت دل کار ہلڈ ہے دو طرف
اسیلے گوش بشر ہے دو طرف
چشم روزن کی نظر ہے دو طرف
کوچ کی اپنے خبر ہے دو طرف

شخ سے چھو جو گیا بادِ سحر کا دامن
بے حجابی پہ وہ در پر وہ جو آبلہ

صبح شبنم نے بھگوا گل ترکہ دامن
شرم کھ لیتی ہر آنکھوں پہ نظر کا دامن

آئے ہزار ہا ہشیارست ہو شیشہ کی فتح تو بہ مڑ کی شکست ہو
قلعہ سنگ چھڑتے ہیں مڑ پرست کو شیشے سر و دیا دلا تے ہیں مست کو

ذلت ہو جو پھیلائے بشیر پیش بشیر تھو بارب کبھی تھو کا ہو دست نگر تھو
خوشید کے پنجہ سے اشارہ ہو کہ غافل اندک کی جات کو اٹھ اوقت سحر تھو

ساغر بکف جہان کوئی مست است ہو بیضے سو سو بھی وہاں باغ دست ہو
دوانہ باغش تاغم تو دیگران خورد واندہ ہوشیار ہو وہ جو کہ مست ہو
باغ جہان میں غاک کوئی فیضیاب ہو غنچہ کی مٹھی بند ہو گل باد دست ہو
یا با تھو توڑی جائینگے یا کھولینگے نقاب سلطان عشق کی یہی فتح و شکست ہو
یا نوین بیزان ہیں تو با تھو نہیں تھو کدی کیا کشور جنون میں مرا بند بست ہو
تھو محو زلف دیدہ ردل بھی آ پھنسا مچھلی کو کیا خبر ہو کہ بانی میں شست ہو
تیرے کنار لطف میں لے دایہ ہا ہر صبح طفل غنچہ گل شیرست ہو
اے مرغ دل تو شاخ نشین سے گر پڑا حیف اشیان بلند ہو پدا رشت ہو
جسے ہم کہ بیٹھے ہیں جاگیر دشت میں غنچہ کے وقت سے کین افزون نشست ہو
شاگرد خواجہ آتش ہنسی جو ہو سیم کتے ہیں پارسی کہ یہ آتش پرست ہو

جب نہ جیتے جی مرے کام آئیگی کیا یہ دنیا عاقبت بخشائیگی
جب لے دو دل محل بھر کون ہے بیٹھ باؤ خود میا اٹھ جائیگی
گر یہی ہے اس گلستان کی ہوا شاخ گل اک رو رہو جھونکا کھا جائیگی
داغ سودا ایک دن دے گا ہا فصل اس گل کی شکوفہ لائیگی

کچھ تو ہو گا جس میں انجام کار
بیتقاری کچھ نہ کچھ ٹھہرائیگی
صند لی رنگون سے مانا دل ملا
دور در کی کس کے ماتھے جاگی
خاکساروں سے جو رکھے گا غبار
او فلک بدلی تری ہو جائیگی
جب کرے گا گرمیاں وہ شعلہ و
شمع محفل دیکھ کر جل جائیگی
جان بھل جائیگی تن سے اوس نسیم
گل کو بوے گل ہوا بستلایگی

خسہ نہ بن کر خود غرض ہو جائے
مشل ساغر اور کے کام آئے
ابر رحمت سنتے ہیں نام آپ کا
خاکساروں پر کرم فرمائے
آپ آہو چشم ہیں آہو نہیں
ہم سے وحشت کی زیبح آئے
صبر رخصت ہو تو جانے دیجئے
بیتقاری آئے تو ٹھہرائے
جو صبر تیغ نگر کھل جائیگا
منہ نہ میرے زخم کا کھلایے
دل میں ہر د کھلائے تاثیر عشق
ٹھنڈی سانسوں سے ٹھنڈی گمائیے
سر آہن بھرتے ہیں جب ہم نسیم
کتے ہیں وہ ٹھنڈے ٹھنڈے جلیے

مشت دلا کسی کی نہ اصلاً اٹھائے
مر جائے نہ ناز مسیحا اٹھائے
جیلے مگر چنار کے پنچ کی طرح سے
بہر و عائد دست تمنا اٹھائے
سیلی موج حادثہ بڑی ہولے حباب
اس بھر بے کنار میں سر کیا اٹھائے
کیا کیا حسین چنے ہو مٹی میں مل گئے
افسان سمجھ کے خاک سے ذرہ اٹھائے
جاہ اپنی مانتا نہیں وہ بے یقین اگر
قرآن کا جامہ پہنے گنگا اٹھائے

دل سے ہر ہم میں آواز بگاتی ہے
بند کانوں کو بھی گریہ کی صدا آتی ہے

دل سے ہر کلمہ تک کئی اتر کر می شوق
اشک حسرت سے نگہ آبلہ پا آتی ہے
گل ہو اکوئی چہ رخِ سحری اور بلبل
ہاتھ ملتی ہوئی پتوں نے صبا آتی ہے
آئینہ صاف سکندر کو دکھایا تو نے
خوب اے خضر تجھے راہ بتا آتی ہے
چھو لیا دھوکے سے داناں صیاکو تو کیا
غیرِ گل کہیں ٹٹھی میں ہوا آتی ہے
جقدر وصل کا تھیں ہوتا ہوا فراق
اے نسیم اتنی کبھی یادِ خدا آتی ہے

کیون خوار شک حور ہو تلہ
اوسمی سے قصور ہو تلہ
مراغت سے بھر گیا جو دل
صورتِ شیشہ چور ہو تلہ
خاکِ عافق سے جو درخت اُگلا
طور ہو تلہ نور ہو تلہ
جسکو دیکھا وہ اس نے میں
اپنے نزدیک دور ہو تلہ
خاکساری وہ جو کہ ذرون پر
روز باران نور ہو تلہ

ساقی قلعِ شراب دیدے
متاب میں آفتاب دیدے
ساقی باقی جو کچھ ہو لیے
باقی ساقی شراب دیدے
لیل میں نے تجھے بنایا
مجنون مجھ کو خطاب دیدے
پیا سا جاتا ہے نشتر بار
اور گ کچھ خونِ ناب دیدے
اُس سے نسیم زرنہ تو مانگ
جو چاہے وہ بحساب دیدے

فراقِ دیدہ ہوں میں وصلِ یار باقی ہے
خزانِ رسیدہ چین کی بہار باقی ہے
و فصلِ گلِ نہیں پر عند لب کے نہیں
گلون کا دل غے گچھیں کا خار باقی ہے
ہوا تو کہتی ہو صاف آمدِ بہار چین
صلے غنچہ و صو تِ ہزار باقی ہے

غبارِ راہ ہوں پر خاکساری کستی ہے ہولے امج و دماغ و قاریاتی ہے
بتوں کے قہر سے ہلکا مقام یاں نہیں اسیدِ رحمت پروردگار باقی ہے

بے رنج ہے وہ پر نیل دیوانہ کیا کرے رور و کے آنکھ بھرتی ہے پیانہ کیا کرے
دست و زبان و دیدہ و دل تیر ہوئی غا کرتے ہیں وہ یگانے کہ بیگانہ کیا کرے
عاشق سے گرم ہو کے نہ پوچھو ملن کا محل افروختہ ہوش تو پر و انہ کیا کرے
بے بس کیا ہے مجھ کو زلف یار نے زنجیرِ بانوں میں ہو تو دیوانہ کیا کرے
کتاب ہے رنجِ دل سے وہ خال میانِ خط سبزہ جو دام ہو تو اسے دانہ کیا کرے

کان میں سکے اپنی بات نہ ڈال آبر و مثل آب گوہر ہے
کیا خائف ہے اس چین کی ہوا خار دیتا ہے جو گل تر ہے
نوک رکھ لو برہنہ پائی کی آبلو خار دشت نشتر ہے
ابتو جلتے ہیں اُس گلی میں نسیم ہو رہے گا جو کچھ قدرت

پھنس کے دل میں بل مجھ لیگے زلف کرتی ہے بل سمجھ لیگے
ہم سپاہی ہیں وہ کمان ابرو تنج پکے اجل سمجھ لیگے
نیتِ شب حرام اے ساتی آج تو سوئیں کل سمجھ لیگے
آج ہمیشہ مثلِ سوغن میں نسیم چار دن میں مثلِ سمجھ لیگے

غیر ہے اوشبِ درازِ فراق چاک پیرا ہن سحر کیوں ہے
چشم پوشی نہیں تو رنجِ بہرے پردہ دامنِ نظر کیوں ہے

کچھ نہ پوچھو شکستہ پر کیوں ہو
مخ آؤ مگر کیوں ہو دل اور مگر کیوں ہو
خاک پہ گل کے پاس کیوں ہو

وانہ کے دام میں ہو طائرِ دل
عکس و آئینہ کسکے دھیان میں
بغٹے ہنستے یہ ہیں کہ گھٹین کو

جو دل لیا ہے تو قیمت دلائے نہ بھے
میں ناتوان ہوں بہت آڑیئے نہ بھے
اٹھائیئے نہ حیا کو بٹھائیئے نہ بھے

میں بوسہ نو نگاہا نے بتائیئے مجھے
دھون میں ٹپکتے ہو دم نکل ہی جاوے گا
تھیں قیب کی خاطر ہو لو میں جاتا ہوں

نہ شیشہ طاق سے نہ شیشے سے زرب گے
سب سے بادہ گرے سب کو کیا گے
جیلو جو شب کو تو قیوموں پہ اہتا گے

کیسے دل سے نہ یارب کوئی خراب گے
کوین اپنی جوائے دوزم ساقی میں
جو نہ کو نکلو تو خوشید گرد سر گھوسے

دل ہی نہ ملا تو آشنائی کیسی
سب کچھ ہوں جو بت تو بھر خالی کیسی
اے شیخ یہ تیری پار سائی کیسی

ہم تم ہیں جو ایک پھر جدائی کیسی
کافر نہ ٹھہر گئے خود آرائی کا
نیت میں ہے کہ بانوں پہ ہلے ٹھہرے

کوئی میخانہ سے پھر تانہیں سائل خالی
صبح کو جیسے سافر سے ہو منزل خالی

ہمت پر مٹانے کے زائد چلے
عہد پیری میں روانہ ہو گئی شہزاد

سڑک کا یا ہو درختوں نے شہر کے سامنے
ڈھیر رو انون کا تھا شہر کے سامنے

عشق کے زینچے آگے آسمان بھی پست ہو
خاک دیکھا کچھ شہستان جہان میں افسوس

لائے اُس بت کو التجا کر کے کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے
لبِ نازک کے پاس پہنچے دو تل برابر ہے دلِ سنا کر کے

ہر اک شرہ کی محبت میں ہم سنا پہ چڑھے سر ایک شمع کے پر لائے سان زبان پہ چڑھے
بلند مرتبہ اپنا ہے چشمِ تر کے سبب زمین سے ابر کے مانند آسمان پہ چڑھے

جو چپ رہوں جنوں لیزِ حش کھاتا ہے فغان کروں گریبانِ گلابا تاہو
مکانِ سینہ کا پاتا ہوں دمِ بدمِ خالی نظر بچا کے تو ایدل کدھر کو جاتا ہو

مفقات

پیری میں طرزِ عشقِ جوانی وہی رہا صورت کے ساتھ دل کا بد نہا محال تھا

دھرم کیاب کیا نایاب ہیں کیسیا درویش سچا آشنا

صہب اکشونکی خاک ہو ہر اک مقام پر ساتی لٹھھا شراب کو مستونے کئے نام پر

دارم ز دین و کفر ہر یک قدم دو سیر من میروم بکعبہ و دل سرود بدیر

بل ٹپنے لگا بروے خدا کے اوپر آجے نہ آفت کہیں دو چاکے اوپر

نسیم اس چمن کے جو کاٹوئے لکھون مین اُس گل کی رنگین ادائی ندیکون
 تیرہ دل کی بزم مین جامِ شرابِ آئینہن جانبِ ظلمات ہرگز آفتابِ آئینہن
 قرار پر نہ ملو اضطراب ہو کہ انو شرابِ غیر کو دودل کباب ہو کہ انو
 گلابی آنکھوں سے ساقی کے دل بچے کیونکر شربون مین جو بیٹھے خراب ہو کہ انو
 جلادِ خنجرِ زر کو لیکر جو ساقی فرشتہ ہو ساتھ گھر دیکھنے کو
 بل بے پھنسا لگی یہ کسی بیگناہ کو چوٹی کے بیچ یاد ہین زلفِ سیاہ کو
 اشارہ مین ادا ہوتا جو حق مدعا گوئی بیانِ زبانِ چتون زبانِ بے بیانِ ابو
 نرخِ طلایے رنگِ حینان گرانِ سمجھ آنکھوں کی پتلیاں محاکِ امتحانِ سمجھ
 ایدل نہ چھوڑ دامنِ طفلِ سرشک کو رہ جائیگا برنگِ مرثہ ماتھ ملکہ دیکھ
 خود چلا ہر قدم پہ کتنے نسیم ٹھہر تو نامہ بر کو نگا کچھ
 محاسب کی آنکھ پر جب سے چڑھی دختِ رزِ شیشہ کے دل سے گر گئی

| | |
|---|---------------------------------------|
| ہم تو مرگان کی نط ہم چشمن | خالی ماتہ آکے ہیں ارمان بھرے |
| آن میں نسرق نہ آنے دیئے | جان اگر جائے تو جانے دیئے |
| آکھ تر گس سے جو اسکی رو گئی | صبح دم کیا اوس گل پر بڑ گئی |
| واصر تاکہ نحت جگر تھے جو طفل شک | آنکھوں کے سامنے سے ہمارے نکل گئے |
| وینا میں عیش و غم سے ہیں کیٹھڑ ہوئے | تیشو کے دل ہیں خالی تو ساغر بھر ہوئے |
| گزرے ایہ یک صبا تو دہا کہ دینا | کوچہ زلف میں دل نام جو ان بتا ہوئے |
| دو رخ و جت ہیں اب میری نظر کے سامنے | گھر رقیبوں نے بنایا اسکے گھر کے سامنے |
| پہونچی نہ راحت ہے کسی کو اور ازیت کس ہوئے | جان پری تباہ شکم مجھے کے دہل دوں ہوئے |

مختصر

| | |
|--------------------------------------|------------------------------------|
| کس میں ایجان نہیں ہر و بہت کا اثر | مرو و داغ ہی دکھلاتے ہیں شام و سحر |
| وہو یا نہم سے کہیں جاتا ہو داغ گل تر | یک بیک سے بٹے حرف محبت کیونکر |
| لالہ و داغ ترا جائیگا جاتے جاتے | |

وصل انسان کو پر زاد و نکا ہو ہے دشوار
کہتے کہتے تو ہوئی تگموسیم اب ناچار
فائدہ کچھ نہیں تم مفت میں کیونچے ہو خوار
عشق کو ترک کرو یا نہ کرو ہو مختار

نیک و بد زندہ تھیں ہم ہیں جلتے جاتے

محسن دیگر

زمانہ میں ہیں نکتہ دان کیسے کیسے
خط و خال کے ہیں بیان کیسے کیسے
زبان زد ہیں صفِ بتان کیسے کیسے
دہن پر ہیں لنگے گمان کیسے کیسے

اکلام آتے ہیں درمیان کیسے کیسے

وہ خو خوار عاشق کشتی پر جو آیا
روان جب ہوا تیغ سے تیز تر تھا
کوئی دم کے دم بقیار و نہیں ٹھہرا
نہ مڑ کر بھی بیدار و قاتل نے دیکھا

تر پتے رہے نیم جان کیسے کیسے

تصا جسد آجاتی ہے جان کی دشمن
اجل ہے گزر گاہ ہستی میں بہر
کسی کی انہیں چلتی ہے شفق من
عجب کیا چھٹے روح سے جامہ تن

نئے راہ میں کاروان کیسے کیسے

خزان حار اپنے دکھاتی ہے کیا کیا
شکوہ ہر اک فضل لاتی ہے کیا کیا
بہار اپنے پھل پھول پاتی ہے کیا کیا
زمین زمین گل کھلاتی ہے کیا کیا

بدلتا ہو رنگ آسمان کیسے کیسے

نہ زخمی بدن ہیں نہ گھائل ہوئے ہیں
لہول کے کشتونین داخل ہوئے ہیں
نہ خونی کفن ہیں نہ بسل ہوئے ہیں
تھارے شہید و نہیں مل ہوئے ہیں

گل و لالہ وار غوان کیسے کیسے

وجود بستر کیا عدم ہی عدم ہے
کہ ہے آدمی جب تک دم میں مہر

شکر پر و حرص باز و نعم ہے اکے بقدر شکر قیمت وہ کم ہو

ازے لوطی ہو زبان کیسے کیسے

جو دلسوز فرقت ہیں ہیں داغ سوزان
بنے رہتے ہیں روز ناخواندہ ہمارے
تو مساز ہیں نالہ و آہ و افغان
غم و غصہ و رنج و اندوہ و حیران

ہمارے بھی ہیں مہربان کیسے کیسے

کوئی جانتا ہے کسی کو خبر ہے
کہیں کچھ خیال اور کہیں کچھ نظر ہے
اکہ پردہ میں کون ایضاً جلوہ گر ہو
دل و دیدہ اہل عالم میں گھر ہے

لتھارے لئے ہیں مکان کیسے کیسے

جو خوش ہیں نگ لنگے جمے ہیں
قدم لاکھڑاتے ہیں ساغر لئے ہیں
بے جھول بستیاں کر رہے ہیں
ہمارائی ہے نشہ میں جھومتے ہیں

مُردان پیرِ مغان کیسے کیسے

ہر اک درد کا کر کے لوگ جارا
لے خاک میں سیکڑوں مسند آرا
اجل سے نہ پایا کسی نے گذرا
نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا

مٹے نامیوں کے نشان کیسے کیسے

فسانے جو کچھ حسن اور عشق کے ہیں
جو غم و غن سمجھے ہیں جانتے ہیں
لب نے سے سب سے کدہ ہیں
تب ہجر کی کاہشوں نے کئے ہیں

جدا پست سے استخوان کیسے کیسے

نسیم آج کیونکر نہوست دل خوش
خزان باغ سے بھاگتی ہو مشوش
اک سبز و چین کی خوش پر ہو دلکش
بہار گلستان کی آمد ہے آتش

نوشی پھرتے ہیں باغبان کیسے کیسے

ترجیع بند

دیو تابع ہوتے ہیں نفیر سے
پھنستے ہیں جن سحر کی تاثیر سے
مس کو کرتے ہیں طلا کسیر سے
جو کتا غافل نہیں تدبیر سے

آدمی مجبور ہے تقدیر سے
زعم تھا فرعون کو مین ہوں گرد کا
بارش باران ہوئی جب بے شمار
آبگینہ کا بن یا تھا حصار
قدرت حق سے ہوا وہ سنگسار

آدمی مجبور ہے تقدیر سے
وہ سلیمان جگے پریان بسین تھیں
اسم اعظم سے جہاں زیر ملکین
اہرمن جب لے گیا خاتم و ہین
بانو کن کے نیچے نہ ٹھہری پھر زمین

آدمی مجبور ہے تقدیر سے
وہ کلیم اللہ جو ہر صبح و شام
طو پر ہوتے تھے حق سے مکلام
کیا غضب تھا لن ترانی کا مقام
لے سکے پھر رب اُرنی کا نہ نام

آدمی مجبور ہے تقدیر سے
وہ امام و وہ جان حضرت حسین
فاطمہ کے اور علی کے نور عین
دودمان مصطفیٰ کے زیر زین
زیر خیمہ بس یہی کرتے تھے بین

آدمی مجبور ہے تقدیر سے
حق جو افلاطون حکیم فوفنون
ختم شدہ
چاہا حکمت سے مجسم پھر مین
ن

شہر چھوٹا وقف ہامون ہو گیا ناکہ اگر بخت واژون ہو گیا

آدمی مجبور ہے تقدیر سے

کوہ کن شیرین کا عاشق تیشہ گیر لے گیا ہفت اپیش خسرو سے نفیر
پیرزن کا حرف سنکر ناگزیر جان شیرین کھوئی لاکر جوئے شیر

آدمی مجبور ہے تقدیر سے

مین کہ ہوں گلزار معنی میں نسیم حرف میرے رکھتے ہیں گل کی نسیم
بیل آسا گوہر ارون ہیں فہیم ایک سے حاصل ہونے زرہ نسیم

آدمی مجبور ہے تقدیر سے

مخمس دیگر

لیتا جس کا نام تراوان نشان کہاں کیا آب تیری چاند کہاں رکتاں کہاں
دڑہ اور آفتاب کا مکن قرآن کہاں دل تو کہاں ہوش نامہ بان کہاں

نادان ہر زمین کہاں آسمان کہاں

اپنے ہی دن بے تھے تجھے کیا بھلا کہیں پھر اپنی ہی سمجھ کا رنڈ لکو کیا کہیں
سرکشگی کے شوق کا کیا ماجر کہیں اکہ کہیں کشت کہیں میکہ کہیں

اتیرے لیے خراب ہوے ہم کہاں کہاں

ایک داداہ فقط سو ہوا ہو گئی فہیم اکہ شہر خون جگر کھلے اوشیم
سم

قطعہ تاریخ طبع از شاعر شیرین مقال ناظم ناز کجیاں نشی بجلو اندیاں صاحب عاقل

ایجنٹ مطبع ہذا

| | |
|---|---|
| گلزارِ نسیم در لطافت عاقل گل سال عیسوی چید | گلستانہ گلشنِ طرب ہست باغِ شاداب این عجب ہست ۱۹۱۲ء |
| بلاشبہ گلزارِ نسیم است ز کلابِ شاخ گل عاقل بجمدی | تروتازہ عجب پر آب بانے رقم کردم چہ شاداب بانے ۱۳۳۳ھ |

ولہ

خاتمۃ الطبع مباحثہ گلزارِ نسیم
از فخر الاطبا ابوالمعالی ظہیر الدین حکیم سید حسن صاگریان زیدی لکھنوی

ہزار ہا شکر ہے اُس خدا کے لیے کہ جس نے انسان کو قوت گویائی عطا فرمائی کہ جو اسکے انہما فضل و کمال کا ذریعہ قرار پائی۔ بنا بر مذاق حکماء یہی قوت مابین انسان و دیگر حیوانات حد فاصل ہوئی گویا انسان جائہ انست میں اسی کے زیب دہن ہونے سے ہوا۔ محض عالم زمانہ کے طویل ہونے اور مخلوق کے کثیر ہونے سے جو ن جو ن سبب و کشادہ ہوتا گیا شعر و سخن، و فہم و ادب، و علم و فن، کہ ہر طرف ہر شخص پر فطرتاً ہی، قدر زیادہ متوجہ ہوتا گیا۔ عرب کے آخر زمانہ کی حال

کہ جو

کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ خداوند عالم کا خوان نعمت فصاحت و بلاغت عرب ہی کیلئے مخصوص نہ تھا بلکہ ہمارے ہندوین بھی ایسے ایسے شاعران نازک خیال شیریں مقال پیدا ہوئے کہ جھون نے اپنی خدا داد و ذہانت و ذکاوت سے ہمارے ہند کی زبان کو دوسری زبانوں کے مقابلہ میں دھن کی طرح سچ دیا۔ اور کلام میں ایسی ملاحیت و دلبری پیدا کی کہ بیاختہ دلدار کا گن سخن کی رال ٹپک پڑے۔ نہ معلوم لفظوں میں کچھ ایسی ادائیں پیدا ہوئیں کہ جو دلوں کا اپنا کیے لیتی ہیں کلمات ایسا چلتا ہوا جاوہر بن گئے کہ جو کبھی خطا ہی نہیں کرتا چنانچہ کتاب مباحثہ گلزار نسیم میں کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا کہ اسکے سلسلہ مضامین کے رد و رد و اچھی خاصی ہوتوں کی لڑی بھی مات ہے۔ ایسی ایسی دلربائیاں اور دلچسپیاں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہیں کہ اگر ہزار بار مرتبہ دیکھے تو تشکین و سیری نہ ہو بلکہ ہر مرتبہ شوق بڑھتا جا کر کہیں کہ اس کے مضامین کی آمد ہے کہ ایک موشلا دھار میندھ کی بوجھار یا یہ کیسے کہ ایک دیا اٹھا چلا آتا ہے۔ گویا وہ منظر کہ جنکو ابھرتی ہوئی نوجوان طبیعتیں ہر چار طرف ڈھونڈتی تھیں جن چن کر اس میں جمع کیے گئے ہیں۔ تصنیف مصنف کی بقدر حقیقت دلچسپی اور خوبی میں حصہ لیتی ہے اس میں جو کچھ بھی خوبیاں ہوں کم ہیں کیونکہ وہ کوئی شخص ہو گا کہ جو شاعر خوش مقال عظیم المثال پندت و دانشگر صاحب نسیم لکھنوی سے یا انکی شغوی موسوم بہ گلزار نسیم سے بچ ہو گا کہ جسکو اپنے بہت سا اپنا وقت عزیز صرف کر کے صرف پبلک کی دلچسپی اور تفریح طبع کی جہت سے قصہ کل بکا کوئی کو اس طرح سے نظم میں ادا فرمایا تھا کہ جسے حسن و خوبی کا تمام اہل ہند نے باتفاق اعتراف و اقرار کر لیا۔ اور یہ امر کیا اس کتاب کی بلندی قدر کے لیے کم ہے کہ شعرے نامدار اور مکتبہ چینان دیار و امصار نے گویا اس پر اعتراض کرنا اپنا فخر سمجھا ہے اسی وجہ سے کتاب مباحثہ گلزار نسیم کا مطالعہ علاوہ ان تمام خوبیوں کے پبلک کے لیے نور علی نور سے بھی بڑھکر سہ جلد لطف و نازک سے کہ ۱۱۰۰ سے کہ رحمان اور دلچسپیاں بخشنے کی دہان پر بطور اندک ہمارا

بیت بازی سید بازی

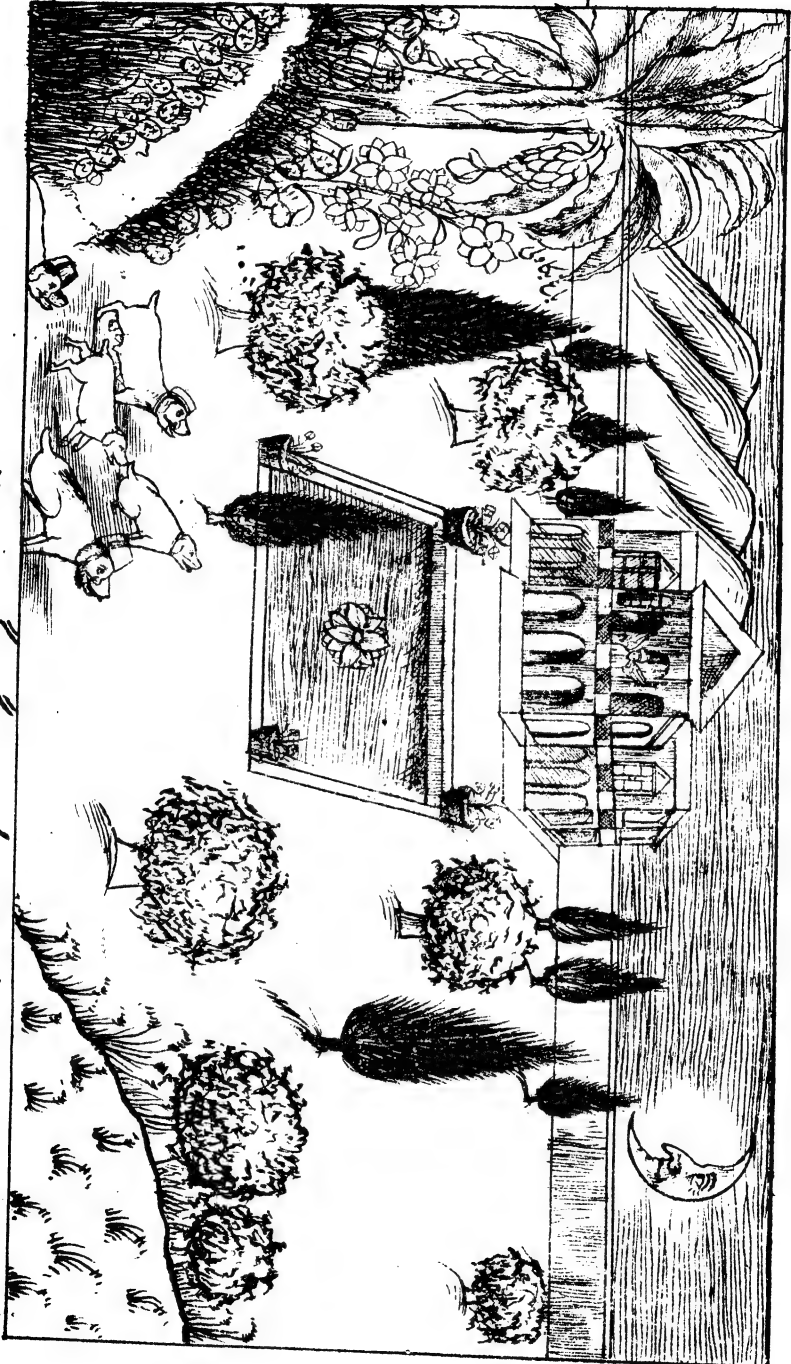


ٹینی مرغی کے خاکی انڈے



گلزار نسیم اور معتض



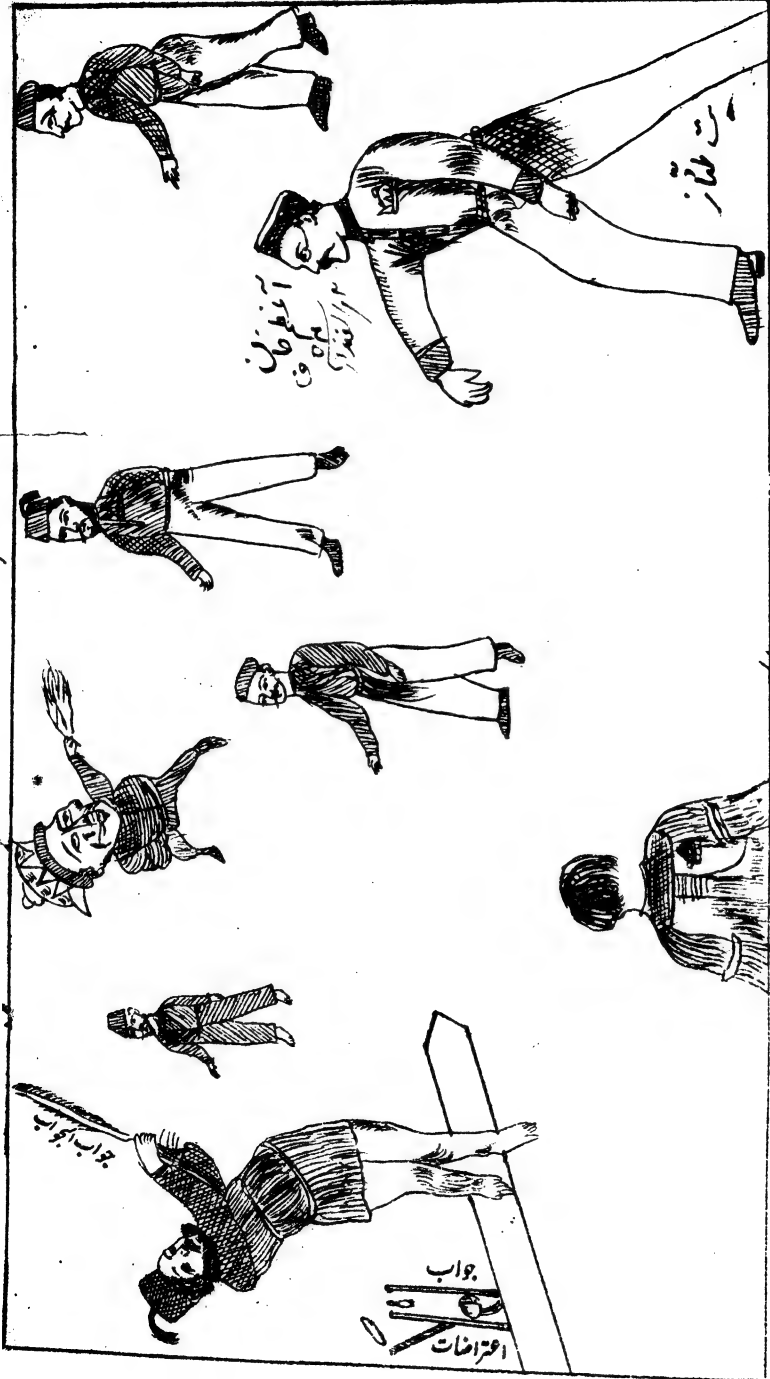






نگار

لکھنؤ اور کرسی کا علی ٹوڑا منٹ نمبر ۲



کھنڈ اور کرسی کا علمی اور نامنظربند

